پندرھویں صدی ہجری کے استقبال میں

مطلع انوار

تذکرہ شیعہ افاضل و علماء کبار برّصغیر پاک و ہند

از

حجّۃ الاسلام مولانا الحاج سیّد مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل

ناشر

خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر

۱۲/۱۰ اسی گلبرگ، فیڈرل بی ایریا۔ کراچی

مصنّف کی اشاعت طلب کتابیں

۱۔ التقبس — حدیث
۲۔ کتاب المومن طبع شدہ — حدیث — ۱۵/-
۳۔ تاریخ عزاداری
۴۔ ترجمہ اعیان الشیعہ — جلد اوّل
۵۔ علوم اسلام اور علماء شیعہ
۶۔ دفتر خطوط غالب
۷۔ مراثی دبیر — طبع شد قیمت ۷/۵
۸۔ غالب، نقد و سوانح
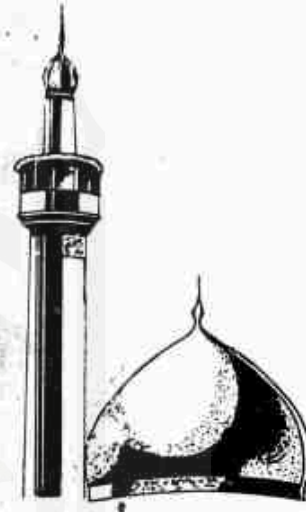
خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر کراچی کی مطبوعات

۱۔ قرآن اور زندگی۔ از پروفیسر کرار حسین صاحب
۲۔ ذکر حسینؑ۔ از پروفیسر کرار حسین صاحب
۳۔ کربلا شناسی۔ از پروفیسر سرور نقوی صاحب
۴۔ داستان حرم۔ از مولانا سید ضیاء الحسن موسوی مرحوم
۵۔ داستان حرم۔ (سندھی ترجمہ)
۶۔ معرفت الٰہی۔ از مولانا راحت حسین ناصری صاحب
۷۔ سوانح امام موسیٰ بن جعفر الکاظمؑ۔ از جناب احمد علی عابدی صاحب
۸۔ سیرۃ الامام علی بن موسیٰ الرضاؑ۔ از سید محسن ظفر نقوی
۹۔ رسولؐ اور اہلبیت رسولؐ (دو حصّے) از علی الجعفری صاحب مرحوم و سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی
۱۰۔ کارنامۂ غم۔ از جناب احسن مارہروی مرحوم
۱۱۔ مراثی رضا۔ از سید آل رضا

PUBLICATIONS OF KHORASAN ISLAMIC RESEARCH CENTRE

1. English translation of al-kafi

   Part 1. The Book of Reason and ignorance
   Part 2. The Book of Excellance of Knowledge
   Part 3. The Book of Unity

   Translated by
   SAYYID MUHAMMAD HASAN RIZAVI
   Deputy Director,
   KHORASAN ISLAMIC RESEARCH CENTRE

2. Some Aspects of Ibn-Khaldun's socio-politica Analysis of History – A critical appreciation. By : S.M.A. IMAM
3. Why Karbala? Articles on Karbala.
4. The Holy Prophet (P.U.H) and his Ahl-al-Bait, Vol. I By : Late Syed Ali al-Ja'fari, Maulana Murtaza Husain Fazil Lakhnawi.
5. Quran and Life. By Prof. Karrar Hussain Translated by: Maqbool H. Khan.

پندرھویں صدی ہجری کے استقبال میں

مطلع انوار

تذکرہ شیعہ افاضل و علماء کبار برِّ صغیر پاک و ہند

از

حجۃ الاسلام مولانا الحاج سیّد مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل

ناشر

خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر

۱۲/۱۰ اسی گلبرگ، فیڈرل بی ایریا۔ کراچی

سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

نام کتاب	"مطلع انوار"، تذکرہ شیعہ افاضل و علماء کبار پاک و ہند
مؤلف	سیّد مرتضیٰ حسین صدر الافاضل
کتابت	خاور بٹ
مطبع	رشید آرٹ پریس، لاہور
سال اشاعت	۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۱ء
تعداد	گیارہ سو
مہتمم	حاجی نذیر حسین
ناشر	خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر، کراچی
قیمت	[illegible] روپیہ
سنہری مجلد	[illegible] روپے

خاص بات

- کتاب دو سال تک کتابت شدہ حالت میں رکھی رہی اور اضافوں کی ضرورت پڑتی رہی۔ نتیجہ میں اضافہ و ترمیم نے ناموں میں کچھ تقدم و تاخر کر دیا۔ ناظرین کرام کی آسانی کے لیے فہرست میں باقاعدگی ملحوظ رکھی ہے۔
براہِ کرم فہرست ضرور ملاحظہ کریں جو آخر کتاب میں ہے۔
- جن علما کے حالات لکھے گئے ہیں ان کے سنہ ولادت و وفات کو سرنامے میں تحریر کر دیا ہے۔ فہرست میں نام اور سنہ وفات و صفحۂ تذکرہ کی نشان دہی ہے۔
- احوال کے ذیل میں مدارس، کتب خانے، اوقاف، قصبے، شہر، پریس، اخبار و رسائل پر بھی اجمال و تفصیل ملے گی۔
- حفاظِ قرآن و حدیث، عربی کے شعرا، اطبا و علما و قضاۃ اہل سنت کا تذکرہ بھی موجود ہے۔
- علماء عرب و عجم کے اسماء و سنہ وفات بھی لکھے ہیں۔
- کتاب کا پیش لفظ، مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ نے لکھا ہے جس میں برِ صغیر کے شہروں اور علاقوں کے مدارس اور دو سو سے زائد ان علما کی فہرست ہے جن سے مولانا نے ملاقات فرمائی۔ ص ۳ - ۱۰
- مقدمہ، سندھ، ملتان، کشمیر اور عام برِ صغیر میں تشیع کا مختصر خاکہ اور بعض اصحاب ائمہ ؑ کا تذکرہ جن کا تعلق برِ صغیر سے تھا۔ ص ۱۱ - ۱۹
- حرفِ آغاز، تذکرہ مصنفین و تصانیف، محرکین تالیف مطلع انوار، شیعہ ثقافت، درس نظامی، شیعہ وزرا و امرا و سلاطین کی تعلیمی قابلیت۔ ص ۲۰ - ۲۶
- فہرست شیعہ علما و افاضل (جن کے احوال درج ہیں) ص
- فہرست القاب و خطابات (کس لقب سے کون مراد ہے) ص
- فہرست مراجع و مصادر، کتب و اشخاص۔ ص
- فہرست اسماء شیعہ علماء عرب و عجم مع وفیات جن کا ضمناً ذکر ہوا ہے۔ ص
- فہرست اکابر فقہاء شیعہ در برِ صغیر مع وفیات۔ ص
- فہرست اسماء و وفیات علماء اہلِ سنت جن کا ضمناً تذکرہ موجود ہے۔ ص

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مرزا یوسف حسین صاحب

تاریخ ہی ایسا سدا بہار گلشن ہے جو سینکڑوں ہزاروں سال کے واقعات ہر دور کے حالات و کیفیات و مقصد حیاتِ اقوام عالم کی ترقی و تنزل اور اس کے کمال و زوال، اہل علم و دانش اور صاحبان عقل و ہنر کے کمالات ایجادات خدمات اور ان کی مادی و روحانی تحقیقات کو زندہ رکھنے اور حیاتِ ابدی بخشنے کا ضامن ہے۔ اس کا ہر حصہ آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ اور سبق آموز ہے۔

ایک جہاں گشت سیاح جو اپنی عمر کا سب سے بڑا حصہ ممالکِ عالم کی سیر و سیاحت میں گزارتا ہے۔ وہ اپنی محدود اور مختصر عمر میں اس قدر معلومات مہیا نہیں کر سکتا۔ جس قدر اسے تاریخ کے مطالعے سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس لیے کہ سیر و سیاحت زیادہ سے زیادہ موجودہ زمانہ کے حالات سے بہرہ ور کر سکتی ہے لیکن ماضی کے ادوار حال بن کر اس کے سامنے آجائیں اور انسان بیک وقت ان سے استفادہ کر سکے، ایسا نہیں ہو سکتا۔

ہمیں انبیأ و مرسلین کا تعارف ہوا تو تاریخ کے ذریعہ سردارِ دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی کا تعارف ہوا تو تاریخ کے ذریعہ، اسلام اور مسلمانوں کی عملی زندگی سے تعارف ہوا تو تاریخ کے ذریعہ آنحضرتؐ کے اہل بیتؑ اور ان کی پاکیزہ زندگی اور اعلیٰ تعلیمات کا علم ہوا تو تاریخ کے ذریعہ۔

یہی وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے اپنے اپنے دور میں سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی اشاعت کی قرآن مجید کے مفاہیم و مطالب سمجھائے۔ حقائق کے دروازے کھولے۔ علوم و معارف کے دریا بہائے اور خود اسلام کی مجسم تصویریں کر دین کی راہ کو روشن و منور کر دیا۔ اور وہ مشکل ترین عقدے جو کسی سے حل نہ ہو سکتے تھے انہیں حل کر کے علوم میں اپنی بے مثالی کا غیروں سے لوہا منوالیا۔ انہوں نے عام تعلیمات کے علاوہ اپنے ذہین اور پاک باز شاگرد تیار کئے جو اطراف و جوانب میں ان کے تعلیم کئے ہوئے علوم و احکام کی نشر و اشاعت کرتے رہے اور خدا کی آخری حجت حضرت ولی عصرؑ کی غیبت کا وقت آیا تو انھوں نے دین کی ذمہ داری لے لی۔ یہ علم پہلے ہی دیا جا چکا تھا، کہ ایسے حالات میں مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اُن کی آواز پر لبیک کہیں، جو ہمارے احادیث کے ذریعہ ہدایت کے فرائض انجام دیں۔

قدرت نے ان کے فیض علم سے ایسے ایسے جید علما پیدا کئے جو اپنے اپنے دَور میں ارشاد و ہدایت کا مینار ثابت ہوئے اور فلک شریعت پر ستارے بن کر چمکے جو اپنے علم و فضل و کمال و زہد و تقویٰ و صبر و قناعت اور جذبۂ قربانی میں اپنی مثال آپ تھے اور اس خطرناک دَور میں جب حکومت وقت کے نظریات اور عقائد کے خلاف قلم کو جنبش دینا اور مذہب اہل بیتؑ کا اظہار موت کو دعوت دینے کے

مترادف تھا۔ انھوں نے تعلیماتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اپنے قلم کے اس طرح محفوظ کر دیا جیسے کانٹوں میں پھول یا غلاف میں قرآن رکھا جاتا ہے۔ جیسے محمد بن یعقوب کلینیؒ شیخ مفیدؒ شیخ صدوقؒ شیخ طوسیؒ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور سید رضیؒ اور علامہ حلیؒ۔

ان میں سے ہر عالم علم و فضل کے اس بلند معیار پر فائز تھا کہ اس دور کے سینکڑوں علمأ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے فن صرف و نحو ادب معانی و بیان و عروض منطق و فلسفہ و ہیئات و تاریخ و حدیث و تفسیر و فقہ و اصول و کلام و مناظرہ و روایت و رجال وغیرہ میں۔ ایسی بلند پایہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ جو ملت کے لیے ستون کی حیثیت رکھتی ہیں نادر یہ عدیم المثال خدمات انھوں نے ایسے دور میں انجام دیئے ہیں۔ جب ذکر اہل بیتؑ پر قدغن تھی۔ نام لینے والوں کو دار چڑھایا جا رہا تھا۔ اس نازک دَور میں وہ قید خانوں میں رہ کر اپنے قلم سے جہاد کرتے رہے اور ایسے کئی [illegible] اسی جرم میں درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔ چنانچہ شہید اوّل اور شہید ثانی کے بعد شہید ثالث کا مزار آگرہ میں اور شہید رابع کا دہلی میں آج بھی ان کی مجاہدانہ کوششوں کا نشان ہے۔

شیخ طوسیؒ نے نجف میں مدرسہ قائم کیا اور اس وقت سے آج تک وہ سرزمین علم کا مرکز اور طالبان علم کا ملجأ و ماویٰ ہے۔ ساتھ ساتھ کربلائے معلیٰ کاظمین اور سامرہ بھی اس فیض سے محروم نہیں اور وہ بھی بڑے بڑے جید علماء کے مراکز رہے ہیں۔ اس طرح ایران میں قم سب سے بڑا علمی مرکز ہے۔ اگرچہ مشہد مقدس اور تہران اور ایران کے متعدد شہر اب بھی علوم کا مرکز ہیں۔ بلکہ تبت و کشمیر و افغانستان اور ہندوستان بھی ان کے فیوض سے محروم نہیں متحدہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مختلف طریقوں اور مختلف راستوں سے علم کا نور چمکا مگر اودھ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کا شہر لکھنؤ بالخصوص شاہانِ اودھ کی خصوصی توجہ کی وجہ سے علماء دین اور درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا مرکز قرار دیا گیا۔ اور علماء دین نے اس مخلصانہ توجہ اور انہماک سے تعلیم و تدریس تصنیف و تالیف اور دوسرے دینی خدمات انجام دیئے کہ ہندوستان کے ہر گوشے بلکہ تبت و کشمیر اور ایران و عراق سے طلباء آخری مدارج [illegible] اور کلام و مناظرہ میں مشق حاصل کرنے کے لیے لکھنؤ آ کر درس لیتے رہے ہیں۔ ان بزرگوں کے مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں کوئی چھوٹا بڑا شہر نہیں جہاں ایک یا ایک سے زائد مساجد امام باڑے اور مدارس دینی موجود نہ ہوں۔

لکھنؤ چونکہ علم و علماء کا سب سے بڑا مرکز رہا ہے وہاں [illegible] تقریباً آٹھ سو امام باڑے اور اس سے زائد مسجدیں موجود ہیں۔ جن میں احکام دین کی تبلیغ اور عزاداری کا اہتمام کیا جاتا ہے اور ایام عزا میں کوئی گھر ایسا نہیں جس میں عزاخانہ قائم نہ کیا جاتا ہو

ان مساجد اور عزا خانوں میں سب سے بڑا حسینیہ جس کی وسعت اور انجنیر جگہ کی نادرہ کاری کا اعلیٰ نمونہ مانا گیا ہے اس میں ایک مدت تک مدرسہ سلطان المدارس قائم رہا اور جب شیعہ اسکول اور شیعہ کالج قائم ہوا تو اس کے پھاٹک کے حجروں میں سما گیا۔

لکھنؤ میں گھر گھر اور محلے محلے علم کا چرچا تھا۔ مدرسوں کے علاوہ علما کی ڈیوڑھیوں پر جوق در جوق طلبہ آتے اور مختلف علوم و فنون کا درس لیتے اور ایسے بامِ کمال پر پہنچتے تھے کہ آج وہ کمال استادوں میں نہیں ملتے۔

انگریزی راج قائم ہوا تو لکھنؤ اُجڑ گیا، نئے افکار و خیالات نے رواج پایا تو اہل دل اُٹھے اور علما نے لوگوں کو جھنجھوڑا، آیۃ اللہ سید ابوالحسن صاحب قبلہ رضوی نے جناب ناظم صاحب کی کمک سے مشارع الشرائع مدرسۂ ناظمیہ قائم کیا، پھر دوسرا مدرسہ شاہی وقف اور نواب آغا ابو صاحب کی مدد سے سلطان المدارس جامعۂ سلطانیہ کا اجرا کیا۔ گذشتہ پچھتر سال سے ان مدرسوں کے طلباء و افاضل کے فیوض سے برصغیر میں دینی نشاط کی لہر دوڑی۔ جب قومی فنڈ سے شیعہ کالج کا قیام عمل میں آیا تو شیعہ عربی کالج سرکار ظہیر الملۃ مولانا سید ظہور حسین قبلہ کی صدارت میں قائم ہوا۔ اور وقف محمود آباد کی جانب سے سرکار نجم العلماء کی سرپرستی میں تبلیغ و اشاعتِ مذہب کے لیے مدرسۃ الواعظین کی بُنیاد رکھی گئی جس کے صدر مدرس شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ قرار پائے جس کے مبلغین نے پورے برصغیر بلکہ افریقہ میں بھی تبلیغ کو چار چاند لگا دے۔

لکھنؤ کے علاوہ اکثر شہروں میں اوقاف کی جانب سے کوئی نہ کوئی دینی مدرسہ قائم تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر طلبہ لکھنؤ آ کر اپنی تعلیم کی تکمیل کرتے تھے جیسے پٹنہ میں مدرسہ سلیمانیہ مبارکپور میں مدرسہ ایمانیہ اور مدرسۂ جوادیہ بنارس میں مدرسہ کھجوا ضلع سارن میں مدرسہ فیض آباد میں وثیقہ اسکول میرٹھ میں مدرسہ منصبیہ امروہہ میں مدرسۂ نور المدارس اور مدرسہ سید المدارس۔ نوگانواں سادات میں مدرسہ ملتان میں مدرسۂ باب العلوم نگیانہ میں مدرسۂ محمدیہ کا وجود عمل میں آیا۔ آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ اور شیعہ بیت المال قائم کیا گیا۔ اس کے بعد جھنگ میں بھی شیعہ یتیم خانہ پھر اس کے ساتھ شیعہ ہائی اسکول اور دینی تعلیم کے لیے جامعہ حسینیہ قائم کیا گیا۔

تقسیم ملک کے بعد اہل پاکستان ہندوستان کے مدارس سے محروم ہو گئے۔ اس لیے پاکستان میں موجود علماء کی کوشش سے یہاں مدارس کے قیام کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اس لیے پہلے جامعہ محمدیہ سرگودھا اور جامعہ امامیہ لاہور کا قیام عمل میں آیا۔ پھر مدرسہ مخزن العلوم ملتان، مدرسۂ باب النجف جاڑا ڈیرہ اسماعیل خان، جامعہ امامیہ مدرسۃ الواعظین کراچی، مدرسہ سلطان المدارس خیرپور، مدرسۂ مشارع العلوم حیدر آباد وجود میں آ گئے۔ اس طرح جامع المنتظر لاہور، مدرسۂ جعفریہ خوشاب، مدرسہ محمدیہ جوڑیوال، مدرسۂ فیض النجف پہی ضلع ڈیرہ غازیخان، مدرسہ باقریہ کوٹلہ جام ضلع میانوالی، مدرسہ رضویہ کروڑ لعل عیسن ضلع مظفر گڑھ، مدرسۂ زینبیہ علی پور گھلواں ضلع مظفر گڑھ

درس آل محمد لائل پور، مدرسہ سدھو پورہ ضلع لائل پور اور مدرسۂ جعفریہ نارنگ تحصیل چکوال۔ جامع الغدیر احمد پور جامع بسفیر اور بانی جامعۂ امامیہ کی طرف سے ابھی چار سال قبل مدرسۃ الواعظین لاہور جاری کیا گیا ہے اور مدرسہ اخوند گلگت قائم ہوا۔ مولانا شیخ حسن صاحب کے مساعی سے پہلے پہل بلتستان میں ایک مدرسہ قائم ہوا پھر رفتہ رفتہ ابتدائی تعلیم کے لیے ۲۵ مدرسے قائم ہو گئے جو علاقہ کے دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ وہاں کے مبلغین عنقریب تبلیغ کے لیے وطن سے نکلنے والے ہیں۔ اسلام آباد میں مدرسہ جامعۂ اہل بیت بھی قائم ہو گیا ہے۔ اس کی عمارت بھی ایک حد تک تعمیر ہو چکی ہے۔ کراچی میں جناب مرزا جلالی مہدی صاحب پوپا نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کے علاوہ رضویہ کالونی میں ایک اور مدرسہ کی شاندار عمارت زیر تعمیر ہے۔ پارا چنار کورم ایجنسی میں زیر سرپرستی مولانا سید بادشاہ حسین صاحب قبلہ مدرسہ قائم تھا۔ پھر توجہات تعمیر عمارت کی طرف مبذول ہو گئے۔ اب تک شاندار عمارت تعمیر ہو چکی ہے۔

برصغیر میں تدریس، تصنیف و تالیف اور تبلیغ کا جائزہ لینے کے لیے اور علماء کی سیرت و تاریخ کے مطالعے کی خاطر، بزرگانِ ملت کی خدمتوں کا حال اور ان کے مشکلات میں آزمائش، ان کے مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل مرتب کرنے کے لیے اس دور میں ایک جامع کتاب کی ضرورت تھی۔ جناب حجۃ الاسلام مولانا الحاج سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ نے "تذکرۂ علماء برصغیر" لکھ کر ایک عظیم خدمت انجام دی ہے۔ خدا موصوف کی اس سعی کو قبول فرمائے۔ میں نے اس کتاب کو پڑھا ہے اور اس محنت کا اندازہ لگایا ہے۔ جو صعوبتیں موصوف نے اس کتاب کی تالیف و ترتیب میں برداشت کی ہیں مولانا کی خواہش تھی کہ میں مقدمہ لکھوں اور ایک ایسی فہرست تیار کروں جس میں ان علماء کا تذکرہ ہو جن سے میری ملاقات ہوئی ہے اس لیے میری یہ تحریر دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک مقدمہ دوسرے فہرست علماء

علماءِ دین جن سے مُلاقات کی

علماءِ عراق : آیۃ اللہ آغا سید ابوالحسن اصفہانی مجتہد اعلم۔ آیۃ اللہ سرکار مرزا حسین نائینی۔ آیۃ اللہ آغا ضیاء عراقی۔ آیۃ اللہ شیخ جواد بلاغی۔ آیۃ اللہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطا۔

علماءِ لکھنؤ : باقر العلوم مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ۔ ناصر الملۃ مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ۔ نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ۔ ظہیر الملۃ مولانا سید ظہور حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ۔ قدوۃ العلماء مولانا سید آغا حسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ

مولانا سید محمد ہادی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ۔ مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ۔ مولانا مفتی سید محمد علی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ۔ مولانا مفتی سید احمد علی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ۔ شمس العلماء مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ۔ مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ، گولہ گنج محقق ہندی مولانا سید محمد حسین صاحب قبلہ رکاب گنج۔ مولانا سید محسن صاحب قبلہ ابن مولانا سید علی صاحب مرحوم۔ مولانا سید ابوالحسن صاحب عرف منن صاحب قبلہ مرحوم۔ مولانا سید محمد تقی صاحب قبلہ مرحوم۔ مولانا سید احمد صاحب قبلہ علامہ ہندی مولانا سید یوسف حسین صاحب قبلہ امروہہ۔ مولانا سید سبط نبی صاحب نوگانواں سادات۔ مولانا سید مجتبیٰ حسن صاحب نوگانواں سادات۔ مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ امروہہ۔ مولانا سید راحت حسین صاحب قبلہ گوپال پوری۔ مولانا سید راحت حسین صاحب قبلہ بھیک پوری۔ مولانا مرزا رضا علی صاحب قبلہ مناظر مرحوم۔ مولانا مرزا غلام رضا صاحب مرحوم۔ مولانا سید نادر حسین صاحب قبلہ مرحوم۔ مولانا سید چھپن صاحب قبلہ مرحوم۔ حکیم مرتضیٰ حسین صاحب مرحوم شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ مرحوم۔ مولانا سید محمد ہارون صاحب قبلہ مرحوم۔ مولانا سید محمد داؤد صاحب قبلہ مرحوم۔ مولانا سید محمد عوض صاحب قبلہ مرحوم۔ مولانا سید محمد رضا صاحب قبلہ مرحوم۔ مولانا سید عالم حسین صاحب قبلہ مرحوم۔ مولانا سید شبیر حسین صاحب قبلہ مرحوم۔ مولانا سید محمد سجاد صاحب قبلہ مرحوم بنارس۔ مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ عرف سید صاحب مرحوم۔ مولانا سید محمد صادق صاحب قبلہ گولہ گنج۔ مولانا نواب جان صاحب قبلہ مرحوم۔ مولانا ناظر حسین صاحب مرحوم رام پور۔ مولانا سید محمد سجاد صاحب عرف لڈن صاحب مناظر مرحوم۔ مولانا سید ابن حسن صاحب مرحوم۔ مولانا سید جعفر حسین صاحب مرحوم۔ مولانا سید وجاہت حسین صاحب مرحوم مفتی محمد حسین صاحب مرحوم مولانا سید کاظم حسین صاحب مرحوم۔ مولانا محمد جواد صاحب مرحوم۔ مولانا سید محمد مہدی صاحب جام۔ مولانا سید ہادی حسن صاحب مدرس مرحوم۔ مولانا سید احمد صاحب مرحوم۔ مولانا سید باقر حسین صاحب مرحوم۔ مولانا سید علی سجاد صاحب مرحوم پٹنہ۔ مولانا سید ناظر حسن صاحب۔ مولانا حکیم مظاہر حسن صاحب۔ مولانا سید علی حیدر صاحب مدیر اصلاح۔ ملا یوسف صاحب مرحوم۔ مولانا سید محمد حسین صاحب مرحوم۔ مولانا سید محمد صاحب امروہوی مرحوم۔ مولانا سید علی زہاد صاحب مرحوم مولانا شیخ ناظر حسین صاحب مرحوم۔ مولانا الحاج شیخ اعجاز حسن صاحب محمدی بدایونی مرحوم۔ مولانا نقا علی صاحب مرحوم مولانا مرزا عبدالحسین صاحب مرحوم والی محلہ۔ مولانا سید جعفر حسین صاحب ندوی مرحوم۔ مولانا سید محمد نواب صاحب ایم اے۔ مولانا سید کلب حسین صاحب مرحوم مولانا سید محمد صاحب عرف میرن صاحب مرحوم۔ مولانا شاہ عبدالحسین صاحب مرحوم۔ مولانا شاہ غلام حیدر صاحب مرحوم۔ مولانا سید علی صاحب واعظ مرحوم۔ مولانا سید زین العابدین صاحب مرحوم۔ خطیب اعظم مولانا سید محمد صاحب مرحوم۔ مولانا سید خورشید حسن صاحب مرحوم۔ مولانا سید محمد عید صاحب مرحوم۔ مولانا سید تہور علی صاحب مرحوم۔ مولانا حافظ کفایت حسین صاحب مرحوم

مولانا سید عدیل اختر صاحب مرحوم۔ مولانا سید ظفر مہدی صاحب عرف ابن صاحب گہر مرحوم۔ مولانا صفدر مرزا صاحب کاظمینی مرحوم۔ مولانا ڈاکٹر سید اعجاز حسین صاحب مرحوم۔ مولانا حکیم سید اقبال رضا صاحب مرحوم۔ مولانا سید افضال حسین صاحب مرحوم۔ مولانا حافظ سید ظفر عباس صاحب مرحوم۔ مولانا سید امین الحسن صاحب مرحوم۔ مولانا سید محمد صاحب گردیزی مرحوم۔ مولانا سید مظاہر حسین صاحب مرحوم۔ حکیم سید محمد تقی صاحب حکیم سید محمد رضی صاحب۔ مولانا سید محمد صاحب مرحوم مولانا مرزا ضامن حسین صاحب مرحوم۔ مولانا عبدالعلی خان صاحب۔ مولانا سید صغیر حسین صاحب مرحوم مولانا سید محمد حسین صاحب مرحوم مولانا مرزا محمد حسن صاحب مرحوم۔ مولانا باقر علی خان صاحب نجفی۔ مولانا صادق علی خان صاحب۔ مولانا سید ابن حسن صاحب جارچوی۔ مولانا رضا حسین رشید ترابی۔ مولانا سید محمد قنبر صاحب مرحوم۔ مولانا سید سرکار حسین۔ مولانا سید محمد عادل صاحب مرحوم۔ مولانا سید محمد حسین صاحب محلاتی۔ مولانا سید علی محمد صاحب اجلال۔ مولانا مرزا محمد اصغر صاحب مولانا ملا احمد حسین صاحب کاظمینی۔ مولانا سید وجیہ الحسن صاحب پاروی۔ مولانا سید ابرار حسین صاحب پاروی۔ مولانا سید فضل علی صاحب مرحوم۔ مولانا سید مسرور حسین صاحب مرحوم۔ مولانا سید مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری۔ مولانا سید محمد اصغر صاحب ادیب۔ مولانا سید محمد احمد صاحب سونی پتی۔ مولانا سید محمد سعید صاحب مرحوم۔ مولانا محسن نواب صاحب مرحوم۔ مولانا عزیز الحسنین صاحب مرحوم۔ مولانا سید حسنین صاحب مرحوم۔ مولانا سید خادم حسین صاحب۔ مولانا سید سبط محمد ہادی عرف کلن صاحب۔ مولانا سید اولاد حسین عرف للن صاحب مرحوم۔ مولانا سید سلطان حسین صاحب نجفی مرحوم۔ مولانا بنیاد علی صاحب مرحوم۔ مولانا سید محمد صاحب۔ مولانا سید علی صاحب لکھراؤں۔ مولانا سید محمد رضا صاحب مرحوم مولانا سید محمد موسیٰ صاحب فرزند مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم۔ مولانا حکیم سید اختر حسین صاحب۔ مولانا حکیم مظاہر حسین صاحب۔ مولانا منور علی صاحب مرحوم۔ مولانا سید اکبر عباس صاحب مرحوم۔ علامہ غلام حسنین صاحب کنتوری مولانا سید تصدق حسین صاحب۔ مولانا سید محمد عباس صاحب۔ مولانا سید مظفر حسین صاحب گولہ گنج۔ مولوی سید عالم صاحب مرحوم۔ حکیم احمد حسین صاحب مرحوم۔ حکیم منے آغا صاحب۔ حکیم ننھے آغا صاحب آفتاب۔ حکیم آغا صاحب فاضل۔ حکیم مظفر حسین صاحب حکیم صاحب عالم صاحب۔ حکیم محمد عباس صاحب مرحوم۔ مولانا سید قمر الزمان صاحب سابق پرنسپل جامعہ اسلامیہ لاہور۔

علماء بنگال: (۱) مولانا سید محمد حسین صاحب قبلہ مرحوم ساکن کجی گاؤں مدرس مدرسہ عالیہ ڈھاکہ والد مولانا سید گلشن علی صاحب۔ (۲) مولانا مفتی سید الطاف حسین صاحب امام جمعہ و جماعت مٹیا برج کلکتہ۔ (۳) مولوی محمد یوسف صاحب کشمیری لکھنوی مقیم کلکتہ۔

علماء پنجاب: (۱) علامہ سید علی حائری۔ (۲) مولانا سید حشمت علی صاحب قبلہ خیر اللہ پوری۔ (۳) مولانا سید سبطین صاحب قبلہ (۴) آغا سید شرف حسین شاہ صاحب مرحوم بھکر۔ (۵) مولانا سید احمد شاہ صاحب راولپنڈی۔ (۶) مولانا سید غلام علی شاہ صاحب جلالپور جٹاں۔

(۷) مولانا مرزا احمد علی صاحب ۔ (۸) مولانا سید طالب حسین صاحب چکڑالہ ۔ (۹) مولانا سید محمد باقر صاحب چکڑالہ
(۱۰) مولانا خادم علی خان صاحب بستی شادو خان ۔ (۱۱) مولانا سید محسن علی شاہ صاحب سبزواری
(۱۲) مولانا سید کرم حسین شاہ رضائی شاہ ، (۱۳) مولانا سید کرم حسین شاہ معشوق پوترہ لیہ ۔ (۱۴) مولانا فیض محمد خان
صاحب مناظر سکھیالہ جہلم ۔ (۱۵) مولانا قاضی محمد حسن شاہ ڈیرہ غازی خان ۔ (۱۶) مولانا سید امیر حسین شاہ گدائی
ڈیرہ غازیخان ۔ (۱۷) مولانا حافظ علی محمد کا چنڈ بھوانہ ۔ (۱۸) مولانا حکیم امیر الدین صاحب مصنف فلک النجاۃ چک جلال الدین
(۱۹) مولانا سہراب علی خان صاحب جہانیاں شاہ ۔ (۲۰) مولانا بخش صاحب انور جھنگ ۔ (۲۱) مولانا سید محبوب شاہ
صاحب خوشاب ۔ (۲۲) مولانا سید نذیر احمد (۲۳) مولانا ہدایت حسین صاحب کوٹ ادو (۲۴) مولانا محمد اسمٰعیل
صاحب دیوبندی لائل پور ۔ (۲۵) مولانا امیر محمد صاحب تونسوی دائرہ دین پناہ ۔ (۲۶) مولانا سید محمد امین شاہ صاحب
شیرازی عباس پور ۔ (۲۷) مولانا سید حسین شاہ صاحب قتال پور (۲۸) مولانا سید فضل حسین شاہ صاحب شیرازی
احمد آباد جہلم ۔ (۲۹) مولانا سید امداد حسین صاحب کاظمی گجرات ۔ (۳۰) مولانا شاہنواز صاحب جھنگ گراہیلانوالی ہیس
(۳۱) مولانا محمد سعید صاحب مظفر گڑھ ۔ (۳۲) مولانا سید محمد حسین صاحب کروڑ لال عیسن مظفر گڑھ ۔ (۳۳) مولانا
سید محسن علی شاہ صاحب چھینا ضلع میانوالی ۔

علماء صوبہ سرحد و بلوچستان :

(۱) مولانا آغا سید عبدالحسین صاحب شلوزان
(۲) مولانا محمد حسن صاحب ٹلنے پاری ڈیرہ اسماعیل خان
(۳) مولانا سید محمد عباس صاحب شلوزان ۔ (۴) طوطی میاں استرزئی بالا یاں کوہاٹ ۔ (۵) مولانا مفتی سید
خادم حسین شاہ صاحب ڈیرہ اسماعیل خان ۔ (۶) مولانا سید زین العابدین صاحب ڈیرہ اسماعیل خان ۔
(۷) مولانا عبدالعلی خان صاحب ڈیرہ اسماعیل خان ۔ (۸) مولانا محمد نذر صاحب اجتہادی ، کرمٹہ ۔

علماء کشمیر و تبت :

(۱) مولانا محمد جواد صاحب مرحوم ۔ (۲) مولانا سید احمد شاہ صاحب مرحوم جڈی بل ۔ (۳) مولانا شیخ علی صاحب بڈی بل ۔
(۴) مولانا شیخ ہادی صاحب جڈی بل ۔ (۵) مولانا شیخ مہدی صاحب جڈی بل ۔ (۶) مولانا آغا مہدی شاہ
گبا اسکردو ۔ (۷) مولانا آغا سید علی صاحب کرس ۔ (۸) حاجی غلام حیدر صاحب میر واعظ کرگل (۹) آغا سید محمد عباس شیخ
کھرمنگ ۔ (۱۰) آغا سید صاحب مالیرو ۔ (۱۱) آغا سید محمد کھرمنگ (۱۲) شیخ ہادی صاحب کارڈونگ
(۱۳) آغا سید تقی چھوزن ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوٰة والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی ائمة المعصومین ۔
اللھم عجل ظھور حجة بن الحسن ارواحنا له الفداء ولی عصرنا وامام زماننا الذی بیدہ زمام الامة ۔

شیعہ ، دوست دار حضرت علی علیہ السلام کو کہا جاتا ہے ۔ یہ لوگ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علیؑ اور ان کے گیارہ جانشینوں کو امام مانتے اور ان کے احکام پر عمل کرتے ہیں ۔ شیعوں کے عقیدے میں امام ، اللہ اور رسول کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں اور بارہ امام ترجمانِ سنت و احکام خدا و رسولؐ ، معصوم ، افضلِ امت اور دنیا میں سب سے بڑے عالم تھے ۔ ہر امام کی بات حدیث رسول اور ہر امام کا حکم حکمِ خدا و رسول کا ترجمان ہے ۔

عہد سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صحابہ عام طور سے حضرت علی علیہ السلام کو محبوب و قائد جانتے تھے ، لیکن حضور ختمی مرتبتؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی حضرت علیؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہوئے ، لوگوں نے آپ کی مصروفیت اور جلسے میں غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر ایک بزرگ کو خلیفہ بنا لیا ، اور اپنے مخالفین کے لیے وہ کیا جو عموماً برسرِ اقتدار آنے والی پارٹی کیا کرتی ہے ۔ عوام ، حکومت کی قوت کا کچھ دیر تو مقابلہ کر لیتے ہیں مگر تھوڑے سے مضبوط ارادہ اور نظریے کے سخت حامیوں کے سوا آہستہ آہستہ لوگ خاموش ، پھر حکومت کے ہمنوا بن جاتے ہیں ۔

حضرت علی علیہ السلام کے دوستدار ، شیعہ اور جاں نثار حضرات میں سینکڑوں سے زیادہ اکابر اصحاب تھے ، لیکن ان میں سربرآوردہ حضرات جو حضرت علیؑ کی حمایت میں سرگرم عمل رہے ، ان کے نام ہیں : سلمان فارسیؓ ، ابوذر غفاریؓ ، مقداد ، عمار یاسر ، مالک اشتر ، محمد بن ابی بکر ، حجر بن عدی ، جابر بن عبد اللہ انصاری ، ابو ایوب انصاریؓ ، خزیمہ بن ثابت ذو الشہادتین ، قیس بن سعد بن عبادہ رضوان اللہ علیہم جیسے حضرات ۔

حکومت مدینہ دن بدن مضبوط ہوتی گئی اور حضرت علیؑ اپنے حامیوں کے ساتھ خاموش اور پُر امن منصوبے کے ماتحت اسلام اور مسلمانوں کی وہ خدمت انجام دیتے رہے جو بحیثیت جانشین رسولؐ ان پر فرض تھی ان کے مخالفین نے طرح طرح کی سختیاں کیں لیکن امیر المومنین نے وحدتِ اسلام اور باہمی خون خرابے کے

ذریعے دین کو نقصان سے بچانے کے لیے کوئی ایسا قدم نہ اُٹھایا جس سے ملت کا شیرازہ بکھرتا۔ انھوں نے کہا کہ جو میں کہتا ہوں وہ پوری واقفیت اور کمال علم کے ساتھ کہتا ہوں۔ یہی بات رسول اللہؐ نے کہی تھی، میرا عمل سرکارِ رسالت کا عمل ہے۔ روزِ ولادت سے ان کے ساتھ رہا، روزِ آخر حضورؐ نے میری آغوش میں آنکھیں بند کیں۔ مسلمان اس دعوے کو رد نہیں کر سکتے تھے مگر ان کے اقتدار سے خوف زدہ تھے۔ اسلامی فتوحات کا دائرہ بڑھا اور مدینہ دولت و فوجی قوت سے لبریز ہوا تو لوگ باہر نکلے، اسلام کے پُرانے دشمن خصوصاً بنی اُمیہ کے سیاسی اور بہانہ طلب افراد بھی اُبھرے اور آہستہ آہستہ حکومت میں حصّہ لینے لگے، آخرکار ان کے خاندان نے مرکز پر قبضہ کر لیا۔ ابوسفیان اور اس کا خاندان' بنی اُمیہ اور ان کے طرفدار حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں مارے ہوئے اموی کفار و مشرکین کا خون بہا اور انتقام لینے کی فکر میں تھے ہی اب انہیں موقع مل گیا۔ وہ شام اور حجاز میں برسرِ اقتدار تھے۔

اب جو بنی اُمیہ نے دولت کی مدد سے پروپیگنڈہ شروع کیا تو صورتِ حال اور خراب ہو گئی۔ علیؑ اور ہمدردانِ حضرت علیؑ کے خلاف بہتان و افترا پردازی کا طوفان اُٹھنے لگا۔ اتنے میں خلیفہ کے خلاف ہنگامہ اُٹھ کھڑا ہوا اور ان کے قتل کا مرحلہ آ گیا، حضرت عثمانؓ کے قتل سے عرب عوام اور مکّی و مدنی مسلمان، صحابہ اور تابعین سب کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے حضرت علیؑ کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنا چھنا ہوا حق قبول کریں اور تختِ حکومت پر جلوہ فرما ہوں۔ یہ سب عرب سربراہ تھے اور مدنی صحابہ اور محترم مسلمان' حضرت علیؑ نے سب کو صورتِ حال سمجھائی مگر لوگ اپنی پچھلی غلطیوں کے ردِّ عمل میں کچھ ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے اور حضرت علیؑ نے تخت و تاج قبول فرمایا۔ نہج البلاغہ میں حضرت نے اس کی وجہ بتائی کہ اگر اللہ نے علما سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ وہ ظالم کے ظلم اور بھوکے کی گرسنگی پر خاموش نہ رہیں تو میں ناقۂ حکومت کی باگ ڈور پہلے کی طرح اسی کی پیٹھ پر ڈال دیتا۔

گزشتہ برسوں میں جب حکومت نے علانیہ سنتِ رسولؐ اور احکامِ قرآن کے خلاف دولت کی پوجا اور نااہلوں کی بالادستی قائم کر رکھی تھی تو حضرت علیؑ نیز ان کے ساتھی: (ان شیعوں میں حضرت ابوذر غفاریؓ نے تقریروں کے ذریعے حکومت کے رویّے کو غلط قرار دیا، اور لوگوں کو تعلیماتِ اسلام کی طرف لوٹایا، ابوذر رحمۃ اللہ علیہ اس عمل کی پاداش میں ملزم قرار دیے گئے۔ انھیں مدینے سے شام جلاوطن کیا گیا، وہ شام کی پہاڑیوں میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور مشرف بہ اسلام کرتے رہے۔ انھوں نے لبنان کی پہاڑی بستیوں کو مسلمان کیا جو اب تک اپنے شیعہ ہونے پر فخر کرتے ہیں اور حضرت ابوذر کو اپنا محسن مانتے ہیں۔

یمن' خود حضرت امیرالمومنین کے دستِ مبارک پر اسلام لا چکا تھا۔ یمنی قبائل صفین میں حضرت کے ساتھ

تھے۔ اسی زمانے میں حضرت کو بصرے اور کوفے جانا پڑا تو کوفہ فوجی شہر ہونے کے باوجود حضرت علیؑ کی تعلیم سے متاثر ہوا اور دیکھتے دیکھتے اس شہر میں جاں نثار شیعوں کی ایک نمایاں تعداد سامنے آئی۔ شام کی حکومت نے دولت اور پروپیگنڈے، طاقت اور ظلم سے شیعوں کو کچل دیا۔ اس کے باوجود اسے شیعہ شہر کہا جانے لگا۔ حضرت کے بعد یہ اثر کچھ اور گہرے ہوئے اور امام حسینؑ کی شہادت کے بعد پورے عراق و حجاز میں یزید کے خلاف شدید نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ مکۂ مکرمہ و مدینۂ منورہ میں شیعوں کو بڑی تقویت ملی ادھر کوفے میں ظلم و ستم کے پہاڑ تلے دبے ہوئے عوام اُٹھ کھڑے ہوئے ان کے سردار حضرت مختار ثقفی طائفی تھے۔ مختار معزز گھرانے کے فرد اور طائف کے رئیس تھے وہ بہت عرصے تک مدینے میں رہے اور حالات کا جائزہ لے کر کوفے گئے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ خاموشی اور صبر و اخلاق دامن سے کچھ نہیں ہوتا، اس صورتِ حال کا علاج یہ ہے کہ اہلِ بیت کے مخالفین کو اُڑا دیا جائے۔ دشمن ایک ایک، دو دو، دس دس، بیس بیس شیعوں کو مارتے ہیں۔ اب ہم براہِ راست حکومتِ دمشق ہی کو ختم کر کے دم لیں۔ یہ تحریک بھی عرب تحریک تھی اور صحابہ و تابعین کی سربراہی میں بروئے کار آئی، مختار نے کوفہ فتح کیا اور اہلِ بیت کی امامت و حمایت کا اعلان عام ہو گیا۔ رمضان ۶۷ھ / اپریل ۶۸۷ء کو مختار قتل کر دیے گئے۔ تھوڑی دیر کے لیے حامیانِ اہلِ بیت کی حکومت نے حوصلے بلند کر دیے اور بنی امیہ کی حکومت کو دھچکا لگا۔ طرفدارانِ اہلِ بیت مشکلات کا مقابلہ کرتے کرتے پھر شمشیر بکف ہوئے، اب کی مرتبہ امام زین العابدین علیہ السلام کے فرزند جناب زید میدان میں آئے یہ ۱۲۱ھ کی بات ہے۔ جناب زید کی شہادت کے بعد سادات اور شیعہ شدید مصائب سے دوچار ہوئے، جلاوطنی، کردارکشی اور قتل جیسے مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ ہوتا رہا۔

۱۲۵ھ میں جناب زید کے فرزند یحییٰ نے جنگ کی اور ولید بن عبدالملک نے ان کو بھی شہید کروا دیا۔ یحییٰ کے بھائی عیسیٰ بھی ظلم کے خلاف اپنے شہید باپ اور بھائی کی نہج کی علامت ماننے گئے" انھیں بھی خون کے گھاٹ سے گذرنا پڑا، آئمۂ اہلِ بیت اور ان کی اولاد پر ہونے والی سختیوں کے نتیجے میں، شیعہ جلاوطنی کی وجہ سے دُور دراز علاقوں میں پہنچ گئے، اسی کے ساتھ ساتھ ان کے دشمنوں کا پروپیگنڈہ بھی تعاقب کرتا پہنچا۔ تحریکِ حمایتِ اہلِ بیت بڑھتی گئی اور اس میں عرب کے ساتھ عجم بھی شریک ہو گئے۔ دوسری صدی کی پہلی چوتھائی ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ بنی اُمیہ کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور فضا میں یہ گونج سنی گئی:

إن كان رفضاً حب آل محمد فليشهد الثقلان أني رافضي

اگر آلِ محمدؐ سے محبت کا نام رفض ہے تو ثقلین گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

بنی اُمیہ کے خلاف جو نعرے قوم کو دیے گئے تھے ان میں سے ایک نعرہ تھا کہ "انھوں نے امام حسینؑ کو شہید کیا۔ ہم ان سے بدلہ لیں گے" دوسرا نعرہ یہ تھا کہ "علیؑ حق پر تھے، ان کی اولاد امام ہے وہی خلافت کی

حق دار ہے۔

امام زین العابدین اور امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادق علیہم السلام ان تحریکوں کے سامنے تھے، عوام ان کی طرف بڑھے مگر انھوں نے حالات کا رُخ دیکھا۔ وہ پُرامن طور پر تعلیمات اسلامی اور تعمیر سیرت و کردار کو اہمیت دیتے رہے تھے۔ اس کے مقابلے میں ا ہمت جوشیلے لوگوں کے مطالبے کے سامنے جھکنے والے افراد، اپنے بزرگوں اور عزیزوں کے خون کی حفاظت یا ملک و ملت کی قیادت کے جذبے سے سرشار سادات موجود تھے۔ بہانہ طلب لیڈر اپنا کام چلانے کے لیے ایسے جوشیلی طبیعت کے جوان ڈھونڈھتے رہتے ہیں، چنانچہ ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس اٹھے اور عبدالرحمٰن بن محمد یعنے ابومسلم خراسانی نے ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے دورے شروع کر دیے۔ ابومسلم کہتا تھا کہ حضرت علیؑ کے بعد امام برحق محمد حنفیہؓ تھے پھر ان کے فرزند ابو ہاشم، ابو ہاشم نے اپنے بعد محمد بن علی بن عبداللہ ابن عباس کو امام نامزد کیا ہے۔ تم بھی ان کے پرچم تلے جمع ہو جاؤ، ابومسلم نے یہ رویہ کیوں اختیار کیا! شاید وہ امام زین العابدین و امام محمد باقر علیہما السلام کے طریق کار کے مقابلے میں کسی لیڈر کی تلاش میں تھا اس نے سوچا کہ اولاد علیؑ میں اولادِ حسنینؑ ہی پر کیوں اکتفا کی جائے ایک نئی شخصیت کیوں نہ تلاش کریں۔ محمد اور ان کے بیٹے ابراہیم عباسی میں خوبی یہ ہے کہ انھیں سلطنت کا شوق ہے۔ ان کے ساتھ اولاد عباس اور بنی ہاشم ہو جائیں گے، رہے عوام تو ان کے لیے اس نے حضرت علیؑ کے ایک اور فرزند محمد حنفیہ اور ان کی اولاد کے نام سے سہارا لیا۔ ابومسلم نے بڑے بڑے دورے کیے اور ایران و عراق و شام میں تحریک کو مضبوط کیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ النفس الزکیہ محمد بن عبداللہ حسنی، ان کے بیٹے ابراہیم قتیل باخمریٰ اور عبداللہ بن جعفر ابن ابی طالب کے پوتے عبداللہ بن معاویہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے (فخری)

اہل بیت کی حمایت کا جذبہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ بنی امیہ کا راج پاٹ تباہ ہو گیا۔ بنی اُمیہ کے خاتمے کے ساتھ ہی ملک کے حالات ایسے رُخ پر آ گئے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام جس کی طرف مسلسل توجہ دلاتے رہے تھے۔ وہی ہوا یعنی تخت و تاج نفس زکیہ محمد بن عبداللہ حسنی کے بجائے سفاح کے ہاتھ آ گیا۔ ۱۳۲ھ ۷۴۹ء میں بنی عباس نے حکومت قائم کر لی۔ سفاح، پھر منصور نے وہی پالیسی اختیار کی جو بنی امیہ نے وضع کی تھی کہ علیؑ و اولادِ علیؑ کا نام و نشان مٹا دو۔ اب پھر سید اور شیعہ جلا وطنی و قتل سے دوچار تھے۔ اس کے باوجود ان کے جذبے جوان اور ہمتیں بلند رہیں۔

امام حسنؑ کے ایک پوتے نے منصور سے کہا: "خلیفہ میں اپنی گرفتاری پیش کرنے آیا ہوں، منصور نے پوچھا کیوں؟ کہا: میں اپنے اہلِ خاندان کی قید کے بعد دنیا کی صورت دیکھنے کو تیار نہیں۔

اسی طرح الدیباج الاصغر محمد بن ابراہیم حسنی کو منصور نے بلایا۔ کچھ سوال و جواب کے بعد حکم دیا کہ اس سید

کو ایک ستون میں کھڑا کر کے اینٹیں چن دو اور وہ سید زندہ ستون میں بند کر دیا گیا۔ (الفخری ۱۱۹، طبع مصر ۱۹۲۷ء)

امام زین العابدینؑ سے امام موسےٰ کاظمؑ تک ہمارے آئمہ کسی انقلابی تحریک میں شریک نہیں ہوئے۔ مگر ان کی خاموش تبلیغ اور بے داغ کردار نے لوگوں کے دل موہ لیے تھے۔ وہ خالص اسلام کا تعارف کراتے رہے اور لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکام پہنچاتے رہے اور حکومتیں سب کچھ کرنے کے بعد بھی ان کا اثر اور ان کے شیعوں کو ختم کرنے میں ناکام ہو گئیں۔ مامون نے مجبور ہو کر امام رضا علیہ السلام کی شاہی مان لی اور خفیہ طریقے پر زہر دے دیا۔ اس جدوجہد میں سادات و شیعہ کمزور ہونے کے باوجود مدینے سے یمن و حبشہ، مصر و شام و خراسان و ترکیہ و ہند و سندھ و کشمیر و دکن جیسے دور دراز نقطوں پر پہنچے اور طبرستان، بغداد، اور مصر میں حکومتیں قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

مصر میں اولاد حضرت علیؑ کی حکومت دنیا کی عظیم شہنشاہیوں میں شمار ہوتی ہے۔ ۱۶۹ھ/۷۸۶ء میں حسین بن علی بن حسن مثلث نے مکۂ مکرمہ میں بنی عباس سے ٹکر لی اور "فخ" (قریب مکہ) شہادت پائی تو ان کے عزیز ادریس بن عبداللہ بن عبداللہ بن حسن جان بچا کر مصر چلے گئے اور مصر سے المغرب پہنچے جہاں بربر قبیلے نے ۱۷۲ھ/۷۸۸ء میں ان کو اپنا امام تسلیم کر لیا، یہی ادریس تھے جن کا خاندان افریقہ میں اسلام کے پھیلاؤ کا ذریعہ بنا۔ اسی سلسلے کے معز لدین اللہ الفاطمی نے ۱۷ شعبان ۳۵۸ھ/ ۹۶۹ء کو مصر فتح کیا۔ فاطمی خاندان اپنے خاص عقائد امامت و محبت علیؑ و اولاد علی علیہم السلام کا پرچار کرتا رہا۔ اس کی حکومت مصر، اندلس، شام اور خلیج فارس تک پھیلی پھر عرب کا ایک تخریب کار گروہ قرامطہ کے نام سے اٹھ کر حجاز سے سندھ تک چھا گیا، اور ملتان میں ایک عرصے تک برسرِ اقتدار رہا، ان کے قافلے اور فوجی دستے حرمین سے یمن، بحرین، عمان اور مسقط ہوتے ہوئے دیبل تک آزادی سے آتے جاتے اور تخریب کاری کرتے رہے۔

سندھ سے عربوں کے تجارتی روابط بہت پرانے ہیں۔ اسلام آیا تو سندھ کی ریاستوں کو اس کی خبر تھی، حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے مکران سے سندھ اور قیقان میں فوجی کامیابیاں حاصل کیں۔ ۳۸ھ اور ۳۹ھ کے درمیان حضرت علیؑ کے فوجی افسروں نے اپنے امام کا تذکرہ کیا۔ اس طرح عہدِ علوی میں قلات، مکران، کابل اور سندھ میں آپ کے شیعہ پہنچے، افغانستان کے بعض علاقوں میں آپ کا طرفدار خاندان آل شنسب حکمران ہوا (تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۹۴)

محمد اسحاق بھٹی صاحب کے بقول عہدِ علوی میں پانچ صحابی و تابعی برصغیر میں آئے:

خریت بن راشد ناجی سامی (مکران میں)

عبداللہ بن سوید تمیمی شقری (سندھ میں)

کلیب بن ابو وائل صحابی یا تابعی (سندھ میں)
تاعر بن دعمہ (سندھ میں)
حارث بن مرہ تابعی (سندھ میں)
(فقہائے ہند ج ۱، ص ۱۲)

اس کے بعد سندھ میں شیعوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان لوگوں نے جو بہت تھوڑے عرصے رہے۔ کچھ نہ کچھ تذکرے بطور یادگار چھوڑے۔ ان میں سے اکا دکا افراد کوفہ و مدینہ پہنچے۔ اس طرح سندھ میں شیعوں کی آمد و رفت بڑھتی گئی اور سندھ میں "علی علی" ہونے لگا۔

ابن اثیر نے ۱۵۱ھ میں منصور کے گورنر عمر بن حفص کو شیعہ بتایا ہے اور کہا ہے کہ سید محمد و ابراہیم فرزندان عبداللہ الاشتر اس کے پاس سندھ آئے تھے لیکن وہ سندھ میں مارے گئے۔ اس کے بعد انساب کی کتابوں میں ان سادات کے نام آتے ہیں جو ملتان اور سندھ میں آئے۔ پانچویں صدی ہجری کے عالم انساب سید ابو اسماعیل ابراہیم بن ناصر ابن طباطبائی نے "منتقلة الطالبیہ" میں لکھا ہے:

سندھ میں آنے والے سادات میں اولاد امام حسن زید بن حسن اور قاسم بن حسن بن زید بن حسن۔ اولاد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حسن بن عبدالرحمٰن۔ عمر الاطرف کی اولاد میں، عبداللہ بن محمد بن عمر الاطرف۔ اسماعیل بن جعفر الملتانی ابن محمد بن عمر الاطرف۔ عبدالجبار بن جعفر الملتانی، عبدالعظیم بن جعفر الملتانی اور ان کے بھائی مکران میں محمد حنفیہ کی اولاد آئی۔ ملتان میں حسن بن علیؑ، زید بن حسن، قاسم بن حسن بن حسینؑ کے حوالے سے چار سلسلوں کا تذکرہ موجود ہے۔

یہ سید اپنے خاندان کے تعلیمات لے کر آگئے، مگر ان کا مرکز سے سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔ ۱۵۰ھ کے بعد آئمہ اہل بیت بھی مستقل طور پر مدینے میں رہنے سے محروم کر دیے گئے۔ امام موسیٰ کاظمؑ بغداد میں، امام رضا علیہ السلام مشہد میں، امام محمد تقی بغداد میں، امام علی نقی و امام حسن عسکری سامرے میں لائے گئے۔ اس نقل و انتقال سے مرکز کمزور ہوا اور طالع آزماؤں کو آئمہ کی مقبولیت سے فائدہ اٹھانے کی سوجھی۔ لوگوں نے جہاں حضرت زید کی مقبولیت اور محبت دیکھی وہاں "زیدی" مذہب کے نام سے تحریک چلا دی اور جہاں امام جعفر صادق علیہ السلام کا اثر و اقتدار زیادہ پایا۔ وہاں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بجائے ان کے دوسرے مرحوم فرزند جناب اسماعیل کے نام سے مہم شروع کر دی۔

مذہبی مبلغین داعی و معلم بن کر دنیائے اسلام میں پھیل گئے۔ ان لوگوں نے عوامی سطح پر لوگوں کے ذہن ہموار کیے۔ لشکر کشی کے نتیجوں میں حکومت اور تبلیغ کے نتیجے میں مذہب کو فروغ ہوا۔ زیدی اور اسماعیلی، اثنا عشری شیعوں

سے مختلف ہونے کے باوجود محبت علی و اولاد علی علیہم السلام ہیں، عقیدۂ امامت اور سلسلہ روایت میں شیعوں سے قریب تر تھے اس لیے انھیں شیعہ کہا گیا۔ محمود غزنوی اور خلفائے بنی عباس ان کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے خوف زدہ ہوئے اس لیے جنگ چھیڑ دی، سب ریاستیں ان کے خلاف ہو گئیں اور کچھ دنوں کے اندر اندر ملتان اور سندھ کابل و ہرات وغیرہ سے اسماعیلیوں کو یا نکال دیا یا بے اثر کر دیا گیا۔ اس شکست سے علاوہ کتب خانوں اور ثقافتی آثار کو تباہی سے دوچار ہونا پڑا۔

خاندان غلامان و سلاطین خلجی کے زمانے میں دہلی کے اندر ایک محلہ علویہ کے نام سے آباد تھا اور ملک کے گوشوں میں شیعہ رہتے تھے۔ فیروز شاہ تغلق نے ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۴ء کے بعد اپنے فتوحات میں خود لکھا:

"شیعہ مذہب کے لوگ جنھیں رافضی کہتے ہیں:
... ... زیادہ سے زیادہ لوگوں کو سزا دی
اور کچھ کو تنبیہہ و تہدید و تشہیر۔ ان کی کتابیں سر بازار
جلوا دیں۔ آخر کار اس گروہ کا شر بعنایت ربانی مکمل
طور پر ختم ہو گیا۔" (ص ۶، فتوحات فیروز شاہی، علی گڑھ ۱۹۵۴ء)

اسی زمانے میں ابن بطوطہ وارد ہند ہوا، وہ کہتا ہے کہ بحرین میں شیعہ تقیہ نہیں کرتے، لیکن سندھ کے شیعوں کا حال اسے معلوم نہیں ہو سکا یا ایسے خاص حالات نظر آئے جنھیں وہ قلمبند کرتا، در اصل سیاسی طاقت متعصب اشاعرہ و احناف کے ہاتھ میں تھی اور خراسان و ترکستان و سندھ پر سخت مزاج ترک اور پٹھان حکمران تھے۔ مغلوں کے زمانے میں شیعہ امرا سندھ میں رہے جن کے آثار باقی ہیں۔ مغلوں کے بعد خیرپور کی شیعہ ریاست قائم ہوئی جو ۱۹۵۰ء میں ختم ہوئی۔

آٹھویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے، ترکان عثمانیہ کے خلاف ایک اور طاقت نے سر اٹھایا، یہ طاقت صفی الدین اردبیلی کی سربراہی میں ابھری اور مکمل طور پر تشیع خیز ہوئی۔ اس زمانے میں ہمیں کچھ شیعہ علما کے نام برصغیر میں نظر آتے ہیں۔ نویں صدی کے خاتمہ پر تشیع نے سندھ و ملتان کے بجائے کشمیر اور دکن میں کروٹ لی۔ دکن کے بہمنی، عماد شاہی، برید شاہی اور عادل شاہی پھر قطب شاہی خاندان شیعہ علما و اکابر کے مربی رہے۔ قطب شاہی خاندان کا تو رسمی مذہب ہی شیعہ تھا ان کے یہاں شام، حجاز، بحرین، احسا، عراق اور ایران کے علما بکثرت موجود تھے۔ ۷۴۸ھ/ ۱۳۴۰ء سے ۱۰۹۸ھ/ ۱۶۸۷ء تک کم و بیش ساڑھے تین سو سال میں شیعہ جنوبی ہند سے شمال اور مغربی علاقوں تک پھیل گئے۔

کشمیر میں شیعہ پہلے سے تھے گر چھپے چھپے اور ڈرے ڈرے ۸۹۳ھ کے لگ بھگ خراسان سے

شمس الدین عراقی کسی سفارت پر کشمیر آئے۔ انھوں نے شیعیت کو بڑے پیمانے پر متعارف کرایا۔ اس کے نتیجے میں کشمیر کا ایک طاقتور گروہ خصوصاً کاجی چک شیعہ ہوگیا، کاجی چک لڑتا بھڑتا، فتح مند ہوا تو اس نے مذہب شیعہ کو بہت فروغ دیا۔ کچھ عرصے بعد نازک شاہ نے اسے ہندوستان مار بھگایا اور شیعوں کا قتل عام کیا تو میر شمس الدین عراقی کا ولد کاشمیر کے علاقہ اسکردو میں جاکر تبلیغ کرنے لگا اور اسکردو کو شیعہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ نازک شاہ نے دانیال اور پرسپور کے شیعہ پیر شکلی کو بلاکر قتل کیا، یہ واقعہ ۹۵۵ھ کا ہے۔

شمس الدین نے مدرسہ حافظ بصیر کو شیعہ مدرسہ بنایا تھا۔ ملا بصیر خود سنی تھا (۹۲۶ھ میں فوت ہوا) نازک شاہ کے دور میں شمس الدین کی محنتوں پر پانی پھر گیا۔ مگر ۹۶۳ھ میں چک خاندان کو عروج حاصل ہوا، جس کے پہلے فرماں روا غازی شاہ نے پھر شیعوں کی سرپرستی کی، اس کے بعد حسین شاہ اور یعقوب شاہ کا دور اسی طرح گذرا۔ یعقوب شاہ کے زمانے میں ملا عینی صاحب مذہبی تبلیغات کے سربراہ تھے۔ کچھ عرصے بعد ظفر خان پسر کلان شمس چک نے میر شمس الدین عراقی کے مزار کو (جو شیعوں کا مرکز تھا) جلاکر مزبلے میں بدل دیا۔

(تاریخ کشمیر اعظمی مطبوعہ سری نگر کشمیر ص ۹۱ تا ۱۰۰)

کشمیر کا صوبہ اکبر کے قبضے میں آیا تو شیعہ امراء و علماء کی آمد و رفت بڑھی، قاضی نور اللہ شوستری نے یہاں کی مردم شماری میں حصہ لیا، شاہ فتح اللہ شیرازی کشمیر ہی میں فوت ہوئے (ان کا مقبرہ تخت سلیمان کے مزار شعرا میں شیعوں کا مرجع و مطاف بنا (ص ۱۱۴)

مولانا میر علی ایرانی، علی مردان خان قندھاری، نواب ابراہیم خاں، نواب ظفر خاں جیسے اکابر نے شیعہ علوم و ثقافت کو فروغ دیا۔ اس وقت سے آج تک کشمیر میں شیعہ نمایاں طور پر آباد ہیں۔ آزاد کشمیر بلتستان میں شیعوں کی اکثریت ہے دونوں جگہ شیعہ علماء نجف و قم سے تعلیم حاصل کرکے آتے اور علوم اسلامیہ کی تبلیغ کرتے آئے ہیں۔ اس گفتگو کا سبب یہ ہے کہ زیر نظر کتاب میں کشمیری علماء کے حالات کم ملیں گے جیسے عظیم آباد، مرشد آباد اور بنگال میں علماء کا حال نہیں مل سکا اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان علاقوں کے انقلاب اور خاص طور پر نادر شاہ و احمد شاہ ابدالی، سکھوں کے حملوں اور مرہٹوں کی تباہ کاریاں نیز ۱۷۵۷ء، ۱۸۵۷ء اور ۱۹۴۷ء کے بڑے بڑے واقعات قتل و غارت نے مسلمانوں کی تاریخ کو پارہ پارہ کردیا، سنی اکثریت میں تھے اس لیے کچھ نہ کچھ ذخیرۂ اطلاعات ان کے ہاتھ آگیا، شیعہ کم تھے اس لیے ان کو بہت نقصان پہنچا۔ ان کے سلسلے کی کڑیاں گم ہوگئیں۔

ائمۂ اہل بیت علیہم السلام انبیاءؑ کی سنت کے مطابق، افراد اور معاشرے کے سامنے معیاری عمل رکھ کر کام کرتے رہے۔ انھوں نے ذہنی اور علمی زندگی کو توانائی بخشی ان کے ماننے والوں نے ہر عہد میں اپنے زمانے کی عقل سے سوچا اور

اپنی زبان میں جواب دیا۔ حضرت علی علیہ السلام کا طریقۂ خطاب اور اندازِ تعلیم کیا تھا؟ اسے نہج البلاغہ میں دیکھیے، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے تدریسی انداز کا سراغ لگانا ہو تو صحیفۂ کاملہ ملاحظہ کریں۔ ہر امام اپنے پیش رو امام کی طرح ہدایت و رشد، دعوت الی اللہ اور افہام و تبلیغ دین کا منشور عام کرتا رہا۔ قرآن کی جمع و تدوین اور تفسیر و حدیث کی کتابت و تبویب، عقائد کی تعلیم و تشریح، علوم کا بیان و درس ان کا فرض منصبی تھا جو انتہائے کمال کے ساتھ ادا کیا۔ یہ حضرات مدینے سے نہیں نکلے ان کا مرکز دعوت مدینۃ النبی رہا۔ حج یا نجی ضرورتوں کے لیے باہر گئے اور پھر وطن لوٹ آئے، دشمنوں نے زبردستی مدینہ چھڑوایا تو مدینہ چھوڑا اور اس کا صدمہ رہا۔

طویل مدت تک ایک مرکز میں رہنے کا فائدہ یہ ہوا کہ طالبانِ فیض کی تعداد بڑھتی گئی اور دُور دراز کے طلبہ جمع ہوتے رہے۔ ان مسافروں میں سندھ و ہند کے طلبہ اور راویوں کے نام بھی موجود ہیں: مثلاً امام زین العابدین علیہ السلام کے تلامذہ میں • کنکر، ابو خالد الکابلی الاکبر۔

امام محمد باقر علیہ السلام کے شاگردوں اور راویوں میں • وردان، ابو خالد الکابلی الاصغر جنھوں نے امام محمد باقرؑ کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی حدیثیں نقل کیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث کا درس لینے والوں میں • خلاد السندی البزاز الکوفی۔ • سیم السندی • بنجیح، الامشر السندی المدنی۔ • ہارون بن ابی خالد الکابلی۔ • معانی السندی الکوفی مولی اسحٰق بن عمار۔ • ابوالفرج السندی، جامع احادیث۔

یہ لوگ دوسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان علما نے علوم آل محمدؐ سے فیض اٹھایا اور دوسروں کو مستفید کیا۔

سندی بن عیسٰے الہمدانی، کوفی۔ سندی بن الربیع البغدادی۔ سندی بن محمد جو قبیلۂ بجیلہ یا بجیلہ سے تھے۔ مہران بن محمد بن ابی نصر السکونی۔ ابراہیم بن السندی گمان ہے یہ حضرات سندھ سے کوئی رابطہ رکھتے ہوں گے مختصر یہ ہے کہ سندھ و ملتان سے لے کر کشمیر و دہلی و آگرہ، لکھنؤ، فیض آباد، جون پور، مرشد آباد، عظیم آباد، کلکتہ، پٹنہ، حیدر آباد دکن ٹھٹھہ، لاہور اور بے شمار شہر شیعوں کے مرکزی شہر بنے۔ ان مقامات پر شیعہ علما نے علمی اور دینی کام کیے لیکن شیعہ سنی کشمکش نے علمی روایتوں کو کبھی عروج دیا، کبھی زوال، عروج و زوال کی تاریخ کے اوراق اشخاص و رجال کی صورت میں ملاحظہ اور اسے اپنے اپنے زاویۂ نظر سے ترتیب دے کر مختلف نتائج قلم بند کریں۔ تاکہ شمع سے مشعل اور مشعل سے چراغاں کا اہتمام ہو سکے۔

حرفِ آغاز

الحمدللہ، چودھویں صدی مسلمانوں کے روشن مستقبل کی خوشخبری سُنا کر رخصت اور نئی صدی تاریخ نو کا سادہ ورق لیے آ رہی ہے۔ اس صدی میں مسلمانوں کو زمین کے اندر سے بہتا سونا ملا، اللہ نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کے ہاتھوں جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کی بُنیاد رکھوائی، حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید رُوح اللہ خمینی کو ایران میں انقلاب اسلامی لانے کی توفیق بخشی۔ مسلمانانِ عالم دو سال شکرِ خدا اور جائزۂ تاریخ کے لیے مختص کر چکے ہیں۔ اس موقع پر میں یہ کتاب ملت کی نذر کر رہا ہوں کہ میں نے گذشتہ صدی میں ہوش کے پچاس برس گذارے۔ اس صدی کی تاریخ میرے سامنے سے گذری اور بزرگوں کا ورثہ میرے حصے میں آیا، لکھنؤ سے لاہور ہجرت کی۔ دونوں شہر روایت و تاریخ کے حامل ہیں۔ میرا خوشگوار فرض تھا کہ میں رجال و طبقات یا تاریخ و تذکرہ لکھتا۔

تذکرہ، تاریخ کا ماخذ اور قوم کی ترقی و کارکردگی کا گراف ہوتا ہے، شعرا، حکما، امرا، صوفیا، علما اور مصنفین کے تذکرے مورخ کو پڑھنا پڑتے ہیں۔ اس سے ملت کے علمی خدمات، ملکی فتوحات کی تصویر بنتی ہے۔ صاحبانِ سیاست و سیف زمین فتح کرتے ہیں صاحبانِ فکر و قلم ذھن بناتے ہیں۔ ایک سے قوم کا جلال دوسرے سے ملت کا جمال سنورتا ہے۔ ماضی کے معمار قوم کے محسن ہیں اس لیے ان کے چہروں کو سامنے رکھنا اور ان کی شخصیتوں کا نسلِ جدید سے تعارف کرانا تاریخ کا تسلسل قائم رکھنا ہے یہی مورخ کا منصب و فریضہ ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد مسلمانوں کی میراث کا نئے سرے سے جائزہ لینے کی ضرورت پیش آئی نئی تاریخ کا آغاز ہوا تو ملت نے ماضی سے روشنی مانگی تاکہ مستقبل کی منزلوں میں چراغاں کریں چنانچہ بڑے بڑے منصوبے بنے اور بڑے بڑے کام شروع ہوئے مثلاً اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ۔ تاریخ ادبیاتِ پاک و ہند۔ برِ صغیر کے مصنفین کے تصانیف کی فہرست نگاری پر لوگوں نے سرکاری یا غیر سرکاری سطح پر لکھنا شروع کر دیا اور علماء و محققین انفرادی اور اجتماعی طور پر تحقیق میں مصروف ہیں۔ بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور بہت سی کتابیں لکھی جائیں گی۔ لیکن ان صاحبانِ قلم نے شیعہ علما و اکابر کے نام اور کام کے تذکرے شیعوں کے علمی خدمات کی تفصیل عموماً نظر انداز کی۔ شکایت سے بچنے کے لیے کہیں ایک آدھ نام لیا بھی تو ذیلی سطور بعض بڑے محققین سے میں نے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کتابوں کی نایابی کا عذر بار دو پیش کیا۔

بعض حضرات نے مجھ سے براہ راست تذکرۂ علمائے شیعہ لکھنے کی فرمائش بھی کی، ان حضرات میں خان بہادر

مولوی محمد شفیع صاحب صدر اردو دائرۂ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور جناب شیخ محمد اکرام صاحب مؤلف آبِ کوثر و رودِ کوثر اور جناب سید حسن الامین صاحب مؤلف اعیان الشیعہ و دائرۃ المعارف الاسلامیۃ الشیعیہ کے نام سرِ فہرست ہیں۔

میں کتب کے ناپید ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا، جویندہ یابندہ اور من جدَّ وَ جدَ کو صحیح جانتا ہوں، جس موضوع پر آدمی خلوص اور لگن سے کام کرے۔ اللہ مدد کرتا ہے اور کتاب ملتی ہے، البتہ محنت اور وقت ضرور صرف ہوتا ہے۔ میرے کتب خانے میں سینکڑوں تذکرے تھے اور ہیں۔ اتفاق سے تذکرۂ شیعہ علما برِ صغیر پر "ورثۃ الانبیاء" کے علاوہ نہ کوئی کتاب لکھنؤ میں تھی نہ لاہور میں ایک دن فیصلہ کیا کہ "نام نیک رفتگان ضایع مکن" ایک مختصر ہی سہی مگر تذکرۂ علما لکھنا چاہیے کہ مرکزِ علم لکھنؤ کی خاک سے تعلق اور میراث بزرگانِ وطن کا حصہ دار ہوں، کمر باندھی اور قلم سنبھالا تو شیخ غیاث الدین صاحب مرحوم سے کتاب تذکرۂ بے بہا عاریت ملی میں اس کے نوٹ لے چکا تھا کہ مولانا محمد ابراہیم صاحب فاضل دیوبند نے اس کتاب کا ایک نسخہ عنایت فرما دیا۔ کچھ دنوں بعد جناب شیخ محمد اکرام صاحب نے نجوم السما مستعار دے دی۔ میں کام کرتا رہا، کتب خانے، فہرستیں، اخبار، رسالے اور تاریخ و اَدب کے سینکڑوں دفتر چھان ڈالے، کم و بیش پندرہ سال میں ہزار صفحے تیار ہوئے تو اب چھاپنے والا نہ ملتا تھا، میرا وہ عالم تھا جیسے کوئی سپاہی مورچہ فتح کرکے واپس آئے اور کوئی اس سے بات نہ کرے۔ میں تھک گیا اور مدت تک کوئی کام نہ کر سکا۔ ۱۹۶۹ء میں زیاراتِ عتباتِ عالیات کے لیے گیا تو بیروت و نجف و طہران و قم میں متعدد حضرات نے کہا۔ کاش یہ کام عربی یا فارسی میں کیا ہوتا۔ میں کہتا تھا، جس زمین کی بات ہے پہلے وہاں تو لوگ پڑھ لیں پھر باہر بھی خبر ہو جائے گی۔

خدا خدا کرکے ایک محترم دوست تیار ہوئے۔ انھوں نے سہارا دیا لیکن میں آزمائش میں پڑ گیا۔ اتنے میں فرزندِ عزیز محقق و فاضل و سعید مولوی سید حسین مرتضیٰ سلمہٗ ایم اے ریسرچ اسکالر نے خبر دی کہ "خراسان اسلامک ریسرچ سینٹر" کے ارکان نے کتاب کی اشاعت کا وعدہ کر لیا ہے۔ جناب پروفیسر کرار حسین صاحب اور جناب سید محمد حسن صاحب اور صدر ادارہ کا ممنون ہوں جن کی توجہ سے یہ کتاب اہلِ علم تک پہنچ رہی ہے جناب خاور جاوید بٹ صاحب کا شکریہ میرا خوشگوار فرض ہے کہ موصوف نے بڑی محبت اور اخلاق و صبر کے ساتھ کتاب لکھی اور مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔

جناب علامہ مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ کا احسان مند ہوں کہ انھوں نے ازراہِ کرم و بزرگی پوری کتاب پڑھی، اصلاح فرمائی اور پاکستان کے بہت سے علما کے احوال مہیا فرمائے۔ نیز ایک وقیع

مقدمہ بھی تحریر کیا جناب مولانا سعادت حسین صاحب کا شکریہ موصوف نے کتاب پڑھی اور اضافہ کیا۔

اللہ ان سب معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے بحق محمد و آلِ محمد علیہم السلام دنیا میں جس طرح ہر شخص کی صورت شکل دوسرے شخص سے جدا ہے اسی طرح ہر ایک کی فکر بھی دوسرے سے مختلف ہے۔ مزاجوں کی بوقلمونی اور طبیعتوں کی رنگا رنگی سے زندگی کے پہلو بھی بدل جاتے ہیں، ایک گوشہ نشین و گم نام رہنا پسند کرتا ہے۔ دوسرا شہرت طلب کوئی اپنی پسند کا کام کرتا ہے۔ کوئی عوام کی پسند کو ترجیح دیتا ہے، کسی کے مقصد قربتہً الی اللہ خدمت انجام دینا شرف ہے نام دینا اور تعارف چاہنا خلافِ اصول ہے کوئی شہرت و نام سے اس قدر بچتا ہے کہ اپنے بجائے دوسرے کا نام لکھنے میں تکلف نہیں کرتا ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو سفر کرتے ہیں، لوگوں سے ملتے ہیں، زبان سے خدمت علم و عوام، تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور کسی کو نہیں بتاتے کہ انھوں نے کیا کیا۔ اس قسم کے بے شمار معاملات و مسائل ہیں جو معاصر اور قدیم اشخاص کی زندگی کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ بہت سے بزرگ ہمارے سامنے اُبھرے اور ہمارے سامنے دنیا سے گذر گئے۔ اتفاقاً ہم ان سے قریب ہو سکے یا وہ وطن سے دُور اللہ کو پیارے ہوئے، ان کی تاریخ لوگوں کو یاد نہ رہی۔ عزیزوں سے پوچھا تو انھوں نے جواب نہ دیا۔ نتیجہ میں وہ شخصیت گم نام ہوگئی۔

انسان کے وسائل محدود ہیں۔ اس کا حافظہ کمزور ہے، اس کی ضرورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ اب کسی موضوع پر کام کرنے کے لیے غیب کا علم، قارون کا خزانہ اور حضرت خضر کی عمر کہاں سے ہاتھ آئے، نہ ہوا پر قابو نہ طی ارض کا معجزہ کہ جب دل چاہا ہے اسی وقت مطلوبہ چیز مل جائے۔ ہاں شوق فراواں اور جنون ضرور ہو سکتا ہے اور یہی جذبہ کام پر ابھارتا ہے اور خلوص نیت کے نتیجے میں اللہ کی توفیق رفیق ہوتی ہے۔

ہم نے اس کتاب میں اصولاً علما کے احوال جمع کیے ہیں۔ "عالم" کے معنے زمان و مکان و احوال کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ دینی علوم جاننے والا، قرآن و حدیث، فقہ و اصول پڑھا ہوا، فقہ و علوم دین کا ماہر، علوم اسلامیہ سے باخبر۔ کسی مدرسے کا فاضل۔ تفسیر و حدیث، فقہ و اصول پر عبور رکھنے والا۔ نجف و قم میں علوم اسلامیہ کے جاننے والے یا فقط دینی علوم سے باخبر ہی کو کہنا عام ہے لیکن ہمارے یہاں ایسے افراد ایران و عراق کی طرح بکثرت نہیں ہیں، علم کا معیار جتنا بلند ہوتا جائے گا۔ عالم کا مصداق اسی قدر ممتاز قرار پائے گا۔ اس کتاب میں "عالم" ۔ "فاضل" جیسے الفاظ کا استعمال اسی انداز میں ہوا ہے۔ یعنی زمان و مکان اور سیاق و سباق کے پس منظر میں برصغیر میں انگریزوں کی آمد سے پہلے مسلمان حکمران، ان کے وزرا و امرا چونکہ اسلام کا دم بھرتے تھے اور عمومی طور پر ان کا رسمی قانون شریعت ہوتا تھا۔ قاضی اور شیخ الاسلام کا منصب ملک

کا اہم منصب تھا، سرکاری زبان فارسی اور علمی زبان عربی تھی۔ مغرب اور مغربی علوم بدیسی مانے جاتے تھے، ذاتی تشخص اور قومی آزادی کی حس زندہ تھی لہٰذا نصاب تعلیم میں جن مراحل سے گزرنا ہوتا تھا وہ آج سے مختلف تھے۔

الف بے پڑھنے، تختی لکھنے، خوش خطی سیکھنے کے ساتھ ساتھ ابتدا میں قرآن مجید پڑھایا جاتا تھا۔ صاحبان توفیق، تجوید و قرأت پر بھی دھیان دیتے تھے۔ عقائد و احکام شریعت بتلائے جاتے تھے۔ اخلاق کا درس ہوتا تھا۔ روزمرہ کی ضرورتوں کے لیے حساب، خط و کتابت کے لیے ادب، بڑھنے چڑھنے کے لیے سپہ گری آگے چل کر صرف و نحو، منطق، فلسفہ، ہیئت نجوم، طب و تصوف ادب فارسی و عربی، معانی و بیان۔ عروض و قافیہ۔ تاریخ و رجال تفسیر و حدیث۔ درایت و اصول۔ فقہ و اجتہاد تک تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اُستاد اپنے گھروں پر یا مسجدوں اور مدرسوں میں پڑھاتے تھے۔ طلبہ اساتذہ کے یہاں یا مدرسوں میں جاکر پڑھتے تھے۔ کچھ لوگ صاحبانِ حیثیت کے گھروں پر جاکر پڑھاتے تھے۔ امرا و سلاطین کے یہاں آتالیق مقرر تھے۔ اتالیق عموماً صاحبان علم و فضل و اخلاق اور ممتاز ترین عالم ہوا کرتے تھے۔ علمی درجات کے تعین کے لیے کم و بیش جن کتابوں سے گذرنا ضروری تھا وہ تھیں۔ تفسیر میں بیضاوی یا الصافی۔ حدیث میں الکافی یا کتاب التوحید صدوق فقہ میں تبصرۃ المتعلمین المختصر النافع۔ شرائع الاسلام۔ شرح لمعہ۔ من لا یحضرہ الفقیہ اور متاخر زمانے میں شرح کبیر و مکاسب اصول فقہ میں معالم الاصول۔ زبدۃ الاصول۔ قوانین الاصول۔ رسائل۔ کلام میں عقائد پر کوئی منظومہ جیسے حافظیہ پھر بعد حمد بندی پھر بنیاد اعتقاد۔ شرح باب حادی عشر۔ شرح تجرید۔ صرف میں۔ صرف میر، شافیہ۔ مراح الارواح جیسی کتابیں۔ نحو میں۔ نحو میر۔ کافیہ۔ مغنی۔ سیوطی۔ شرح جامی۔ منطق میں ایسا غوجی۔ میزان منطق۔ قطبی۔ سلم العلوم۔ فلسفے میں حکمۃ العین۔ اشارات۔ شرح اشارات۔ ملا صدرا شمس بازغہ۔ تصوف میں۔ لوائح جامی۔ ملفوظات۔ مثنوی عطار و رومی۔ فصوص الحکم۔ شرح الفصوص۔ اخلاق میں۔ گلستان۔ بوستان۔ اخلاق ناصری۔ اخلاق جلالی۔ کیمیائے سعادت۔ احیاء العلوم۔ ہیئت و نجوم میں۔ چغمینی۔ تشریح الافلاک۔ رسائل اصطرلاب۔ ریاضی و ہندسہ و فنون جبر و مقابلہ پر اساتذہ کے پسندیدہ رسائل کتب۔ ان میں سے بیشتر کتابیں عربی میں تھیں اور ہر شخص کو عربی پڑھنا ہوتی تھی۔ اسی پر ثقافت کا خمیر اٹھتا تھا۔ عام طور پر فارسی نظم، شاہ نامہ و سکندر نامہ آداب حکمرانی و قوانین سپہ گری کے لیے اور مثنوی رومی اصلاح ذات و معاشرہ کے لیے پڑھنے پڑھاتے تھے۔ سیاست و ریاست کے آدمی اپنی ہمہ گیر علمی معلومات کی بنیاد پر بڑے عہدے پاتے اور عظیم کارنامے انجام دیتے تھے۔

عربی میں مہارت رکھنے والے قضاوت و صدارت کے لیے مخصوص سمجھے جاتے تھے مگر عربی علوم کی ترقی اور عربی دانوں کا اعزاز ان کی ذاتی صلاحیتوں کے ساتھ سونے پر سہاگہ کا کام کرتا تھا۔ شاید ہی کوئی پڑھا لکھا وزیر و جرنیل ایسا ہو، جو عربی کا عالم نہ ہو اور فقہ اسلام نہ جانتا ہو۔ یہ بات اودھ کی حکومت تک باقی رہی۔ امرا اور شہزادے وزرا اور معززین ان علوم سے عموماً واقف ہوتے تھے۔

دکن کے سلاطین میں قطب شاہ اور ابوالحسن تانا شاہ۔ تیموری حکمرانوں میں بہادر شاہ شاہ عالم۔ بن اورنگ زیب۔ اودھ کے حکمرانوں میں امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کے عالم فاضل ہونے پر کافی شواہد موجود ہیں۔

وزرا و امرا میں پیشوائے اعظم میر مومن۔ ابن خاتون۔ دربارِ اکبری کے قاضی نوراللہ شہید۔ فیضی۔ ابوالفضل۔ حکیم فتح اللہ شیرازی۔ ملا احمد ٹھٹھوی۔ جہانگیر و شاہ جہان کے عہد میں ملا سعید اشرف۔ علی مردان خان ابراہیم خان۔ عالمگیر کے دور میں۔ نعمت خان عالی۔ اودھ میں خان علامہ تفضل حسین خان۔ سبحان علی خان۔ آغا میر۔۔۔

اس کتاب میں افاضل و علماء و اکابر علم و فن میں مسجد کے ائمہ، مدرسوں کے استاد۔ خانہ نشین مصنف دولت مند طلبۂ علوم اسلام و افاضل کرام کے نام اور کام ملیں گے۔ ہماری کوشش یہ رہی کہ حدیث و فقہ و تفسیر سے لے کر سائنس اور انجینیرنگ تک ان علما و افاضل کا تذکرہ محفوظ کر دیا جائے جنھیں انگریزی پروپیگنڈے یا برین واشنگ نے نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ انھوں نے تبلیغ اسلام اور تشیع نیز علوم و افکار کو فروغ دینے میں جو حصہ لیا ہے۔ اس کے جزئیات سے بڑے کلیات اور گم نام افراد سے نامور افراد تک تاریخ میں ارتقا کے سنگِ میل بنتے ہیں۔

ہماری نظر میں بنیادی بات افراد و اشخاص کی تاریخ زندگی کا آغاز و خاتمہ بھی ہے اور ان کے علم و عمل کا احیاء بھی تاریخ ولادت و وفات میں جہاں ہمیں قطعی بات نہیں معلوم ہوئی وہاں ہم نے قرائن کی مدد سے تخمینی زمانہ طے کیا ہے۔ ہمیں یا آپ کو اگر قطعی تاریخ مل جائے تو اسے درست کر لیں۔ ہماری خصوصی توجہ تصنیفات و تالیفات تراجم و تلامذہ پر ہے۔ اس میں امتیازی درجہ فقہا و مفسرین و محدثین کو حاصل ہے پھر عربی و فارسی کے ان عالم ادبا کو جنھوں نے اسلامی ثقافت کی زبان کو دور دراز علاقوں میں محفوظ رکھ کر تاریخ ادب و تاریخ ثقافتِ اسلام میں اپنا کردار ادا کیا۔ عربی ادب و فارسی ادب کے مؤرخین عالم کو ان کے کام سے غفلت نہ برتنا چاہیے۔ اسی کے ساتھ ساتھ فلسفہ و سائنس کے مختلف شعبوں میں حسبِ حیثیت کام کرنے والوں کو ہم نے نظر انداز نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی مدرسوں اور علاقوں کے دبستانوں

سے نکل کر آئے اور مذہبی رہ کر کام کرتے رہے۔ کچھ ایسے صاحبان علم سلاطین و امرا بھی تذکرے کے قابل تھے جن کی علم پروری نے برصغیر میں علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت میں وہ کردار ادا کیا کہ اگر ان کو ذوق و ترتیب سے حصہ نہ ملتا تو شاید ایسے علما جمع نہ ہوتے جنھوں نے اس علاقے میں علوم اسلام میں تشیع کو سربلند کیا۔

تقدس، تقویٰ، تبلیغ اور جہاد فی سبیل العلم سے متصف بزرگوں کے ساتھ شاید غیر مقدس اہل علم اچھے نہ معلوم ہوں مگر کیا کیا جائے کہ ان کے علمی پہلو نے کجب انھیں شہرت عام یا بقاء دوام عطا کر دی ہے تو ہم انھیں کیسے نظر انداز کر دیں۔ مصنفین کا یہی دستور ہے جس کے لیے "نزہتہ الخواطر" "تذکرۂ علماء ہند" کی مثال کافی ہے۔

ہم نے تذکرے میں الف بائی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے اس کے باوجود کہیں کہیں ناہمواری آگئی ہے۔ جسے ہم فہرست کے ذریعے درست کر رہے ہیں۔ کتاب میں اس خلل کی وجہ یہ ہے کہ مسودہ کتابت سے گذر چکا تھا۔ اب۔۔۔ صفحوں کی دوبارہ کتابت ممکن نہ تھی۔ لہٰذا مناسب ترین جگہ جو ممکن ہوئی وہاں تذکرہ لکھنا پڑا۔

میرا علم محدود اور جہالت غالب ہے، کار دنیا کے تمام نہ کرد کو صحیح سمجھتا ہوں، جو معلوم تھا وہ لکھ دیا۔ غلط ہو تو تصحیح فرما دیا جائے۔ میں ممنون ہوں گا۔ صحیح ہو مگر نامکمل، مفصل چاہیے تھا اور یہاں مجمل ہے۔ فلاں بات لکھنا چاہیے تھی نہیں لکھی، فلاں نکتہ نہ لکھتا تو اچھا ہوتا۔ کیا بتاؤں کہ اس کام میں جب نظر دوڑائی ہے۔ کانٹ چھانٹ اور اضافہ کرنا ہی پڑا ہے۔ آخر لمحات تک ترمیم و تنسیخ اور سینکڑے صفحوں کے مع مسودہ ضائع ہو جانے اور انھیں دوبارہ لکھنے کی زحمت کو معترض و ناقد کیا جانیں اور اب نتیجہ کے انتظار میں کیا بیتے گی۔

دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

شکر ہے کہ تاریخ علماء شیعہ پر پندرھویں صدی کے آغاز میں یہ کتاب حاضر کر رہا ہوں۔ اللہ اس محنت کو قبول فرمائے۔ احباب یقین جانیں کہ:

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں، مجھے

اللہ سے دعا ہے کہ ان علما و افاضل کے درجات بلند فرمائے جن کی محنت نے ملت کو افتخار بخشا، جن کی شخصیت نے تاریخ کے ورق زرّین بنائے۔ میں کتاب لکھتے وقت یہ محسوس کرتا رہا جیسے ان کی روشنی سے مجھے نور مل رہا ہے۔ نہ معلوم کتنی راتیں ہیں جو ان کی یاد میں بسر کیں اور کتنے دن انکی تلاش میں گزارے

گوارے گویا متنبی نے میری زبان سے کہا ہے :

ازورھم وسواد اللیل یشفع لی   وانثنی وبیاض الصبح یغری بی

اللّٰھم اغفر للمومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات وتابع بیننا وبینھم بالخیرات ۔

اللّٰھم صل علی محمد وآل محمد وعجل فرجھم

محرم ۱۴۰۰ھ
لاھور

(آ) آباد حسین :

حدود ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء

سید آباد حسین بڑے عابد و عالم بزرگ تھے ۔ یوپی کے ضلع بجنور میں نگلا ڈھکیا نامی چھوٹے سے قصبہ کے رہنے والے تھے ۔ تحصیل علم کے لئے بریلی اور لکھنؤ کا سفر کیا ، فلسفہ اور منطق میں کمال پایا ۔ تفسیر و حدیث و فقہ میں صدر المحققین مولانا ناصر حسین صاحب سے فیض یاب ہوئے اور علماء لکھنؤ سے اجازہ ہائے اجتہاد لیے مولانا ناصر حسین صاحب سے تلمذ پر فخر کرتے تھے ۔ رواج کے مطابق طب کا دورہ بھی مکمل کیا تھا ، اسی فن کو پیشہ بنایا ، پہلے پرتاب گڑھ کی ایک ہندو ریاست میں طبیب رہے پھر دیگاؤں ضلع فیض آباد میں مطب کرتے رہے ۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ آج سے ایک صدی پہلے برصغیر میں حکیم گویا مجتہد کہا جاتا تھا ، کیونکہ طب سے پہلے باقاعدہ درس نظامی کی تعلیم ہوتی تھی ، اس کے بعد جو لوگ ، امامت و تدریس و فتویٰ کی ذمہ داریوں سے بچنا چاہتے تھے وہ ~~طبابت و علاج~~ کرتے تھے ۔ کچھ اطباء ، طب و فلسفہ و منطق ، کچھ حضرات ادب و فقہ بھی پڑھاتے تھے اور ہم نے ایسے طبیب دیکھے ہیں ۔

مولانا سید آباد حسین صاحب نے تدریس کے ساتھ طبابت کا پیشہ اختیار کیا اور بڑی نیک نامی کے ساتھ ۱۳۳۱ھ کے بعد وفات پائی ۔

اولاد : مولوی محمد ابو جعفر صاحب متوفی کراچی ۔ (تذکرہ بے بہا ، ص ۷۴)

آزاد ، محمد حسین :

۱۲۴۵ھ / ۱۸۳۰ء
۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء

شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد ، اردو کے مشہور ادیب کی حیثیت سے جانے پہچانے آدمی ہیں ۔ یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آزاد ، خاندانی عالم اور ملا تھے ۔ مولانا آزاد ، حضرت سلمان فارسی کی نسل اور ہمدان و کشمیر کی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ان کے جد بزرگوار اخوند محمد شکوہ شاہ عالم کے زمانے میں دہلی آئے ۔ آغا محمد باقر نبیرۂ آزاد (متوفی شب پنجشنبہ ۸ صفر ۱۳۹۲ھ) کے بقول محمد شکوہ مجتہد تھے ۔ میں نے بھی ان کے کاغذات میں اخوند لکھا ہوا دیکھا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اخوند عالم جلیل کو کہا جاتا ہے ۔

اخوند محمد شکوہ کے فرزند محمد اشرف ان کے بیٹے اخوند محمد اکبر یکے بعد دیگرے عالم و محدث و مجتہد مانے گئے مولانا محمد اکبر نے اپنے صاحبزادے محمد باقر کی شادی ایک ایرانی نژاد خاتون سے کی جن کے بطن سے مولانا محمد حسین آزاد پیدا ہوئے ۔ محمد حسین آزاد کی تاریخ ولادت ہے ۔ بقدیہ ۱۲۴۵ھ / جون ۱۸۳۰ء

محمد حسین آزاد کے والد مولانا محمد باقر عالم و خطیب، تاجر و علوم جدیدہ سے باخبر بزرگ تھے۔ انہوں نے فرزند کو پہلے خود پڑھایا لکھایا، پھر شہر کے نئے تعلیمی ادارے "دہلی کالج" میں داخل کرایا۔ دہلی کالج میں شیعہ فقہ کے استاد مولانا جعفر علی صاحب تھے۔ مولانا محمد باقر صاحب نے باہمی اختلاف کی بنا پر اپنے فرزند کو سنی استاد سے حنفی فقہ پڑھنے کا حکم دیا، اس طرح مولانا شیعہ اور سنی دونوں فقہی مسلکوں سے باخبر ہوئے۔ آغا محمد باقر مرحوم نے مولانا آزاد کے کاغذات سے جو سنین مرتب کیے تھے ان کی روشنی میں ۱۸۳۵ء سے ۱۸۴۸ء تک آزاد نے گھر پر تعلیم پائی اور ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۲ء تک دہلی کالج میں اس لئے اردو دائرۂ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب لاہور میں یہ غلط ہے کہ مولانا نے تئیس سال میں تعلیم سے فراغت پائی بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ تیئیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔

۱۸۳۶ء میں مولانا محمد باقر صاحب نے "دہلی اردو اخبار" نکالا جس میں مولانا محمد حسین نے نظم و نثر لکھ کر مشق کی۔ وہ فنِ سخن میں اپنے والد کے دوست ذوق کے شاگرد ہوئے۔ ۱۸۵۲ء مولانا محمد باقر نے ہونہار بیٹے کو اخبار کا مدیر و منتظم بنا دیا۔ ۱۸۵۷ء کے اخبارات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد حسین آزاد ملک کے حالات سے کما حقہٗ باخبر اور اعلیٰ درجے کے ایڈیٹر تھے۔ وہ جنگِ آزادی کے حامی اور معاون تھے۔ وہ اچھے شاعر تھے اور اپنے استاد ذوق سے غیر معمولی محبت رکھتے تھے ان کے بعد وہ آغا جان عیش کو کلام دکھاتے رہے۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے نے آزاد کی جوانی اور پچیس سال کی زندگی کے کارنامے تاریخ سے مٹا دیئے۔ ان کے والد فتح دہلی کے بعد باغی قرار دیئے گئے۔ ان کو پھانسی کا حکم ہوا۔ تمام املاک ضبط ہوئی۔ وہ دہلی سے نکل کر شہر شہر بھاگتے اور پناہ ڈھونڈھتے رہے۔ اس سفر میں بمبئی، لکھنؤ جیسے شہروں کا چکر لگا کر سیالکوٹ آئے۔ یہاں سے جیند گئے اور راجہ صاحب سے اعزاز و اکرام حاصل کر کے ملازم ہو گئے۔ مگر ان کے والد کے شاگرد مولانا رجب علی شاہ نے لدھیانے بلا لیا۔ انہوں نے لدھیانے میں "مجمع البحرین" اخبار اور اسی نام سے پریس قائم کیا تھا۔ مولانا آزاد اس کام کے لئے موزوں ترین آدمی تھے۔ مگر کچھ عرصے بعد مولانا لاہور آ گئے اور ڈاک خانے میں نوکری کر لی۔

آغا محمد باقر صاحب کہتے ہیں کہ مولانا ۱۸۵۹ء میں ریاست جیند کے شہر سنگرور میں محافظ دفتر فوجداری تھے۔ ۱۸۶۰ء میں مجمع البحرین لودھیانے کے مدیر رہے۔ انہی دنوں ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم پنجاب سے ملاقات ہوئی۔ ۱۸۶۱ء میں وہ پوسٹ ماسٹر جنرل کے دفتر میں مترجم پوسٹل اعلانات و ڈیڈ لیٹر آفس میں سر رشتہ داری کی جگہ کام کرتے رہے۔

یکم جنوری ۱۸۶۴ء کو ۳۵ روپے ماہوار پر نائب سر رشتہ دار محکمۂ تعلیم کی جگہ ملی۔ میجر فلر نے "اتالیق پنجاب" جاری کیا تو مولانا اس کے معاون مدیر ہوئے۔ کچھ عرصے وہ شعبۂ تصنیف و تالیف میں کام کرنے کے بعد۔

۱۸۶۵ء سے ۱۸۶۷ء تک وہ سنٹرل ایشیا، تاشقند و سمرقند میں رہے اور واپس آ کر گورنر جنرل کو رپورٹ دی

یہ سفر سیاسی وفاداری کی یقین دہانی کے طور پر تھا جس سے غدر کی بغاوت کا اثر کچھ کم ہوا مگر انگریزوں کے دل صاف نہ ہوئے۔ اس دورے کے بعد وہ لاہور آئے تو سوا دو سال "یونیورسٹی کالج" میں مدرس عربی و ریاضی کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر ایک سال گورنمنٹ سنٹرل بک ڈپو میں مترجم کا عہدہ مل گیا۔ اس زمانے میں وہ تین مجلوں کے مدیر تھے۔ سرکاری اخبار اتالیق پنجاب، اور رسالۂ انجمن پنجاب۔ مولانا کا اہم کارنامہ اردو ریڈروں کی تصنیف بھی انہی دنوں کی بات ہے۔

۵ جولائی ۱۸۶۹ء سے گورنمنٹ کالج میں عربی کے اسسٹنٹ پروفیسری کے فرائض انجام دینے لگے۔ ۱۸۷۰ء میں جب مولانا علمدار حسین صاحب نے رحلت کی تو مولانا آزاد مستقل ہو گئے۔ اکتوبر ۱۸۸۴ء میں اورنٹیل کالج لاہور نے ان کی خدمت حاصل کر لی، لیکن کچھ مدت بعد وہ پھر گورنمنٹ کالج میں واپس آ گئے۔ فروری ۱۸۸۷ء میں جناب مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی وفات کے بعد مولانا آزاد اورنٹیل کالج میں شعبہ عربی کے سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے۔ گورنمنٹ کالج میں ان کی فارسی علم و ادب و زبان پر تقریروں کا مجموعہ "سخندانِ فارس" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ یہ لیکچر پہلی مرتبہ فکر انگیز جدیدیت کی طرف اشارے بنے۔

لاہور میں مولانا تعلیم و تصنیف، ادارت و نظامت کے ساتھ ساتھ فکری ارتقا کے داعی بھی تھے وہ، انجمن پنجاب کے سرگرم موسس و معتمد اور صاحب رائے رکن ہونے کے علاوہ عملی طور پر نظم و نثر کے انقلابی مبشر رو ثابت ہوئے۔ انہوں نے ۱۸۷۴ء میں نیچرل شاعری پر طبع آزمائی کی۔ وہ روایت کی تنقید اور جدت کے علم بردار کی حیثیت سے مسلسل کام کر رہے تھے۔ لیکن انگریزوں کی چالوں سے باخبر بھی تھے۔ انہوں نے جدید انشائیہ کو اردو میں جنم دیا۔ وہ فارسی کے ابتدائی نصاب سے لے کر تہ ہائی تحقیقات تک گئے۔ انہوں نے نئی شاعری بھی کی۔ انگریزوں کی سیاست اور انتظام کو بھی دیکھا۔ اور ہر مرحلہ پر انگریزوں کو ناجائز برتری کا دعوے وار دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتے رہے۔ آخر انہوں نے ایک منصوبہ بنایا۔

انگریز کہتے تھے، اردو شاعری میں گل و بلبل کے سوا کچھ نہیں۔ ہم نے اردو کو جاندار شاعری دی۔ آزاد یہ دعوے اور تمسخر مدتوں سنتے رہے اور چپکے چپکے مضمون لکھ کر اپنے پرانے شاعروں کا ذکر کرتے رہے اور کم و بیش دس برس بعد آبِ حیات لکھ کر اردو شاعری کی روایت اور اپنے عظیم شاعروں کی ادبی خدمتوں کو اس آب و تاب سے بیان کیا کہ انگریزوں کی ساری کوششوں پر پانی پھر گیا۔ اردو ادب نے حیاتِ جاوداں حاصل کر لی۔ ادبی روایات کو زندگی مل گئی سیاسی برتری اور انتظامی صلاحیت، حکومت کی وسعت، علم کی ترقی کے جو نعرے آزاد سنتے سنتے تھک گئے تھے اس کے مقابلے میں انہوں نے دربارِ اکبری لکھی اور نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو بتایا کہ ہمارا اکبر، قیصر ہند کوئن وکٹوریہ سے بڑا بادشاہ تھا، اس کے دور میں علم و صنعت و حرفت، سائنس اور سیاست نے جو ترقی کی اور جتنے بڑے بڑے آدمی پیدا کیے، انگریز سو برس میں اس کا جواب نہ لا سکے۔

آزاد نے انتہائی تدبر و تحمل کے ساتھ انگریزوں کی ہر بات کا دندان شکن علمی جواب دیا اور شہرت عام و بقاء دوام کے دربار میں تو کمال کر دکھایا، انہوں نے بین الاقوامی زندہ شخصیتوں کی اس محفل میں سب کو جگہ دی۔ اگر کوئی کرسی ہندی تو انگریز کو یہ باتیں ایسے پیرائے میں کہیں جس کو انگریز سمجھا مگر گرفت نہ کر سکا۔

مولانا آزاد، تاریخی اور سیاسی عوامل کی بنا پر عربی کے استاد ہوتے ہوئے اردو و فارسی کے ادیب بن کر چکے۔ میں نے ان کے بستوں میں شمس بازغہ، اسفار، حکمۃ العین، شرح ملا صدرا، تالیفات میر باقر داماد، ہندو فلسفے اور مسلمان تصوف کے بے شمار نوٹ دیکھے ہیں، ان کے مطالعے میں شرائع الاسلام، شرح لمعہ، شرح تجرید اور کتب حدیث و تفسیر و تاریخ آئمہ کے دفتر تھے۔ ان کا کتب خانہ جس طرح دوسرے علوم کا گنجینہ تھا، وہاں شیعہ علوم کا بھی خزینہ تھا۔ یہ ذخیرہ ۱۸۸۵ء کے دوسرے سفر ایران نے نمایاں حد تک بڑھا دیا تھا۔ اس سفر میں وہ علما و ادباء سے ملے تھے اور علم و اثر کا گراں بہا ذخیرہ ساتھ لائے تھے۔

مولانا آزاد علوم باطنیہ و ریاضت بھی جانتے تھے۔ انہیں رجال غیب سے بھی ربط تھا۔ ان مشاغل اور بے حساب محنت، پھر ہر ہر قدم پر انگریزوں کی دشمنی نے دماغی تعطل سے دوچار کیا۔ ڈاکٹر لائٹنر نے قدم قدم پر کانٹے بچھائے اور وہ صبر کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ آخر ان کی محنت سے شہرت اور شہرت نے ۱۸۸۷ء میں شمس العلماء کا خطاب دلوایا۔ اسی کے ساتھ ساتھ لائٹنر نے جو ذہنی دکھ دیئے۔ اس سے وہ ۱۸۸۹ء میں حواس کھو بیٹھے اور کالج سے پنشن لے کر وہ ۱۸۵۷ء کی یاد میں پھر لاہور سے پیدل چل کھڑے ہوتے اور شہر بہ شہر اپنے حواس کو ڈھونڈتے اور اپنی زندگی کو تلاش کرتے پھرے۔ وہ پٹیالے علی گڑھ اور دہلی تک پیدل گئے۔ وہ لاہور میں دس سال تک پیدل پھرتے رہے۔ وہ انگریزوں کی خود دشمنی کا شکار ہو گئے۔

روز عاشورہ ۱۳۲۸ھ۔ ۲۲ جنوری ۱۹۱۰ء کو لاہور کربلا گامے شاہ کی آغوش قبر میں ابدی نیند حاصل کر لی۔

محمد حسین آزاد لاہور کی علمی و ادبی سرگرمیوں کے بانی ہیں۔ وہ لاہور کی نئی نسل کے استاذ الاساتذہ ہیں۔ ان کے علمی کارنامے ہماری تاریخ میں بے مثال ہیں۔

کتب خانہ: مولانا آزاد نے دہلی میں اپنے والد کا امام باڑہ از سر نو خرید کر بنوایا۔ لاہور میں آزاد منزل تعمیر کی۔ آخری زمانے میں انہیں ایک شاندار کتب خانہ بنانے کی دھن تھی۔ دہلی دروازے کے باہر خود بیٹھ کر اس خواب کی تعبیر میں اعلیٰ درجے کی عمارت اور چھوٹا سا باغ بنوایا جسے لاہور میونسپلٹی نے لے لیا۔ اور اب تک وہ ریڈنگ روم موجود ہے۔ لیکن مولانا کی کتابوں کا قیمتی ذخیرہ کچھ ان کی علالت میں ضائع ہوا۔ کچھ مذکورہ لائبریری میں خرد برد ہوا جو کتابیں باقی تھیں وہ پنجاب یونیورسٹی کو دے دی گئیں۔ اس کے بعد بھی کئی سو کتابیں آغا محمد طاہر (دہلی) کے پاس رہیں۔ کچھ نوادر آغا محمد باقر صاحب کے پاس تھے، جس میں بچے کچھے خاندانی کاغذات اور مولانا کے تالیفات و مضامین کے مسودے ہیں جن میں خاص اہمیت کی چیز آب حیات و دربار اکبری کا اصل مسودہ ہے۔ اور قصص ہند، وغیرہ کے نوٹ

اور بے شمار متفرق تحریریں میں نے دیکھی ہیں۔

اولاد: مولانا آزاد کی متعدد اولادیں ضائع ہو گئیں۔ ایک دختر رہ گئی تھیں۔ انھیں پڑھایا لکھایا اور اپنا بازو بنایا تھا لیکن وہ بھی کم سن بچوں کو چھوڑ کر جوانی میں داغ مفارقت دے گئیں۔

دوسرے فرزند آغا محمد ابراہیم تھے جو ان کے بعد زندہ رہے اور ان کی اولاد سے مولانا کا نام قائم ہوا۔ آغا محمد ابراہیم نے ۸ دسمبر ۱۹۲۰ء میں رحلت کی۔

تصانیف:

- آب حیات: اردو شاعری کا جائزہ اور مشاہیر کا تذکرہ طبع اول ۱۸۸۱ء
- دربار اکبری: برصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی و علمی برتری کی دستاویز اور عہد اکبری کی زندہ و متحرک تصویر۔ طبع اول ۱۸۹۸ء
- نیرنگ خیال: جدید نثر و انشائیہ کا مجموعہ۔ طبع اول ۱۸۸۰ء
- سخندان فارس: فارسی زبان و ادب پر فکر انگیز کتاب۔ طبع اول ۱۹۰۷ء
- نگارستان فارس: شعراء فارسی کا تذکرہ۔ طبع اول ۱۹۲۲ء
- تذکرۂ علماء ہند: چند علماء کے حالات۔ طبع اول -
- دیوان ذوق: استاد دوستی کا بے مثال کارنامہ۔ طبع اول ۱۸۹۰ء
- سنین اسلام: تاریخ اسلام کا خاکہ۔ یہ کتاب ڈاکٹر لائٹنر کے نام سے چھپی۔
- نصیحت کا کرن پھول: لڑکیوں کے لئے طبع اول ۱۹۶۸ء؟ غالباً
- قصص ہند: حصہ دوم خصوصاً، طبع اول ۱۸۷۲ء حصہ اول میں پیارے لال نے بھی کام کیا۔
- نظم آزاد: نظموں کا مجموعہ۔ طبع ۱۸۹۷ء
- جامع القواعد: فارسی قواعد صرف و نحو پر اعلےٰ درجے کی کتاب۔ طبع اول۔ ۱۸۸۵ء
- لغت آزاد: طبع اول ۱۹۲۲ء
- قند پارسی: اس فارسی کتاب کا مسودہ ساتھ لے کر ۱۸۸۵ء میں ایران گئے تھے اور حاجی محمد نامی بزرگ سے اس پر اصلاح لی تھی۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔
- آموزگار فارسی: طبع اول ۱۸۸۷ء
- سیر ایران: سفرنامہ طبع اول؟
- خمکدۂ آزاد: بیاض اشعار۔ طبع اول۔ دہلی ۱۹۳۰ء
- ڈراما اکبر: طبع اول ۱۹۲۲ء
- مکتوبات آزاد: طبع اول ۱۹۰۷ء طبع ثانی باضافہ ۱۹۲۳ء اور ترتیب جدید و اضافہ و حواشی۔ از۔ مرتضےٰ حسین۔ طبع اول ۱۹۶۶ء

- مقالاتِ آزاد۔ ترتیب آغا محمد باقر ۳ جلد ، جلد اوّل طبع ۱۹۶۵ء جلد دوم طبع ۱۹۶۸ء
- اُردو کی چھ ابتدائی کتابیں جو تقریباً پچاس سال تک داخلِ درس رہیں۔
- فارسی کی ابتدائی کتابیں جو تقریباً ربع صدی تک داخلِ نصاب رہیں۔
- شہزادہ ابراہیم۔ طبع اوّل ۱۹۶۱ء • حکایاتِ آزاد۔ حصّہ دوم ۱۹۶۱ء
- سفر نامہ جنوبی ایشیا

بے شمار مقالات ، نوٹ ، حواشی اور رسائل جس کا سلسلہ جوش جنوں میں بھی جاری تھا ان میں سے چند چیزیں چھپ چکی ہیں۔ مثلاً ۱۔ جانورستان ۔ ۲۔ سپاک و نماک ۔ ۳۔ فلسفۂ الٰہیات۔

(محمد حسین آزاد۔ محمد اسلم فرخی • مکاتیب محمد حسین آزاد ۔ مرتضیٰ حسین فاضل۔
تاریخ نظم و نثر اُردو ۔ محمد باقر ایم اے۔ • نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۴۲۳
دائرۃ المعارف الاسلامیۃ الشیعیۃ ج ۲، مقالہ " اُردو)

آغا ابو صاحب

۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء
۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء

والاجاہ ، لکھنؤ کے بہت بڑے رئیس اور اس سے بڑے دینی عالم ، مقدس ، متقی ، فقیہ و ادیب تھے۔ نواب والاجاہ صاحب کے ایک بیٹے تھے آغا ابو صاحب۔ نواب سید محمد جعفر صاحب شمس آبادی کے قطعہ تاریخ سے آغا ابو صاحب کی ولادت ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء میں قرار پاتی ہے۔ آغا ابو صاحب کا اصلی نام ، سید مہدی حسین موسوی ، بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ لکھنؤ محلہ سعادت گنج کے قریب ان کا موقوفہ مکان اور امام باڑہ اب تک محفوظ ہے۔

نواب والاجاہ نے اپنے فرزند کو جید اساتذہ سے گھر پر تعلیم دلوائی اور نواب آغا ابو مہدی حسین خان ، عربی فارسی ، زبان کے عالم اور فقہ و حدیث و طب و فلسفہ کے فاضل کی حیثیت سے ابھرے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ نے شہر کی ثقافت و سیاست کا ڈھانچہ بدل دیا اور جناب والاجاہ کا وسیع کتب خانہ ، محل سرا ، حلقۂ درس و مذاکرہ درہم برہم ہوگیا۔ آغا ابو صاحب لکھنؤ کی نئی زندگی میں عالم ، عامل ، بلند کردار ، دین دار ، رئیس نیک نام مانے گئے حکومت نے انہیں قیصر ہند اور سی آئی ای کے خطاب دیئے۔ ان کی بہادری ، شہسواری اور اثر و اقتدار نے انگریز حکام کو ان کا گرویدہ بنا دیا۔ جب شاہی وقف کی دیکھ بھال کا انتظام ہوا تو آغا ابو صاحب بھی ایک متولی مقرر ہوئے۔ آغا ابو صاحب نے وقف ، کی شرعی حیثیت کو بحال کیا اور سب سے بڑا کام ۱۸۹۲ء میں مدرسۂ شاہی کا احیا تھا۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ شاہی عمارتوں کے گرنے اور مدرسے کے ضائع ہونے کے بعد ہمیں

موزوں زمین اور مناسب عمارت بنانا ہوگی۔ حکومت نے اس مقصد کے لئے حکیم مہدی کے مقبرے کے پاس ، بہت بڑی زمین دی جس پر ایک بہت عالی شان مدرسہ تعمیر ہوا۔ مدرسہ کا نام " سلطان المدارس ، جامعۂ سلطانیہ " رکھا۔ مدرسے کے اخراجات وقف حسین آباد اور خود آغا ابو صاحب کے وقف سے پورے ہوتے تھے۔ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۴۰ء تک مدرسہ کی دیکھ بھال باغ اور فرش فروش خادم اور طلباء و مدرسین کے قیام و طعام کا معیار اس عہد کے تمام مدارس دینیہ سے بلند تھا۔

آغا ابو صاحب نے اپنا قیمتی کتب خانہ بھی مدرسے کو دے دیا تھا ، اس کتب خانے میں تفسیر و حدیث ، فقہ و عقائد جیسے علوم پر کئی ہزار کتابیں تھیں۔

آغا صاحب کی تاریخ وفات ہے۔ سہ شنبہ ۱۸ رجب ۱۳۳۶ھ / ۳۰ ، اپریل ۱۹۱۷ء

مرحوم کی سیرت و شخصیت پر محمد جعفر صاحب کے دیوان دفتر تاریخ جلد ہشتم سے قطعۂ تاریخ بہت کار آمد ہے اس میں ان کے کمالات بے کم و کاست نظم ہیں۔

شیوا کلام ، فکر تخلص ، بلند فکر — والا مقام ، زائرِ شاہانِ انس و جان
جرّار ، شہسوار ، بیاسی برس کا سن — ضیغم شکار ، آلِ رسولؐ فلک مکاں
عالم ، فقیہ ، مومن کامل ، مطیع شرع — دانا ، فہیم ، عاقل و فرزانۂ جہاں
سی آئی ای خطاب ، رئیسوں میں انتخاب — قیصر کے خیر خواہ ، خلائق پہ مہرباں
مشہور آغا صاحب والا تھے خلق میں — قانع ، غنی ، جواد ، سخی ، حاتم زماں
نسلِ جناب موسیٰ کاظمؑ ، بزرگ عہد — ذی حوصلہ ، دلیر ، ضعیفی میں نوجواں
اس سال لکھنؤ کے وہ نواب نامدار — اٹھارہویں رجب کو ہوئے خلد آشیاں
حوروں نے پہلوؤں میں جگہ دی خوشی خوشی — محبوب دل ارم میں ہیں مہدی حسین خاں
تم بھی تو موسوی ہو نہ کیوں رنج ہو نہیں — جعفر یہ درد ہجر ہے جاں کاہ و جاں ستاں

اپریل ماہ وسی ام سہ شنبہ صبح گاہ
رفتہ ز دار فانی آغائی ما حق آگاہ
تاریخ انتقالش جعفر چنیں بگفتیم
سیّد ز آلِ کاظم ، مہدی حسین خاں ، آہ

۱۹۱۷ء

آغا ابو صاحب بانی مدرسۂ سلطان المدارس کا یہ تذکرہ ان کے تالیفات کی فہرست سے خالی رہتا اگر یہ

لکہ کہ بات ختم ہو جاتی کہ وہ فارسی، عربی و اردو کے شاعر تھے۔ اتفاقاً ہمیں ایک پرانی مطبوعہ کتاب مل گئی جس کا نام ہے "بغیۃ الطلاب" اس کے مؤلف مولانا سید حیدر علی صاحب نے نواب آغا ابو صاحب کی ایک عربی عبارت چھاپی ہے اور آخر عبارت میں ان کا تعارف، جسے ہم نے مقدم و مؤخر کر دیا ہے۔ یہ عبارت ایک ادبی تحفہ بھی ہے اور ایک محسن ملت کی یادگار بھی:

"صورة ما کتبه مقرظا علی هذه الرسالة الیف النبالة و الجلالة، عمدة الامراء العظام، قدوة الرؤساء الفخام، ولی الجاه و الجلال، نخبة ارباب النوال، ذو الفطرة الزکیة، و القریحة الذکیة۔ وارث المجد کابراً عن کابر، مرجع الاعاظم و الاکابر، الفاضل العدیم النظیر و العالم الحبر الخبیر، الامیر بن الامیر بن الامیر، حلیف النحیر الکثیر، جناب السید مهدی حسین المشتهر بآقا ابوصاحب وقاه الله المصائب و المصاعب، و لا زال بابه الرفیع مناخاً لمطایا الامال و محط رحال الرجال"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله الذی خلق العالمین و بعث منهم الانبیاء و المرسلین للمطیعین و المنذرین للمنکرین۔ و الصلوة و السلام علی خیر خلقه و مظهر لطفه۔ ختام الرسل و النبیین افضل الخلق اجمعین الذی ارسله الله رحمة للعالمین و شفیع المذنبین و مؤیدا بالروح الامین فی تبلیغ احکام

لہ امجد علی شاہ اودھ نے ۱۸۴۷ء سے پہلے پرانے مدرسے کو نئے انداز میں قائم کیا۔ نواب جنت آرامگاہ سعادت علی خاں کے شاندار مقبرے کی وسیع عمارت میں مولانا میر احمد علی و مفتی محمد عباس و مولانا حامد حسین، مولانا شیخ علی اظہر، مولانا مرزا محمد علی جیسے علماء و مدرسین استاد مقرر کئے گئے۔ بیس استاد تھے۔ ان کی تنخواہ، سو، ستر، تیس، چالیس اور بیس روپیے تک تھی۔ طلباء کے وظائف نو، چھ اور چار روپیہ ماہانہ۔

بادشاہ خود مدرسے آتے اور اپنے باورچی خانے سے طرح طرح کی نعمتیں بھجواتے تھے۔ قبلہ و کعبہ، سلطان العلماء سید محمد صاحب اس کے سرپرست تھے۔ ۱۸۵۷ء میں مدرسہ بند ہو گیا، ۱۸۹۲ء میں نواب آغا ابو صاحب نے اس مدرسے کو جامع مسجد آصف الدولہ میں بحال کیا جس کے شیخ الجامعہ مولانا ابو الحسن صاحب قبلہ (متوفی ۱۸۹۵ء) ہوئے۔ ۱۹۱۱ء میں مدرسہ کی جدید عمارت کی تعمیر شروع ہوئی اور ۱۲ مارچ ۱۹۱۲ء کو مدرسہ موجودہ عمارت میں منتقل ہوا۔

ئیں نے ۱۹۴۳ء میں اس مدرسے سے صدر الافاضل کیا۔ مدرسے کی سند کا نام صدر الافاضل ہے جس میں الکافی، رسائل، مکاسب شرح کبیر کا درس ہوتا ہے۔

الدین و علی سید الوصیین و صالح المومنین و قائد الغر المحجلین و علی آلهما البررة المهدیین الذین طهر الله للاذعان بهما المومنین و نجس لانکارهم الکافرین۔ اما بعد

فهذه الرسالة الشریفه و العجالة العجیبة و الوجیزة الرشیقه و العلالة الغریبه وجدتها معدنا لدرر الفرائد و مخزنا للجواهر الخرائد جامعة لتحقیقات المتقدمین حاویة لتدقیقات المتاخرین کافیة لدفع الشبهات فارقة بین المشتبهات موصلة الی الصواب علی نهج عجاب۔ حریة بان تطبع باحسن الاسلوب علی صفائح القلوب۔ لم یر مثلها عین الزمان و لم یقف علی عدیلها الدوران مطالبها خیرات حسان، لم یطمثهن قبل مؤلفها انس و لا جان۔ مفیدة لکل طالب مستفید و مرشدة لکل راغب رشید الفاظها حدیقة للناظرین و معانیها غنیة للطالبین۔ کیف لا و قد انشأها الماهر العریف صاحب التصنیف و التالیف نخبة العلماء الاعیان صفوة کملاء الدوران العالم العامل و الورع الکامل الغائص فی بحار العلوم الذی هو بین الامثال کالشمس بین النجوم اضاءت بانوار افاداته الامصار و شاع فیضه فی الاطراف و الاقطار۔ ذو القریحه القدسیه و الملکیه القدسیة الفاضل الشهیر الفائق فی التقریر و التحریر وحید العصر فرید الدهر المتوج بتیجان العز و الرشاد المکتسی باکسیة الصلاح و السداد المالک لازمة المعقول و المنقول۔ المقتطف ثمرات الفضائل من الفروع و الاصول زبدة المدرسین فخر المعاصرین تقریره العالی ینشط الاذان و تحریره العالی یطرب الاذهان۔ الادیب الکامل فخر الاماجد و الاماثل رافع لواء التدقیق حامل عرش التحقیق فلله رأیه الصائب و ذکائه الثاقب و هو الرفیع مکانا و العظیم شأناً المولی الالمعی السید السند اللوذعی المولوی السید حیدر علی ایده الله المولی القوی و صانه عن شر کل غوی و غبی بحرمة النبی المکی المدنی العربی۔ هذا و آخر دعونا ان الحمد لله رب العالمین و الصلوة علی سید المرسلین و آله الطیبین الطاهرین۔

سید آغا

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء
۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء

مولانا سید آغا فرزند زین العابدین صاحب الٰہ آبادی عالم و فاضل خطیب و پیش نماز و مصنف، بزرگ تھے۔ علماء لکھنؤ سے تلمذ تھا۔ جناب ملاذ العلما سید بچھن صاحب آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ۱۸۸۸ء میں آپ کی شہرت نقطۂ عروج کو پہنچ گئی۔ شہرت کا سبب یہ ہوا کہ حاجی سید محمد آغا نے جون ۱۸۸۷ء میں اپنی زمین پر مسجد بنوائی، محراب مسجد پر جو پتھر لگایا اس پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلا فصل کندہ تھا اور مسجد میں جو اذان ہوتی تھی اس میں بھی یہ جملہ کہا جاتا تھا۔

مولوی محمد نامی ایک صاحب نے مقدمہ دائر کیا کہ ۱۳ رمضان ۱۳۰۴ھ ۱۴ جون ۱۸۸۷ء کو مسجد میں "خلیفتہ بلا فصل" کہا گیا۔ حکومت مسجد کے کتبہ اور اذان سے یہ فقرہ نکلوا دے اور شیعوں کو یہ کلمہ لکھنے اور کہنے سے منع کرے۔ مقدمے نے بڑی شہرت پائی۔ مولانا سید آغا صاحب مقدمہ کی پیروی کر رہے تھے اور آپ ہی کی سعی و بحث سے ۳۰ دسمبر ۱۸۹۰ء کو جسٹس لیٹ صاحب نے مدعی کے خلاف فیصلہ دیا اور ہائی کورٹ نے خرچہ مدعی کے ذمے واجب الادا قرار دیا۔ اس فتح میں جناب مولانا سید آغا صاحب کی ذہانت اور علمی برتری کا حصہ سب سے زیادہ رہا۔[1]

مولانا سید آغا صاحب نے ۴ شوال ۱۳۲۱ھ کو تخمیناً ستر برس کی عمر میں دنیا کو خیر باد کہا۔

تصانیف:
- الحقیقۃ والخلافت۔ اس کے مطالعے سے بہت سے سنی شیعہ ہوئے (مطبوعہ)
- تقریر الطیبا تین۔ مباحثۂ ممیز الدین و تمیز الدین (مطبوعہ)
- اساس الایمان۔ (مطبوعہ) (بے بہا ص ۳۶)

آغا امجد علی خان:

۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۲ء

مدراس قدیم زمانے سے شیعوں کا معزز آباد علاقہ تھا۔ ماضی قریب کے علماء میں مولانا آغا امجد علی خان صاحب بڑے فقیہ با اثر عالم دین اور قاضی القضاۃ تھے۔

---

[1] ۹ جون ۱۹۷۶ء کو اسی قسم کا مقدمہ لاہور کے ہائی کورٹ میں فیصلہ ہوا اور جسٹس سردار اقبال صاحب نے مدعی کے خلاف فیصلہ لکھ کر شیعوں کو اس کلمہ کے کہنے کی ممانعت کی درخواست مسترد کر دی۔
اس مقدمہ میں جناب سید افضل حیدر صاحب ایڈووکیٹ نے غیر معمولی محنت فرمائی۔ جزاہم اللہ۔

مدراس کے آستانہ حضرت عباسؑ کی تولیت بھی آپ کے سپرد تھی۔ ماہنامہ اصلاح کھجوا کے شمارہ شعبان ۱۳۴۰ھ میں مولانا کی تاریخ وفات ۲۰ مارچ ۱۹۲۲ء بتائی گئی ہے۔

فرزند: مولانا غلام محمد مہدی صاحب قبلہ بھی علما میں تھے۔

آغا پویا

حدود ۱۳۱۳ھ / ۱۸۸۶ء
۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء

مولانا آغا پویا جن کا نام مرزا مہدی تھا آیۃ اللہ الحاج محمد حسن معروف بہ حاجی میرزا آقا تھے۔ مولانا ۵ شعبان ۱۳۱۳ھ کو یزد میں پیدا ہوئے عظیم عالم و مفکر اور غیر معمولی جاذب قلب و نظر شخصیت کے مالک تھے۔ آپ آقای نائینی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے۔ فقہ و اصول حدیث و تفسیر اور فلسفہ جدید و قدیم کے واقعی علامہ تھے۔ آپ نے عراق کی جنگ آزادی میں حصہ لیا اور علامہ کاشانی، ہبۃ الدین شہرستانی کی سطح پر عزت پائی۔ طویل مدت تک میسور یونیورسٹی و رام پور میں دینی خدمات میں سرگرم عمل رہے۔

قیام پاکستان سے پہلے کراچی تشریف لائے اور یہاں تبلیغی مہم جاری کی۔ آپ کی محفل جدید الفکر جوانوں کا چمن تھی جس سے نئے مسئلے پر بات ہوتی اور دین و فلسفے کی روشنی میں نئی نسل کو دین کا گرویدہ کرتے تھے۔ جوانوں کو ان سے محبت تھی۔ تمام علما ان کے علم و فضل کے معترف تھے۔ وہ خود عالمانہ لباس، عالمانہ آداب اور مقدس زندگی کے پابند تھے۔ اعلیٰ درجے کی تجارت تھی لیکن امور تجارت معاملات دین میں رکاوٹ نہ تھے۔ انہوں نے فارسی اور انگریزی میں بہت کچھ قلمبند کیا۔ عقائد و تعارف مذہب ضرورت دین پر اہم کتابیں تصنیف کیں خصوصیت سے تفسیر قرآن مجید انگریزی میں ان کے حواشی اور اصلاحات ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ یہ تفسیر مع متن قرآن مجید حبیب برادرز کی طرف سے بڑی شاندار طباعت کے ساتھ منظر عام پر آ چکی ہے۔

مولانا نے ۱۷ جولائی ۱۹۷۳ء / ۱۶ جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ کراچی میں رحلت فرمائی اور باغ خراسان میں آسودۂ لحد ہوئے۔

آغا علی شمس: دیکھیے محمد علی حسن

آغا محمد

حدود ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء
حدود ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء

جناب مولوی آغا محمد صاحب عظیم آباد کے رہنے والے تھے۔ تحصیل علم کے لئے موصوف نے بہت سفر کئے بنارس میں مولانا گلشن علی صاحب (متوفی ۱۲۹۱ھ) سے پڑھا۔ پھر لکھنؤ جا کر علوم دین کی سند لی۔ صاحب گنج گیا (ہند) میں مولوی غلام حسین بنارسی سے حساب و جغرافیہ ہیئت و اقلیدس پڑھی۔ راجہ پیارے لال سے حساب اور راجہ سوہن لال سے اقلیدس اور شرح ملا صدرا کا درس لیا۔ فلسفہ و منطق کے علاوہ فقہ سے بھی غیر معمولی شغف تھا۔

مولانا آغا محمد صاحب بڑے ذہین و ذکی، عابد و زاہد، قانع و متوکل بزرگ تھے
تیرھویں صدی کے نویں عشرے میں پچاس برس کی عمر میں وفات پائی۔

شاگرد: • مرزا جان (بے بہا ص ۲۳)

آفتاب حسین دہلوی

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء
۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۴ء

سیّد آفتاب حسین بن سیّد غازی الدین حسن صاحب

پیتن ہیڑی ضلع بجنور کے باوقار زمینداروں میں تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم میران پور اور منصبیہ میرٹھ میں حاصل کی۔ لاہور سے مولوی فاضل کا امتحان دیا اور تمام پنجاب میں اوّل آئے۔

دہلی عربک ہائی اسکول میں السنۂ شرقیہ کے مدرس اوّل اور فقہ کے استاد رہے اور بڑی عزت حاصل کی۔ بہت ذہین و ذکی بزرگ تھے۔ مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ علم و فضل کے ساتھ ساتھ انتہائی با اخلاق و سادہ مزاج تھے۔

ذاکری میں ایک خاص طرز بیان کے موجد تھے۔ سُنی اور غیر مسلم لوگ بھی آپ کی تقریر بے حد پسند کرتے تھے۔ دہلی میں مذہب حقہ کی تبلیغ اور شیعوں کی تنظیم و ترقی کے لئے بڑی محنت اور کامیاب کوششیں کیں۔ دہلی کی امامت جمعہ و جماعت آپ سے متعلق تھی۔

نواب حامد علی خان کی مدد سے ایک مدرسہ دینیہ قائم کیا۔ دہلی کے اسی مصلح نے شیعۃ الصفا نامی انجمن قائم کی تھی۔

۱۳۲۱ھ دہلی میں انتقال فرمایا اور جناب مرزا محمد کامل صاحب کی قبر کے سرہانے پنجہ شریف میں دفن ہوئے۔

اولاد: • سیّد محمد دہلوی۔ مشہور واعظ و خطیب آل محمد۔ • بابو سیّد حسن۔ انگریزی تعلیم حاصل کی، ٹیلیفون کے محکمے میں ملازم اور لاہور میں مقیم رہے۔ ۱۹۶۶ء میں وہیں فوت ہوئے۔

شاگرد: حکیم حاجی مقبول احمد صاحب کو آپ ہی نے شیعہ کیا۔ موصوف اکثر منبر پر فخر کرتے تھے کہ مولوی آفتاب حسین کا شاگرد اور ان کے اسلوب پر بولتا ہوں۔ • احمد کبیر صاحب۔ شاہ آباد ضلع کرنال کے مشہور عابد، عارف جو جنگل میں عبادت کرتے اور یاد خدا میں مصروف رہتے تھے۔ (تذکرہ بے بہا ص ۴۴)

آقا حسن (قدوۃ العلما)

۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء
۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء

قدوۃ العلما مولانا آقا حسن صاحب بن سید کلب حسین صاحب کے جدِ بزرگوار مولوی سید محمد یوسف صاحب

محمد بہادر شاہ، سلطان دہلی کے استاد تھے۔ بادشاہ نے ضلع بریلی میں کچھ گاؤں نذر کیے تھے۔ ان محمد یوسف صاحب کے اخلاف میں ولی محمد حسین صاحب نصیر آبادی مجتہد مانے جاتے تھے۔ ولی محمد حسین کے فرزند سید کلب حسین کے بیٹے سید آقا حسن ۲۶ ربیع الاوّل ۱۲۸۲ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی کتب صرف و نحو و منطق و فقہ و ادب مولوی سبط محمد ابن خلاصۃ العلما سید مرتضیٰ سے اور کتب معقول و منقول و فقہ و اصول کی تکمیل جناب میر آغا صاحب اور جناب علن صاحب سے کی۔ عراق میں جناب شیخ محمد حسین مازندرانی (۱۳۰۷ھ) و جناب شیخ زین العابدین حائری و جناب شیخ محمد حسین مامقانی جناب مرزا محمد حسین شہرستانی کربلائی (۱۳۱۵ھ) سے استفادہ و اجازات لے کر درجۂ ثقاہت حاصل کیا۔ ۱۳۱۳ھ میں جناب عماد العلما میر آغا صاحب نے اجازہ مرحمت فرمایا۔ مولانا آقا حسن صاحب فقیر منش، سادہ مزاج، جفاکش، پرہیزگار اور بے تکلف عالم تھے۔ طلباء سے محبت فرماتے تھے۔ ہیئت میں مدرس کامل سمجھے جاتے تھے۔

قومی فلاح و بہبود: مولانا بڑے فعال، بیدار مغز اور اصلاح پسند تھے۔ وہ بے حد مصروف تھے مثلاً:۔ مسجد آصف الدولہ میں نماز جمعہ و عیدین۔ نواب میر اصغر حسین صاحب (زمیمی) کے میمبر تھے۔ ۱۹۰۹ء وقف فخر الدین حسین صاحب کے مختار تھے۔ پورے ملک سے مسائل کی دریافت و سوال و جواب۔ اس کے باوجود انہوں نے ملک گیر قومی ترقی کے لئے، قومی حقوق و فرائض کا جائزہ لینے اور جدید رجحانات سے ہم آہنگ ہونے کی خاطر۔

- ۱۳۱۹ھ میں انجمن صدر الصدور قائم کی جو ۱۳۲۳ھ میں "آل انڈیا شیعہ کانفرنس" کے نام سے موسوم ہوئی۔
- شیعہ کالج کی تجویز و تحریک۔
- مدرسہ جعفریہ دینی و دنیاوی تعلیم کا انتظام تھا۔ عربی، دینیات، انگریزی و صنعت و حرفت ساتھ ساتھ سکھائی جاتی تھی۔
- ۲۷ ربیع الاوّل ۱۳۲۸ھ انجمن یادگار علما قائم کی جس نے منجملہ متعدد خدمات کے مذہبی نادر کتابیں بھی شائع کیں۔
- ۱۳۲۶ھ میں شیعہ سنی فسادات کے موقع پر آپ نے اپنے وقار و تدبر سے معاملات سنبھالے۔
- ۱۳۳۷ھ شیعہ بیت المال قائم کیا۔ اس ادارے میں علم کے ساتھ ہنر کی تعلیم دی جاتی تھی۔

حج: مولانا سید آقا حسن صاحب نے عراق کے دو سفر طلب علم و زیارت کے لئے پہلے کیے تھے۔ ۱۳۴۴ھ میں خشکی کے راستے مشہد مقدس و کربلا و نجف و کاظمین ہوتے ہوئے حج و زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہو کر ۱۳۴۶ھ میں وطن واپس آئے۔

وفات: جناب قدوۃ العلما نے پنجشنبہ ۱۲ ستمبر ۱۹۲۹ء مطابق ۷ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ کو رحلت فرمائی اور حسینیہ غفران مآب میں دفن ہوئے۔

تصانیف : • رسالہ حرمان الزوجۃ عن العقار (فقہ استدلالی، عربی) • رسالہ غسل واجب بنفسہ ہے یا واجب لغیرہ۔ • ترجمہ عماد الاسلام نامکمل۔ • فتاویٰ • حواشی و اضافہ بر تحفۃ العوام • تفسیر قرآن مجید نامکمل۔ معالم اور اخبار الناطق میں مضامین۔

اولاد : خداوند عالم نے بائیس اولادیں عطا کیں جن میں مولانا کلب حسین صاحب (متوفی ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۳ء) نے عظمت و شہرت کا کمال پایا۔ (نزہۃ ج ۸ سنہ۔ وفات ۱۳۲۷ھ غلط ہے۔ بے بہا ص ۸۱)

- - - - - - - - -

سید آل احمد بلگرامی

۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء

مولانا سید آل احمد کا بلگرام سے تعلق تھا، لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ فقہ کے فاضل عابد و زاہد بزرگوار تھے ظہیر المؤمنین کے نام سے جناب مولانا میر آغا محمد مصطفےٰ صاحب، جناب سید ابراہیم صاحب، جناب سید بندہ حسین صاحب رحمہم اللہ کے بارہ سو اڑتیس فتوے جمع کئے تھے۔ یہ کتاب اُردو میں چھپ چکی ہے۔

حاجی آل محمد :

۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۹ء

حدود ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

روسائے امروہہ میں حاجی اصغر حسین کے فرزند آل محمد صاحب بھی ایک زمیندار و عالم بزرگ گذرے ہیں، امروہہ اور لکھنؤ اور نجف و کربلا کے علماء سے پڑھنے کے بعد خدمتِ دین بجا لاتے رہے۔ گورنمنٹ کے دربار میں کرسی تھی۔ امروہے کی میونسپلٹی کے ممبر بھی تھے۔

۱۲۹۸ھ میں اپنے والد کے ساتھ زیارات اور ۱۳۰۰ھ میں حج اور ۱۳۲۴ھ میں دوبارہ زیارات سے مشرف ہوئے۔ عربی، فارسی، اردو ادب پر قدرت کاملہ حاصل تھی۔ قلم برداشتہ لکھتے تھے۔ عبقات الانوار پر عربی۔ فارسی آمیز (ترجیع) میں تقریظ لکھی جناب شیخ محمد مازندرانی کو بے نقطہ خط اور بے الف خطبہ لکھا تو موصوف نے داد دی اور تعریف کی۔ مولانا آل محمد صاحب ۸ شوال ۱۲۳۴ھ میں پیدا اور ۱۳۲۵ھ کے قریب فوت ہوئے۔

تصانیف : ۱۔ سبحۃ الجواہر (احوال علماء) ۲۔ طعن النصول (واقعہ حضرت عثمانؓ) ۳۔ دافع الشکوک والدوطا (امامت) ۴۔ مثنوی نان خشک فارسی و عربی۔ ۵۔ حلیۃ الاولیاء در بحث متعۃ النساء ۶۔ القام الاحجار فی افواہ الاشرار (رد اعتراض بر عزائے امام) ۷۔ زاویۃ ھاویہ (در مطاعن معاویہ) ۸۔ گلزار جنت تصویر کربلا، واقعاتِ کربلا۔ ۹۔ سعید الھموم فی جواز البکاء علی الحسین المظلوم۔ ۱۰۔ درِ شہوار در احوال نورِ رسول مختارؐ ۱۱۔ مثنوی سبعہ سیارہ در معجزات جناب امیرؑ۔ ۱۲۔ دستور الخیول در علاج اسپاں۔ ۱۳۔ غضب البتول۔ ۱۴۔ درۃ البیضاء فی اثبات حق فاطمۃ الزہراء (اردو) ۱۵۔ تفسیر بعض آیات قرآن۔

۱۶۔ نتائج فکریہ (در ابطال خلافت)۔ ۱۷۔ دو خانہ شاہد (در نفی عروسی قاسم)۔ ۱۸۔ الدر المضئ (اصول دین بی) ۱۹۔ بیان حاسم در نفی عروسی قاسم۔

(۱) ابرار حسین پاروی

حدود ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۳ء

۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء

مولانا سید ابرار حسین پارہ ضلع غازی پور کے رہنے والے تھے، لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ مدرسہ ناظمیہ کے ممتاز الافاضل تھے۔ بڑے فاضل، اعلےٰ درجہ کے خطیب مرنجان مرنج، خوش مزاج، خوش پوش اور خوش باش پچاس، باون برس کی عمر تھی کہ لکھنؤ کٹرہ ابو تراب خاں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ مدرسہ ناظمیہ میں پڑھائے جاتے تھے۔ اس سے پہلے مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ میں مدرس تھے۔ وہاں سے مدرسۂ ناظمیہ بلا لیے گئے اور مولانا لکھنؤ کا سب سے بڑا عشرۂ مجالس جو مولانا سبط حسن صاحب قبلہ پڑھا کرتے تھے۔ وہ مولانا پڑھنے لگے۔ اور پورا شہران کی عزت کرنے لگا۔ دُور دُور تک شہرت ہوگئی، مولانا نے درس و خطابت کے علاوہ متعدد مقالات و مضامین بھی لکھے۔ آخر ۱۴ نومبر ۱۹۵۵ء مطابق ۲۷ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ حیدر آباد دکن میں وفات پائی۔

مطیر لکھنوی نے قطعۂ تاریخ کہا۔

حیف در عالمِ غربت اجل آمد او را	حیدر آباد شدہ مدفنِ ابرار حسین
قول رضواں پئے تاریخ وفاتش مطیر	شد بہ گلزار جناں مسکن ابرار حسین

۱۳۷۵ھ

- - - - - - - - -

مُلّا ابراہیم لاہوری

حدود ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء

جناب ملا ابراہیم صاحب عالم و زاہد، فقیہ و محتاط بزرگ تھے۔ مرزا محسن فانی کشمیری ۱۰۵۰ھ میں ملے اس وقت لاہور میں دو عالم اور بھی تھے۔ ملا محمد معصوم صاحب اور ملا محمد مومن تونی۔ لیکن ملا محمد ابراہیم صاحب متشدد قسم کے آدمی تھے۔ وہ اہل سنت کے ہاتھ کی چیز کھانے سے احتیاط فرماتے تھے کہ یہ حضرات ہندو کو نجس نہیں جانتے ان سے خرید کر نجس چیز بیچتے ہیں۔ (دبستان مذاہب۔ ص ۲۱۸۔ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ)

- - - - - - - - -

ابراہیم خان نواب

۱۱۲۱ھ / ۱۷۰۹ء

نواب مردان علی خاں امیر الامراء کے فرزند نواب ابراہیم خان تھے۔ ۱۰۶۳ھ / ۱۶۵۳ء میں شاہجہان نے "خان" کا خطاب دیا۔ اور علی مردان کی وفات ۱۰۶۸ھ کے بعد چار ہزاری ذات اور تین ہزار سوار کا منصب پایا۔

۱۰۷۲ھ میں عالمگیر نے کشمیر کی گورنری عطا کی۔ ابراہیم خان کے زمانے میں کشمیر کے اہل سنّت نے شیعوں کے خلاف زبردست تحریک چلائی۔ ابراہیم خان نے شیعوں کی مدد کی خلیل اللہ خان کی وفات پر عالمگیر نے اسے لاہور، پھر بہار بدل دیا۔ لیکن ۱۰۸۹ھ میں پھر کشمیر بھیجنا پڑا۔ اس مرتبہ آٹھ سال تک وہاں کے ضبط و نظم اور تعمیر و ترقی میں بہت سعی کی۔ لیکن پھر وہی شیعہ سنی جھگڑا ہو گیا۔ عالمگیر نے ۱۰۹۰ھ میں بنگالہ کا گورنر نامزد کر کے کشمیر سے طلب کر لیا۔ بنگالے کے بعد الہ آباد اور تیسری مرتبہ پھر کشمیر گئے (۱۱۱۳ھ) پانچ سال بعد گجرات بھیجے گئے۔ گجرات میں کامیابی کے ساتھ صوبہ داری کرنے کے بعد کابل کا صوبہ عطا ہوا۔ اسی عہد میں شاہ عالم ابن عالمگیر نے "علی مردان خان" لقب مرحمت کیا۔ وہ پشاور میں رہنے کے بعد اپنے وطن ابراہیم آباد "سودھرہ" لاہور سے تیس کوس کے فاصلے پر آن کر مقیم ہوا۔

ابراہیم خان نے سودھرہ (ضلع گوجرانوالہ) میں باغ و محل سرا بنائی اور نئی بستی کا نام ابراہیم آباد رکھا۔

ابراہیم خان نے حدود ۱۱۲۱ھ میں رحلت کی۔

ابراہیم خان بڑا مدبر، منتظم، خوش اخلاق، راسخ العقیدہ سخی اور عالم و ادیب تھا۔ اس نے متعدد باغات عمارتیں اور مسجدیں تعمیر کیں۔

اولاد: زبردست خان۔ یعقوب خان۔

تصانیف: بیاض ابراہیمی سات جلد۔ جلد اول و ثانی و ثالث خلافت راشدہ تک جلد چہارم عہد حضرت ام المومنین عائشہ۔ جلد پنجم عہد معاویہ جلد ششم امامت حضرت علیؑ و حسنینؑ و دیگر ائمہ۔ جلد ہفتم فروع دین و فقہ بیاض ابراہیمی کی جلدیں خصوصاً حصۂ فقہ بعض کتب خانوں میں موجود ہے۔ یہ کتاب نواب ابراہیم خان کی سرپرستی میں مرتب ہوئی وہ خود بھی حصہ لیتے ہوں گے۔ (• نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳، ترجمہ۔ مآثر الامراء ج ۱ ص ۲۸۸
• فہرست کتب خانۂ آصفیہ)

ابنِ حسن :

۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء
۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء

میر حسن رضا جائسی کے فرزند مولانا ابن حسن صاحب لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سنہ ولادت ۱۲۹۱ھ ہے۔ مولانا لطف حسین نحوی۔ مولانا سید علی نقی صاحب مدرس کیننگ کالج مولانا سید حسین ساکن محلہ احاطہ کمال جمال مولانا سید بچھن صاحب۔ مولانا سید علی صاحب سے علوم و فنون حاصل کیے۔ اور جناب بحر العلوم سے قبل سفر عراق اجازہ اجتہاد لیا۔

۱۹۰۹ء میں عراق گئے وہاں نجف و کربلا کے جن شیوخ کے درس میں شرکت کی ان میں چند نامور حضرات یہ ہیں۔
آقای سید محمد باقر صاحب (کربلا)
آقای سید کاظم طباطبائی۔ نجف و آقای آخوند ملا محمد کاظم خراسانی، آقای آغا شریعت اصفہانی۔ کچھ عرصے تک

سامرے میں بھی رہے۔ فراغت کے بعد مذکورۂ بالا علماء کے علاوہ آقای الحاج شیخ حسین مازندرانی اور آقای سید علی آل کاشف الغطا اور آقای سید مصطفےٰ کاشی نے اجازہ ہائے اجتہاد دیئے۔

حکومت برطانیہ نے حجۃ الاسلام مولانا محمد باقر صاحب کی جگہ ثمر حضرت اودھ کے کئی ہزار روپے سال کی تقسیم کا مہتمم قرار دیا، سلاطین و بیگمات اودھ نے جیش قرار روپیہ ماہوار عراق کے مقامات مقدسہ کی تقسیم کے لئے وقف کیا ہے۔ انگریزوں اور ترکوں کی جنگ میں بڑی تکلیفیں اٹھا کر بلائے معلّیٰ سے تین ماہ میں بصرے آئے اور رجب ۱۳۳۵ھ لکھنؤ پہنچے۔

مولانا ابن حسن صاحب شمس العلماء کے لقب سے پہچانے جاتے تھے۔ بہت وجیہ، خوش پوش باوقار رنگ تھے۔ ورزش کا شوق تھا فنون حرب سے باخبر تھے اس لئے جسم مضبوط اور سڈول تھا۔ بہت خوش آواز تھے۔ اس وجہ سے ان کی تقریر میں ایک خاص کشش تھی، ملا باذل کی طویل مثنوی حملۂ حیدری کے اشعار پڑھتے تو لوگ وجد کرتے تھے جنگ پڑھتے وقت تیور اور پینترے یوں بتلاتے تھے جیسے جنگ ہو رہی ہے۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مدت تک فقہ و اصول پڑھاتے رہے۔ درس گھر ہی پر ہوتا تھا۔ میں نے جناب مرحوم کو دیکھا ہے بلکہ شرائع الاسلام کا ایک سبق تبرکاً پڑھا بھی ہے۔

۲۶ شعبان ۱۳۶۸ھ لکھنؤ میں وفات پائی۔
مولانا قائم مہدی صاحب قبلہ آپ کے فرزند اور جانشین ہیں۔

تصانیف: • الرای السدید فی مسائل الاجتہاد والتقلید (مطبوعہ، عربی)
• الامام الراتب (مطبوعہ اردو) • ارث الخیار (استدلالی رسالہ) • فضائل و مصائب اہل بیتؑ دو جلد
• حاشیہ بر رسائل شیخ مفصل • نہایۃ الاصول فی حاشیۃ کفایۃ الاصول دو مجلد ضخیم
• رسالہ تنابیہ (استدلال) (بے بہا۔ ص ۶۳)

ابنِ حسن جارچوی :

۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء
۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

علامہ ابن حسن جارچوی بن سید مہدی حسن رضوی۔ جارچہ ضلع بلند شہر میں بتاریخ ۴ محرم ۱۳۲۲ھ ۳۱ مارچ ۱۹۰۴ء کو پیدا ہوئے۔ پانچ سال کے ہوئے تو والد نے رحلت کی اور نانا نے تعلیم و تربیت کا بوجھ اٹھایا بلوغت تک اپنے بہنوئی مولوی شبیر حسین صاحب کے پاس میر پور بھٹورو ضلع ٹھٹھہ سندھ میں رہے۔ انہوں نے رام پور اور اورینٹل کالج لاہور سے مولوی فاضل و منشی فاضل، میرٹھ سے انٹرنس، لاہور سے ایف اے، بی اے، ایم اے اور ایم او ایل کیا۔ ۱۹۳۲ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی ٹی کی سند لی۔

۱۹۲۰ سے ۱۹۳۰ء تک وہ سندھ، پنجاب اور دہلی میں اپنی تقریر و تحریر کی وجہ سے مشہور ہو چکے تھے۔ میں نے ان
کی تصویر دیکھی ہے جس میں عمامہ وعبا میں ملبوس ہیں۔ ان دنوں میں وہ سندھ میں پیش نماز و خطیب تھے۔
۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۸ء تک وہ جامعہ ملیہ میں رہے۔ ۱۹۲۸ء میں راجہ صاحب محمد امیر احمد خان آف محمود آباد
نے بلالیا۔ مولانا لکھنؤ میں علمی اور جدید فلسفی حلقے کے سربراہ رہے۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۱ء تک شیعہ کالج کے پرنسپل رہے
اس درمیان وہ شیعہ وقف بورڈ، لکھنؤ یونیورسٹی، دارالتالیف محمود آباد، شیعہ کانفرنس اور تمام قومی اداروں کے رکن رہے
۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک مہینے میں ایک دو مرتبہ میری ان کی ملاقات عموماً ہوتی رہی۔ میں امیر الدولہ پبلک
لائبریری جاتا تھا۔ لائبریری کے متصل وہ راجہ صاحب محمود آباد کی ایک کوٹھی میں رہتے تھے۔ میں آتے جاتے ان
کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اور ان کے سیاسی، فلسفی، تاریخی اور جدید مسائل پر تازہ مطالعے سے مستفید ہوتا تھا۔
وہ ان دنوں کمیونزم، اور جدید فلسفہ حکومت پر بہت عمیق مطالعہ کرنے کے بعد محمد و آل محمد کی تعلیم اور اسلامی اصولوں کی
بڑی عالمانہ باتیں کرتے تھے۔ انگریزی کتابوں کا ڈھیر رکھا رہتا تھا اور ہیگل، لینن، جیسے مشاہیر کے ضخیم تالیفات
سامنے رکھ کر حوالے دیتے تھے۔ بالشویک تحریک پر سخت تنقید کرتے تھے اور اس سے پیدا ہونے والے جدید نکتوں پر
شیعہ نقطہ نظر سمجھاتے تھے۔ میں نے ان سے بے حد استفادہ کیا۔ وہ نوابوں اور رئیسوں سے کھنچ کر ملتے اور ان پر
کڑی تنقید کرتے تھے۔ وہ راجہ امیر احمد خان صاحب کی فقیرانہ زندگی کا اکثر ذکر کرتے تھے۔ وہ نواب صاحب [illegible]
نواب رضا علی خان مرحوم سے اپنا اختلاف کھل کر ظاہر کرتے تھے۔ میں نے ان کی صحبت میں بیٹھ کر یہ تاثر لیا کہ ہمارے
طلباء کو جدید علوم سے باخبر ہونا چاہیئے۔ میں نے مدت تک سوچ بچار کے بعد ۱۹۴۵ء میں کل ہند شیعہ عربی جمعیۃ طلباء
کی تاسیس کی اور ملک کے تمام شیعہ مدارس سے رابطہ پیدا کر کے ۱۹۴۶ء میں ایک بہت بڑا اجلاس کیا جس کے
ایک جلسے کی صدارت جناب مولانا کلب حسین صاحب قبلہ نے ایک جلسے کی صدارت جناب جارچوی صاحب
نے فرمائی اس اجلاس میں شیعہ مدارس کے لئے جدید نصاب طے کیا گیا۔ لیکن میں نے دیکھا اس تحریک کو بعض
سیاسی جماعتیں اپنا آلۂ کار بنانا چاہتی ہیں۔ اس لئے یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ لیکن خود دینی تعلیم کے فوراً بعد سیاست و ادب و
تاریخ کے مطالعے میں منہمک ہو گیا۔ اگرچہ سیاست سے عملی تعلق کبھی پیدا نہ کیا۔
مولانا ابن حسن جارچوی ۱۹۳۵ء سے مسلم لیگ میں کام کر رہے تھے اور تحریک پاکستان کے وقت تو ان کا عالم
ہی کچھ اور تھا۔ ان کے سیاسی معلومات اور مذہبی جذبے سے متاثر ہو کر قائداعظم نے سر کرپس مشن کے سامنے
دو قومی نظریہ کا دینی پس منظر سمجھانے کے لئے دو عالموں کو منتخب کیا تھا۔ ایک علامہ شبیر احمد عثمانی دوسرے ابن حسن [illegible]
ان حضرات نے کرپس مشن کو مسلمانوں کے موقف کی مکمل صورت حال سمجھائی۔
پاکستان کی تحریک کو مقبول بنانے اور مسلم لیگ کے اجتماعات میں شرکت کرنے کے لئے انہوں نے بہت

دورے کیے۔ وہ اپنی جسامت کی وجہ سے زیادہ چلنے پھرنے کے قابل نہ تھے لیکن پاکستان کی خاطر انہوں نے جان پر
کھیل کر کام کیا۔ جب پاکستان بنا تو سیاسی طالع آزماؤں کی وجہ سے وہ اپنی ٹیم سے مایوس ہو کر لکھنؤ ہی میں رہ گئے۔ وہ کہتے
تھے کہ میرا مقصد پورا ہو گیا اب عہدے بٹیں گے اور امیدوار دوڑیں گے۔ مجھے اس بندر بانٹ سے کیا مطلب
وہ نئی نسل کی تعمیر افکار و کردار کے لئے شیعہ کالج سے وابستہ ہو گئے۔ لیکن ہندوستان میں ہندوؤں کی سیاست سے بدظن
اور بددل ہو کر وہ ہجرت پر مجبور ہوئے اور ۱۹۵۱ء میں کراچی آ گئے۔ ارباب سیاست نے ان کا استقبال کیا۔ وہ مسلم
لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے۔ اس لئے حکومت نے انہیں عہدے دیئے۔ وہ اپنا راستہ خدمت علم تجویز کر
چکے تھے اس لئے کراچی جامعہ کے شعبۂ اسلامیات سے وابستہ ہو گئے۔ لیکن سیاسی دلچسپیاں جاری رہیں۔ لیاقت علی خان
سے انہیں اختلاف تھا۔ لیکن ان کی رحلت پر جب بحث ہوئی کہ انہیں کہاں دفن کیا جائے تو وہ مسلم لیگ کے
طاقتور گروپ سے ٹکرائے اور لیاقت علی خان کو قائداعظم کے احاطے میں دفن کرنے پر آمادہ کر لیا۔
۱۹۶۴ء میں جب ایوب خان کے مقابلے میں الیکشن میں کسی کے آنے کی ہمت نہ تھی۔ اس وقت ابن حسن صاحب
صرف سیاسی اختلاف ظاہر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔
وہ پاکستان کے فدائی اور ملت شیعہ کے مبلغ و مفکر تھے وہ علماء کا بے حد احترام کرتے تھے اور مذہب کے
ہر آڑے وقت میں کام آتے تھے۔
انہوں نے شیعہ منبر و مجلس کو نئی فکر دی۔ انھوں نے شیعہ لٹریچر کو ادبی اسلوب دیا۔ وہ لاکھوں کے مجمعوں میں
بمبئی، دہلی، لاہور، لکھنؤ اور بڑے بڑے شہروں میں مجلسیں پڑھتے رہے۔ انھوں نے ہزاروں میلاد پڑھے۔ اور متعدد
مناظرے کیے وہ شیعہ سنی دونوں کے محبوب خطیب تھے۔ اور اسلامی معاملات میں وہ اعلیٰ درجے کے نمائندہ
تصور کیے جاتے تھے۔ ۱۹۳۹ء میں انہوں نے لاہور میں آریوں سے حیرت انگیز طریقے پر ایک مناظرہ جیت کر
تمام مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کی۔ آریوں کا چیلنج تھا کہ قرآن مجید وید کا ترجمہ ہے۔ مناظرہ شروع ہوا۔ حریف کی تقریر
کے بعد جارچوی صاحب نے کھڑے ہو کر مدعی کی تائید میں زوردار تقریر کی اور کہا آج بہت بڑا کام ہو گیا۔ تیرہ سو سال
کی گتھی حل ہو گئی۔ مسلمانو تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ ایک انوکھی اچھوتی کتاب بنا لیتے۔ پھر مدعی سے فرمایا آپ کا دعویٰ
مان لیا جائے گا۔ ذرا اسے لکھ دیجئے۔ مدعی نے لکھ دیا۔ مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ آپ نے فرمایا تو آپ نے یہ مان لیا
کہ قرآن مجید سنسکرت اور عربی کتابوں کا ترجمہ ہے۔ میں ابھی وصیت لکھے دیتا ہوں کہ میری اولاد میں کوئی اسلام قبول نہ
کرے مگر یہ بتا دیجئے کہ اس قرآن میں کتنے دیوتاؤں اور دیویوں کا ذکر ہے اور اللہ کے سوا، توحید کے سوا کہاں کہاں
کسی اور قوت کا اثبات ہے۔ قرآن مجید نفی ماسوا اور توحید کا سبق دیتا ہے۔ پھر کیسے مان لیا جائے کہ آپ سچے
اگر یہ کتاب آپ ہی کی کتابوں کا ترجمہ ہے تو کیا یہ اچھا نہیں کہ آپ اسی کو مانیں اور سب کچھ غلط جانیں۔ یہ بات ایسے

اندازسے کہی کہ مناظرہ الٹ گیا اور سب نے اقرار کیا کہ آج تک اتنا علمی اور منطقی مناظرہ نہیں ہوا تھا۔ مسلمانوں نے فتح کے نقارے بجادیے۔

مولانا جارچوی کا یہی انداز سیاست میں رہا۔ وہ جس طرح اعلےٰ درجے کے صاحب کردار مسلمان تھے۔ اسی طرح منطقی عقلی اور پکے مسلم لیگی تھے اور آخر تک وہ اسی سیاسی مسلک پر قائم رہے اور دورِ آمریت میں وہ اکیلے شخص تھے جو اپنا اختلاف ظاہر کرنے کے لئے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑے اور ناکام ہوکر اپنے نام کو مخالفت میں لکھوالیا۔ وہ غریبوں کے حامی اور ان کے دکھ سکھ میں شریک، وہ اسلامی برادری اور اسلامی حکومت کے قیام پر یقین رکھتے تھے۔

مولانا بہت سخت اصول کے پابند، حرص و ہوس سے دور قانع اور باعمل آدمی تھے۔ کراچی یونیورسٹی میں شیعہ تھیالوجی کے پہلے استاد مقرر ہوئے اور یہ شعبہ ان کی سعی سے وجود میں آیا۔ وہ طلبا کو اپنی فکر دینے کے متمنی تھے، اسی بناء پر انھوں نے "انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ کلچرل ریسرچ" کے نام سے ادارہ بنالیا، زمین خریدی اور کام شروع کیا تھا لیکن ضعف و علالت نے انہیں بے کار کردیا تھا ان کا خیال تھا کہ وہ اسلام اور آل محمد کو نئی تاریخی و فلسفی روشنی میں متعارف کرائیں۔ لیکن عمر نے وفا نہ کی اور ۱۶ر جولائی ۱۹۷۳ء/ ۱۴ جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ کو جاں بحق ہوئے اور انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ کلچرل ریسرچ، کراچی کے میدان میں دفن ہوگئے۔

اولاد: سید محمد مشہود ۔ سید علی حسن ۔ دو صاحبزادیاں

تصانیف: • مقدمہ فلسفۂ آل محمد مطبوعہ • زوال روما تہ الکبریٰ کے حصہ اسلام کا ترجمہ ۱۹۳۶ء میں • فلسفۂ آلِ محمد چھ حصے۔ مطبوعہ ۔ • بصیرت افروز مجالس، چودہ تقریریں۔ میرے مقدمے کے ساتھ چھپی۔ • شہید نینوا ۔ • جدید ذاکری۔ مطبوعہ ۔ • علیؑ کا طرزِ جہانبانی (انگریزی و اردو) • سرِ رسالہ رہبر "دہلی کے سرپرست اور بے شمار مقالات و مضامین کے مصنف تھے۔ (جولائی ۱۹۷۳ء کے شیعہ اخبارات)

ابوجعفر استرآبادی

حدود ۱۱۰۰ھ/ ۱۶۸۸ء

علامہ شیخ ابوجعفر بن محمد امین استرآبادی حر عاملی نے امل الآمل ج ۱ ص ۳۵۱ میں لکھا ہے کہ شیخ ابوجعفر عالم و فاضل، ادیب و معاصر ہیں۔ ہند کے کسی شہر میں مقیم ہیں۔

یہ بات حدود ۱۱۰۰ھ کی ہے۔ (ہے بہا ص ۲، نجوم السماء ص ۱۴۱۔ نزہتہ الخواطر ج ۵)

ابوجعفر ہندی

حدود ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء

عالم جلیل سید ابوجعفر بن سید علی اوسط برصغیر سے ہجرت کرکے کربلائے معلیٰ چلے گئے تھے۔ آغائے بزرگ

نے طبقات اعلام الشیعہ جلد اول میں ان کی علمی عظمت اور نفیس کتب خانے کا ذکر کیا ہے اور چودھویں صدی ہجری میں وفات لکھی ہے۔ (نیز، راجہ ابوجعفر پیر پور ضلع فیض آباد کے رئیس فاضل عراق متوفی حدود ۱۹۳۵ء)

ابوالحسن تاناشاہ :

۱۱۱۱ھ / ۱۶۹۹ء

ابوالحسن تاناشاہ، بڑا عالم و فاضل، درویش صفت و صوفی منش شخص تھا۔ حیدرآباد وطن اور چغتائی خاندان سے تھا۔ اس کی ہوشمندی اور شخصیت دیکھ کر عبداللہ قطب شاہ نے اپنی لڑکی بیاہ دی۔ خسر کی وفات کے بعد ۱۰۳۲ھ میں ابوالحسن صاحب تخت و تاج ہوا۔

ابوالحسن نے چودہ سال تک کی عمر میں تعلیم و تربیت شروع کی۔ چودہ سال تک علماء و زھاد میں رہا۔ چودہ سال تک عیش و عشرت حکومت و جنگ کی۔ چودہ سال قید میں رہا۔ عالمگیر اورنگ زیب نے ایک طویل جنگ کے بعد اسے گرفتار کرکے قطب شاہی عہد کا خاتمہ کردیا۔

ابوالحسن کا عہد ایک طرف علماء و مصنفین کے عروج کا عہد ہے۔ دوسری طرف مسلسل و طویل جنگ کا زمانہ۔ اس نے حیرت انگیز جنگ لڑی اور تیموری حکومت کو لوہے کے چنے چبوا کر اپنے وجود کو ختم کیا۔

جمعرات ۱۲ر ربیع الاول ۱۱۱۱ھ کو قلعہ دولت آباد میں بحالت اسیری رحلت کی۔

تصانیف : • حواشی تفسیر کشاف (عربی) محفوظ در کتب خانہ حبیب الرحمان خان شیروانی۔ • دیوان اشعار فارسی و اردو • دوسرے تالیفات ضائع ہوگئے۔ (نزہۃ ج ۶ ص ۷)

ابوالحسن (جناب اَبّو صاحب):

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء
۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء

جناب مولانا سید ابوالحسن بن سید محمد بن سید علی شاہ کشمیری، فقہ و اصول کے مشاہیر علماء میں ہیں۔ آپ جمعہ کے دن ۱۷ر ربیع الاول ۱۲۶۰ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور "خورشید علم" تاریخ ہوئی۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، اور والد بھی خاص توجہ سے عبادت و ریاضت کی تربیت فرماتے تھے مثلاً جب نمازِ شب کے لئے بیدار ہوتے تو فرزند کو بمطالعہ کے لئے اٹھاتے تھے۔ نمازِ تہجد سے فارغ ہوکر ایک سبق پڑھاتے تھے۔ نو سال کے تھے جب والد علام نے رحلت فرمائی۔ اس لئے دوسرے اساتذہ سے رجوع کی۔ چودہ سال کی عمر میں کمال علم کو پہنچے۔

عقائد و کلام کی مفصل کتاب عماد الاسلام جناب سلطان العلماء سید محمد صاحب اور فقہ و اصول ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب سے پڑھی۔ دورانِ درس مطالعہ ذہانت اور قوت کا یہ عالم تھا کہ اکثر بحث میں دو دو دن صرف

ہو جاتے اور اساتذہ کو تیاری کرنا پڑتی تھی۔

جوانی ہی سے زہد و تقویٰ میں بے مثال، تقریر و درس و وعظ میں باثر خطیب فقہ و اصول میں کئی استدلالی رسالوں کے مؤلف جن کی ممتاز العلما نے ان کی بہت تعریف کی۔

مفتی محمد عباس صاحب بھی اپنے ان شاگردِ خاص پر نازاں تھے، آخر میں جب لکھنے جانے لگے تھے تو لکھنؤ آن کر خاص طور سے اپنے شاگردِ محترم سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے۔ سید ابو صاحب قبلہ مفتی صاحب کے پاس بیٹھتے تو لوگ بے حد احترام سے دونوں بزرگوں کو دیکھتے اور کہتے تھے کہ بڑی نورانی مجلس ہوتی ہے۔ بائیس سال کی عمر میں یہ عالم تھا کہ جب

جناب مفتی صاحب "شرعیتِ غرا"[1] پر نظرِ ثانی کرنے بیٹھے تو بہت سے اہلِ علم کو شریک مشورہ فرمایا جس کی نظر میں جو بات آئی وہ عرض کر دیتا، لیکن جناب ابو صاحب کا یہ دستور تھا کہ آپ تامل فرماتے اور جناب مفتی صاحب بلا استفسار وجہ تامل وہ عبارت قلم زد کر دیتے تھے۔

سنا ہے کہ قبل بلوغ آپ کے پاس چار سو روپیہ تھا، بعد بلوغ کسی نے قرض لے لیا اور واپس نہ دیا، لیکن بشدتِ ورع بعد بلوغ احتمالِ وجوب کی بناء پر ۱۲۸۳ھ حج فرمایا۔

ذی حجہ کا مہینہ تھا، آپ مصروفِ درس تھے اور گھر کے ملازم سامانِ عزا اور استقبالِ محرم کا انتظام کر رہے تھے۔ آپ کی نظر کسی چیز پر پڑ گئی، چہرے کا رنگ بدل گیا اور یہ عالم ہوا جیسے کوئی چیز کھو گئی ہے۔ کسی نے سبب پوچھا تو یہ نہیں فرمایا کہ امام حسینؑ کی یاد میں ایسا ہو رہا ہے۔ بلکہ فرمایا: ڈرتا ہوں کہ دل میں کوئی خیال منافی اخلاص نہ آجائے۔

سیف صارم میں ہے: ...... شدتِ احتیاط سے شاید ہی کسی مسئلے پر دستخط فرماتے ہوں"۔

علاوہ صفاتِ حسنہ کے طلاب پر باپ سے زیادہ مہربان کسی کی غیبت اشارۃً و کنایۃً کوئی کرے تو فوراً روک دیتے تھے۔ غربائے مومنین کو حقیر نہ جانتے، حاجت مند کی سفارش کرنے میں عذر نہ کرتے تھے۔

ماہِ مبارک و عید الفطر کے لیے الٰہ آباد تشریف لے جاتے تھے، وہاں جمعہ و جماعت و موعظہ فرماتے، جمعے کے بعد آپ کے یہاں مجلس ہوتی، مجلس میں عموماً اس قدر روتے کہ دیکھنے والوں کو رقت طاری ہو جاتی تھی۔

شب جمعہ امام باڑہ غفرانمآب میں فاتحہ خوانی کے لیے آتے اور طلباء کو بڑے شیریں الفاظ میں فاتحہ خوانی کی طرف توجہ دلاتے۔

---

[1] شرعیتِ غرا: عربی میں مفتی محمد عباس صاحب مرحوم کی استدلالی کتاب جو عربی ادب کی کتاب بھی شمار کرنے کے لائق ہے۔ یہ کتاب مطبع صبح صادق عظیم آباد سے مفتی صاحب کی حیات میں شائع ہوئی تھی۔

انسانی صورت میں فرشتہ تھے۔ اخلاق و اخلاص، ایمان و عمل صالح، علم و ثقاہت میں اوّلین و اصحاب ائمہ کی مثال تھے۔

علامہ کنتوری لکھتے ہیں (سوانح علامہ) ۱۲۸۹ھ کے قریب مدرسہ ایمانیہ کی بنیاد ڈالی لیکن وہ چند ماہ بعد بند ہو گیا تو آپ اس قدر کبیدہ خاطر ہوئے کہ ترک وطن و ہجرت عراق پر آمادہ ہوئے۔ لیکن ہمت نہ ہارے اور کئی مدرسے قائم کیے جن میں سے دو مدرسے اب تک برقرار ہیں ایک مرزا محمد عباس خان صاحب کی تائید سے جو مدرسہ ناظمیہ کہلاتا ہے۔ اور جناب مرحوم نے اپنی زندگی ہی میں نجم العلما کو دے دیا تھا، دوسرا وقف حسین آباد کی تائید سے ۱۸۹۴ء میں مدرسہ سلطان المدارس کے نام سے یہ دونوں مدرسے اب تک جاری ہیں۔

آپ فقہ و اصول کا درس اس اعلیٰ پیمانے پر دیتے تھے کہ نجف و کربلا کا لطف آتا تھا۔

۱۴ رمضان ۱۳۱۲ھ کو دفعتاً کربلا کے چھٹے بلکہ آخری سفر کے لئے تیار ہو گئے، لوگوں نے بہت روکا مگر نہ رُکے۔ جب مومنین نے ہم رکاب ہونے کا ارادہ کیا تو فرمایا کہ لکھنؤ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ بمبئی آ جائیے۔

۲۴ محرم ۱۳۱۳ھ چہار شنبہ علی الصباح کربلا معلّے میں رحلت فرمائی۔ جناب سید باقر صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور درِ زینبیہ کے قریب مقبرہ کا بلین حجرہ نواب صاحب میں دفن ہوئے۔ (نیز دیکھیے محمد جعفر)

جناب ابو صاحب کی وفات پر خطیب اعظم مولانا سبط حسن صاحب کا مرثیہ ہے:

هوى جبل من آل عدنان راسيا	فامست بقاع الارض ارجفها هدّه
فضلى غبه والدهر يغشاه صيته	ولم يلف بحر فى الورى جزره مدّه
لقد كان حيا آية الله فى الورى	وفى القبر امسى مصحفاً حازه جلده
تحرى العراق منه سيفا مهندا	فيا حبذا سيف، ويا حبذا غمده
فأرّختُ عاماً حلّ فيه ضريحه	بكتهُ جفونُ الشرع، ناح له مجده

۱۳۱۲ھ

اولاد: • سید زین العابدین متوفی کربلا ۱۳۱۳ھ • سید محمد جعفر متوفی ۱۳۱۰ھ • سید محمد باقر متوفی کربلا ۱۳۴۶ھ • سید محمد ہادی صاحب متوفی کربلا ۱۳۵۷ھ

شاگرد: • ثانی علم الہدیٰ سید علامہ مرتضیٰ • محمد صادق صاحب کجھوی • نجم العلما نجم الحسن صاحب • ظہیر العلما سید عابد حسین بھیک پوری۔ • نظیر حسن صاحب بھیک پوری۔ • سبط حسین صاحب کربلائی جونپوری اجتہادی • سید محمد کاظم شبر • سید مہدی حسن صاحب • سید اعتقاد الحسن صاحب بہیرہ غازی پور۔ • سید محمد علی۔ ان کے علاوہ بہت سے مشاہیر

تصانیف: • شرح فصول تا بحث نبوت • اربعین و شرح اربعین • (در ثقلین) تعلیقات شرح اربعین شیخ بہائی • حواشی شرح کبیر • حواشی بر رسائل شیخ مرتضیٰؒ • حواشی قوانین الاصول • حواشی بعض مقامات فصول • تعلیقات منہج الیقین علامہ حلیؒ • رسالہ تحقیق مسئلہ نجاست ماء قلیل • رسالہ تحقیق حکم تغییر تقدیری، رسالہ حرمت نظر برزن اجنبی • رویت ہلال قبل از زوال • رسالہ در حکم تحلل بین الایجاب والقبول • خیر الزاد عقائد (عربی) • تراجم علماء الکاملین • احوال معصومین و ایام ولادت و وفات • رحیق مختوم حالات بحر العلوم • نفحۃ الوفاء (مکاتیب عربیہ) • خلاصۃ الصافیہ فی حل لغز الکافیہ کی شرح مقدمہ • شقائق الحقائق و حدائق الدقائق نکات و تحقیقات دربارہ احادیث مشکلہ • تقریب شرح تہذیب (النحو) تالیف ۱۲۸۰ھ
(بے بہا ۲۵، مصفی المقال ۲۸، نزہۃ الخواطر ۸ ص ۔)

ابوالحسن، ملاذ العلما:
۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء
۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء

خاندان غفران مآب مولانا دلدار علی کے نامور عالم ملک العلما سید بندہ حسن صاحب کے فرزند سید ابوالحسن ۱۲۶۸ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ گھر میں بچھن صاحب عرفیت رکھی گئی جو مشہور ہوئی اور آخر تک آپ جناب بچھن صاحب کے نام سے یاد کیے گئے۔ فقہ و اجتہاد گھر کا ماحول تھا۔ اسی ماحول میں تعلیم و تربیت کے بعد کیننگ کالج لکھنؤ کے مشہور استاد مولانا علی نقی صاحب اور مولانا سید حسین صاحب اور مولانا کمال الدین صاحب نیز اپنے والد علام سے متداول علوم حاصل کیے۔ کمال فقہ و اجتہاد کا اجازہ کربلا معلیٰ کے مجتہد اعظم آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی نے عطا فرمایا۔

واجد علی شاہ نے مٹیا برج سے "ملاذ العلماء" کا خطاب بھیجا۔ ۱۳۰۵ھ میں حکومت برطانیہ نے "شمس العلماء" کا خطاب اور حاضری عدالت سے استثناء کا فرمان دیا۔ دربار میں ۲۵ ویں نمبر کی کرسی دی گئی۔

مرجعیت دین اور زعامت ملت، شہرت و عظمت کی معراج پر فائز ہوئے۔

برصغیر کے مجتہدین میں سب سے بڑے مجتہد ہونے کے ساتھ ساتھ علم منطق کے مسلم الثبوت استاد تھے۔ شگفتہ مزاج، ملنسار، دریادل، متقی اور زاہد تھے۔ جناب غفران مآب کے اوقاف کی تولیت حاصل تھی۔ طلباء و مومنین کی خبرگیری اور ترویج علوم کا شوق تھا۔

معتمد الفکری مردم شناسی اور عظیم شخصیت کا ہر ایک مداح تھا۔ راجا امیر حسن صاحب مرحوم آف محمود آباد نے مدرسہ قائم کیا تو آپ کی نگرانی میں دیا۔ مدرسہ ایمانیہ بھی آپ کی تحویل میں رہا۔

نجف کے انداز میں درس خارج آپ ہی نے لکھنؤ میں جاری کیا۔ اس درس میں مولوی علی نقی صاحب، مولوی محمد حسین صاحب، مولوی سید محمد صاحب، مولوی حسن رضا صاحب نجم العلما اور مولوی سید محمد باقر صاحب مجتہد، مولوی ظہور حسین صاحب بار ہوی شریک ہوتے تھے۔

آپ نے ضروریات حیدریہ اور بعض کتابیں مفت تقسیم کیں۔

راجہ صاحب محمود آباد نے ایک تقریب میں دو موضعے معین حیات کے لیے نذر کیے تھے جس کی تولیت جناب ملاذ العلماء کے سپرد کی۔

الہ آباد کے مقدمہ خلیفۃ بلا فصل میں ایک کمیشن آپ کا بیان قلم بند کرنے کے لیے رمضان مبارک ۱۳۰۵ھ میں لکھنؤ آیا۔ آپ نے جو بیان لکھوایا وہ بہت اہم سمجھا جاتا ہے۔ (دیکھیے اسناد حسین)

۱۷ ماہ صفر ۱۳۰۹ھ لکھنؤ میں رحلت فرمائی اور غفران مآب امام باڑے میں دفن ہوئے۔

اولاد: • ملا محمد طاہر صاحب • سید صاحب • مولوی سید عابد علی صاحب

تلامذہ: • نجم العلماء سید نجم الحسن • ظہیر العلماء سید ظہور حسین صاحب جیسے متعدد اکابر

تصانیف: • تنقیح العقود فی حل شبہۃ عامۃ الورود (عربی) مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۹۰ء (موجودہ در کتاب خانہ میر تقی بائیں) • حاشیہ بر شرح ملا جامی • رسالہ حلت نظر بر تصویر اجنبیہ • رسالہ در بحث نکاح • ہزار ان سائل کے جوابات۔
(بے بہا ص ۵۳ • نزہۃ ج ۸ ص ۔)

ابوالحسن کشمیری
بعد ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

اسوۃ العلما مولانا ابوالحسن صاحب لکھنؤ میں تعلیم و تربیت علم و کمال حاصل کرنے کے بعد مرشد آباد تشریف لے گئے اور وہاں فقہ و علوم دین کی ترویج کی۔ بنگال کے علما میں نامور ہوئے۔ ۱۳۰۰ھ کے بعد رحلت کی۔

ابوالحسن، گوپال پوری:
۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء
۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء

مولانا حکیم سید ابوالحسن صاحب ابن سید مقبول حسین صاحب کی ولادت ۱۸۹۳ء میں ہوئی۔ ان کا وطن قصبہ گوپال پور ضلع سارن صوبہ بہار (ہند) ہے۔ بچپن تھا کہ سایۂ والدین سے محروم ہو گئے۔ آپ چچا سید محبوب حسین نے پرورش کی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد سلطان المدارس لکھنؤ میں علوم دین میں کمال حاصل کیا اور صدر الافاضل کی سند پائی۔ جناب مولانا سید ہادی صاحب قبلہ، جناب سید محمد باقر صاحب، جناب مولانا محمد رضا صاحب آپ کے نامور اساتذہ میں تھے۔ درس علوم دین کے ساتھ طب کی تکمیل جناب حکیم سید ظفر حسین صاحب سے کی۔

لکھنؤ سے آگرہ اور آگرہ سے مدرسہ ناصریہ جون پور میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۳۲۰ھ میں مدرسہ عباسیہ پٹنہ قائم ہوا تو مولانا محمد مصطفیٰ صاحب قبلہ جوہر کے اصرار سے مدرسے میں نائب مدرس اعلیٰ ہو کر گئے۔ ۱۹۴۰ء میں دیگر اساتذہ کے ساتھ آپ بھی

استعفیٰ دے دیا اور وطن آگئے۔ اس پوری مدت میں نماز و خطبہ، وعظ و درس کے علاوہ مطب بھی کرتے رہے۔

۱۹۴۹ء میں مع اہلیہ زیارت عراق و ایران کا سفر کیا۔

۱۹۵۹ء میں وقف گوپال پور کے متولی ہوئے اور ۱۹۶۹ء میں اپنے بڑے صاحبزادے مولانا سعید اختر صاحب چیف مشنری بلال مسلم مشن سے ملنے کیلئے دارالسلام، تانزانیہ تشریف لے گئے۔ ۱۹۷۱ء میں اپنی اہلیہ اور بڑے صاحبزادے کے ساتھ حج سے مشرف ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد وطن واپس ہوئے اور ۶ ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ کو ایک طویل علالت کے بعد اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔

(مرسلہ مولانا سعید اختر)

.. ..

ابنِ علی : حدود ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

مولانا سید ابن علی صاحب، مدرسۂ ناظمیہ کے افاضل اور سرکار نجم الملت کے شاگردوں میں تھے، ان کے انتقال پر جناب نے گریہ فرمایا اور ارشاد کیا کہ "بڑے عالم اور متقی و پرہیزگار سے دنیا خالی ہوگئی"۔ مرحوم کا انتقال اندازاً ۱۹۳۸ء میں ہوا۔

ان کے فرزند مولانا محمد عادل صاحب تھے۔ (محمد محسن نبیرۂ نجم العلما)

.. ..

اُبوالحسن، جزائری : حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء

صدرالعلما سید ابوالحسن بن نعمت اللہ بن اسماعیل بن مرتضےٰ بن نورالدین بن نعمت اللہ جزائری فقیہ و ادیب و مدرس۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ سے مکاتبت تھی۔ دیوان رطب العرب میں متعدد قطعات و اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف سے قرابت قریبہ بھی تھی۔ ۱۳۰۰ھ تک حیات تھے۔

تصانیف : • ایضاح الفرائض (فقہ) • تقریظ بر جواہر عبقریہ۔

اولاد : پانچ فرزند (مکتوب، مولانا طیب آغا)

ابرار حسین، متوفی حدود ۱۳۱۴ھ / ۱۹۶۴ء مولانا ابرار حسین برادر مولانا جرار حسین صاحب جون پوری فیض آباد، وثیقہ اسکول میں چالیس برس درس دیا۔ بڑے عالم و مقدس تھے۔ **اولاد :** مولوی محمد احمد فاضل علوم شرقیہ، ایم اے۔

ابن حسن، صدرالافاضل متوفی حدود ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

مولانا سید ابن حسن صدرالافاضل ابراہیم آباد ضلع بارہ بنکی (ہند) کے باشندے، عالم و عابد، واعظ و مدرس تھے۔ ستر پچھتر سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

ابوالحسن (میرن صاحب) : حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء — حدود ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۲ء

مولوی نیاز حسن برنی حیدر آبادی کے فرزند سید ابوالحسن صاحب حیدرآباد دکن میں ۱۲۸۰ھ کے حدود میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد صرف ونحو منطق مولوی سید اکبر حسین زید پوری سے حاصل کر کے ۱۲۹۹ھ میں لکھنؤ آئے لیکن بہت جلد واپس گئے۔ وطن میں جناب حسام الاسلام نثار حسین صاحب اور اپنے والد سے منقولات و معقولات کی تکمیل کی۔ بعد فراغت سب رجسٹراری کا عہدہ حاصل کیا۔ لیکن ملازمت چھوڑ کر عراق گئے۔ درس اعلیٰ تک تحصیلات مکمل کر کے اور آقای شیخ محمد حسن مامقانی و آقای شہرستانی سے اجازے لے کر وطن آئے۔

حیدرآباد میں ان کے جذبہ تبلیغ، خلوص علم و عمل اور خطابت کے قدردان بہت تھے۔ مولانا بھی اخلاق و ایثار کا مجسمہ تھے۔ تقریر میں دل کشی و تاثیر تھی اسی بنا پر وہ کچھ عرصے تک افریقہ میں بھی رہے۔ حیدرآباد میں اپنے والد کی مسجد کی تعمیر جدید کے علاوہ دینی تعمیرات و تبلیغات میں بڑی جد و جہد کی اور پورے دکن میں ~~مرجعیت حاصل کرلی۔ اور~~ اپنے والد علام کے جانشین قرار پائے۔

تصانیف : • مخزن طہارت • تقریب الشرع مع اجازات طبع ۱۳۱۳ھ

ابوالحسن (منن صاحب) ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء — ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۷ء

جناب شمس العلما سید محمد ابراہیم صاحب کے فرزند تھے۔ آپ کی ولادت ۲۸ صفر ۱۲۹۸ھ کو بمبئی میں ہوئی ان دنوں جناب سید ابراہیم صاحب زیارات کے لیے جا رہے تھے۔ جناب مولانا سید ابراہیم صاحب نے دوسرا سفر کیا تو آپ بھی سات برس کی عمر (۱۳۰۵ھ) میں والد کے ہمراہ تھے۔

فقیہ الزمن مولانا ابوالحسن صاحب قبلہ ذہین، محقق، جید الحافظہ، خوش مزاج اور قانع، عالم باعمل تھے۔ علمی وجاہت کا ہر شخص اعتراف کرتا تھا۔ اصول فقہ میں خصوصی شہرت تھی۔

اساتذہ : استاذ العلما سید سبط حسین صاحب۔ بحر العلوم جناب علن صاحب۔ قدوۃ العلما جناب آقا حسن صاحب (لکھنؤ میں)

۱۳۲۷ھ میں عراق گئے اور وہاں کے مشاہیر سے مستفید ہوئے جیسے شیخ الاسلام آقای شیخ فتح اللہ اصفہانی آیۃ اللہ شیخ علی گنا آبادی۔ آیۃ اللہ المرجع سید ابوالحسن اصفہانی۔ آیۃ اللہ مصطفےٰ کاشف الغطا۔

۱۳۳۲ھ میں وطن آکر درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ مدرسۂ ناظمیہ و مدرسۃ الواعظین میں درس دیا۔ مولانا سبط حسن صاحب کے بعد واعظین کے صدر مدرس بھی رہے۔

آپ کی وفات لکھنؤ میں ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ میں ہوئی اور بیرون امام باڑہ سید تقی صاحب، مسجد کے باہر سپرد لحد ہوئے۔ جناب مولانا علی نقی صاحب نے تشیعہ علماء ہند میں تاریخ ولادت ۲۸ صفر ۱۲۹۹ھ اور وفات یکم ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ لکھی ہے۔

تالیفات: • التجری فی الاجتہاد • البرق الومیض فی منجزات المریض • حاشیہ کفایۃ الاصول

اولاد: • مولانا سید علی نقی صاحب علی گڑھ • مولانا سید مرتضیٰ صاحب (لکھنؤ) • مولانا سید کاظم صاحب (طہران) • مولانا سید باقر صاحب نزیل قم۔ (تذکرہ بے بہا)

سیّد ابوالحسن بن مہدی:

حدود ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء

مولانا سید ابوالحسن بن سید مہدی صاحب لکھنوی ۔ جن کی ایک قلمی کشکول میرے پاس ہے اس کشکول میں احادیث و افادات لغت و صرف و نحو بڑے اعلیٰ درجے کے خط نسخ میں درج ہیں، ورق ۱۲، الف سے عربی خط ہیں۔ پہلا خط جناب حسین صاحب کے نام ہے اور لاہور میں نواب ناصر علی خاں صاحب کے یہاں قیام کا تذکرہ ہے۔ تاریخ ہے غرہ جمادی الثانیہ ۱۳۱۴ھ

دوسرا خط مولانا آفتاب حسین صاحب کے نام اور ۱۸ جمادی الثانیہ ۱۳۱۴ھ کی تحریر ہے۔

تیسرا خط ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ کا ہے اور غیر منقوط ہے۔ مکتوب الیہ کا نام مذکور نہیں۔

یہ خط عربی نظم و نثر میں ہیں اور کاتب کے کمال علم و ادب پر دلیل ہیں۔

مولانا ابوالحسن صاحب لکھنؤ میں رہتے تھے اور جلیل القدر عالم و فاضل تھے۔

ابوالحسن بن سیّد نقی کشمیری:

حدود ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء
۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء

جناب سید نقی صاحب نے نذر کی تھی کہ اگر خداوند عالم فرزند نرینہ مرحمت فرمائے تو اسے کربلائے معلیٰ لے جائیں گے۔ ۱۲۶۲ھ میں ابوالحسن صاحب کی ولادت ہوئی۔ جب مولود کی عمر سات برس کی ہوئی تو سید نقی صاحب زیارات کے لیے کربلا روانہ ہوئے۔ حرم حضرت امام حسین علیہ السلام میں داخل ہوتے تو خادم حرم حاجی سید مہدی نے آپ کو پریشان کیا۔ جناب سید نقی نے ضریح اقدس پکڑ کر شکایت کی اور قیام گاہ واپس آگئے۔ صبح سویرے جناب حاجی مہدی خدام حاضر ہوئے اور بڑی لجاجت سے گزشتہ گستاخی کی معذرت کی اور کہا کہ امام حسینؑ نے خواب میں فرمایا کہ تم نے میرے فرزند کو ایذا دی ہے جاؤ اور جا کر معافی مانگو۔ جناب سید نقی نے فرمایا، یہ خواب علماء کے سامنے بیان کرو اور لکھ کر دو پھر میں معاف کروں گا۔ چنانچہ وہ تحریر حضرت شیخ مرتضیٰ انصاری، حجۃ الاسلام مرزا علی نقی کی

مہروں کے ساتھ موجود تھی۔

جناب ابوالحسن صاحب قبلہ نے معقولات میں مولوی سید حسین صاحب ساکن محلہ احاطہ کمال جمال، مولوی محمد نعیم فرنگی محلی سے فیض پایا اور فقہ و اصول میں جناب تاج العلما علی محمد اور مفتی محمد عباس صاحب سے تلمذ کیا۔ جناب تاج العلما نے اجازہ دیا۔ اور اسعاف المامول ملاحظہ فرما کر عراق کے علما میں حجۃ الاسلام حاج شیخ حسین مازندرانی کربلائی، آقای سید حسین شہرستانی اور دوسرے اکابر نے اجازہ لئے اجتہاد و مکاتیب اعتراف فضل و کمال لکھے۔ حدود ۱۲۹۶ھ میں اپنے والد کے ساتھ عراق کا سفر کیا اور دو تین سال بعد حج سے مشرف ہوئے۔ زمان قیام جدہ میں شیراز کے امام جمعہ جناب شیخ یحییٰ صاحب سے معالم الاصول کے ایک مسئلہ پر اصول میں مباحثہ کیا۔ اسعاف المامول میں آپ نے اپنے چند خواب لکھے ہیں۔

۱۔ کربلائے معلیٰ میں خواب دیکھا کہ ایک مسجد میں دو قبریں ہیں ان پر سیاہ چادریں پڑی ہیں۔ سامنے محراب میں ایک بزرگوار سیاہ عمامہ باندھے تشہد کی نشست میں بیٹھے ہیں۔ سامنے شمع روشن ہے۔ دونوں ہاتھوں پر چہرے تک قرآن مجید اٹھائے ہوئے ہیں۔ گویا تلاوت کر رہے ہوں۔ حاضرین میں کسی سے نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ امام حسینؑ ہیں۔ میں قریب گیا، میں نے ایسا حسین و جمیل شخص اب تک کوئی نہیں دیکھا۔ میں آپ کی جانب رُخ کر کے دو زانو بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر گردن اٹھا اٹھا کر زیارت کرنے کے بعد رخصت ہوا۔

۲۔ موضع بھادی ضلع جون پور میں "اسعاف المامول" لکھ رہا تھا۔ ایک رات کو خواب میں دیکھا کوفہ میں ہوں، دو بنگلے بنے ہوئے ہیں۔ ایک امام حسنؑ کا اور دوسرا امام حسینؑ کا ہے۔ امام حسنؑ حاکم وقت ہیں اور اپنے بنگلے میں مقدموں کے فیصلے فرما رہے ہیں۔ ان میں ایک یہودی سے ہمارا مقدمہ ہے۔ وہ لوگ علم کی کشت کو منع کر رہے ہیں۔ میں چند ہندی حضرات کے ساتھ حاضر خدمت ہوا اور سامنے بیٹھ گیا، حضرت کے دست مبارک پر بوسہ دیا۔ حضرت سیاہ عمامہ زیب اقدس کیے ہیں۔ تخت پر تکیہ ہے۔ ناگاہ دو یہودی رئیس آئے میرے، ان کے درمیان کچھ بات چیت ہوئی۔ انہوں نے کہا اگر تم دے جاؤ۔ تو ہم تم کو اس قدر روپیہ دیں گے اور حضرت کے ہاتھ پر بیس روپے رکھ دیے۔ آنحضرت نے وہ روپے میری طرف بڑھائے، لیکن یہ حکم نہیں دیا کہ تم لو۔ مگر ہم نے نہ لیے اور اپنے فعل مرسوم سے انکار بھی نہیں کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بہت مقدس اور پرہیزگار تھے اور عزائے امام کے بے حد عاشق تھے

آپ نے ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ وفات پائی۔ محمد حسین صاحب نے تذکرہ بے بہا میں تاریخ ولادت ۱۲۷۶ھ بتائی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وقت وفات ایک سو ستر برس کے تھے۔ اور طول عمر کا کوئی

اشارہ نہیں ملتا اس لیے شاید تاریخ ولادت ۱۲۶۲ھ یا ۶۴ ہو۔

جناب ابوالحسن صاحب بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، عربی، فارسی و اُردو کے انشا پرداز اور خطیب بھی تھے۔

تصانیف:

۱۔ اسعاف المامول، شرح زبدۃ الاصول اصول فقہ عربی (مطبوعہ) ۲۔ سواء السبیل شرح زاد قلیل کلام عربی (مطبوعہ) ۳۔ نہاریہ شرح رسالہ ساعتیہ تاج العلماء (علم صرف) ۴۔ حل المغلقات شرح سبع المعلقات۔ ۵۔ اقامۃ البرہان علی حلۃ القہوۃ والقلیان۔ ۶۔ ارشاد المزکین در زکوٰۃ و فطرہ (مطبوعہ)۔ ۷۔ اذانیہ ۸۔ احسن المواعظ جلد اوّل مواعظ، جلد دوم فضائل جلد سوم مصائب (اردو مطبوعہ)۔ ۹۔ ازالۃ الشبہات نیچریوں کی رد۔ ۱۰۔ معراجیہ، در اثبات معراج۔ ۱۱۔ علل الصیام۔ ۱۲۔ سبب خلقت و وجہ تکلیف (مطبوعہ) ۱۳۔ رسالہ در بحث خقدام کلثوم (مطبوعہ) ۱۴۔ رسالہ مواعظ در اثبات معاد جسمانی (مطبوعہ) ۱۵۔ مواعظ حسنہ (مطبوعہ) ۱۶۔ حجج قاطعہ در بحث عروس قاسمؑ (اردو مطبوعہ) ۱۷۔ افادۃ المبتدین، آداب تعلیم میں۔ ۱۸۔ دفع الخیشوم در جواب مسلک المسیح (عروس قاسمؑ) ۱۹۔ رسالہ در رد تناسخ۔ ۲۰۔ رسالہ در بحث استعمال صدف مروارید۔ ۲۱۔ رسالہ در بحث دف و طبل بلاغنا در مجلس عزا۔ ۲۲۔ مسئلہ در وکالت شخص واحد در نکاح از طرفین۔ ۲۳۔ مسئلہ در بطلان نماز با انگشتری طلا۔ ۲۴۔ مسئلہ در صید سگ شکاری۔ ۲۵۔ مسئلہ در نماز اجارہ ترتیب شرط نیست ۲۶۔ مسئلہ در جواز و عدم جواز ربا۔ ۲۷۔ مسئلہ در خمس۔ ۲۸۔ مسئلہ در نماز قصر۔ ۲۹۔ مضارب مولبقہ در جواب رد المغالطہ ۳۰۔ رسالہ در اثبات نبوت۔

تلامذہ کی اچھی خاصی تعداد تھی جس میں مؤلف تذکرہ بے بہا اور اصغر حسین صاحب و رضا حسین صاحب نوگانوی کے نام بھی ہیں۔

اولاد: حکیم محمد مہدی صاحب (مولود ۱۵ شعبان ۱۲۸۸ھ) عالم و فاضل و طبیب تھے۔ اپنے والد کے علاوہ مولانا محمد حسین صاحب محقق ہندی کے شاگرد تھے۔ تقریباً چالیس برس کی عمر میں زیارت عراق سے مشرف ہوئے تھے۔ تذکرہ بے بہا کی تالیف کے وقت حیات تھے۔ (بے بہا نزہتہ ج ۸ ص ۸)

مرزا ابوطالب اِصفہانی :

۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۳ء
۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۶ء

امیر فاضل، ابوطالب بن محمد اصفہانی لکھنوی۔ محمد اصفہانی حملۂ نادر شاہ کے وقت دہلی آئے اور صفدر جنگ والی اودھ کے مقربین میں داخل ہو کر لکھنؤ پہنچے۔ ابوطالب ۱۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ ہی میں علماء سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ چودہ برس کی عمر میں (۱۱۸۰ھ) لکھنؤ سے اپنے والد کے پاس مرشد آباد چلے گئے۔ جناب محمد اصفہانی کی

وفات کے کچھ عرصے بعد ۱۱۸۹ھ میں لکھنؤ آئے۔ آصف الدولہ نے اٹاوہ کا حاکم بنا کر اٹاوے بھیج دیا۔ دو سال بعد لکھنؤ واپس آئے۔ جب اسکندر انگریز حاکم گورکھپور ہو کر آیا تو ابوطالب اس کے ہمراہ چلے گئے۔ تین سال کی ملازمت ختم ہوئی اور اسکندر معزول ہوا، مرزا صاحب لکھنؤ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ نواب آصف الدولہ نے وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ مرزا صاحب ۱۲۰۲ھ میں لارڈ کارنوالس سے نواب آصف الدولہ کی شکایت اور اپنے وظیفہ کے سلسلے میں بات چیت کرنے گئے لیکن لارڈ کارنوالس سلطان ٹیپو سے نبرد آزما تھا۔ ابوطالب کلکتے میں چار سال تک ٹھہرے اسی درمیان میں وہاں ایک کوٹھی اور باغ بنوایا۔ کارنوالس نے واپس آ کر مرزا ابوطالب کو لکھنؤ بھیج کر آصف الدولہ سے معاملات ہموار کرا دیے۔ کارنوالس کے لندن واپس جانے پر مسٹر چیری اور آصف الدولہ سے اختلاف ہو گیا۔ نواب آصف الدولہ نے مرزا ابوطالب کو چیری ریذیڈنٹ کے ساتھ جانے کا حکم دے دیا۔ ابوطالب ۱۲۱۰ھ میں لکھنؤ سے کلکتہ روانہ ہو گئے اور وہاں سے رچرڈسن کے ہمراہ رمضان ۱۲۱۳ھ میں راس امید کے راستے ۲۹ شعبان ۱۲۱۴ھ کو لندن پہنچے۔ ڈھائی سال تک لندن میں قیام کر کے ۱۱ صفر ۱۲۱۷ھ کو پیرس اور وہاں سے کلکتے آ گئے۔ مرزا ابوطالب نے ۱۲۲۰ھ لکھنؤ میں وفات پائی۔

تصنیفات: • منتخب ریاض الشعراء و اختتامی۔ • خلاصۃ الافکار تالیف ۱۲۱۹ھ کلکتہ۔ • مسیر طالبی فی بلاد افرنجی طبع ۱۸۱۲ء نیز انگریزی ترجمہ۔ • ترتیب و تصحیح دیوان حافظ طبع اوّل کلکتہ • تفضیح الغافلین، عزا تاریخ عہد آصف الدولہ نیز ترجمہ انگریزی (اعیان الشیعہ ج ۷ ص ۱۸۷، دائرۃ معارف اسلامیہ اردو، نزہتہ ج ۷ ص ۱۵)

ابوعلی امروہوی :

۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۷ء
۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۵ء

عالم و فاضل حکیم ابوعلی بن غلام علی امروہوی، ۱۲۰۲ھ دہلی میں پیدا ہوئے۔ سید محمد عبادت امروہوی سے فقہ و حدیث و علوم عربیہ کی تکمیل کی۔ حکیم رضی الدین امروہوی سے طب پڑھی۔

۲۵ سال تک باندہ میں درس دیا۔ ۲۱ صفر ۱۲۷۲ھ کو رحلت کی۔

تصانیف: • ہادی المخالفین فی الرد علی تحفۃ المسلمین۔ • حجیۃ الایمان۔ • کشف الرین فی اثبات العزاء علی الحسینؑ۔ • الفوائد الحسینیہ فی المفردات۔ • حواشی طب اکبر (نزہتہ ج ۷، ص ۱۷)

اَبُوالفتح گیلانی، حکیم :

حدود ۹۵۵ھ / ۱۵۴۸ء
۹۹۷ھ / ۱۵۸۹ء

مسیح الزمان ابوالفتح گیلانی عہد اکبری کے مشہور عالم تھے، فلسفہ و حکمت میں ان کی شہرت اور طب و معالجہ میں ان کا مرتبہ مسلم ہے۔ مشہور ہے کہ ان کے والد عبدالرزاق، لاہجان میں صدر الصدور تھے، ۹۷۵ھ میں جاں بحق ہوئے۔

(مقدمۂ رقعات ابوالفتح، طبع لاہور) لیکن سید اکبر لکھنوی نے سبیکۃ الذہب میں اپنا نسب نامہ لکھتے ہوئے بعض اہم انکشافات کیے ہیں :

"السید الحکیم ابوالفتح (ممدوح الحکیم العرفی الشیرازی) ابن المغفور السید عبدالرزاق الجیلانی مولداً والشیرازی موطناً والدھلوی مسکناً، مصنف مصباح الشریعۃ ومصباح الحقیقۃ ابن المغفور السید محمد ھاشم ابن المبرور السید محمد قاسم ابن المرحوم السید ھاشم ابن المغفور السید محمد حسن ابن المبرور میرزا نورالدین ابن المرحوم میرزا علاء الدین العطار ابن المبرور میرزا بہاء الدین ابن المغفور السید محمد النجار ابن المبرور السید عبداللہ زر بخش ابن المرحوم السید ابوبکر رضا ابن المبرور السید محمد قاسم ابن المرحوم السید حسین ابن المبرور السید موسیٰ ابن المغفور السید عبداللہ ابن المغفور السید محمد ابن المرحوم السید محمد جعفر ابن المغفور السید عبدالحق ابن المغفور السید اکبر العامری ابن المغفور السید محمد احمد البصطری الحامری ابن المغفور السید محمد ابراھیم رحمہ اللہ ابن الامام الھمام ابی الحسن موسیٰ الکاظم علیہ السلام"۔

خلاصہ یہ ہے کہ :

ابوالفتح اپنے والد کے ساتھ شیراز سے وارد ہند ہوئے۔ عبدالرزاق مصباح الشریعت نامی کتاب کے مؤلف تھے اور یہ کتاب سید محمد اکبر ابن سید رضا ابن محمد باقر ابن محمد جواد ابن سید امیر مختار ابن ابوالاعلیٰ ابن المعالی ابن سید خلیل ابن السید حکیم ابوالفتح کے پاس ۱۳۰۵ھ کو لکھنؤ میں موجود تھی۔

مصباح الشریعت فقہ کی کتاب تھی یہ نہیں معلوم کہ مفصل تھی یا مجمل اور استدلالی تھی یا کتاب فتویٰ۔

ملا عبدالرزاق کے چار بیٹے تھے۔

بڑے کا نام ابوالفتح، اور چھوٹے کا نام لطف اللہ تھا۔ حکیم ھمام[1] (متوفی ۷ ربیع الاول ۱۰۰۴ھ) ان کے علاوہ ایک فرزند حکیم نورالدین قراری (م ۹۸۸ھ) تھے۔

حکیم مسیح الدین ابوالفتح ۹۸۳ھ کو وارد ہند ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم و فنون میں کامل و مکمل ہو کر آئے تھے۔ کیا بعید ہے کہ انھوں نے شیراز میں معقولات و منقولات کے بہترین اساتذہ سے درس لیا ہو۔ اور فقہ و

---

[1] حکیم ھمام کے فرزند حاذق آگرے میں عزت و امارت کے ساتھ رہتے تھے۔ بقول مؤرخین ۱۰۶۷ھ میں آگرہ میں فوت ہوئے۔ م ح

حدیث میں کمال رکھتے ہوں۔ مگر دربار اکبری میں وہ پہلے طبیب کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ پھر اپنی اعلیٰ قابلیت کی بنا پر سیاسی و انتظامی منصب حاصل کرتے رہے۔ ۹۸۷ھ کے اواخر میں صدر و امین بنگال ہوئے۔ اس کے فوراً بعد دربار میں طلب کیے گئے اور پایۂ تخت کی صدارت کا منصب پایا۔ اکبر کے معتمد مشیروں میں حکیم ابوالفتح کا درجہ بہت بلند تھا، اکبر کی بے مذہب پالیسی نے ابوالفتح کی ڈاڑھی مونچھیں صاف کرادی تھیں، لیکن طب و اخلاق فلسفہ و مذہب کا مطالعہ جاری رہا۔ خطوط میں روضۃ الشہداء، کیمیائے سعادت و احیاء العلوم کے نام موجود ہیں۔

حکیم ابوالفتح، خوش اخلاق، منکسر مزاج، ہمدرد، خلق اور مدبر و سیاست دان آدمی تھے۔ ان کے محترم دوستوں اور قابل عقیدت بزرگوں میں حضرت قاضی نوراللہ شوستری کا نام بھی ہے۔ رقعات حکیم ابوالفتح گیلانی، مطبوعہ لاہور سے حکیم کا ایک خط متعدد فوائد کے پیش نظر نقل کیا جاتا ہے۔

مکتوب حکیم ابوالفتح گیلانی

بہ آیۃ اللہ قاضی نوراللہ شوستری :

گرامی رقعہ کل اللآلی کہ استقامت ذات سامیش مسئول ہر صحیح و بیمار است، شفا بخش خاطر رنجوران (بل) نعم البدل آب حیات بود، عرق شرم بر جبین و سر خجالت بر زمین افگند، دعای دوستان از زبان نیکان مستجاب باد. تا استجابت دعاهای ما گمراهان راه ران درگاه بار نیست کلفت خبر بیماری سریع الزوال شما از خلاص خود مایوس شدگان را دل کوب تر فرموده. فرد :

هر گست دوری از عدم تشویش هستی دیده را یا رب ز خواب نیستی در حشر بیدارم مکن

پریشانی خاطر شخصی که بعجائب نفس ناطقه رسیده باشند و بعد ناامیدی دست از اصلاح خود شسته تصور فرموده، هستی در کار ما پست فطرتان دارند، تا خود را از تحت الثری طبع خلاص کرده، باقصای غایت نفس ناطقه توانند رسانید و اہل روزگار را از شر خود خلاصی توانند بخشید.

پنجم رجب المرجب ۹۹۶ھ نوشته شد

ازین نامہ مستفاد می شود کہ قاضی نوراللہ چہ اثر عمیقی داشتند و امراء دربار اکبری از آن سید بزرگوار ارادت مندانہ صحبت می کردند۔ نا راحتی حضرت قاضی، حکیم ابوالفتح را چقدر نگران ساخت این مرقوم در کتاب "رقعات ابوالفتح گیلانی ص ۱۱۵، ۱۱۶ چاپ شدہ "کتاب ۷" پنجاب یونیورسٹی لاہور" در ۱۹۶۸ء نشر داد۔

وفات : ۹۹۷ھ رمضان کے بعد کشمیر سے واپسی میں اسہال ہوا۔ دھمتور پہنچ کر شب پنجشنبہ ۱۹ شوال ۹۹۷ھ داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور حسن ابدال میں دفن ہوئے۔

اولاد : سید ابوالوفا۔ سید خلیل صوبہ دار لاہور۔ سید فتح اللہ

تصانیف: • فتاحی : شرح قانونچہ ساڑھے چار سو صفحات ۔ • قیاسیہ : شرح اخلاق ناصری از قرآن و حدیث • چہار باغ " رقعات ابوالفتح " مطبوعہ ۔ • افادات حکیم ابوالفتح : موجودہ در کتب خانہ " ڈاکٹر اصغر مہدوی تہران ۔ • مظہر الاسرار ، مثنوی موجود در کتب خانہ مرکزی دانش گاہ تہران ۔

(• مقدمہ رقعات ابوالفتح ۔ • نزہۃ الخواطر ج ۵ ۔ • سبیکۃ الذہب)

ابوالفضل : ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء ، ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء

ملا مبارک اللہ[1] (م ۱۰۰۱ھ) کے بڑے بیٹے فیضی اور ان سے چھوٹے ابوالفضل تھے ۔ ابوالفضل آگرے میں پیدا ہوئے ۔ تاریخ ولادت ۶ محرم ۹۵۸ھ / ۱۴ جنوری ۱۵۵۱ء ہے ۔ ابوالفضل عربی النسل یمنی الاصل طالب علم نے اپنے والد اور معاصر اساتذہ سے اسلامی علوم سیکھے ۔ ملک میں نئے رجحانات کا زور و شور تھا ۔ ابوالفضل نے بھی ہندو علوم اور سنسکرت زبان سیکھی ۔ اکبر کو پرانے علماء کی جگہ نوجوانوں کی ضرورت تھی ۔ ابوالفضل ذہانت و ذکاوت صلاحیت قابلیت کی بناء پر ۹۷۴ھ میں اکبر نے یاد کیا اور فیضی اپنے ساتھ دربار میں لائے ۔ حاضر جوابی ، شیریں کلامی ، اور ترقی پسندی کی بناء پر بادشاہ کی نگاہ انتخاب میں آ گئے ۔ دوسرے سال تفسیر آیۃ الکرسی لکھ کر پیش کی اور ملازمت پائی :

ابوالفضل سیاسی دماغ کے مالک تھے ۔ وہ شاہی مراسلہ نویس اور پرائیویٹ سیکرٹری ہوئے ، پھر وزارت عظمیٰ حاصل کی ، مہمات میں شریک ہوئے ، تقابل ادیان " عبادت خانہ " اور دارالترجمہ کے رکن رہے ۔ بادشاہ کے پسندیدہ ملازم اور معتمد رکن سلطنت کی حیثیت سے ابوالفضل کا خلوص و عقیدہ صرف اطاعت اکبر تھا ۔ اکبر کو شرعی احکام اور اسلامی عقائد سے صرف نام کا تعلق تھا ۔ عملاً وہ خود نئے دین ، نئے مسلک اور خود ساختہ مذہب کا آدمی تھا ۔ ابوالفضل بھی قاضی القضاۃ قاضی خان بدخشی اور ملا عالم کابلی کے ساتھ بادشاہ کے دین جدید کا زبردست حامی تھا ۔ لیکن یہ دین وقتی اور سیاسی تھا ۔ اس کے پردے میں رہ کر سنی سنی تھے اور شیعہ شیعہ ۔ یہ بات اس وقت کھلتی تھی جب نجی بحث مباحثہ ہوا اور کھلم کھلا سنی علماء چھیڑتے یا کھلم کھلا شیعہ علماء اپنا موقف ظاہر کرتے تھے ۔

---

[1] مبارک اللہ بن خضر کے جد موسیٰ یمن سے آٹھویں صدی ہجری میں ——— صوبہ سندھ کے علاقہ ریل میں بسنے لگے ۔ شیخ موسیٰ کے پوتے رکن الدین ان کے بیٹے شیخ خضر سندھ سے نکل کر پنجاب کے شہر ناگور میں (اجمیر کے پاس) جا بسنے لگے ۔ شیخ مبارک ناگور میں پیدا ہوئے ۔ ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء ان کا سن ولادت ہے ۔ ۹ برس کے سن میں جوہر کھلے اور ۱۴ برس کے ہوئے تو متداول علوم میں سے ہر فن کا ایک ایک متن حفظ تھا ۔ شیخ عطن اور شیخ سالار ناگوری اور بقول بعض حضرات کے خواجہ عبداللہ احرار سے بھی فیض حاصل کیا ۔ خطیب ابوالفضل گازرونی سے بھی عقیدت و تلمذ کا رشتہ رہا ۔ غرض سفر طالب علمی اور کسب کمال

مورخین نے اس سلسلے میں جو واقعات لکھے ہیں ان میں عبدالقادر کا بیان ہے کہ ابوالفضل نے ملا محمد یزدی اور حکیم ابوالفتح کے علاوہ ایک عالم کو پریشان کیا ۔ ملا احمد تتوی اور فتح اللہ شیرازی کا ہمیشہ احترام کیا ۔ معاصر اسے شیعہ سمجھتے تھے اور اس کی اولاد اب تک شیعہ ہے ۔

ابوالفضل کے خطوط اور یادداشتوں کا ایک مجموعہ رقعات ابوالفضل کے نام سے موجود ہے ۔ اس میں سلاطین ، امراء ، حکماء ، علماء اور مختلف لوگوں کے نام خطوط کے مطالعے سے اس کی خاص نثر نویسی ، وسعت مطالعہ ، وقت نظر ، سیاسی سوجھ بوجھ ، معاملہ فہمی ، شاہ پرستی پر حیرت انگیز روشنی پڑتی ہے ۔

آئین اکبری اس کے انتظامی ، دفتری ، تاریخی ، ثقافتی معلومات کا قیمتی ذخیرہ ہے ۔ اسے اخلاق و فلسفے سے دلچسپی تھی اور مطالعہ اس کا مشغلہ ۔ بادشاہ کے خاص مشیروں میں تھا ۔ اس لیے جہانگیر کو دشمنی ہو گئی تھی ۔ ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء میں جہانگیر نے سرکشی کی تو ابوالفضل کو مہم دکن سے واپسی کا حکم ہوا ۔ ابوالفضل دربار کے

سے فارغ ہو کر ۶ محرم ۹۵۰ھ کو آگرے کے قریب جمنا پار اترے اور گھر بنا کر بیٹھ گئے ۔ گوشہ نشینی ، مطالعہ اور لکھنا پڑھنا مشغلہ تھا ۔ شیر شاہ نے بلایا نہ گئے ۔ فلسفی آدمی تھے ۔ معاصر حریفوں نے مخالفت شروع کر دی ۔ تشیع کے الزام میں بہت ستائے گئے ۔ میر حبش کو شیعہ کہہ کر قتل کیا گیا ، اور شیخ مبارک کو روپوش ہونا پڑا ۔ مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی صدر نے زندگی اجیرن کر دی ۔ ۶۳ برس کی عمر میں حالات بہتر ہوئے ۹۷۴ھ میں فیضی کی دربار اکبری میں طلبی ہوئی ۔ پھر سب فرزند صاحب اعزاز ہوتے ہی چلے گئے ۔ خود بھی دربار کے معتبر عالم قرار پائے اس معتبری میں قاضی القضاۃ قاضی خان بدخشی اور ملا عالم کابلی کے ساتھ مل کر دین جدید اور نئی سیاست کا فکر بنایا جو دین الہٰی کہلایا ۔

آخر ۱۷ ذی قعدہ ۱۰۰۱ھ لاہور میں رحلت کی اور آگرے میں دفن ہوئے ابوالفضل نے اپنے باپ کا عالی شان مقبرہ آگرے میں بنوایا تھا ۔ یہ مقبرہ آگرے اور اکبر کے مقبرے کے درمیان میں تھا ۔ سکندرے سے ڈیڑھ میل پہلے موضع مئو کے سواد میں تھا اور عوام میں " روضۂ لاڈلی " کے نام سے مشہور تھا ۔ لاڈلی بیگم ، نواب اعتماد الدولہ اسلام خان کی زوجہ اور ابوالفضل کی بہن تھیں ۔ اس مقبرے کے گرد احاطہ تھا اور اس کے عالی شان دروازے پر لکھا تھا " بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ وبعد ۔۔۔۔ ھذہ الروضۃ للعالم الربانی والعارف الصمدانی جامع العلوم شیخ مبارک قدس سرہ العزیز قد وقف بنیانہ بحر العلوم شیخ ابوالفضل سلمہ اللہ تعالیٰ فی ظل دولۃ الملک العادل یطلبہ المجد والاقبال والکرم جلال الدین والدنیا اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ تعالیٰ ظلال سلطنۃ باہتمام حضرت ابی البرکات فی سنۃ اربع و الف " داستان اخیار یا تذکرۂ مشاہیر اکبر آباد طبع آگرہ ص ۱۵۲) اولاد : • ابوالفیض فیضی (۹۵۴ھ - ۱۰۰۴ھ) شیخ ابوالفضل (۹۵۸ھ - ۱۰۱۱ھ) شیخ ابوالبرکات (۹۶۰ھ - ۱۰۱۶ھ) ابوالخیر (۹۶۷ھ - ؟) ابوالمکارم (۹۷۶ - ؟) ابوتراب ابوحامد - ابوراشد

لڑکیوں میں لاڈلی بیگم - زوجۂ خداوند خان شیعی زوجۂ فرزند راجہ علی خان ۔

ارادے سے واپس آرہا تھا، راستے میں بندیلہ نامی راجپوت سردار راجہ بیر سنگھ دیو نے روک کر گوالیار سے تین کوس کے فاصلے پر قتل کر دیا، سر تو جہانگیر کے پاس الٰہ آباد بھیج دیا گیا اور لاش قصبۂ انتری میں دفن کر دی گئی (دائرۂ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی)

یہ واقعہ جمعہ ۴ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ/ ۲۲ اگست ۱۶۰۲ء کا ہے۔

اولاد: عبدالرحمٰن خان باپ کے بعد ترقی کرتے کرتے صوبۂ بہار کا حاکم ہوا۔ اور ۱۰۱۳ھ میں فوت ہوا۔ مجھے آگرے کے معتبر و موثق بزرگوں نے بتایا کہ عبدالرحمٰن شیعہ تھے اور ان کی اولاد آگرے میں تھی۔ اور اب یہ خاندان پاکستان میں موجود ہے۔

تصانیف: • اکبر نامہ۔ تاریخ عہد اکبری طبع شد۔ • آئین اکبری (ثقافتی و آئینی تاریخ) طبع شد • عیار دانش، انوار سہیلی کا خلاصہ تکمیل ۹۹۶ھ طبع شد۔ • دیباچہ رزم نامہ، مہا بھارت کے ترجمہ فارسی کا مقدمہ (۹۹۵ھ) • انجیل۔ بائبل کا فارسی ترجمہ (۹۸۶ھ) • مناجات، فارسی اشعار (۹۹۳ھ طبع میڈیول انڈیا کوارٹلی علی گڑھ نے چھاپی) • مکاتبات علامی (۱۰۱۵ھ) دفتر ابوالفضل۔ انشاء ابوالفضل اور مکاتبات علامی کے ناموں سے مشہور ہے اور مدتوں سے داخل نصاب ہے۔ • رقعات ابوالفضل۔ مرتبہ نورالدین محمد

(• ترجمہ مآثر الامرا ج ۲ ص ۶۱۱ دربار اکبری۔ ص ۵۷۰ نگارستان فارس ۱۳۴ منتخب التواریخ)

ابوالفیض۔ فیضی، فیاضی: ۹۵۴ھ / ۱۵۴۷ء — ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء

ملا مبارک یمنی ناگوری [illegible] کے بڑے فرزند ابوالفیض شب پنجم شعبان ۹۵۴ھ/ ۱۵۴۷ء آگرے میں پیدا ہوئے اپنے والد اور معاصر اساتذہ سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ ملک کے سیاسی حالات دگرگوں تھے۔ ملا مبارک کے حریفوں نے ان کے لیے زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ علمی عملی رخوں سے حملے ہو رہے تھے۔ ابوالفیض —— حکیمانہ مزاج رکھتے تھے۔ حالات نے خالص دینی تعلیم سے آراستہ بزرگوں کی حالت دیکھ کر آزادہ روی، روشن خیالی اور حکمت و فلسفہ کی طرف قدم بڑھایا۔ اور ہندوؤں کے قدیم علمی و مذہبی مرکز کاشی (بنارس) جا کر شاستر کی تعلیم حاصل کی جب استاد پر حال کھلا تو اس نے نصیحت کی کہ گائتری منتر اور چار بید کا ترجمہ نہ کرے۔ فیضی نے اس پر عمل کیا۔

تصانیف: • منبع نفائس العلوم تفسیر مفصل، مولانا آغا مہدی صاحب نے اس تفسیر کے ایک مکمل نسخے کا سراغ لگایا ہے اور وہ کتب خانہ سید محمد تقی ممتاز العلماء لکھنؤ کے ذخیرے میں ہے۔ • ترجمہ حیٰوۃ الحیوان:

(• دربار اکبری۔ ۷۰۴۔ تذکرہ علماء ہند ۱۶۴
• بوستان اخیار۔ ۱۴۷، ترجمہ منتخب التواریخ ۶۰۲)

بنارس سے نکل کر وہ مختلف مشکلات سے دوچار ہوئے آخر ۹۷۴ھ میں دربار اکبری کی حاضری اور پھر ملازمت سے سرفراز ہوئے اور چار صدی منصب پایا۔ انھوں نے دانیال کو تعلیم دی تھی۔ ۹۹۰ھ میں ملک الشعرائی کا منصب ملا۔ ۹۹۹ھ میں وہ دکن کی سفارت پر بھی گئے۔

فیضی اکبری دربار کے نورتن کا رکن تھا۔ وہ بادشاہ کا مزاج شناس و محبوب تھا۔ بادشاہ کے رجحانات کی تائید کرتا اور اس کی بڑھ چڑھ کر مدح کرتا تھا۔ اکبر نے آفتاب پرستی شروع کی فیضی نے بیسیوں رباعیاں لکھ دیں۔ قاضی خان بدخشی نے بادشاہ کے لیے سجدہ جائز قرار دیا تو فیضی موید تھا۔ فیضی کا دین حقیقی تو رضا اکبر شاہ تھا۔ لیکن اس کے تالیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل عقیدہ تشیع تھا اور دربار کے سنی علما اس بات کا طعنہ بھی دیتے تھے۔ اس کے کلیات میں جو اس کا دیباچہ ہے اس میں بسم اللہ و حمد کے بعد ہے:

بستہ در گنج بتسفل خفا ... داده کلیدش بکف مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ و علی آلہ و عترتہ کہ مدارج مرقات علمیہ و جواہر مرآت فطریہ اند۔

اور قصیدۂ منقبت و موعظت میں، وہ اپنے عقائد کا بیان کرتے ہوئے اصحاب کا سرسری ذکر کرتا اور نام نہیں لیتا۔ مگر چودہ شعروں میں وہ بارہ اماموں کا نام لیتا ہے اور آخر میں کہتا ہے۔

فیضی نشود خاتمۂ ما بہدایت ... گر ختم اماماں ھدی را نشناسیم

دیکھئے (کلیات فیضی جلد اول، ترتیب اے ڈی ارشد و مرتضیٰ حسین فاضل، طبع لاہور ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۹)

فیضی ملا احمد تتوی، حکیم فتح اللہ شیرازی، حکیم ابوالفتح گیلانی، قاضی نوراللہ شوستری، ملا احمد یزدی کے ارادتمندوں میں تھا۔ اس نے تفسیر و حدیث، طب و حساب، عربی و فارسی و سنسکرت میں بڑے اہم کام انجام دیے ہیں۔

فیضی دمے کا مریض تھا اور اسی بیماری میں ۱۰ صفر ۱۰۰۴ھ کو رحلت کی۔ اور آگرے میں اپنے والد کے مقبرے میں دفن ہوا۔ یہ مقبرہ ابوالفضل نے ۱۰۰۴ھ میں مکمل کرایا، مگر ۱۹۰۷ء میں کھد گیا۔ (بوستان اخیار۔ ص ۱۵۲)

تصانیف: مآثر الامرا کے مصنف نے اسے ایک سو ایک کتابوں کا مؤلف بتایا ہے جس میں چند یہ ہیں:

• سواطع الالہام: قرآن مجید کی تفسیر عربی جس میں کسی حرف پر نقطہ نہیں ہے۔ اس کی متعدد تقریظیں لکھی گئیں ان میں جناب قاضی نوراللہ شوستری کی تقریظ اہم ہے۔ یہ تفسیر ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔ (طبع ہو چکی ہے) • موارد الکلم۔ یہ بھی عربی میں ہے اور تفسیر سے پہلے صنعت مہملہ میں لکھی ہے۔ علم اخلاق اس کا موضوع ہے۔ تالیف ۹۸۵ھ طبع شد

• مثنوی مرکز ادوار، فارسی، تصوف طبع شد۔ • ترجمہ لیلاوتی (سنسکرت سے فارسی میں) طبع شد

• مثنوی نل دمن، طبع شد۔ • لطیفۂ فیاضی، چند خطوں کا مجموعہ طبع شد۔ • کلیات فارسی، جس میں قصائد، قطعات، غزلیات ہیں اس کا پہلا حصہ چھپ گیا ہے۔ پورے کلیات کی چھان بین ڈاکٹر اے ڈی ارشد صاحب نے

کی تھی، ہیں نے اس کی جدید طرز پر ترتیب کا کام کیا۔ اور حواشی لکھے تھے۔

(• دربار اکبری ص ۲۹۵ طبع لاہور، ۱۹۴۷ء • نگارستان فارس طبع دوم لاہور ص ۱۲۶۔ • ماثر الامرا اور متعدد کتابیں)

ابُوالقاسم تستری :

۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۲ء
۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء

ابوالقاسم بن رضی حسینی جزائری تستری مشہور بہ نواب میر عالم خان نواب صاحب کے والد رضی حسینی حیدرآباد آئے اور "پٹن چیرو" کے جاگیردار ہوئے۔ میر رضی کے فرزند ابوالقاسم حیدرآباد میں پیدا ہوئے اور اپنے والد سے فقہ و اصول، تاریخ و لغت اور حکمت و فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔

ہوش مندی، سیاسی اور علمی قابلیت کی بنا پر ارسطو جاہ وزیر دکن کے یہاں اعزاز حاصل کر گئے۔ ارسطو جاہ نے پہلی مرتبہ سفیر بنا کر کلکتے بھیجا پھر ۱۲۰۷ھ میں سلطان ٹیپو کے خلاف نظام کی فوج کے سربراہ کی حیثیت سے انگریزوں کی کمک کی۔ خاتمہ جنگ کے بعد دکن واپس آئے تو ارسطو جاہ سے رقابت اور سیاسی اختلاف کی بنا پر نواب صاحب نے خانہ نشینی اختیار کر لی۔

سکندر جاہ بن نظام علی خان نے تخت نشینی کے بعد ۱۲۱۹ھ میں وزارت عطا کی۔ نواب میر عالم خان کا دورِ وزارت تعمیر و ترقی کا دور شمار کیا جاتا ہے۔ نواب صاحب نے حیدرآباد اور اس کے باہر متعدد عمارتیں بنوائیں بہن آباد و حیدرآباد میں "نہر کشنا" جاری کی۔ باغ بنایا موسیٰ ندی پر بند تیار کرایا۔

آخر ۸ رشوال ۱۲۲۳ھ کو رحلت فرمائی اور دائرہ میر مومن میں دفن ہوئے۔

تصانیف : • حدیقۃ العالم تاریخ دکن فارسی (مطبوعہ)

فرزند : سید رضی خان دوران م ۱۲۱۶ھ

(• ذخیرہ ج ۲، ص ۱۸ • اعیان الشیعہ ج ۷، ص ۴۳ و ۱۸۸ • میر مومن ص ۲۸۹)

اخوند ابوالقاسم کشمیری :

۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء

جناب شہید ثانی شیخ زین الدین کے پوتے شیخ محمد حسنؒ دہلی میں رہتے تھے، آخری دنوں میں ملا ابوالقاسم نامی کشمیری نے آپ کی خدمت میں حاضری دی۔ وہ آپ سے علوم دین، تفسیر و حدیث، فقہ و عقائد میں تلمذ حاصل کر کے خدمت گزاری کرتے رہے۔

جناب علامہ شیخ محمد حسنؒ دہلی کے فقہاء امامیہ میں مرجعیت رکھتے تھے شیخ موصوف نے وفات پائی تو اخوند ابوالقاسم نے موصوف کے مقبرے کے پاس گھر بنا لیا۔ اور اپنی باقی زندگی خوش اخلاقی، خدمت خلق اور یاد خدا میں بسر کی۔

آخر اٹھارہ رمضان ۱۱۹۳ھ میں بعد افطار وفات پائی اور استاد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

(• سیر المتاخرین ج ۲ ص ۹۱۶)

ابوالقاسم سمنانی :

بعد از ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء

مولف جہاں نما نے ۱۲۲۳ھ کے واقعات میں لکھا ہے۔ پٹنہ میں اس وقت عالی حضرت، ستودہ مرتبت، حمیدہ خصلت، فضائل شعار، فرخندہ رفتار اخوند ملا ابوالقاسم سمنانی صاحب طبع سلیم و ذہن مستقیم تھے۔ علوم متداول میں خوب معرفت تھی۔

تاریخ و مذاہب و فنون عمل میں خاص درجہ تھا۔

(بے بہا)

ابوالقاسم حائری :

۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء
۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

لاہور میں فقہی اور علمی سرگرمیوں کے محرک اول جناب مولانا ابوالقاسم حائری تھے۔ مولانا موصوف کشمیری الاصل و رضوی النسل بزرگ تھے۔ موصوف ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء فرخ آباد (یوپی) میں پیدا ہوئے۔

ان کے والد سید حسین قم سے کشمیر منتقل ہوئے اور پشمینہ کا کاروبار کرنے لگے۔ وہ تجارت کے لیے لکھنؤ جایا کرتے تھے۔ مولانا ابوالقاسم بن سید حسین اسی زمانے میں بمقام فرخ آباد پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں سلطان العلما سید محمد صاحب اور سید العلما مولانا سید حسین صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔

مولانا ابوالقاسم، نیک، پرہیزگار، وسیع النظر، قادر البیان عالم تھے ان کی قابلیت و تقویٰ سے متاثر ہو کر نواب علی رضا خاں قزلباش اپنے ساتھ لاہور لے آئے۔ ابوالقاسم صاحب نے لاہور کو دینی و علمی مرکز بنانے میں بڑا کام کیا۔

موچی دروازے میں مسجد و مدرسہ کی تاسیس ہوئی، جمعہ و جماعت کا قیام ہوا۔ مدرسے کے اخراجات اور علماء کا قیام و طعام نواب صاحب قزلباش برداشت کرتے تھے، بلکہ اس سلسلے میں وقف بھی قائم کیا۔ مولانا خود درس بھی دیتے تھے اور وعظ بھی فرماتے تھے۔ ان کے فیوض سے پنجاب میں شیعہ علوم و فنون، حدیث و تفسیر، فقہ و عقائد کے چرچے ہوئے۔ مولانا کو قرآن مجید سے بے حد عشق تھا۔ انھوں نے ملکی رجحانات و ضروریات کے مطابق مفصل تفسیر لکھنا شروع کی۔ اس وقت شیعوں پر چاروں طرف سے حملے اور اعتراض ہو رہے تھے۔ لہذا تفسیر میں اس پہلو پر زیادہ زور دیا گیا۔

مولانا نے نادر و قیمتی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا تھا جس میں تفسیر کا مجموعہ بہت زیادہ تھا۔

مولانا ابوالقاسم حائری نے اپنے علم و تقدس سے لاہور کے اپنے بیگانے ہر ایک کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ وہ فارسی زبان میں بے تکلف گفتگو کرتے اور لکھتے تھے۔ ان کے تمام تالیفات فارسی ہی میں ہیں۔

مولانا ابوالقاسم حائری نے حج و زیارات کا سفر کیا۔ اس سفر میں وہ شیخ مرتضیٰ انصاریؒ اور علامہ اردکانی وغیرہ کے درس میں حاضر ہوئے اور ان سے اجازے لیے۔

پچاس سال کے لگ بھگ لاہور میں مساجد، جماعت، عزاخانے، مجالس اور علمی حلقے قائم ہوگئے۔ چونکہ مولانا بہت بااخلاق، خوش مزاج، سیرت و صورت میں کشش رکھتے تھے۔ اس لیے نیچری، عیسائی، آریہ، یہود اور مختلف فرقے اور مختلف عقیدے کے افراد آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اپنے شبہات دُور کرتے تھے۔

مولانا کی وفات ۱۴ محرم ۱۳۲۴ھ کو ہوئی (کافور و کفن جو شاہ عبد شرف سے مَس کر کے ساتھ رکھتے تھے اسی سے حنوط و کفن دیا گیا) اور گامے شاہ کی کربلا میں سپرد لحد ہوئے۔

اولاد : • مولانا سید علی حائری ۔ • مولانا سید ابوالفضل ۔

تصانیف : مولانا کی قلمی کوششیں پنجاب کی علمی تاریخ اور فارسی زبان کی خدمات کے سلسلے میں ہمیشہ قدر کی نظر سے دیکھی جائیں گی۔ لیکن ان کی تفسیر • لوامع التنزیل : برصغیر کی تفسیر نویسی میں مایۂ ناز کتاب ہے۔ مطالعہ و تحقیق و مباحث عقائد و استدلال کے بہترین حوالے موجود ہیں۔ اس کی زبان سادہ اور رواں ہے۔ اس کی بحث دل کش اور مفید ہے۔ ہر پارے کی ایک جلد اور ہر جلد کے ساتھ ساتھ علما کی رائے چھپی ہے۔ (مولانا ابوالقاسم نے بارہ جلدیں لکھی ہیں)

لوامع التنزیل کے علاوہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کی ایک مختصر فہرست یہ ہے۔ • شرح تبصرۂ علامہ حلی (عربی قلمی)

• حاشیہ بر شرح مبادی الاصول قلمی ۔ • تعلیقہ بر شرح میر عبدالوہاب قلمی ۔ • جنۃ الواقیہ دو جلد (عقائد و فروع قلمی) ۔ • معارف ملت ناجیہ (فارسی) • ناصر العترۃ الطاہرہ (فارسی) • برہان المتعہ (فارسی) • البشریٰ شرح مودۃ القربیٰ ۲ جلد (فارسی) ۔ • حقائق لئالی شرح خصائص نسائی (فارسی) • مجمع العروض (عربی) • سیادۃ السادہ در انساب ۔ • تجرید المعبود (فارسی) • ابطال تناسخ (فارسی) • جواب لاجواب (اثبات عزاداری (ف)

• عجیر خیر پوری مناظرہ ۔ • نفی الجبر مناظرہ ۔ • نفی رویۃ اللہ مناظرہ • اجوبۂ زائرہ مناظرہ • جواب باصواب در طعام اہل کتاب (عربی) • جواب العین در وجہ کسوفین (فارسی) ۔ • ارکان خمسہ (فقہ) اردو ۔ • ہدایۃ الغالیہ (ف) • برہان البیان در آیۂ استخلاف (فارسی) • انوار خمسہ فقہ (فارسی) • ہدایۃ الاطفال (فارسی) • تکلیف المکلفین حصہ اول عقائد۔ دوم فروع (فارسی) • حکمۃ الایلام • ابراز و اعجاز علی بوقت خلافت ۔ • تعبد مالا بد بحث قبلہ • غروب الشمس ۔ • خلاصۃ الاصول در اصول فقہ (عربی قلمی) • تذکرہ ملا علی (کلام) فارسی قلمی ۔ • براہین الغدر علی قلمی ۔ • زبدۃ العقائد (فارسی قلمی) • تعلیقہ بر شرح مقداد بر فصول طوسی ۔ • تعلیقہ بر شرح تجرید علامہ ۔ • تعلیقہ بر تہذیب

الاصول علامہ ۔ • صیانۃ الانسان (فارسی) • اجوبہ اسئلہ نصاریٰ ۔ • رسالہ نوروز (فارسی) تخریج الآیات • ابانہ در مصاہرت صحابہ (عربی)

(سوانح قاسمی طبع لاہور ۱۳۲۴ھ تذکرہ بے بہا ۔ الذریعہ ۔ مصفی المقال ۔ نزہۃ ۸ ص ۹ ۔ اعیان الشیعہ ج ، ص ۱۷ ، پر ابوالقاسم حائری کو تین شخصیتیں فرض کیا گیا ہے ۔)

ابوالقاسم نجفی (بمبئی) :

۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء
۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء

مولانا شیخ الحاج ابوالقاسم بن شیخ عبدالحکیم کاشانی مجتہد۔ نجف و کربلا و سامرا کے عظیم فقہا کے شاگرد اور عالم باعمل بزرگ تھے جو اہلِ بمبئی کے اصرار پر جناب آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ۱۳۰۷ھ میں بمبئی تشریف لائے اور اکتالیس سال تک دینی خدمات انجام دیتے رہے ۔ تہتر سال کی عمر میں اپنے فرزند جلیل مولانا شیخ محمد حسین نجفی کو خوجہ اثنا عشری مسجد کے دینی خدمات سپرد کر کے کربلائے معلیٰ تشریف لے گئے اور ۲۸ صفر ۱۳۵۰ھ کو حرم حسینی میں آسودۂ لحد ہوئے ۔

مولانا ابوالقاسم صاحب بہت بڑے عالم تھے ، فارسی میں متعدد قلمی آثار چھوڑے جو ان کے کتب خانے میں محفوظ ہیں ۔

(دیکھیے شیخ محمد حسین نجفی)

ابوالمعالی ، سید :

۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء
۱۰۴۶ھ / ۱۶۳۶ء

سید ابوالمعالی بن قاضی سید نور اللہ شوستری مرعشی سادات سے اور علمائے اعلام سے تھے ، ہندوستان میں خدماتِ علوم دینی فرماتے رہے ۔ فلسفہ و کلام و ادب سے شغف تھا ۔ فقہ و حدیث کا سلسلہ اکابر علمائے عرب سے ملتا ہے ۔ موصوف کی ولادت پنجشنبہ ۳ ذیقعدہ ۱۰۰۴ھ اور وفات ۱۰۴۶ھ بنگالہ میں لکھی گئی ہے ۔

تصانیف : • احوال شہادت قاضی نور اللہؒ ۔ (نجوم السماء ص ۹۲ بحوالہ امل الآمل تذکرۂ بیمہ)

• تفسیر سورۂ اخلاص ۔ • شرح الفیہ (فقہ) • رسالہ نفی رویت • انموذج العلوم ۔ • دیوان فارسی ۔

احسان علی بھیک پوری :

۱۲۱۷ھ / ۱۸۰۲ء
۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء

مولانا احسان علی بن سید سلامت علی ، ۱۲۱۷ھ بھیک پور ضلع سارن ، بہار میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنؤ میں منطق و فلسفہ و حدیث و تفسیر ، عقائد و فقہ وغیرہ کی تکمیل کی اور جناب سید حسین صاحب قبلہ سے اجازہ حاصل کیا ۔

کچھ عرصے تک لکھنؤ میں درس و وعظ میں شہرت حاصل کی ۔ امجد علی بادشاہ اودھ نے آپ کی خدمات سے

متاثر ہو کر معقول وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔
آخر میں وطن چلے گئے اور زہد و عبادت، درس و ترویج فقہ و دین میں عمر بسر کر کے ۱۲۷۲ھ میں رحلت فرمائی۔
آپ کے فرزند مولانا علی رضا صاحب بھی فاضل و ادیب و شاعر تھے۔ موصوف نے شعبان ۱۳۲۴ھ میں وفات پائی۔ (● بے بہا ص ۱۰ طبقات اعلام الشیعہ)

احفاد الحسین : ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء — ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء

مولانا اجواد علی متوفی ۱۳۰۶ھ کے صاحبزادے مولانا سید احفاد الحسین نے اپنے والد اور علمائے لکھنؤ سے اجازات لیے۔ طب، شعر و خطابت میں مشہور تھے۔ نیک پرہیزگار اور عالم تھے۔ آخر میں اپنے والد مرحوم کی جگہ مسجد نواب علی خان صاحب حسین آباد ضلع مونگیر میں پیش نماز ہو گئے تھے۔ ذیابیطس کے بیمار تخمیناً انچاس سال کی عمر پا کر رجب ۱۳۳۲ھ لکھنؤ میں رحلت کی۔ دفتر تاریخ ج ۲، ص ۷۷، میں نواب سید محمد جعفر خان نے تاریخ لکھی ہے:

بوطن پا کشش بہیرو قصبۂ آل رسولؐ — اندر رجب رحلت نمودہ پیرو شاہ حسینؑ
گفتیم جعفر در وفاتِ ذوالمناقب مولوی — شد وارد قصر جناں الجمال احفاد الحسین
۱۳۳۲ھ

آپ کے تالیفات عربی و فارسی ضائع ہو گئے۔ (بے بہا ۔ ص ۱۱۲)

احمد ٹھٹھوی، ملّا : قبل ۹۴۰ھ / ۱۵۲۳ء — ۹۹۶ھ / ۱۵۸۷ء

ملا احمد بن نصر اللہ فاروقی ٹھٹھہ سندھ کے قاضی زادوں میں تھے۔ آپ کے والد ٹھٹھے کے قاضی و عالم تھے۔ ملا احمد نے گھر میں تعلیم و تربیت حاصل کی اور شہر کے اساتذہ سے پڑھ لکھ کر فارغ ہوئے۔ مؤلف تحفۃ الکرام لکھتے ہیں کہ ابو الفضل و فیضی کے ہم سبق تھے۔ کچھ عرصے تک ٹھٹھے کے قاضی رہے۔ مکلی پر ان کی خانقاہ ہے۔ (تحفۃ مترجم ص ۲۷۱) اس زمانے میں ایک عراقی عالم ٹھٹھے آئے اور ملا احمد سے ملے۔ ملا احمد ان سے متاثر ہوئے۔ اتفاقاً ملا صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ تشریف رکھتے ہیں۔ آپ کے دستِ مبارک میں تفسیر کشاف ہے اور ملا احمد سے فرما رہے ہیں "آیہ انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنو الخ" کی تفسیر پڑھو۔ ملا احمد خواب سے بیدار ہوئے اور تفسیر کشاف کی تلاش کا خیال دل میں بیٹھ گیا۔ کچھ عرصہ بعد مرزا حسن نامی کوئی عراقی فاضل عراق سے ہرمز اور ہرمز سے ٹھٹھے کے لیے روانہ ہوئے۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت علی علیہ السلام حکم دے رہے ہیں کہ تفسیر کشاف لے لو، ٹھٹھے میں اہل بیت کا ایک دوست قاضی ٹھٹھہ کا فرزند ہے

اس سے ملنا اور کتاب اسے دینا۔ مرزا حسن بیدار ہوئے تفسیر کشاف نکالی اور اس پر یہ خواب لکھ کر تفسیر ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ ٹھٹھے پہنچ کر مرزا حسن نے اپنے آدمی کو کتاب دے کر ملا احمد کے پاس بھیجا اور خواب کہلوا دیا۔ ملا احمد کتاب لے کر اور خواب سن کر مرزا حسن کے پاس آئے، اپنا خواب بیان کیا۔ مطالعہ طلب تفسیر کے مطالعے سے مستفید ہوئے لیکن ان کے دوستوں نے اس کی تردید کی۔ ملا احمد کے خیالات بدل چکے تھے۔ مرزا حسن نے شیعہ اکابر و علماء و علوم کی تفصیل بتا دی تھی۔ اب ملا احمد مشہد مقدس جانے کے لیے تیار تھے۔ آخر بائیس برس کی عمر میں وہ خراسان روانہ ہو گئے۔ مشہد مقدس، شیراز و یزد کے علماء سے ملے۔ مولانا افضل قائنی اور حکیم مرزا جان اور کمال الدین حسین طبیب (م ۹۵۴ھ) سے تفسیر و حدیث، عقائد و فقہ، فلسفہ و ہیئت و طب وغیرہ کا درس لیا۔ ملا احمد ذہین و ذکی، خوش گفتار و فاضل آدمی تھے لہٰذا شاہ طہماسپ صفوی تک رسائی ہو گئی۔ بادشاہ نے بڑی عزت کی اور اپنے ساتھ قزوین میں رکھا۔ ۹۸۴ھ میں شاہ طہماسپ نے رحلت کی اور ملا احمد حج و زیارات کے لیے حجاز و عراق گئے وہاں سے گول کنڈہ اور پھر بیجاپور میں علی عادل شاہ متوفی ۹۸۸ھ کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ یہاں حکیم فتح اللہ شیرازی، و امیر نظام الدین جیسے اکابر علما کا ساتھ رہا۔ دکن میں ملا صاحب کو "ارسطوئے زماں" خطاب ملا۔ علی عادل شاہ کی وفات نے انجمن کا شیرازہ بکھیر دیا۔ جلال الدین اکبر نے ملا فتح اللہ شیرازی کو دار السلطنت طلب کیا تو ملا احمد بھی ان کے ہمراہ ۹۹۰ھ فتح پور سیکری پہنچے۔ فتح پور میں علما کا ایک بورڈ تاریخ و تحقیق ادیان کے لیے کام کر رہا تھا۔ ملا احمد اس کے رکن نامزد ہوئے۔ تاریخ کی ترتیب میں خلافت راشدہ کا آخری دور ملا احمد کے نام تھا۔ ملا صاحب نے یہ باب لکھا اور بورڈ کے سامنے پیش کیا جس پر بڑی بحث ہوئی۔ بادشاہ نے ملا صاحب کے اطلاعات اور وسعتِ معلومات کے پیش نظر پوری کتاب لکھنے کا حکم دے دیا۔ یہ کتاب "تاریخ الفی" کے نام سے مشہور ہے۔

ملا صاحب راسخ العقیدہ، نڈر اور بے باک آدمی تھے۔ ہر صحبت میں وہ اپنے عقائد کی حمایت کرنے میں بے خوفی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اس کے نتیجے میں مرزا فولاد برلاس نامی شخص نے ان کو لاہور میں خنجر مار دیا۔ یہ واقعہ ۲۲ صفر ۹۹۶ھ کا ہے۔ ملا صاحب زخمی ہوئے تو حکیم حسن اپنے گھر لے گئے۔ اکبر نے عبد الرحیم خان خاناں، نواب آصف خان، خداوند خان اور ابو الفضل و حکیم فتح اللہ شیرازی کو اس واقعہ کی تحقیق کا حکم دیا۔ مرزا فولاد گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ لیکن ملا احمد جانبر نہ ہو سکے اور ۲۵ صفر کو رہ گرائے جنت ہوئے۔ ملا حبیب اللہ کے قبرستان واقع لاہور میں ان کو دفن کر کے قبر پر پہرہ بٹھا دیا گیا اور ابو الفضل و فیضی کو قبر کی حفاظت کا حکم ملا۔ لیکن جب اکبر کشمیر کے لیے لاہور سے چلے گئے تو ان کے مخالفین نے قبر سے لاش نکال کر اسے نذر آتش کیا اور خاک کو راوی میں بہا دیا۔ فیضی نے ملا احمد کے قتل پر بڑا عمدہ مرثیہ لکھا ہے جو کلیاتِ فیضی ج اول طبع لاہور میں چھپ چکا ہے۔

تصانیف: ● تاریخ الفی۔ ● خلاصۃ الحیوٰۃ فی احوال الحکما نامکمل۔ ● ترجمہ معجم البلدان نامکمل۔

• رسالہ اخلاق • تریاق فاروق (طب) • رسالہ اسرار حروف

(تمام تذکرے ہیں نے اعیان الشیعہ کے لیے مفصل عربی مقالہ لکھا ہے۔ نیز دیکھیے مجالس المومنین مآثر الامراء، نجوم السماء، بے بہا وغیرہ۔)

احمد، شیخ، دیوبندی : حدود ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء

اسرار الہدیٰ کے خاتمے میں ہے۔

"عالم باعمل، ماہر اکمل، اسوۃ الاذکیا، قدوۃ الاصفیا الادیب البارع المکرم الحسیب النسیب المفضل المحقق النحریر الاوحد الشہیر ابلغ علماء الزمان حکیم مولوی شیخ احمد بن مولوی شیخ وجیہہ الدین صاحب مرحوم عثمانی[1] دیوبندی"۔

موصوف وکیل بھی تھے اور عالم و انشاپرداز بھی، عربی و فارسی و اُردو پر قدرت رکھتے تھے۔ خود تحقیق کر کے شیعہ ہوئے اور سُنی حضرات کی کتابوں کے جواب بڑی شدّ و مدّ سے لکھتے رہے۔ موصوف بجنور میں ملازم تھے۔ ۱۸۷۳ء میں استعفیٰ دے کر دیوبند آگئے اور مصروفِ تالیف و تصنیف رہے۔ میرے کتب خانے میں ان کی ضخیم کتاب "تاریخ الانبیاء در اقوالِ اصفیا" کی جلد اوّل موجود ہے۔ مقدمے میں لکھا ہے کہ اصل کتاب فارسی میں لکھی تھی۔ احباب کے تقاضے سے ترجمہ اردو شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں توریت و انجیل کے حوالوں اور دوسرے مآخذ کی فراوانی ہے۔ کتاب میں حضرتِ آدمؑ سے حضرت زکریاؑ تک کا حال ہے۔ یہ ترجمہ ۱۳۱۳ھ میں شروع کیا تھا۔

تصانیف : • اسرار الہدیٰ، جواب انوار الہدیٰ۔ • بدر الدجیٰ • شمس الضحیٰ • شرح موجز القانون دو جلد بنام تشریف الانور۔

طبقات اعلام الشیعہ ج ۲ ص ۱۱ پر آغا بزرگ نے "انوار الہدیٰ" کو شیخ صاحب کی تالیف لکھا ہے اسی طرح ان کی تاریخ وفات قبل از ۱۳۰۰ھ لکھی ہے۔ میرے پاس اسرار الہدیٰ ہے جس کے خاتمے کی عبارت ۶ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ / ۱۱ جون ۱۸۹۴ء اور سرورق پر ۲۰ جون ۱۸۹۴ء چھپا ہے اور مصنف کو زندہ لفظوں میں یاد کیا گیا ہے۔ لیکن تاریخ الانبیاء کی تاریخ اشاعت یکم صفر ۱۳۱۵ھ کو شیخ احمد صاحب وکیل مرحوم درج ہے۔ ایک مکتوب ایسا بھی چھپا ہے جس میں ۱۸۹۵ء درج ہے اور تاریخ ترجمہ جو غالباً شیخ صاحب ہی کا ہے ۱۸۹۷ء برآمد ہوتا ہے اس لیے میرے خیال میں شیخ صاحب کی وفات ۱۸۹۷ء کے بعد ہے۔

احمد، میرزا : حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

[1] شجرہ کے ابتدائی نام تاریخ الانبیاء کے دیباچے میں ہیں۔

عالم جلیل، فاضل منطق و فلسفہ میرزا احمد سبزواری عظیم آباد میں رہتے تھے۔ سید عبداللطیف شوستری نے ۱۲۱۰ھ کے قریب ملاقات ہوئی تھی۔ موصوف نے تحفۃ العالم میں ذکر کیا ہے۔

(طبقات اعلام الشیعہ)

احمد، سید، لکھنوی : حدود: ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء — حدود: ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

مولانا سید احمد شاہ ذی علم و صاحب کمال خطیب و واعظ و عالم و مقدس بزرگ تھے۔ مقبرۂ عالیہ گولا گنج میں سکونت تھی۔ بچپنے سے مجلسیں پڑھتے تھے، علوم دین کی تکمیل جناب علی صاحب بحر العلوم سے کی۔ پابندیٔ وضع میں یہ عجیب بات مشہور تھی کہ جو شخص آپ سے صبح ملنے آتا آپ اس کی بازدید صبح ہی کرتے ۶۵ سال کی عمر میں ۱۳۲۵ھ کے بعد رحلت کی۔ مولانا ابوالحسن شاہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبرستان کشمیریاں احاطہ تلسی رام میں دفن ہوئے۔

(الواعظ۔ مئی ۱۹۵۴ء)

احمد، سید، علامہ ہندی : ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء — ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

مولانا سید ابراہیم صاحب کے فرزند ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ صفر ۱۲۹۸ھ کو اپنے والد کے ساتھ عراق گئے اور تحت قبہ بسم اللہ خوانی ہوئی۔ دوسری مرتبہ ۱۳۰۵ھ میں زیارات [illegible] و ایران سے مشرف ہوئے میرزا محمد حسن صاحب کشمیری سے، مولوی سید محمد صاحب مدرس مدرسۂ ناظمیہ اور مولوی سید سرفراز حسین صاحب اور مولوی شیخ فدا حسین صاحب، ملا سید علی اصغر صاحب اور مولوی مظفر علی خان صاحب مراد آبادی اور تاج العلما سے درسیات کی تکمیل کی۔

عراق جانے سے قبل تقریر و تحریر کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ملتان میں سُنی عالم سے مناظرہ کیا جس سے اہل ملتان اب تک ممنون ہیں۔ ایک شیعہ مولوی صاحب سے معراج جسمانی پر مباحثہ کیا۔ ایک آریہ سے ذبح حیوانات پر بحث کی اور عزت و فتح پائی۔

آپ نے عراق کے متعدد سفر کیے۔ ۱۳۲۵ھ میں مع اہل و عیال، ۱۳۲۶ھ۔ اس سفر میں غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے وقف اور اس کے وظائف کی تقسیم کا مسئلہ طے کرایا۔

۱۳۲۸ھ لکھنؤ میں "یادگار علما" کے نام سے خاندانِ اجتہاد کے اکابر کے لیے انجمن قائم ہوئی۔ علامہ ہندی نے تیس سال تک اس میں کام کیا۔

۱۳۳۱ھ میں وثیقہ موقوفہ نواب ممتاز محل کی تقسیم کے لیے کربلا گئے۔ اسی زمانے میں یکم شوال تا ۲۰ شوال

نجف میں قحطِ آب ہوا تو مولانا روزانہ کوفے سے پانی منگوا کر مفت تقسیم فرماتے رہے۔ اسی سال جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ میں مدرسۂ وثیقہ جعفریہ کی بنیاد رکھی جس میں سوسوا سو طلبا جغرافیہ، ہندسہ، حساب، ترکی، عربی و علوم دینیہ پڑھتے تھے۔ اس مدرسہ پر مولانا نے بڑی محنت کی تھی۔

۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم میں آپ نے عوام کی بڑی خدمت کی اور ۵۰ (زن و فرزند) افراد کا قافلہ لے کر بہزار وقت بصرے آئے اور ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ ہندوستان واپس پہنچے۔

۱۳۳۵ھ میں انجمن۔ ارالتبلیغ قائم کی۔

عراق کے علما میں آیۃ اللہ مرزا فتح اللہ شیرازی مشہور بہ شیخ الشریعت، آیۃ اللہ سید محمد کاظم طباطبائی، آقای محمد باقر طباطبائی، آقای حاج شیخ حسین مازندرانی، رحمہم اللہ نے مولانا سید احمد کو اجازات دیے جن میں سے جناب ملا محمد کاظم خراسانی نجفی نے اجازہ میں لکھا:

"فی الحقیقت علم ودران صفات منحصر بمثل ایشان ست پس امر ایشان امر من و طاعت ایشان طاعت من و فعل من"۔

مولانا سید احمد باعمل، مدبر اور مفکر عالم تھے۔ جمال الدین افغانی کی تحریک کا شباب تھا۔ انگریزوں سے نفرت بڑھ رہی تھی۔ مولانا سید احمد نے قومی مفادات کے تحفظ کی خاطر عراق میں قونصل برطانیہ سے ٹکر لی اور اوقافِ لکھنؤ کی جو خطیر رقم لکھنؤ سے نجف و کربلا وغیرہ کے لیے جاتی تھی اس کا محاسبہ کیا اور صحیح مستحقین تک پہنچانے اور عراق میں زائرین کے تحفظ کی سعی کی۔ وطن آکر مولانا نے "علامہ ہندی" کے نام سے شہرت پائی۔ وہ شہر شہر قریے قریے دورے کرتے رہے اور دینی، سیاسی اور علمی مسائل کے لیے عملی منصوبے بنائے۔ انھوں نے آریوں، ہندوؤں اور مختلف مذاہب و ملل کے افراد سے مباحثے کیے۔ پورے ملک کے دورے کر کے اسلامی تبلیغات کا کام انجام دیا۔ بہت سے شہروں میں ذہنی اور علمی بیداری کے مرکز قائم کیے۔

وہ طویل مدت تک کلکتے میں رہے اور وہاں تبلیغی کتابچے چھاپتے رہے۔ علامہ ہندی نے قوم کی علمی اور ذہنی، سیاسی اور سماجی اصلاح و ترقی کے لیے پوری زندگی جد و جہد کی۔ آخر پنجشنبہ ۱۰ر جولائی ۱۹۴۷ء مطابق ۲۰ر شعبان ۱۳۶۶ھ لکھنؤ میں رحلت فرمائی۔ غفراں مآب کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔

اولاد: ● مولانا سید محمد ابراہیم عرف سید محمد صاحب ملتان میں وفات پا چکے۔ آپ کا تاریخی نام: سید ذوالفقار حسین تھا۔ ● سید محمد یوسف صاحب تاریخی نام سید خورشید حسن ہے۔ ● آقا حسین سید محمد مصطفیٰ

(بے بہا و نزہۃ ۸ ص ۱۵۔ اعیان الشیعہ ج ۹ ص ۱۷۹)

تصانیف: علامہ ہندی شروع ہی سے زبان و قلم کے دھنی تھے۔ انھوں نے سینکڑوں مضمون اور رسالے لکھے اور چھاپے جن میں سے چند نام یہ ہیں:

(عربی)

● ساعتیہ، (صرف مطبوعہ) ● زبدۃ الکلام۔ مطبوعہ۔ ● تفسیر سورۃ الحمد و تفسیر مسئلہ (عربی) ● فلسفۃ الاسلام کیمیا۔ ● المنطق ● اشارات فی الکلام ● التصریف۔

● الیاقوت۔ ● قاسمیہ۔ ● کفایۃ السائلین۔ استدلال ● جواز تجزی فی الاجتہاد استدلال۔ ● مدارج الوصول شرح معارج الاصول ● ہموع دموع العینین مقتل ابی الحسنین

● بسط مقال فی اسماء الرجال ● درایۃ الحدیث۔ ● عماد الدین فقہ۔ فارسی۔ عربی۔ مخلوط۔ ● انشاء صد برگ ● انشاء عجب العجاب۔ ● ورثۃ الانبیاء۔

(فارسی) — حل مسئلہ مشکلہ۔ ● (اردو) ریاض العباد فقہ ● شکیات، وجدول احکام نماز۔ ● فتاویٰ احمدیہ ● احکام المسافرین۔ ● رسالہ عملیہ ● ازہار الہدیٰ رد بحار اسرار الہدیٰ ● اثبات حق در رد نصاریٰ

● عشرۂ مبشرہ مقاتل۔ ● حمایت الاسلام ۲ جلد۔ ● دورہ اول اسلام ج اول مطبوعہ۔ ● المسیحیۃ والاسلام مطبوعہ۔ ● حل مسئلہ مشکلہ مطبوعہ۔ ● الدلیل والبرہان مطبوعہ۔ ● نظر فلسفیانہ بر معراج مطبوعہ۔ ● اختیارات در ادعیہ مطبوعہ۔ ● فلسفۃ الاسلام دس جلدیں ناتمام۔ ● کشکول۔ ● الشیخ والصرف ۳ حصے اردو ● اولاد الابرار

● مقالات مفیدہ ● رسالۃ الصحف ● المسخ مطبوعہ

دار التبلیغ کلکتہ و لکھنؤ سے آپ کے پچاس سے زیادہ رسالے شائع ہوئے جن کی تفصیل دستیاب نہ ہوسکی۔

احمد کبیر، سید : ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء — ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

مولوی سید احمد کبیر بن فتح حسین بن قربان علی بن محمد اسمٰعیل بن سید علم الدین میاں صاحب سادات بخاری کی اس شاخ سے متعلق تھے جو جنیٹرا سادات ضلع بجنور میں آباد ہے۔ وہاں ان کی زمیں داری اور علمی حیثیت بھی ہے۔

مولوی صاحب ۲۹ر ذی قعدہ ۱۲۶۵ھ جنیٹرا میں پیدا ہوئے۔

مولوی احمد کبیر نے گوالیار میں اپنے والد اور دوسرے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور ۱۸۶۱ء میں اپنے بہنوئی علم وارحسین کے ساتھ لاہور آئے۔ نواب ناصر علی خان صاحب قزلباش نے ان کا خیر مقدم کیا اور مولوی علمدار حسین کے ساتھ ٹھہرایا۔

مولوی احمد کبیر صاحب گورنمنٹ سنٹرل ماڈل اسکول میں عربی کے استاد تھے۔ ۱۹۰۸ء میں اسکول سے ریٹائر ہو کر خانہ نشین ہوئے۔ ۱۸۸۰ء میں آپ اندرون شیرانوالہ دروازہ نیم والی حویلی خضری محلے میں مدتوں مقیم رہے۔ وہی

بروجی کا امام باڑہ کہلایا۔

یکم اپریل ۱۹۳۶ء کو آپ وطن چلے گئے جہاں اٹھانوے سال کی عمر میں، ۷ صفر ۱۳۶۰ھ مطابق، ۶ مارچ ۱۹۴۱ء کو فوت ہو کر میاں صاحب کے تکیے میں دفن ہوئے۔

مولانا بہت منکسر مزاج، خادم دین، شہرت سے دور تھے۔ آپ کے اشعار نے بڑی مقبولیت پائی۔ اردو فارسی دونوں زبانوں پر قدرت تھی آپ کا ایک نوحہ :

غریب و بے نوا حسین ؑ حسین حسین حسین ؑ

پاکستان، ایران و عراق میں مشہور ہوا یہ نوحہ۔ جناب سید ذوالفقار علی شاہ صاحب نے ابھی بہت خوبصورت طریقے سے شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا دیوان، آپ کی اولاد کے پاس امامیہ کالونی جی ٹی روڈ لاہور کے پاس محفوظ ہے۔

احمد بن حسین خوافی (امانت خاں) :

۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء
۱۰۹۵ھ / ۱۶۸۴ء

شیخ فاضل احمد بن حسین بن کمال بن حسن بن حسین ہروی خوافی میرک معین الدین امانت خان اورنگ آبادی فضل و کمال، ریاست و سیاست کے ساتھ ساتھ علوم دین خصوصاً فقہ سے خاص شغف رکھتے تھے۔

ملا احمد برصغیر میں پیدا ہوئے اور تعلیم و تربیت بھی یہیں پائی۔

۱۰۵۰ھ میں حکومتِ دہلی سے اجمیر کی بخشی گری اور وقائع نویسی کا منصب پایا۔ مدت کے بعد دکن گئے۔ پھر قندھار کی مہم میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد ملتان میں بخشی اور وقائع نویس مقرر ہوئے۔ پھر کابل میں دفترِ خراج کے سربراہ کا منصب پایا۔ عالم گیر نے "امانت خان" لقب دے کر قلم دان و دیوان نا لصرجات کا اعزاز بخشا۔ آخر میں دکن کے چار علاقوں کی تحصیل وصول کا افسرِ اعلیٰ بنایا۔

آخری عمر میں اورنگ آباد کی قلعہ داری پر اکتفا کر کے گوشہ نشین ہو گئے۔

۱۰۹۵ھ میں اورنگ آباد میں وفات پائی۔

تصانیف : ترجمۂ شرائع الاسلام (فارسی) فقہ کی مشہور کتاب ہے۔ (نزہتہ ج ۵)

احمد الشیخ مہذب الدین حیدرآبادی بصری :

حدود : ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء
حدود : ۱۰۸۵ھ / ۱۶۷۴ء

حضرت حُرِ عاملی کے شاگرد

الشیخ مہذب الدین احمد بن عبدالرضا صاحب کتاب "فائق المقال فی الحدیث والرجال" منجوم السماءاور

نزہتہ الخواطر میں ان کا نام احمد بن رضا لکھا ہے لیکن علامہ آغا بزرگ طہرانی (متوفی ۱۳۸۹ھ) نے "مصنفی الرجال" میں احمد بن عبدالرضا سے تصحیح کی ہے۔ آغا نے مرحوم نے مولانا مہذب الدین کے خطی تالیفات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے متعدد سنہ لکھے ہیں۔ اور اندازہ لگایا ہے کہ وہ ۱۰۶۸ھ سے ۱۰۸۰ھ تک خراسان میں رہے کیونکہ ایک تحریر ۱۰۸۰ھ کی ہے جس میں کابل لکھا ہے۔

مہذب الدین اخلاق و اعمال، ریاضی و فلکیات، فقہ و اصول، حدیث و درایت، معانی و بیان کے عالم و علامہ تھے۔ بقول ملا مہدی مؤلف تذکرۃ العلماء، ملا مہذب الدین نے فائق المقال میں حفظ حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے بارے میں لکھا ہے :

> مجھے اس وقت بارہ ہزار حدیثیں بلا سند اور بارہ ہزار حدیثیں
> بالاسناد یاد ہیں۔ لیکن کثرت سفر اور بے اطمینانی نے کہیں
> کا نہ رکھا۔

خیال ہوتا ہے کہ ۱۰۸۱ھ کے لگ بھگ دہلی اور ۱۰۸۵ھ میں حیدرآباد میں مقیم تھے۔ "نامۂ دانشوران" میں انھیں مہذب الدین بصری کے نام سے یاد کیا گیا ہے اس لیے آغا بزرگ نے کہا ہے کہ شاید وہ آخر عمر میں بصرہ چلے گئے تھے۔

تصانیف : • الرسالۃ الاعتقادیہ، ۱۰۶۸ھ مشہد مقدس کے قریب قریۂ اکان میں قلم بند کیا۔ (موجود در کتب خانہ شیخ ہادی کاشف الغطا نجف) • العدۃ النجفیہ فی الاصول اس تالیف پر شیخ حر عاملی کی لکھی تقریظ ہے۔ (موجود در کتب خانہ شیخ الہادی) • رسالۃ الفلکیہ تالیف ۱۰۷۷ھ در قریہ اکان (موجود در کتب خانہ ہادی) • عمدۃ الاعتماد فی کیفیۃ الاجتہاد : تالیف ۱۰۸۰ھ کابل۔ • کلیات الطب : ۱۰۸۱ھ دہلی

• رسالۃ الحساب (موجود در کتاب خانہ شیخ ہادی) • رسالۃ القیافہ (موجود در کتاب خانہ شیخ ہادی)

• رسالۃ آداب المناظرہ 〃 〃 • فائق المقال (عربی) 〃 〃

یہ سب رسالے (۱۰۸۵ھ) حیدرآباد میں لکھے تھے :

• الزبدہ۔ معانی و بیان میں (موجود در کتاب خانہ شیخ ہادی) • خلاصۃ الزبدہ 〃 〃

• رسالۃ رسم الخط 〃 〃 • رسالۃ الاخلاق 〃 〃

• رسالۃ حساب العقود 〃 〃 • رسالۃ خلق الکافر 〃 〃

• جوابات المسائل الاحدی والثلاثین 〃 〃 • غوث العالم فی حدود العالم 〃 〃

• رسالۃ الحمد 〃 〃

ان سب کتابوں کی ترتیب و خط نفیس ہے اور ہر رسالے کے آخر میں بطور معترضہ تالیف درج ہے:

- تحفۂ ذخائر کنوز الاخبار۔ • رسالۃ فی القراۃ • المنہج القویم۔

(مصنفین علم رجال، نجوم السماء۔ بے بہا۔ نزہۃ الخواطر)

احمد ربیعی، شیخ احسائی:

بعد ۱۱۳۷ھ / ۱۷۲۴ء

مولانا الشیخ احمد بن عبداللہ ربیعی احسائی، سورت (ہند) میں پیدا ہوئے اور وہیں رہے۔ عباس بن علی عاملی مکی نے اپنے سفرنامے "نزہۃ الجلیس" میں سورت میں ان سے ملاقات کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ۱۱۳۷ھ میں:

"الشیخ العامل الصفی الوفی الشیخ احمد بن عبداللہ ربیعی احسائی نے سورت میں مجھے یہ شعر سنائے:

عبد بفیہ الذنب اصبح موثقا	یثنی علی من فی یدیہ عنانہ
واللہ ما انا و فی القلیل من الثنا	لو ان کل لکائنات لسانہ

(اعیان الشیعہ ج ۹ ص ۱۶)

احساء یا الحسا، بحرین اور اب حکومت سعود کا علاقہ ہے۔ یہاں شیعوں کی اکثریت ہے اور یہاں کے علما، سورت، کھنبات و حیدرآباد دکن میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ شیخ احمد کا خاندان بھی انھیں تبلیغی مقاصد کے لیے آنے والے علما میں تھا۔

احمد، جزائری:

بعد ۱۱۰۴ھ / ۱۶۹۲ء

حیدرآباد کے فقیہ و مجتہد، شیخ مولانا احمد بن سلامہ جزائری، علامہ حر عاملی کے معاصر و اکابر علماء میں تھے، امل الآمل میں انھیں صالح و فقیہ اور حیدرآباد دکن کا قاضی لکھا ہے۔ چونکہ علامہ حر عاملی کی وفات ۱۱۰۴ھ میں ہوئی ہے اس لیے جناب شیخ احمد کی وفات ۱۱۰۴ھ کے بعد ہی ہوئی ہوگی۔ اور تصانیف میں متعدد کتابوں میں صرف ایک کتاب کا نام بتایا ہے: شرح ارشاد علامہ حلی (فقہ)

(امل الآمل ج ۲ ص ۱۵ : احمد بن سلامہ نجوم السماء ص ۱۲۰ و نزہۃ ج ۵ سلافہ)

احمد، بہبہانی:

۱۱۹۱ھ / ۱۷۷۷ء
۱۲۳۵ھ / ۱۸۱۹ء

آقا احمد بن آقا محمد علی بن آقا باقر بہبہانی ۱۲۲۳ھ میں حیدرآباد دکن اور عہد نواب سعادت علی خان میں لکھنؤ، فیض آباد، فرخ آباد و کلکتہ کا سفر کیا۔

آقا احمد سبط استاد اکمل، کرمان شاہان، ایران میں محرم ۱۱۹۱ھ میں پیدا ہوئے، چھ سال کی عمر میں قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم شروع کی، صرف و نحو و فقہ کا ابتدائی درس اپنے والد حجۃ الاسلام محمد علی سے لیا، پندرہ سال کے ہوئے تو تالیف و تصنیف کا آغاز ہوا، فوائد محمدیہ کا حاشیہ اور کچھ رسالے لکھے۔ ۱۲۱۰ھ تک گھر کی تعلیم ختم کر کے عراق گئے، نجف میں آقائی بحر العلوم کے تلمیذ رشید آقائی ملا محمد اسماعیل یزدی اور عالم کامل شیخ مہدی شہیر بہ کاتب سے معالم الاصول کا درس لیا۔ اور دونوں کے تقریرات قلمبند کیے۔ وافیہ ملا عباد اللہ تونی پڑھی۔ اسی زمانے میں درر الغرویہ کی تالیف شروع کی۔ اس کی چار ضخیم جلدیں لکھیں۔

آقائی بحر العلوم کے حضور میں حاضر ہوئے اور زبدۃ الاصول شیخ بہائی اور منظومہ فقہ پڑھا۔

انھی دنوں ان کے والد نے وطن طلب کیا۔ مولانا نے استخارہ کیا۔ قرآن مجید کی یہ آیت نکلی "وان جاھداک علی ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما" یہی آیت خط میں لکھ بھیجی۔ والد نے قیام نجف کی اجازت دے دی۔ تین سال میں درس مکمل کر کے وطن گئے۔ ایک مہینہ قیام کر کے پھر نجف آ گئے۔ اب کی مرتبہ شیخ المحدثین شیخ محمد جعفر نجفی سے الاستبصار و شرح قواعد علامہ تالیف شیخ جعفرؒ کا درس لیا۔ نجف سے قم کا سفر کیا۔ قم میں صاحب قوانین الاصول سے شرح لمعہ اور وافیۃ الاصول پڑھی اور مختصر النافع کی شرح لکھ کر صاحب قوانین کی خدمت میں پیش کر کے اجازہ لیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے عہد کے شیوخ فقہ و اصول سے اعلیٰ ترین مدارج درس طے کر کے کمال فقاہت پر پہنچے۔

آقائی احمد نے لکھنؤ، فیض آباد، فرخ آباد کے قیام میں نجف کی علمی روایت کو فروغ دیا، یہ عہد جناب غفران مآب کا ہے۔ جناب حجۃ الاسلام آقا احمد نے جو کتابیں لکھی ہیں ان سے ان کا علمی انہماک اور ترویج دین و تبلیغ ایمان پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ وہ نواب بہو بیگم صاحبہ کی سرکار میں معزز تھے۔

آقائی احمد کے قیام فیض آباد و لکھنؤ سے یہاں کی علمی فضا میں فقہ و اصول کو نئی جلا ملی ہوگی۔ برصغیر کے اس عہد میں علما کی پذیرائی ہوتی تھی اس لیے ان علما کی آمد و رفت ایک نئی علمی روایت کے فروغ کا باعث ہوئی۔

تصانیف: • حاشیہ صمدیہ بنام محمودیہ۔ • نور الانوار تفسیر بسم اللہ۔ • درر الغرر فی اصول الاحکام الالٰہیہ

- شرح مختصر النافع تا بحث اغسال۔ • رسالہ قوت لایموت در واجبات صلوٰۃ و صوم۔ • جواب مسائل مرشد آباد
- ربیع الازہار در مسائل متفرقہ اصول فقہ۔ • مخزن القوت شرح قوت لایموت جلد اول فیض آباد میں چار مہینے میں تالیف ہوئی۔ • رسالہ تحفۃ المحبین در مراتب فضیلت آئمہ طاہرینؑ و اثبات خلافت بلا فصل امیر المومنینؑ (فیض آباد) • جواب مسائل فیض آباد • تاریخ نیک و بد ایام حسب فرمائش نواب ملکہ بہو بیگم صاحبہ

- تاریخ ولادت و وفات سادات ائمہ اطہارؑ۔ • تاریخ نقلی بنام تحفۃ الاخوان در احوال مشاہیر انبیاء و خلفاء و حضرات ائمہ و غزوات حضرت امیر علیہ السلام۔ یہ کتاب حیدر آباد دکن میں لکھی۔

- عقد جواہر الحسان در جواب مسائل حیدر آباد دکن۔ • تنبیہ الغافلین، لکھنؤ میں تالیف ہوئی۔
- کشف الرین والمین عن حکم صلوٰۃ الجمعۃ والعیدین۔ • کشف الشبہۃ عن حکم المتعہ • جدول احکام شکیات نماز۔ • مرأۃ الاحوال، تذکرۂ علماء اور خود نوشت سوانح اور سفر نامہ ہند و عراق و ایران۔

(نجوم السماء ص ۳۸۲ مصفی المقال کالم ۵۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۳۲)

احمدؒ الجوہری المکی :

۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء

شیخ احمد بن محمد علی جوہری مکی کا تذکرہ سلافۃ العصر میں مکی شعراء کے باب میں کیا گیا ہے اور سید علی خان نے غیر معمولی بلند واعترافات کا اظہار کیا ہے۔ امیر نظام الدین احمد خان کے مداح تھے۔ متعدد قصائد و مراسلات سلافۃ العصر میں ہیں۔ شیخ احمد جوہری عنفوان شباب میں وارد ہند دکن ہوئے تھے اور پچیس سال رہے۔ بظاہر ان کی آمد دوسرے مشاہیر علماء مثلاً خود امیر نظام الدین احمد اور ان کے پیش رووں سے پہلے ہوئی۔ سید علی خان یہاں مقیم تھے اور دکن جانے والے تھے جب شیخ احمد وطن جاتے ہوئے راستے میں ملے۔ مکہ سے ایران گئے۔ اور وہیں شب چہارشنبہ ۲۲ جمادی الآخرہ سنہ ۱۰۷۹ھ میں رحلت کی۔

سید علی خان کے بقول شیخ احمد کی ملاقات نظام الدین احمد صاحب سے ۱۰۷۵ھ میں دکن میں ہوئی تھی اسی موقع پر انھوں نے اپنی نظم و نثر کی ایک بیاض سید علی خان کو دی جس کا انتخاب سلافۃ العصر میں موجود ہے۔ چند شعر ان کی ادب و شعر کے اسلوب کی خاطر ملاحظہ ہوں۔

مدح مولانا نظام الدین احمد

سلام علی وادی العقیق ورندہ — وعز لیالیہ وسالف عہدہ
فلی فیہ ظبی صائد کل ضیغم — أغار علیہ بین کثبان نجدہ
إذ الشمس غابت فی مغارب افقنا — بدا لک بدر من فواحم جعدہ
یعلک من فیہ شراب لہا شذا — کنفحۃ روض عند تفتیح وردہ
أری الدعص یرلوکی یشاکل ردفہ — وغصن النقا ینمو لتشبیہ قدہ
ویعلو مقام النجم ان قلت انہ — کمبسمہ الوضاح او درّ عقدہ

یقولون لی فی الحب ہل لک رتبۃ — فقلت لہم اعلی الذی لی لبعدہ
فما العشق الا من کرام عشیرتی — وما الحسن الا من توابع جندہ
وما القطر الا من تقاطر ادمعی — ولا البرق الا من حشای ووقدہ
فقولوا لہ انی صریع لحاظہ — وانی علیل مذ نبئت بفقدہ
عسی انہ یرضی بلثمی کفہ — اذا ہو لم یسمح بتقبیل خدہ

(۲۲ شعر، سلافہ ص ۱۹۸)

احمد۔ نظام الدین :

۱۰۲۷ھ / ۱۶۱۸ء
۱۰۸۶ھ / ۱۶۷۵ء

ادب و فقہ و علوم اسلامی کے جلیل القدر عالم، اور ریاست و سیاست کے مشہور امیر۔ تقدس و شرافت میں رشک معاصرین، دشت کبیر شیراز کے معزز خانوادۂ سادات کے فرزند بلند اقبال، میر غیاث الدین کے پوتے سید محمد معصوم کی خاندانی وجاہت اور ذاتی جلالت سے متاثر ہو کر شاہ عباس صفوی نے اپنی خواہر سے عقد کر دیا تھا۔ اسی شہزادی کے بطن سے خدا نے ایک فرزند عطا کیا جس کا نام احمد اور لقب الامیر نظام الدین قرار پایا۔ امیر نظام الدین کی ولادت طائف میں ہوئی۔ تاریخ ولادت ہے شب جمعہ ۱۵ شعبان ۱۰۲۷ھ۔ عبدالحئی نے خلاصۃ الاثر کے حوالے سے مقام ولادت طائف بتایا ہے۔ (نزہۃ ج ۵ ص) نجوم السماء میں ولادت مکہ ۱۰۲۰ھ تحریر ہے۔ سلافۃ العصر میں ہے "مولدہ ومنشاہ الحجاز" (ص ۱۰)۔

محمد معصوم صاحب ثروت تھے۔ کیا بعید ہے کہ مکے سے قریب طائف جیسے سرسبز و شاداب و فرحت بخش ٹھنڈے شہر میں بستے ہوں اور اسی شہر میں فرزند کی تعلیم کا انتظام کیا ہو۔ نظام الدین احمد صاحب نے بچپنے میں حفظ قرآن مجید اور قرأت سبعہ کے بعد شرف الدین بافقی۔ نورالدین شامی، شمس الدین گیلانی وغیرہ سے فیض اٹھایا۔

شاہ ایران سے قرابت اور ذاتی امارت و علم کی بنا پر طائف و حجاز میں ان کا گھر مہمان خانۂ امراء و علماء تھا۔ اکابر ملت سے ان کی دوستی تھی، علماء میں ان کا احترام تھا۔ ادباء ان کے مداح تھے اور وہ خود بھی نظم و نثر میں طویل الذیل مراسلات رکھتے تھے۔ سلافۃ العصر میں ان کی نظم کا اچھا خاصا ذخیرہ ہے اس میں سے ایک مکمل قصیدہ اور ایک خط ملاحظہ کیجیے۔

قصیدۂ مدحیہ

السلطان ابو المظفر والخاقان المعظم شہنشاہ عبد اللہ بن محمد قطب شاہ اید اللہ دولتہ وابد صولتہ

سلا اهل سلا قلبی عن البان والرند   وعن اثلاث جانب العلم الفرد
وعن سمرات بالنقا وطویلع   وعن سلمات بالاجارع او نجد
وعن ضال ذات الضال اوشعب عامر   وعن ظلله اذکنت فی زمن رغد
وعن نخلات بالعقیق وسفحه   نهلن بماء الورد او سلسل الخلد
شمخن فابدین الشماریخ نضدا   واشبهن عنقیدا تمایلن من جهده
واطلعن بسرا کالمجین طلاوة   توهج فی لون من العسجد المتقد
وعن فی کرم بالحجاز ترفعت   به الارض حتی کان کالعلم المفرد
وعن لعلع اوعن زرود وحاجر   وعن قاعة الوعسا او منتدی هند
وعن زینب اوعن سلیمی وعزة   وعن حی لیلی اوبثینة او دعد
وعن نزهة الابصار او بهجة الربی   لطیفة طی الکشح فاحمة الجعد
کثیفة ردف خصرها عن بروزها   کما عز بنع الصد من غیر ما ورد
یریک ثناء البدر والشمس وجهها   نعم و نجوم اللیل فی الجید والعقد
بها بشر التنّ الذی قد دنت به   کما قاله نجل الحسین فتی الکندی
أنزه محیاها عن الخلد رقعة   واما المحیا لم اخل وصفه عندی
لها عنق یحکیه جید لربرب   تقیا اکناف الاعقة فالرند
الی مثل طی الخز نهیه صدرها   عدا ان ذاک الخز اعلی من الغد
علی انه خد نضیر تجمعت   به النار والامواه بالآس والورد
وان رمت تشبیها لالحاظها التی   ترکن سفیها صاحب اللب والرشد
فلمحک فی اطراف وادی بوجرة   یکن لتری من قد وصفت بلابعد
فتبصر اسراب المهایا اخا النهی   فتعلم ما شبهت حقا بلا قصد
وعینان قال الله کونا فکانتا   تنزه عن التشبیه وانج بلا وجد
بروحک ام لا فالسهام صوائب   فوادک فاحذر ان تصاد علی عمد
فکم لسهام العین فی القلب رشقة   وکم بفواد الصب من رشقها المردی
ترکن ذوی الالباب حیری عقولهم   مهتکة الاستار فی الوصل والصد
ففی قربهم بالدل یصطدن لبنا   ولبعدهم بالهجر وقد علی وقد

بکل تداوینا ولم یشف ما بنا   علی ان قرب الدار خیر من البعد
بلی لیس بعد الدار یاصاح ضائرا   اذا کان عبد الله منتجع الوفد
شهنشاه شاه قطب شاه ملیکنا   ووالی ولاة الامر مشرعة الرفد
ملیکا سمی فرع السماکین راقیا   الی رتبة علیاء ذات علی نهد
ملیکا لدی العلیا تعنو لبأسه   اسود الشری هیهات ما صولة الاسد
ملیکا اذا ضاق الزمان توسعت   خلائقه الحسنی فجاءت علی القصد
وان ناب خطب معضل قام رأیه   مقام جیوش عزقت فی ضفا السرد
ودبّرما الاملاک حافلة به   فیتضح المقصود من غیر ان یبدی
وقام مقام الجیش اسفار وجهه   فلا مقلب یوما ولا هو بالصلد
یفکر فی امر اراد تقضیا   والا فامر همه لیس عن عمد
ولیشمل کل العالمین نواله   فیوسعهم جودا ینوف عن العد
اذا شئت أن تحصی فواضل کفه   فذلک شیء ضاق عن حصره جهدی
تظل ملوک الارض خاضعة له   فجبارهم عند الملاقاة کالوغد
ذلیلا حقیرا لیس یدری أماکا   تلک ام قنا من الذل والکد
له هیبة قد البس الله وجهه   بهاء ونورا شاهدین علی السعد
نطالعه المسعود والجد عبده   کذا السعد رق قام منزلة العبد
واقباله لما یزل مترقیا   الی ان رقی الافلاک بالعز والجد
یری القطب والنسرین شسعا لنعله   کذا الشمس من خدامه وذوی الوجد
هو الملک المنصور ذو الفخر والعلا   ورب الندی والامر والحل والعقد
ورب المعالی والعوالی وبیضها   وخیل لدی البأس المطهمة الجرد
ولابس ما فی النسج مسرود حوکها   کنذر کغدر کالشواقب کالصلد
صنائع داود مواریث احمد   ملابس عبد الله مالکنا المجدی
وقطب ملوک الارض دام علاؤه   ودمنا زمانا راتعی عیشه الرغد
فاکرم بظل الله فی کل ارضه   ونجل ملوک منتمین الی جد
له عزة موروثة عن جدوده   یقصر عنها کل ذی حسب فرد

نجوم سماءٍ بل بدور مواکب ... شموس ابراض أليست حلل المجد
صغيرهم فی المهد للملك خاطب ... كبيرهم للتيرات على مهد
تحدُّ سبيل الجود منكان منهم ... مليكٌ ترقی صهوة الطهم والجرد
ومازال منهم حيث كانوا سوقٌ ... له الملك بعد الله حتى الى السدّ
وذلك فضل الله يوتيه من يشآ ... فشكری لربی مع ثنائی مع حمدی
على اننی قد صرت لبعض عبيده ... ومن حزبه اومن اسنته الملد
ومن بعض غلمانٍ له او عشيرة ... ومن جنده اومن صوارمه الفتد
وذلك شيئی لمتنله اوائل ... على انهم حازوا المفاخر من أ دّ
ائمة دين الله وتراث علمه ... ونحزّان وحی الله فی كل ما يبدی
بفضلهم جاء الكتاب مُبيّنا ... ببغضهم الاضداد تقذف بالهد
وهم عترة المختار من آل هاشم ... واهل العلى من خيرة الصمد الفرد
اولئك محيا الكرام اولى الندى ... ولكنهم هلك لستهتری وعند
نحق لی الانشاد من بيت شاعر ... له ذاع نظم مثل ما ضاع من ند
وانی وان كنت الاخير زمانه ... لآتٍ بفضل قاهر كل ذی حقد
فاشكر ربی ان انالنی المنیٰ ... وصيّر اعدائی مشتتة العدّ
وتالله لا اخشی لكيدهم اذی ... لعلمی ان الكيد مع كيدهم يكدی
فيا ايها المنصور بالسعی جدّه ... ويا ايها المنصور بالجد والجدّ
تعطف على عبدكم صادق الولا ... غريب فريد حل فی أدوُر الهند
وحلی بلاد الله والكعبة التی ... اليها قلوب الناس تهوی من البعد
وزمزم والاركان والحجر والصفا ... ومروته والمشعر الطيب الوردِ
وطيبة مثوی اشرف الرسل احمد ... ومدفن طهر الله فاطمة الرشد
ومرقدها عنی البقيع الذی سما ... بسبط رسول الله والساجد الجدّ
وبا قر علم الله والصادق الذی ... له امر دين الله فی الاخذ والرد
وجا ورملكا للمكارم صاعداً ... ولكن عن الضرام والظلم ذاصد
يرجی اليه مفخرا تعس رقی ... الی فلك الافلاك سمكه بلاحد

ويأمل للاعداء مكايد ذلة ... وخمرا و بئر الحسود وللضدّ
وبالله لم اخفر لكم ذمة ولا ... تزحزحت عن ودّكم ثابت العهد
فلا تستمع قول الوشاة نقلّما ... يحاول واشٍ غير اعراض ذی ود
بقيت لنا كهفاً وركناً وموئلا ... وبحر نوالٍ لم يزل دائم المدّ
تملكت كل الخلق دانٍ وشاحط ... وراجٍ ومرجیٍ كذا الحر والعبد
بحق الرسول المصطفی من كنانة ... محمدٍ الهادی الی جنة الخلد
وآل له خير البرايا فبدؤهم ... ابوالحسن الكرار والخاتم المهدی
عليهم صلاة الله ما هب شمأل ... على سمرات الجذع والبان والرند

خط بنام علامہ محمد بن علی شامی :-

یا مولانا عمر الله بالفضل زمانك وانار فی العالم برهانك . سمحت للعبد قريحته فی ريم هذه صفته بهذين البيتين وهما :

ترأی كظبی خائفٍ من حبائل ... ليشير لطرفٍ ناعس منه فاتر
وهذا ملتت عيناه من سحب جفنه ... كنرجس روض جاده وبل ماطر

فان رای المولى ان يجيزهما ويجيرهما من البخس فهو المامول من خصائل تلك النفس وان رأهما من الغث فليدعهما كالامس . ولعل الاجتماع بكم فی هذا اليوم قبل الظهر او بعد العصر لنخو من كوؤس المحادثة ما راق بعد العصر والملوک على جناح ركوب يبيلته كتب هذه البطاقة وارسلها الى سوق ادبكم العامرة التی مابرح اليها كل خير مجلوب

فاسبل الستر صفحا ان بدا الخلل ... تهتك به ستر اعداء وحساد

(سلافة العصر ص ۲۰)

موصوف نے شیخ عیسی الحفنی (متوفی قبل ۱۰۸۲ھ) کو ایک قصیدہ لکھ کر بھیجا تھا جس میں طائف کے قریوں اور آبادیوں کا ذکر بڑے لطیف پیرائے میں کیا تھا ۔ قصیدہ کا مطلع ہے :

قفا الركب ساعة نتملی ... بذلك البان والحمی والمصلی

(۴۷ شعروں کے لیے دیکھیے سلافۃ العصر ص ۱۴)

ایک قطعہ میں سلطان مکہ زید بن محسن سے فتح یمن (۱۰۵۳ھ) کے لیے الوداعی شعر لکھے ہیں ۔ ایک خط اپنے دوست شیخ العلامہ محمد بن علی شامی کے نام ہے ۔ مولانا نظام الدین ۱۰۵۱ھ میں طائف میں تھے (سلافہ ص ۱۲۵)

عرب و عجم میں شہرت پہنچی تو قدردان کمال عبداللہ قطب شاہ کے وزیر محمد سعید میر جملہ اردستانی نے زر کثیر بھیج کر نظام الدین کو دکن بلا لیا۔ امیر نظام الدین ۱۰۵۴ھ کو حیدرآباد پہنچے۔ یہاں عبداللہ قطب شاہ نے ان پر نگاہِ انتخاب ڈالی۔ میر جملہ چاہتے تھے کہ انھیں اپنا داماد بنائیں لیکن بادشاہ نے اپنی بڑی لڑکی بیاہ دی۔ اس سے میر جملہ ناراض ہو کر مغل دربار چلے گئے۔ امیر نظام الدین احمد نے حیدرآباد میں مسند امارت کو رونق بخشی اور علماء و حکماء ادباء و شعراء خصوصاً عرب مشاہیر کے لیے ان کی ڈیوڑھی مرکز ثقل بن گئی۔ علامہ حر عاملی کہتے ہیں کہ مجھ سے ان سے مراسلت تھی وہ اپنے عہد کے صاحب بن عباد تھے (امل الآمل ج ۲ ص ۲۷) عرب و عجم کے شعراء ان کی مدح میں قصیدے لکھتے، علماء خط بھیجتے، اہلِ حاجت عزت و انعام پاتے تھے۔

شیخ علام عیسیٰ انجفی نے ان کے ایک عالی شان مکان کی تعمیر کے لیے قطعہ لکھا ہے یہ مکان غالباً حیدرآباد میں بنا تھا:

یا من لہ دار المکارم سامیہ   من عہد آدم فی القرون الخالیہ
لک بیت فضل لا یحاکیہ رفعۃ   فبنیت دار اللنواظر حاکیہ
شیدتہا وسماؤہا حتی غدت   للسبع ثامنۃ فصرن ثمانیہ
متی اسمعوا ولی اقتدوا تاریخہا   دار النعیم لاحمد متعالیہ
فالنعم ولذۃ الہا متملکا   ما دامت الشمس المنیرۃ جاریہ

(۱۰۶۱ھ)   (ص ۵۶۹)

سید عماد الدین بن برکات بن جعفر حجازی بھی ایک عرب عالم تھے جو مولانا کے پاس آئے اور ۱۰۶۲ھ میں وہ دکن میں موجود تھے۔ (سلافہ ص ۳۱)

اسی طرح شہاب الدین احمد مکی ابن ملا علی متوفی فی الہند ۱۰۵۱ھ نے ۱۰۸۴ھ میں مولانا کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا:

سقی اللہ ربعا بالا جارع من نجد   وحیا الحیا وادی الاراکۃ والرند

(طویل قصیدہ ہے)

(دیکھیے ص ۱۰۸۲ھ)

ایک اور مداح شیخ احمد بن محمد علی الجواہری المکی متوفی ۱۰۷۹ھ کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔ (ص ۱۹۷)

سید حسن و سید حسین بن علی شدقم بھی مداحین میں تھے۔

امیر نظام الدین احمد کے محاسن و فضائل کے لیے سلافۃ العصر قابلِ ملاحظہ ہے۔

ایک کتب خانے میں "امالی الصدوق" کا ایک خطی نسخہ ہے جس پر درج ہے "من کتب العبد الاقل

نظام الدین احمد بن جلال الدین محمد" میرے خیال میں یہ خط مولانا ہی کا ہے۔ اور یہ کتاب موصوف کے نادر کتب خانے کی ایک اہم کتاب حدیث ہے۔

مولانا نظام الدین احمد نے اکسٹھ سال کی عمر پاکر بقول صاحب خلاصۃ الاثر، ۱۰۸۶ھ میں وفات پائی اور حیدرآباد دکن میں آسودۂ لحد ہوئے۔ مؤلف نجوم السماء نے تاریخ وفات ۱۰۸۸ھ لکھی۔

اولاد: صدر الدین السید علی خان المدنی ۔ سید محمد یحییٰ۔

تصانیف: اثبات الواجب (عربی) خطی کتب خانہ وزیری، یزد میں موجود ہے۔

(سلافۃ العصر ص ۱۰۔ نجوم السماء ص ۱۳۸۔ تذکرہ بے بہا ۴۱۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۵۔ مآثر الکرام۔ اعیان الشیعہ ج ۷ ص ۲۳۶ میں نظام الدین احمد کے ذیل میں تاریخ و احوال کسی اشتباہ کی نذر ہو گئے ہیں۔ سیر المتاخرین ج ۱ ص ۲۷۰، مقابلہ ابوالحسن تاناشاہ۔ روضات الجنات)

احمد بن محمد شیخ بن مکی:

حدود ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۸ء

شیخ احمد بن محمد بن مکی ابن حامد شہیدی، شہید اول کے پوتے تھے۔ شیخ محمد بن مکی لبنان کے جنوب میں جبلِ عامل کی ایک بستی جزین کے رہنے والے۔ عامل عہد حضرت ابوذر سے شیعہ چلا آرہا ہے۔ جبل عامل دراصل شام کا تابع تھا۔ جبلِ عامل کی طرح حلب بھی شیعوں کی قدیم تاریخ کا حامل ہے۔ یہاں بھی بنی امیہ کے عہد سے شیعہ آباد ہیں۔ دونوں جگہ بڑے بڑے فقہاء و علماء پیدا ہوئے۔ دونوں علاقوں کے فکری آثار شیعہ تاریخ کا قدیم سرمایہ ہیں۔

جبلِ عامل کے قریۂ جزین میں شہید کے پوتے احمد پیدا ہوئے۔ حر عاملی کہتے ہیں "ابوہ منسوب الی جدہ" احمد کے والد اپنے جد "مکی" کی طرف منسوب تھے۔ ان کا خاندان "فقہ" کا مجدد ان کے دادا علوم آلِ محمد کے ترجمان تھے شیخ احمد خود بھی "عالم و فاضل' ادیب و شاعر و انشاء پرداز تھے' وہ مدتوں ہند میں مقیم رہے۔ پھر کچھ عرصہ مکہ کی مجاورت اختیار کی۔ کئی سال تک حجاز میں رہے۔ شیخ حر عاملی "معاصرین" میں شمار کرتے ہیں۔

شیخ احمد نے عبداللہ قطب شاہ (سلطان گولکنڈہ م ۱۰۸۳ھ) کے حکم سے "کشکول بہائی" کا ترجمہ لکھا ہے اس لیے شیخ ۱۰۸۰ھ کے حدود میں وارد دکن ہوئے ہوں گے اور فتح دکن کے وقت یعنی ۱۱۱۷ھ کے حدود میں شیعہ علماء کے ساتھ ہجرت کی۔ شیخ مکہ ہی میں رہے یا وطن واپس آئے؟ کب اور کہاں وفات پائی؟ تفصیل موجود نہیں۔ صورتِ حالات سے یہی سمجھتا ہوں کہ شیخ ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۸ء کے لگ بھگ واصل بحق ہوئے ہوں گے۔

دکن کی خوش بختی ہے کہ وہاں شہید کی اولاد نے علوم کے چمن کی آبیاری کی اور علماء عرب کی روایت سے نقد و حدیث آلِ محمد کا چرچا ہوا۔

تصانیف: • ترجمہ کشکول بہائی، عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش سے یہ ترجمہ لکھا۔ اس کے قلمی نسخے حیدرآباد دکن وغیرہ میں موجود ہیں۔ (امل الآمل ج ۱ ص ۳۵)

احمد، شیخ، شروانی یمنی:

۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۶ء
۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء

شیخ احمد بن محمد بن علی بن ابراہیم شروانی، ہمدانی عربی ادب و شعر کے نابغہ اور علوم اسلامی کے عالم بے بدل تھے۔ یمن کے مقام "حدیدہ" میں بتاریخ ۲۱ رمضان ۱۲۰۰ھ متولد ہوئے۔

علوم لغت و ادب میں محسن بن عیسٰی النخعی اور بہاؤالدین بن محسن جبل عاملی کے شاگرد تھے۔ فقہ شافعی شیخ علی بن یحیٰی عفیف یمانی اور سید زین العابدین ابن علوی مدنی سے پڑھی۔ فقہ شیعہ کی تعلیم اپنے والد سے پائی۔ اس کے بعد کلکتے آئے اور حیدر علی ٹونکی سے "شرح شمسیہ" اور "شرح نخبۃ الفکر" پڑھی۔ پھر ہندوپاک کی سیاحت کرتے ہوئے کلکتہ آئے۔ ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء میں مدرسہ عربیہ کلکتہ کے مدرس عربی معین ہوگئے۔ لیکن شیخ احمد کو وہ آب و ہوا راس نہ آئی۔ شیخ کلکتے سے لکھنؤ آئے۔ سلطان غازی الدین حیدر کے دربار میں پہنچے جہاں نظم و نثر عربی میں دو کتابیں لکھیں۔ غازی الدین حیدر نے پندرہ سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کردیا۔ غازی الدین حیدر نے رحلت کی تو مہاراجہ چندولال کی طلب پر دکن چلے، لیکن راستے میں ٹھگوں نے لوٹ لیا (۱۲۵۰ھ / ۱۸۴۰ء) اس کے بعد مسٹر ولکنس پولیٹکل ایجنٹ سیوھار نے بھوپال بلا کر لیا پھر کچھ عرصے بعد لکھنؤ سے بھوپال میں نواب جہانگیر خان کے یہاں حاضر ہوئے۔ طبیعت میں سیر و سفر کا شوق تھا۔ لہذا بھوپال سے بمبئی، بنارس اور پونا گئے۔ اور وہیں ۱۹ ربیع الاول ۱۲۵۶ھ ۳۰ مئی ۱۸۴۰ء میں فوت ہوئے۔

شیخ احمد عصر کے متنبی و حریری تھے۔

تصانیف: • المناقب الحیدریہ (عربی مطبوعہ) • المحامد الحیدریہ (عربی مطبوعہ) • نفحۃ الیمن (عربی مطبوعہ) • حدیقۃ الافراح (عربی مطبوعہ) • العجب العجاب (عربی مطبوعہ) • منہج البیان (عربی مطبوعہ) الشافی فی العروض والقوافی۔ • جوارس التفریح۔ • الجوہر الوقاد فی شرح بانت سعاد۔

(فہرست مشروح بعض کتب نفیسۂ قلمیہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ ج ۲ ص ۸۳۴۔ • تلامذہ غالب • قاموس المشاہیر، تذکرہ علماء ہند نزہتہ ج ۷ ص ۴۴)

احمد بن سید محمد ہادی:

۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء
۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

جناب مولانا سید احمد صاحب قبلہ لکھنؤ میں ۴ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ ۱۵ اپریل ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ

کے والد جناب سید محمد ہادی صاحب قبلہ صاحب نفس قدسی، جلیل القدر عالم اور فقہ و اصول کے مستند استاد تھے مولانا سید احمد صاحب نے پاکیزہ ماحول اور علمی گھرانے میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسۃ سلطان المدارس میں داخل ہوئے اور وہاں ——— مولانا سید باقر صاحب قبلہ اور مولانا سید ہادی صاحب قبلہ، مولانا سید محمد رضا صاحب قبلہ، مولانا عالم حسین صاحب قبلہ رحمہم اللہ سے درس لیا اور صدر الافاضل کیا۔ مولانا سید احمد عربی ادب کے شیفتہ تھے۔ مدرسۃ سلطان المدارس میں درس دیتے تھے۔ مجھے موصوف سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

مولانا سید احمد صاحب قبلہ کی تقریر بڑی مسجع مقفیٰ اور پر تکلف ہوتی تھی۔ عربی شعر و ادب پر قدرت تھی اور کبھی کبھی تینوں زبانوں میں لکھتے بھی تھے۔

شب دوشنبہ ۴ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ / ۱۱ دسمبر ۱۹۷۲ء لکھنؤ میں وفات پائی۔

احمد حسن، کاظمینی:

حدود ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء
۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء

جناب حاجی علامہ مرزا احمد حسن بن مولوی صفدر حسین صاحب، بڑے مشہور عالم و فاضل ذہین و ذکی بزرگ تھے۔ صفدر حسین صاحب پرانے انداز کی ذاکری خصوصاً "مختار نامے" کے پڑھنے میں بہت مشہور تھے۔ موصوف کے فرزند عالی قدر احمد حسن صاحب محلہ کاظمین لکھنؤ میں رہنے کی وجہ سے کاظمینی کہلاتے تھے۔ موصوف نے صدر الافاضل کے علاوہ سرکاری امتحانات اور انگریزی اسناد بھی حاصل کیے تھے۔ شیعہ کالج میں دینیات کے استاد تھے۔

عربی نظم و نثر پر قدرت تھی۔ قصائد و مراثی لکھے تھے۔ اردو میں ایک کتاب "سوانح حیات ناصر الملت" مطبوعہ میرے پاس ہے۔ اس کے علاوہ الادیب کے نام سے ایک عربی ماہنامے کی ادارت بھی کی۔

لکھنؤ سے کمپالا، یوگنڈا مشرقی افریقہ چلے گئے تھے اور وہاں دس سال تک دینی فرائض کے نگران کی حیثیت سے کام کیا۔ آخر ۱۹۶۲ء کے بعد کراچی آئے اور مدرسۃ الواعظین کراچی میں مدرس مقرر ہوئے اور ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۴ء پنجشنبہ کے دن رحلت کی۔

احمد حسین۔ زنگی پوری:

۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء
۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء

جناب ملا احمد حسین بن سید کرم حسین زنگی پوری (ضلع غازی پور ہند) اپنے وطن زنگی پور میں ۱۲۴۶ھ کو پیدا ہوئے۔ والد کے ساتھ فیض آباد آئے اور قطبی و شرائع الاسلام ختم کی۔ ۱۲۶۲ھ میں والد کا انتقال ہوگیا۔ اس لیے لکھنؤ آکر جناب مولانا سید حسین صاحب سے شرح لمعہ اور اصول کافی جناب قائم الدین سے اصول فقہ۔ جناب ولی اللہ صاحب اور تراب علی آپ کی ذہانت و قابلیت کی وجہ سے اپنا شاگرد رشید جانتے

اور فخر کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ تیس برس کی عمر میں علم تسخیر کے لیے دریائے گھاگھرا میں تین تین گھنٹے ریاضت کرتے رہے لیکن جب اس کی حرمت کا علم ہوا تو اس عمل کو چھوڑ دیا۔ پاک طینت، نفس قدسی، جذب باطن اور غیر معمولی تقوے کے مالک تھے

یکم ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ لکھنؤ میں رحلت کی۔

تصانیف: • حاشیہ شمس بازغہ (عربی) • شرح تہذیب المنطق (تذکرۂ بے بہا)

احمد حسین، ولید پوری :

۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۶ء
۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء

سید احمد حسین بن جان علی حسینی ولید پوری ۱۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کر کے لکھنؤ گئے اور وہاں کے علماء و افاضل سے علوم متداولہ میں تلمذ، حصول اسناد سے معزز ہوئے۔

۱۲۹۲ھ میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔

مولانا احمد حسین بڑے پرہیزگار عالم تھے۔ اکبر پور میں امامت جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دیتے رہے راجہ باقر حسین صاحب بہت احترام کرتے تھے۔

مولانا نے اپنے وطن ولید پور میں ۱۲۹۴ھ میں انتقال کیا۔ (نزہتہ ج ۷، ص ۲۰)

احمد حسین امروہوی :

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء
۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء

امروہے کے نامور عالم مولانا احمد حسین صاحب آبائی وطن میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد صرف و نحو مولوی سید علی حسن صاحب سے کتب طبیہ حکیم امجد علی خاں رئیس امروہہ سے پڑھیں۔

لکھنؤ میں شرح لمعہ و شرح کبیر و معالم و قوانین ملک العلماء بندہ حسن صاحب سے اور شرح لمعہ و تفسیر طبرسی فردوس مآب حامد حسین صاحب سے اور شرح لمعہ و نہج البلاغہ و مسالک جناب مفتی محمد عباس ؒ سے پڑھیں۔ ان سب نے اور جناب ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب نے اجازات و اسناد عطا فرمائے۔

جمادی الثانیہ ۱۲۸۸ھ میں علالت کی بناء پر وطن آ گئے۔

مولانا احمد حسین، ہونہار طالب علم اور فاضل بزرگوار تھے۔ زمانہ طالب علمی میں جناب مفتی محمد عباس کی تحریر کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے اور نہج البلاغہ کی شرح لکھتے تھے۔ وطن میں ان کے تقدس و علم سے متاثر ہو کر حکیم امجد علی خاں نے اپنے لڑکوں کی تعلیم آپ سے متعلق کر دی۔

ریاست دیوگام ضلع فیض آباد میں طلبی ہوئی اور وہاں امام جمعہ و جماعت مقرر ہوئے۔ ۱۳۱۲ھ میں جب

راجہ صاحب دیوگاؤں زیارات کے لیے تیار ہوئے تو مولانا کو شریک سفر کیا۔

حکیم امجد علی خاں نے سید المدارس امروہہ قائم کیا تو مولانا اس کے مدرس مقرر ہو گئے مگر راجہ صاحب دیوگام نے مجبور کر کے فیض آباد بلا لیا۔

۱۲ شعبان ۱۳۲۸ھ کو بیماری سے مجبور ہو گئے۔ وطن لوٹے اور ۱۵ رماہ صیام ۱۳۲۸ھ کو رحلت فرمائی۔

مولانا انتہائی خلیق، قانع، عابد و زاہد، پاک نفس اور شب زندہ دار تھے۔

نماز شب کے پابند تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت اور صحیفۂ کاملہ، دعائے مشلول وغیرہ ترک نہ کرتے تھے شب جمعہ قبرستان جانا ضروری سمجھتے تھے۔ مجلس میں بہت روتے تھے۔

نو بجے صبح مطالعہ کے پابند تھے۔

مقبول بارگاہ: مولانا احمد حسین صاحب نے رات کو خواب دیکھا کہ مولوی سید علی حسن صاحب امروہوی عیادت کے لیے آئے ہیں۔ آپ نے ضعف کی شکایت کی۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم مرض سے نجات حاصل کر کے ہمارے پاس پہنچو اور آج جناب امیر علیہ السلام بھی مسجد جامع میں تشریف لائے۔ آپ شوق زیارت میں مسجد میں آئے دیکھا کہ بیچ کے در میں قبلہ رُو کھڑے ہیں۔ چہرے پر نقاب ہے۔ مسجد میں نور پھیلا ہوا ہے۔ اتنے میں حضرت نے نقاب الٹ کر آپ کو دیکھا اور مسکرائے۔ مولانا نے درود پڑھنا شروع کیے۔ حضرت نظر سے اوجھل ہو گئے۔

آپ نے نصیحت فرمائی کہ مولوی اولاد حسین صاحب کی اجازت سے مجھے وہاں دفن کرنا جہاں امام کی زیارت ہوئی ہے۔

مرض الموت میں اکثر سورۂ یٰسٓ والصافات پڑھوا کر سنتے تھے، سامان تجہیز و تکفین رکھ لیا تھا۔ حج و روزے اور نماز کے لیے بطور احتیاط روپیہ الگ رکھ لیا تھا۔

جہاں نماز پڑھتے تھے وہاں چارپائی بچھوائی۔ نزع کے وقت مسکرائے اور ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔ پھر اٹھنا چاہا اور کہا "بسم اللہ تشریف لایئے" اور کہا دیکھو دروازے پر کوئی پکارتا ہے حالانکہ وہاں کوئی نہ تھا۔

تصانیف: • شرح نہج البلاغہ (ناتمکمل) • حواشی مختصر النافع (فقہ) • اعظم المطالب فی آیات المناقب (مطبوعہ)
• اخراج الناس عن شر الوسواس • مناقب الابرار • ہدیۂ سعیدیہ • جواب لاجواب • فرق الفریقین فی تمسک الثقلین
• تنقید الاخبار و تعدیل الاخیار (مطبوعہ)

اولاد: حکیم مولوی سید محمد ابو جعفر صاحب • جناب مولوی سید محمد صاحب۔ (بے بہا)

احمد حسین سندیلوی :

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء
حدود ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء

ملا حمداللہ شارح مسلم العلوم کی اولاد میں مولوی احمد حسین صاحب سندیلے اور لکھنؤ کے مشہور علماء میں جناب ملاذ العلماء سید بچھن صاحب قبلہ اور مولوی عبدالحق خیرآبادی کے شاگرد تھے۔

شیخ خاص علی وکیل سندیلوی کی کمک سے حیدرآباد دکن چلے گئے اور وہاں سرکاری مدرسہ دارالعلوم میں سو روپے ماہانہ کی تنخواہ پر ملازمت مل گئی۔

مولوی محمد حسین مؤلف تذکرۂ بے بہا نے ۱۳۰۴ھ کے قریب انھیں لکھنؤ میں دیکھا تھا۔ وہ دکن سے وطن آئے ہوئے تھے۔

فقہ و حدیث، عقائد و تفسیر کے علاوہ خاص شہرت منطق و فلسفہ میں حاصل تھی۔

احمد حسین، سرسوی :

حدود ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

مولانا سید احمد حسین سرسوی، عثمانیہ یونیورسٹی شعبہ اسلامیات کے لیکچرر، عربی ادب و علوم پر مسلم قابلیت کے مالک تھے۔ ایک رسالہ عوامل نحو پر عربی میں لکھا جو چھپ چکا ہے۔ حدیث و فقہ پر عبور کامل تھا۔

احمد حسین خان :

حدود : ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء

۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء

رائے بریلی کے قریب برباؤں نامی ایک قصبہ کے رئیس و زمیندار، شیخ احمد حسین صاحب علوم اسلامیہ کے فارغ التحصیل سنی فاضل تھے، مطالعہ و تحقیق کے بعد شیعہ مذہب اختیار کیا اور تاریخ و فقہ و عقائد پر بہت اہم کتابیں لکھیں اور فکر انگیز مسائل پر بحث کی فقہ میں تقابلی مطالعہ، فہرست کتب و مصنفین وغیرہ پر آپ کے تالیفات بہت وقیع ہیں۔ موصوف کا قیمتی کتب خانہ ان کے فرزند نے کتب خانہ ناصریہ کو دے دیا ہے۔ جناب نواب احمد حسین خان شعر و ادب سے بھی دلچسپی تھی، حافظ کا دیوان حفظ تھا۔ خود بھی شعر کہتے تھے۔

مذاق تخلص تھا اور امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ اکبر الہ آبادی سے قرابت تھی۔

۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء میں رحلت کی۔

تصانیف : • آیات بینات • تفسیر آیات، فضائل امیرالمومنینؑ۔ • تاریخ احمدی، متن و ترجمہ تاریخ اسلام عربی و اردو۔ • رفع الحجب عن اسامی الکتب طبع انتظامی کانپور ۱۳۱۹ھ • الموافقۃ والمصالحۃ فقہ شیعہ و سنی کا تقابلی مطالعہ۔ • کتاب معرفۃ العلما : اسماء الرجال۔ • پیہر امامت کے بارہ برج مطبوعہ لکھنؤ • تصحیح الاغلاط (لغت) مطبوعہ • دیوان مطبوعہ • شرح المفاتیح الاقفال الترازیح مطبوعہ کالا کانکر (بہند) • جذبات مذاق • دقائق المذہب۔

احمد حسین، صدر الافاضل :

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء

حدود ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

X مولانا مرزا احمد حسین صاحب، لکھنؤ کے معزز خانوادۂ علم و عمل سے تعلق رکھتے تھے، مشہور مرثیہ گو گدا صاحب کی اولاد سے جناب مولانا کاظم حسین صاحب مقدس کے فرزند تھے۔ دینی علوم میں کامل، اور درس نظامی کے صدر الافاضل تھے۔ مدرسۂ سلطان المدارس میں درس دیتے تھے۔ مجھے دونوں بزرگوں سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

۱۹۵۰ء کے بعد ترک وطن کر کے کربلائے معلیٰ چلے گئے تھے، لیکن خاک لکھنؤ کھینچ لائی اور وطن میں ۱۹۶۵ء کے حدود میں وفات پائی۔

احمد رضا، برستی :

حدود : ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء

برست ضلع کرنال کے عالم، فقیہ و فاضل مولانا احمد رضا صاحب لکھنؤ سے فارغ التحصیل اور مولانا سید حیدر اور مولانا سید احمد علی صاحب محمد آبادی کے شاگرد و اجازہ یافتہ

نواب مرزا صاحب آف عظیم آباد کی طلب پر عظیم آباد آگئے اور نواب الطاف حسین کو درس دیا، پھر لکھنؤ آئے اور بقیہ درس مکمل کر کے وطن واپس گئے۔

(تذکرۂ بے بہا)

احمد رضا، جائسی :

حدود ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء

مولانا احمد رضا بن محمد بن غلام محمد جائسی مؤلف "ذکر الحافظ" فارسی مطبوعہ ہند (مطلع انوار ص ۲۱)

احمد رضا، موسوی :

حدود ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء

جناب مولانا سید احمد رضا صاحب موسوی فقیہ فاضل سیرٹھ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں تحقیق ادیان و مذاہب کی سند لی اور تبلیغ اسلام کرتے رہے۔ ۱۹۳۸ء میں شیعہ جامع مسجد کے امام و خطیب تھے۔

احمد علی، شیخ، برستی :

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء

۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء

مولانا شیخ احمد علی صاحب فاروقی۔ برست ضلع کرنال کے باشندے تھے۔ علم و فضل، زہد و ریاضت میں ضرب المثل تھے۔ تھوڑی سی زمین تھی، اسے خود کاشت کرتے تھے۔ فقہ میں یہ کمال کہ آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی نے اجازہ دیا تھا۔ تبلیغ دین و اخلاق کے لیے دور دور جاتے تھے، پیدل ہی چلتے اور خوش طبعی سے پیش آتے۔ موعظے میں اثر تھا۔

مدرسہ ایمانیہ دہلی میں درس بھی دیا۔ آخری زمانے میں زیادہ قیام دھولڑی ضلع میرٹھ میں رہا۔ اور وہیں ۱۳۱۶ھ کو رحلت کی۔

تصانیف : • اختلاف البخاری عن کلام الباری۔ (بے بہا ص ۴۷)

احمد علی مرزا، ہندی : ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

مولانا مرزا احمد علی صاحب عالم مقدس وصالح و پرہیزگار پچاس سال کربلا میں مجاور رہے وہیں انتقال فرمایا۔

حکایتِ خواب : احمد علی کہتے ہیں ایک مرتبہ میرے زانو میں ایسی تکلیف ہوئی کہ تمام طبیب عاجز ہو گئے۔ میں نے اس طبیب سے جو تمام ہند میں اکمل تھا رجوع کیا جب وہ بھی عاجز ہو گئے تو ڈاکٹر کو دکھایا اس نے کہا کہ سوائے حضرت عیسیٰؑ کے کوئی اس کا علاج نہیں کر سکتا اور عنقریب اس کی سمیت سرایت کرے گی اور ایک دو روز میں مر جاؤ گے۔

جب رات ہوئی تو میں نے خواب میں امام رضاؑ کو دیکھا کہ حضرت کے چہرہ انور سے نور ساطع ہے۔ حضرت نے مجھ کو پکارا کہ اے احمد یہاں آؤ۔ میں نے عرض کیا یا مولا آپ خوب جانتے ہیں۔ کہ میں مریض ہوں نہیں آسکتا حضرت نے فرمایا آؤ پھر تو میں اٹھا اور حضرت کے نے اپنا ہاتھ میرے زانو پر پھیرا۔ میں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی زیارت سے مشرف ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہو گا۔ جب میں بیدار ہوا تو مرض کا اثر بھی نہ تھا۔ میں نے اس کو چھپایا مگر جب لوگوں نے مجھے دفعتاً صحیح و سالم پایا اور یہ قصہ مشہور ہوا تو بادشاہ نے مجھے بلا کر میرا وظیفہ مقرر کر دیا اور برابر میرا وظیفہ پہنچتا رہا اور میں کربلائے معلیٰ میں مجاور ہو گیا۔

(بے بہا: ۳ نجوم السماء ص ۲۲۷ نزہتہ ج ۵ ص ۲۸ اعیان الشیعہ ج ۹ ص ۱۲۴)

احمد علی مرزا، امرتسری : ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء — ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

جناب مرزا احمد علی صاحب امرتسر میں پیدا ہوئے اور ابتدائی درسی کتابیں بعض علماء اہلِ سنت سے پڑھ کر اسکول میں داخل ہو گئے اور ایف اے تک پڑھ سکے تھے کہ فوج میں ملازمت مل گئی جہاں ترقی کر کے اکاؤنٹنٹ جنرل تک پہنچے۔ مولانا کو بچپنے سے علوم دین اور خدمتِ اسلام سے دلچسپی تھی۔ حالات نے ملازمت پر مجبور کر دیا تھا لیکن انھوں نے خدمتِ دین کو شعار بنایا۔ امرتسر میں حضرات اہلِ سنت نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ مولانا نے مطالعہ اور ذہانت سے ان کا مقابلہ کیا۔ علماء سے مناظرے کیے، عوام میں تقریریں کیں اور فضا کی زہرناکی کم کی۔ آریوں، سکھوں اور عیسائیوں کے مقابلے کے لیے ہر وقت کمربستہ رہے۔ احمدیوں اور بہائیوں کو شکست دی۔

مولانا احمد علی امرتسر سے نکل کر کشمیر سے دکن اور لاہور سے برما سیلون، حجاز و عراق و ایران تک گئے اور ہر جگہ دشمنان

مذاہب کی یلغار کا جواب دیا۔ وہ مذاہبِ عالم کے عقائد سے پوری طرح باخبر تھے اور ہر مذہب کے مقابلے میں اسلام اور شیعیت کی برتری ثابت کرنے میں ہمیشہ کامیاب رہے۔ انہوں نے بہت سے ہندوؤں اور آریوں کو مسلمان کیا اور بہت سے سنیوں کو شیعہ بنایا۔ علمائے نجف و قم و لکھنؤ نے ان کی ہمیشہ عزت افزائی فرمائی اور اجازات مرحمت فرمائے۔

مولانا، اعلیٰ درجے کے خطیب و مبلغ تھے، وہ راہِ تبلیغ و دعوت میں جفاکش تھے۔ پیدل سفر کرتے تھے اور نڈر ہو کر مقابلوں میں جاتے تھے۔ انھوں نے سنی اخبارات کی فراوانی اور حملوں کے جواب میں لاہور سے "شیعہ" اخبار نکلوایا۔ وہ زندگی بھر احمدیوں، آریوں، بہائیوں، عیسائیوں کے خلاف لکھتے اور بولتے رہے۔ ان کا کتب خانہ وسیع تھا۔ اور ان کے تالیفات بہت اہم ہیں۔ پنجشنبہ ۴ جون ۱۹۷۰ء مطابق ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ کو [illegible] لاہور میں وفات پائی اور حسینیہ ہال موچی دروازے میں دفن ہوئے۔

ان کے فرزند اکبر جناب ڈاکٹر محمد عسکری صاحب ایم بی بی ایس والد کے جانشین ہیں۔ دوسرے صاحبزادے جناب علی عابد مرزا صاحب ہیں۔

تصانیف : مولانا احمد علی صاحب چالیس پچاس کتابوں کے مصنف ہیں۔ تعارف بہائیت مثلاً • بہود از قیاس • دستور العمل اسلام • معارف القرآن • ترجمہ و حواشی قرآن مجید (تفسیر، اردو، مطبوعہ) • شیعہ پاکٹ بک مطبوعہ

احمد علی، سیّد محمّد آبادی : ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۲ء — ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء

مولانا سید احمد علی بن عنایت حیدر بن سید علی محمد آباد ضلع اعظم گڑھ کے علم دوست گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ رمضان ۱۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالا تو گھر پر تعلیم کے بعد مولانا سید احمد علی صاحب وطن سے تلاشِ علم میں فیض آباد پہنچے اور مولوی سید عبدالعلی دیوکھٹوی سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۲۲۵ھ میں لکھنؤ آئے اور لکھنؤ کے مختلف اساتذہ سے مختلف علوم و فنون سیکھے۔ فلسفہ و منطق مفتی ظہور اللہ سے اور فقہ و اصول و منقولات جناب غفراں مآب سے پڑھے۔

لکھنؤ کے ذی علم اور جوہری کے مدرس مانے جاتے تھے۔ پلٹنے نالے کے محلے میں رہتے تھے پہلے شاہی مدرسے میں مدرس رہے۔ غدر کے بعد پنشن ملتی رہی۔ لوگ گھر پر حاضر ہو کر مختلف علوم کے درس لیتے تھے۔ مشہور ہے کہ آپ کی تقریر کتاب کا ترجمہ ہی نہیں بلکہ اصل مسئلہ کی تحقیق و تفصیل ہوتی تھی۔ جیسے محنت سے تیار کیا ہوا لکچر۔ پھر اصل مسئلے کے پہلو بیان کرنے کے بعد اپنی رائے بھی بیان کرتے تھے۔ قرأت میں یگانۂ روزگار تھے اور تفسیر و حدیث و فقہ و اصول منطق و فلسفہ پر استادانہ مہارت کے علاوہ عربی ادب پر قدرت کاملہ تھی، اخلاق و پاکیزہ نفسی اسی پر مستزاد جناب مفتی صاحب نے اوراق الذہب میں لکھا ہے، "الفاضل الکامل العالم العامل السند...... افصح الفصحا، ابلغ البلغاء المہذب فی خصالہ، البارع فی کمالہ، ذوالفضل السابغ والنطق الرابغ العلیم الحلیم الوقور الصبور۔

الذی اعترف السنة الاقلام عند مدحه بالقصور مولانا السید احمد علی محمد آبادی وقاہ اللہ من شرور الاعادی فرماتے ہیں کہ جناب غفراں مآب کی رحلت کو کچھ زمانہ گزرا تھا کہ ایک دن خواب میں دیکھتا ہوں غفراں مآب عادت کے مطابق مسند پر گاؤ تکیہ لگائے تشریف فرما ہیں۔ اور میں حوض کے پاس کھڑا ہوں۔ میرا نام لے کر آواز دی۔ میں قریب گیا تو فرمایا۔ ہمارے فرزند (سید العلماء) سے کہہ دینا کہ سو دینار جو تمہارے پاس ہم نے رکھوائے تھے ان پر ایک سال گزر گیا۔ زکوٰۃ واجب ہو گئی ہے۔ میں نے کہا بہتر۔ جب بیدار ہوا تو جناب علیین مکاں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ واقعہ عرض کیا تو موصوف نے فرمایا اس رقم کا علم میرے اور والدۂ محترمہ کے سوا کسی کو تھا ہی نہیں۔ میں نے اس رقم سے زکوٰۃ نکالنا چاہی تھی، پھر ذہن سے بات نکل گئی۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب نے یہ واقعہ کرامات کے طور پر نقل کیا ہے۔

۱۲۴۷ھ میں آپ نے سفر حج فرمایا۔ اس سفر میں مقامات مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور شیخ مرتضیٰ انصاری، میرزا علی نقی طباطبائی حائری و مرزا لطف اللہ مازندرانی سے مباحثات ہوئے اور استفادے سے عزت پائی۔

تصانیف: بادشاہ اودھ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ طاہرینؑ کی سوانح حیات لکھنے کا حکم دیا۔ سلطان العلماء نے جناب مولانا احمد علی صاحب کو منتخب کیا۔ مولانا نے آنحضرتؐ کی سیرت لکھی جس کا نام تھا۔ تحفۃ المعجزات۔ دوسری کتاب لکھی مسبحۃ الجمان در احوال صاحب الزمان • اسئلۃ المحمد آبادیہ جواب مولوی امانت علی • الرد علی الاخباریہ • شرح مکتوب امام رضاؑ • ترجمہ الاثنی عشریۃ لصلوٰتیۃ بہائی۔ • رسالہ فی جواز الامامۃ فی الصلاۃ لمن یعترف بفسقہ • رحلۃ الحجازیہ سفر برکات • رسالہ جواز مسح علی الخفین در حالت تقیہ و مسح علی الجبیرۃ او مرض۔ • رسالہ فی سجود التلاوۃ۔ • حاشیہ علی تحریر العلامہ (فقہ) • رسالہ در تجوید و قرأت • رد بعض ابواب تحفہ • رد کتاب تیسیری (رضا) مختصر اثنا عشری • شرح منظومہ بحر العلوم • رد منتہی الکلام حیدر علی • جواب مسائل • خطوط • اشعار۔

مولانا احمد علی صاحب نے تقریباً نوے سال کی عمر پا کر ۔۔ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ کو لکھنؤ میں رحلت کی۔ چونکہ امین الدولہ وزیر اعظم کے دونوں صاحبزادے آپ کے شاگرد تھے۔ لہذا مولانا کو امداد حسین امین الدولہ نے اپنی تعمیر کردہ کربلا میں زیر قبہ جگہ دی۔

جناب مفتی محمد عباس صاحب نے متعدد اشعار مرحوم کی مدح میں لکھے ہیں جو رطب العرب میں موجود ہیں۔ نواب جعفر صاحب کا قطعہ تاریخ فارسی تھا۔

امسال از حکم قضا رفتہ سوئے دار بقا ۔ حاجی و سید صالح الاعمال مرد متقی
جعفر بگفتم مصرع تاریخ بہر حلتش ۔ علامہ من خلد مسکن مولوی احمد علی ۱۲۹۵ھ

اولاد: • حکیم سید محمد صاحب، جن کو آپ نے محمد آباد کی زمینداری ہبہ کر کے وطن بھیج دیا تھا۔

• مولوی سید علی میاں صاحب کامل، جو عالم و فاضل ہونے کے علاوہ بہت جامع الکمالات شاعر و مرثیہ گو تھے۔ • مولوی سید جعفر حسین صاحب • مولوی محمد صادق صاحب

(الواعظ لکھنؤ، جون ۱۹۲۴ء ۔۔۔ بے بہا، اعیان الشیعہ ج ۹ ص ۱۱۶۔ نزہۃ ج ۷ ص ۴۴)

احمد علی، مفتی : ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء — ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۹ء

لکھنؤ کے معاصر بزرگ و نامور مجتہد و عالم، مفتی احمد علی صاحب قبلہ جناب مفتی محمد عباس کے آخری فرزند تھے۔ ۲۵ رجب ۱۳۰۳ھ کو لکھنؤ میں متولد ہوئے۔ ابھی پانچ سال کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ کو جناب مفتی محمد عباس صاحب نے رحلت فرمائی۔

مولانا احمد علی صاحب نے یتیمی اور زوال و مشکلات کا سخت ترین زمانہ دیکھا۔ خوش نصیب والدہ نے پرورش کی اور جناب سید ابو صاحب قبلہ نے اپنی توجہ خاص سے استاد زادے کی خدمت کی۔ مفتی صاحب قبلہ نے مدرسہ سلطان المدارس میں ۱۳۱۲ھ سے ۱۳۱۷ھ تک مولوی جعفر حسین صاحب سے تعلیم حاصل کی، پھر آپ کے بہنوئی جناب نجم العلماء نے اپنی نگرانی میں لے لیا اور ناظمیہ میں داخل کر کے پڑھایا۔

ابتداء میں عبادت و وظائف سے زیادہ رغبت تھی اور پڑھنے میں دل نہ لگتا اس لیے ۱۳۱۸ھ میں اپنی والدہ کے ہمراہ کربلائے معلیٰ تشریف لے گئے اور دل لگا کر پڑھنا شروع کیا۔ اساتذۂ کربلا میں آقای سید کاظم بہبہانی، آقای شیخ غلام حسین مازندرانی حائری کا نام مشہور ہے۔ کربلا سے نجف آئے اور آقای ضیاء عراقی، آقای میرزا حسین خلیل اور آخوند کاظم خراسانی اور جناب سید محمد کاظم طباطبائی کے درس میں شریک ہوئے۔ چوبیس سال کی عمر میں اجتہاد کے اجازے لیے۔ اور نجف اشرف سے کربلائے معلیٰ آ گئے۔ نجف و کربلا میں ہندی طلباء آپ سے بکثرت پڑھنے آتے رہے۔ اور قوانین و رسائل و شرح لمعہ پڑھاتے رہے۔

اسی اثناء میں جناب علامہ ہندی سید احمد صاحب کی صاحبزادی سے عقد ہو گیا۔

عقد کے کچھ دن بعد دوبارہ عراق گئے اور وہاں پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری کیا۔

عراق سے مستقل آنے کے بعد سید المدارس امروہہ، گھرولی ضلع مظفر نگر اور جائس وغیرہ آتے جاتے رہے۔ ایک مدت کے بعد جناب نجم الحسن صاحب قبلہ نے مدرسۂ ناظمیہ میں مدرس فقہ و اصول کے طور پر بلا لیا۔ یہاں معالم، شرائع، شرح لمعہ، قوانین اور آخر میں رسائل و مکاسب کا درس دیتے رہے۔ جناب مفتی صاحب قبلہ مرحوم نے عراق و ہند میں شہرت علمی حاصل کر لی تھی، ان کا درجہ ہندی علماء فقہ و اصول میں مسلم تھا۔ عمر کے ساتھ ان کی عزت و مرجعیت میں اضافہ ہو گیا۔

جناب نجم العلماء نے ۱۳۵۹ھ میں رحلت کی تو مدرسہ کے تمام انتظامات مکمل طور پر آپ کے ذمے آ گئے۔

جناب مفتی احمد علی صاحب قبلہ نے ملک کے بدلے ہوئے حالات شہر کی گھٹیا سیاسی فضا اور نامساعد حالات میں مدرسے کی پرنسپلی سنبھالی اور افریقہ، کشمیر، عراق و ایران تک مدرسے کی شہرت پھیلائی اور طویل کوشش کے بعد مدرسے کو مالی بحران سے نکالا۔ مدرسے کی شہرت بحال کی۔ دنیا بھر کے شیعوں نے مدرسے کی اہمیت محسوس کی۔ ملک کے گوشے گوشے سے امداد ملی۔ عراق و ایران کے علما نے ملک کی اور مدرسے کو چار چاند لگ گئے۔ اس سے ان کی انتظامی قابلیت اور محنت میں قوت معلوم ہوتی ہے۔ مفتی صاحب قبلہ مرحوم ہندوستان میں مرجع اعظم تھے۔ عربی و فارسی و اردو میں برجستہ شعر گوئی اور تاریخ کہنا ان کی میراث تھی۔

میں جناب مرحوم کا شاگرد بھی ہوں اور ان کے قریب بھی رہتا تھا۔ میں نے رمضان میں ان کا دل دہلانے والا موعظہ سنا۔ وہ رمضان میں ظہرین کی نماز سوداگر کے امام باڑے والی مسجد میں پڑھاتے تھے۔ نماز کے بعد وعظ اور وعظ میں خوفِ خدا اور اخلاق کے درس دیتے تھے۔

مفتی صاحب سادہ مزاج، خوش اخلاق اور انتہائی ذہین اور محقق عالم تھے۔ میں نے ان سے شرح کبیر اور رسائل کا درس لیا ہے۔ ان کے مقلدین پاکستان ہندوستان، افریقہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ عوام اور حکومت احترام کرتی تھی۔ ان کی وفات سے لکھنؤ کی ایک خاص روایت فقہ و فقہا کا باب ختم ہو گیا۔ جناب مفتی صاحب قبلہ نے چھیاسی سال کی عمر میں ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ / ۶ مارچ ۱۹۶۹ء رحلت فرمائی اور لکھنؤ مدرسہ ناظمیہ میں دفن ہوئے۔ (بے بہا۔ اصلاح مجھوہ)

اخلاق حسین، حافظ:

۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء
حدود ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء

حافظ اخلاق حسین سونی پتی خلف اشفاق حسین۔ عالم و فاضل، فقیہ و خطیب، بزرگ تھے۔ اصل وطن پانی پت تھا، لیکن آپ کے دادا میر مہدی صاحب۔ مع اہل و عیال سونی پت آ گئے۔ حافظ صاحب ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور تکمیل تحصیل فقہ وغیرہ کے لیے لکھنؤ آئے۔ یہاں سے فارغ ہو کر عراق گئے ۱۸ سال تک وطن رہے۔ ایک رسالہ عربی میں لکھا جو چھپ چکا ہے۔ آپ ترک وطن کر کے حیدر آباد دکن چلے گئے تھے۔ (تذکرۂ بے بہا ۷۲)

ارشاد حسین:

حدود ۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء
حدود ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء

مولانا ارشاد حسین صاحب حضرت حبیب ابن مظاہر اسدی شہید کربلا کی اولاد سے تھے۔ جون پور آبائی وطن تھا۔ جون پور سے لکھنؤ گئے اور لکھنؤ میں اساتذہ و علماء سے تعلیم حاصل کی۔ تاج العلماء علی محمد صاحب سے تکمیل درس و

اجازہ حاصل کیا۔ اور کربلائے معلیٰ ہجرت کر گئے۔ نواب اقبال الدولہ بہادر نے آپ کی پرہیزگاری سے متاثر ہو کر شاہی وقف لکھنؤ کے وظائف کی تقسیم آپ کے سپرد کر دی۔ راجہ سید باقر حسین والی ریاست اکبر پور ضلع فیض آباد کی املاک عراق کی منیجری بھی کرتے رہتے تھے۔ ہر تیسرے سال جون پور آتے اور اپنی زمینداری کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ عبادات و فقہ سے شغف تھا۔

کربلائے معلیٰ میں مدرسہ جعفریہ کی بنیاد رکھی۔ ۱۳۳۰ھ یا ۱۳۳۱ھ میں رحلت کی۔

تصانیف: • حاشیہ بر تحفۂ جوادیہ (فقہ) اردو مطبوعہ۔ دوسرے تصانیف ضائع ہو گئے۔ (بے بہا)

ارشاد حسین، مشہدی:

حدود ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء

مولوی سید ارشاد حسین بلند شہر کے معززین سے تھے۔ مولوی ارشاد حسین نے سید المدارس امروہہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۱۵ء میں الٰہ آباد بورڈ سے "ملا" اور پنجاب سے "مولوی فاضل" پھر ۱۹۲۱ء میں ادیب فاضل پاس کیا۔ ۱۹۳۵ء میں الٰہ آباد سے منشی اور اعلیٰ قابلیت آگرے سے پاس کر لیا۔ آگرہ مشن ہائی اسکول میں مدرس تھے۔ دینی شعائر اور فقہی مسائل کی اشاعت میں آپ نے بڑا حصہ لیا۔

اسحاق خان، موتمن الدولہ:

قبل ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۹ء
۱۱۵۳ھ / ۱۷۴۰ء

نواب موتمن الدولہ، اسحاق خان بن علی شوستری دہلی میں پیدا و پرورش ہوئے۔ افاضل و علماء سے علم حاصل کیا۔ فلسفہ و منطق و فنونِ حکمت میں کمال پایا۔ پشتینی امیر تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کے دربار میں امارت و وزارت تک پہنچے۔ نظم و نثر، سیاست و ریاست کے ماہر تھے۔

۳ صفر ۱۱۵۳ھ کو دہلی وفات پائی اور اسی شہر میں محو خواب ابدی ہوئے۔

اولاد: • نجم الدولہ بخشی متوفی ۱۱۶۲ھ • نواب بہو بیگم صاحبہ زوجہ نواب شجاع الدولہ بہادر (تحفۃ الخاطر ج ۶ ص ۳۰)

اسیر، مظفر علی:

۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء
۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء

سید مظفر علی بن مولانا سید محمد علی لکھنؤ کے قریب قصبہ امیٹھی کے رہنے والے تھے۔ سید مظفر علی اسیر نے ابتدائی کتابیں پڑھیں، دس برس کی عمر میں لکھنؤ آئے اور یہاں ملا ظفر علی اور اکابر شیعہ سے علوم منقولات و معقولات حاصل کیے۔ ان کا لباس عالمانہ تھا، مگر سیاست و شاعری کو پیشہ بنا لیا تھا۔ ان کے علم کا شہرت ان کے فارسی دیوان اور منظوم ترجمہ حق الیقین سے ہے جو علم کلام کی مشہور کتاب ہے۔ یہ ترجمہ راجہ امجد علی شاہ کے ذاتی کتب خانہ ... میں محفوظ ہے۔

میں محقق طوسی کے رسالہ معیار الاشعار کی اردو شرح لکھی وہ عروض کے بہت بڑے عالم مانے جاتے ہیں۔ فارسی و اردو کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔
۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء میں رحلت کی۔

اسماعیل، بلگرامی : حدود ۱۰۸۸ھ / ۱۶۷۷ء

سید اسماعیل عرف چھما صاحب خلف سید قطب عالم بلگرامی اپنے عہد کے علماء اور معقولات کے ماہرین میں تھے۔

پہلے ملا عبدالسلام سے درس لیا، پھر ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے مدرسے میں حاضر ہوئے۔ ملا عبدالحکیم نے آپ کی طرف خاص توجہ نہ کی اور کہا "کسی طالب علم کے ساتھ بیٹھ کر سبق سن لیا کرو، الگ پڑھانے کا وقت نہیں ہے۔ مولوی اسماعیل صاحب نے تعمیلِ حکم کی اور ایک طالب علم کے ساتھ سبق میں شریک ہو گئے۔ ایک روز ملا صاحب نے کہا، تم اتنے عرصے سے میری تقریریں سن رہے ہو، کبھی کوئی سوال نہ پوچھا کیا سبب ہے؟ موصوف نے جواب دیا مجھے سننے کا حکم ہے، میں سنتا رہتا ہوں۔ ملا صاحب نے خوش ہو کر عصر و مغرب کے درمیان علیحدہ پڑھانے کا وعدہ کر لیا، چنانچہ پہلے ہی دن کسی بات پر بحث چھڑ گئی اور مغرب تک بحث رہی، ملا صاحب نے نماز مغرب پڑھی، اور پھر بحث شروع کر دی۔ تا آیں کہ عشا کا وقت آ گیا۔ تین دن تک بحث ہوئی۔ ملا عبدالحکیم صاحب قابلیت کی داد دی اور پوچھا کہ اب تک کس سے پڑھتے رہے ہو۔ جواب دیا کہ ملا عبدالسلام کا شاگرد ہوں پھر اپنا ایک حاشیہ پیش کیا، تب ملا صاحب نے کہا۔ اچھا تم اسماعیل ہندی ہو؟ مولوی صاحب نے اپنا نام نشان بتایا، تو ملا صاحب بغل گیر ہوئے اور بہت احترام کیا۔ (تذکرۂ بے بہا۔ بحوالہ روضۃ الکرام)

اس واقعے میں ملا عبدالسلام سے مراد غالباً میر فتح اللہ شیرازی (متوفی ۹۹۷ھ) کے شاگرد ملا عبدالسلام لاہوری ہیں۔ جن کی وفات بقول رحمان علی ۱۰۳۷ھ میں ہوئی۔ ملا عبدالسلام لاہوری کے شاگردوں میں ان کے ایک ہم نام بھی تھے جو قصبۂ دیوہ مضافات لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ موخرالذکر یہاں مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا زمانہ ملا عبدالحکیم کے بعد کا ہے۔ اور قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید اسماعیل جب ملا صاحب سے ملے اس وقت وہ مشہور بھی ہو چکے تھے اور مصنف بھی۔

مولوی اسماعیل بلگرامی نجابت خان صفوی کے احباب میں تھے۔ انھوں نے دربار شاہ جہان تک رسائی کرا دی۔ ایک روز مولوی صاحب دربار میں حاضر تھے۔ حاضرین میں ایک خان صاحب اور ایک شیخ صاحب میں بحث شروع ہو گئی۔ بادشاہ نے آپ کو ثالث بنا دیا۔ بلگرامی صاحب نے فریقین کے دلائل سن کر مسترد کر دیا۔ افغانی عالم نے کج بحثی شروع کر دی اور لڑتے لڑتے تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا۔ مولوی صاحب نے بھی بڑھ کر تلوار اٹھالی۔

نجابت خان نے قضیہ رفع دفع کر دیا۔ اس وقت بادشاہ نے کہا: سید ما صاحب السیف والقلم است۔

بلگرامی صاحب نے ملازمت چھوڑ کر بلگرام میں سکونت اختیار کر لی۔ موصوف نے اپنے خاندان میں مذہب امامیہ کی تبلیغ کی اور تصوف تفضیل اور تقیہ کے خلاف کام کیا۔ درس و تدریس تصنیف و تالیف مشغلہ رہا۔

مآثر الکرام میں ہے کہ سید اسماعیل کے سامنے ماہرین موسیقی بھی کان پکڑتے تھے۔ اس سے خیال کیا گیا ہے کہ موصوف فقیہ نہیں تھے، بلکہ حکیم و فلسفی و منطقی تھے۔

رحمان علی نے سید اسماعیل کا سنہ وفات ۱۱۶۴ھ لکھا ہے۔ لیکن میر غلام علی آزاد نے "روز سہ شنبہ ۴ شوال ۱۰۸۸ھ تاریخ رحلت لکھی ہے۔

تلامذہ : • سید عنایت اللہ، حافظ قرآن و طبیب و حکیم سید محمد فیض

اولاد : • نور محمد۔ حسن عسکری۔ سید حسین۔

تصانیف : • حاشیہ مبسوط بر تہذیب المنطق • حاشیہ بر حاشیہ ملا جلال

(مآثر الکرام ص ۲۲۳، بے بہا ص ۵۔ تذکرہ علماء ہند ص ۲۱)

اشرف حسین، عظیم آبادی : بعد ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۵ء

مؤلف مرآۃ الاحوال و جہاں نما میں بذیل واقعات ۱۲۲۴ھ عظیم آباد کے علما میں لکھا ہے:
فواضل انتساب فاضل متقدین کامل میر اشرف حسینی صاحب خلف الصدق منشی میر احمد حسین صاحب سررشتہ دار عدالت فوجداری نے معالم الاصول مجھ سے پڑھی ہے۔

مرآۃ الاحوال کے مؤلف احمد بن محمد علی بہبہانی متوفی ۱۲۳۵ھ نے اپنے سفرنامے میں اپنے مشاہدات خصوصاً معاصر علما کے احوال قلم بند کیے ہیں۔ اور مولانا اشرف حسین کا نام لکھا ہے (تذکرہ بے بہا۔ مصفی المقال)

اشرف علی، بلگرامی : حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء

جناب مولانا اشرف علی خلف نجف علی بلگرامی بہت بڑے عالم، فقہ و اصول سے باخبر اور ادب کے ماہر تھے جناب غفراں مآب مولانا دلدار علی صاحب کے شاگرد تھے۔ متعدد کتابیں لکھی تھیں۔ (روضۃ الکرام۔ بے بہا)

اصغر حسین : حدود ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء — حدود ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

مولانا سید اصغر حسین ابن مولانا سید فخر الدین صاحب قبلہ چندن پٹی ضلع دربھنگا (ہند) کے رہنے والے تھے

عالم و ادیب، شاعر و خطیب۔ بڑے مقدس، بہت نفاست پسند تھے۔
مدرسۂ ناظمیہ سے ۱۳۴۵ھ میں ممتاز الافاضل کی سند لی۔ مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ اور مولانا سبط حسن مولانا مفتی محمد علی سے تلمذ تھا، مدرسۂ ناظمیہ میں مدرس رہے۔ میں نے ان کو دیکھا ہے۔ ضغطِ دم کے بیمار تھے۔ تقریباً پچاس باون سال کی عمر پاکر لکھنؤ میں وفات پائی۔ یہ واقعہ ۱۳۶۲ھ کا ہے۔

تصانیف: • حواشی و شرح نقد الشعر ابن قدامہ (عربی مطبوعہ) • دیوان قصائد عربی و فارسی (قلمی) • شرح قصیدۂ شنفریٰ۔

اولاد: احمد حسین صدر الافاضل ایم اے

. . . .

اصغر حسین، زنگی پوری: بعد ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء

سید اصغر حسین صاحب پٹنہ میں امام جمعہ و جماعت تھے۔ زنگی پور کے خطۂ مردم خیز سے تعلق تھا مفتی محمد عباس کے خاص شاگرد تھے۔ علوم دین کے ساتھ شعر و شاعری پر بھی قدرت تھی۔ جناب مفتی صاحب کی مثنوی بیت الحزن پر آپ نے فارسی میں منظوم تقریظ لکھی ہے۔ اور ایک خواب بھی نظم کیا ہے۔

خواب: خواب میں دیکھا کہ ہم اور مفتی صاحب چلے جا رہے ہیں۔ ایک ویرانے سے گزر ہوا، وہاں کچھ قبریں تھیں۔ میں نے کہا یہ کس کی قبریں ہیں؟ مفتی صاحب نے فرمایا یہ مومنین کی قبریں ہیں۔ اور ایک سمت شیخ علی حزین کا مقبرہ ہے۔ جب اس مقبرے میں گئے تو شیخ حزیں کو ایک بوریے پر بیٹھا دیکھا جہاں ایک منبر بھی رکھا تھا مفتی صاحب بیٹھ گئے اور حزیں سے باتیں کرنے لگے۔ حزیں نے کہا" امام حسین علیہ السلام کا معجزہ منظوم پڑھو" جناب مفتی صاحب نے مجھے حکم دیا کہ اب تم ہمارے اشعار پڑھو، میں نے تعمیل ارشاد کی، جناب حزیں نے جناب مفتی صاحب کے اشعار کی تعریف کی اور فرمایا معجزہ خوب نظم کیا ہے۔ مفتی صاحب نے شیخ حزیں سے فرمایا یہ معجزہ آپ بھی نظم فرمائیے۔ حزیں نے کہا میں اس سے بہتر نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اپنے دیوان کے چند شعر سنائے۔ مفتی صاحب نے بہت تعریف کی گویا یہ خواب سرکار حسینی سے اس نظم کی قبولیت کا سند نامہ ہے۔ اس خواب کی تاریخ ہے۔

" خواب صادق است " ۱۲۶۹ھ (بے بہا، تجلیات)

اعجاز حسن، حاجی، امروہوی: ۱۲۶۶ھ / ۱۸۴۹ء — ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۲ء

مولوی سید محمد علی صاحب رئیس امروہہ کے نامور فرزند مولوی اعجاز حسین صاحب اپنے وطن میں ۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۶۶ھ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا سید احمد حسین صاحب (متوفی ۱۳۲۸ھ) سے امروہے میں اور جناب مفتی محمد عباس صاحب سے خصوصی طور پر لکھنؤ میں تلمذ اختیار کیا۔ مفتی صاحب کے خوش نویس بھی رہے۔

علمی قابلیت، خاندانی ریاست، ذاتی وجاہت پر دینداری و اخلاق و تقویٰ نے اور عظمت بخشی تھی۔ مدتوں امروہہ میں آنریری مجسٹریٹ رہے اور اپنے بیگانوں میں قدر و منزلت پائی۔
محرم ۱۳۲۰ھ میں فرقہ وارانہ اختلاف اور لڑائی میں حاجی صاحب نے شیعوں کی مدد کی۔ اس دشمنی میں انھیں ذہنی جسمانی اور مالی پریشانیوں میں مبتلا کیا گیا۔ آخر میں تمام مقدمے آپ کے حق میں فیصل ہوئے۔ اس کے بعد موصوف نے خانہ نشینی اختیار کر لی۔ اسی زمانے میں امروہے کی مسجد ابدال کے وقف کا مقدمہ لڑا، کامیابی حاصل کی اور مسجد و وقف کے حالات بہتر بنائے۔ سید المدارس کی ترقی میں حصہ لیا، سید نذر حسین صاحب نے پچیس ہزار کی مالیت حاجی صاحب کے صاحبزادوں کے نام لکھنا چاہی، حاجی صاحب نے وہ پوری جائداد مدرسے کے نام وقف کروا دی۔ شیعہ کالج کی تاسیس و ترقی کتب دینیہ کی نشر و اشاعت، تصنیف و تالیف موصوف کا مشغلہ تھا۔
۱۲۹۷ھ میں حج، ۱۳۲۱ھ میں زیارات عراق و ایران سے مشرف ہوئے۔ علم رجال و تاریخ و حدیث سے خاص دلچسپی تھی۔
آپ نے ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ کو امروہے میں رحلت کی۔

اولاد: مولوی محمد سبطین صاحب، متوفی در حیات والد خود۔

تصانیف: • مفاتیح المطالب فی خلافۃ علی ابن طالب (فارسی، مطبوعہ) میرے پاس موجود ہے۔ اور سرورق یا خاتمے میں مؤلف کا نام نہیں ہے۔ • کشف الخلافہ۔ مطبوعہ۔ • تفسیر الآیات۔ مطبوعہ • تنقید الاخبار و تعدیل الاخیار (مطبوعہ) • تثبیت القرآن فی حلیف القرآن در وجود صاحب الزمان مطبوعہ۔ • معارج العرفان فی علوم القرآن (مطبوعہ ۱۳۲۰ھ موجود در کتب خانہ) • الشہابہ فی معرفۃ الصحابۃ • الاثابہ بالاجابہ فی رد فضائل الصحابہ۔ • القام الحجر فی فم ابن الحجر • کلمۃ اللہ العلیا فی رد وحدۃ الوجود۔ • نضارۃ البصارہ در رویۃ باری تعالیٰ • تاریخ اصحاب (اردو، مطبوعہ) • معیار الفضائل عربی حصہ دوم فارسی۔ • ترجمہ من لا یحضرہ الفقیہ۔ • تنقیق الاخبار در رد طاعنین بر احادیث ائمہ اطہار۔ • اسئلۃ المعترضین والاجوبۃ الراشدین عربی۔ • بادِ سموم بر صماخ الخصوم بجواب خادم حسین قادیانی در تعین قاتلان امام حسینؑ۔ • دنبالہ اہل بطالہ در رد عقیدہ مفوضہ۔ • سبیل المسترشدین۔ • اعجاز موسوی۔ • احکام طعام • مواہب المکاسب • جواہر مضیئہ • مرقع کربلا۔ • القراۃ والکتابت • احسن التقریم

(تذکرۂ بے بہا، تجلیات، مصنفی الرجال)

اعجاز حسن، بدایونی،

دیکھیے محمد اعجاز حسن

اعجاز حسین میر :

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء
۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء

مولانا سید اعجاز حسین صاحب قبلہ نقوی بن مولانا شید محمد عرف آغا میرزا صاحب ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء میں لکھنؤ میں متولد ہوئے۔ ان کے والد کسی رئیس کے یہاں ملازم اور ان کے بچوں کے اتالیق تھے وہ اپنے والد کے اکلوتے فرزند تھے۔ مولانا اعجاز حسین صاحب نے ابھی ہوش نہ سنبھالا تھا کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہو گیا۔ اس ہنگامے میں مولانا سید محمد عرف آغا میرزا صاحب نے بھی حصہ لیا۔ لیکن جب انگریزوں نے شہر پر گولہ باری کی اور محلہ بارود خانہ اڑایا تو ان کے خاندان اور مکانات بھی اڑائے گئے۔ وہ خود سخت شکنجہ میں پھنسے اور گھر بار اہل و عیال سے بچھڑ کر لاپتہ ہو گئے ایک مدت بعد محلہ توپ دروازے میں وہ اپنے بچے کچھے لاوارث بیوی اور کمسن بچے سے ملے۔ لیکن بغاوت کے جرم اور انگریزی کی دشمنی اور خاندان کی مکمل تباہی نے ان کے حواس معطل کر دیے تھے وہ اسی عالم میں کچھ عرصے زندہ رہ کر دنیا سے گزر گئے۔ ایک بیوہ بہو، ایک زوجہ اور ایک [illegible] کو یادگار چھوڑا۔ اعجاز حسین صاحب نے انتہائی پریشان حالی میں ہوش سنبھالا۔ تعلیم حاصل کی اور گھر آباد کیا انھیں درس و تدریس کا شوق تھا۔ اسی سلسلے سے آبائی محلے میں مکان بنایا۔ شادی کی۔ بڑے فرزند علی خورشید صاحب کو اعلیٰ تعلیم علوم دین دی۔ مگر وہ بھی جوان ہو کر دو لڑکے چھوڑ کر مر گئے۔ یہ ناقابل برداشت صدمہ ان کے ابتدائی تاثرات پر اضافہ کا باعث ہوا۔ وہ خانہ نشین ہو گئے۔ اس سے اولاد کی تربیت اور گھر کے معاملات بگڑنے لگے۔ لڑکیوں کی شادی کی جوان لڑکی نے رحلت کی۔ پھر وہ بھی جان بر نہ ہو سکے اور تقریباً پچاس اکاون برس کی عمر میں رحلت فرمائی۔

یہ واقعہ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء کا ہے۔ میرے والد علام مولانا قاسم آغا صاحب کی عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی وہ اپنے والد سے ابتدائی صرف و نحو اور فارسی میں سکندر نامہ و سہ نثر تک پڑھ چکے تھے۔ ان کی یہ کتابیں میرے پاس اب تک محفوظ ہیں۔ والد کی رحلت نے جوان اولاد کو لکھنؤ کی بگڑی ہوئی شرفاگردی کا شکار کیا۔ میرے والد کو مولانا اعجاز حسین صاحب خاندانی علم کا وارث بنانا چاہتے تھے۔

اعجاز حسین، کنتوری :

۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۵ء
۱۲۸۶ھ / ۱۸۷۰ء

۱؎ ہمارے گھر کی روایت ہے کہ مولانا سید محمد صاحب عالم و فاضل، مقدس ہونے کے ساتھ شاعر بھی تھے۔ جوانی کا کلام غزلیات کا دیوان کنوئیں میں پھینک دیا تھا، قصائد فارسی و اردو غدر میں ضائع ہو گئے۔ اسی زمانے میں انھوں نے ایک مناجات کہی تھی "الٰہی طرف سے ہیں مشکل کشا علی" اس مناجات کی وجہ سے وہ انتہائی خطروں سے بچے۔ یہ مناجات کبھی زمانے میں لوگوں کو ازبر تھی اور ہمارے دروازے پر فقیر یہ مناجات پڑھنے آتے تھے اور خاص طور پر کچھ شعر سناتے تھے۔

مشہور فہرست نگار و کتاب شناس مولانا سید اعجاز حسین موسوی بن مولانا مفتی محمد قلی صاحب کنتوری ۱۲ رجب ۱۲۴۰ھ کو میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد علام اور اساتذہ لکھنؤ سے درس لیا۔ تفسیر و حدیث، فقہ و کلام، منطق و فلسفہ جیسے متداول علوم میں کمال حاصل کیا۔ جناب سید العلما مولانا سید حسین اور سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب قبلہ سے سند پائی۔

ذہانت و ذکاوت، قوت حافظہ، شوق علم اور محنت، قوت و صحت کے اوصاف جمع تھے۔ شروع میں کشتہ ولی تلاش کے سر رشتہ دار رہے۔ پھر ہمہ تن خدمت علم کے لیے وقف ہو گئے۔

۱۲۸۲ھ میں اپنے بھائی علامہ حامد حسین صاحب کے ساتھ حج و زیارات میں شریک سفر ہوئے۔ اس دورے میں علماء و مستفیدین سے ملاقاتیں کیں۔ شیخ عباس قمی نے لکھا ہے کہ مولانا اعجاز حسین صاحب اپنے بھائی کی طرح ہمیشہ شیعہ کاغذ سازوں کے کاغذ پر لکھتے تھے۔ عراق میں انھوں نے علامہ نوری طبرسی سے ملاقات کی تھی اور علامہ ان کے بہت مداح تھے۔
(فوائد الرضویہ ج ۱ ص ۵۲)

نوادر کتب کا ذخیرہ جمع کیا۔ کتب خانوں میں بیٹھ کر کتابیں نقل کیں۔ مسائل کی تحقیق اور حوالوں کی جمع آوری کی اور اپنے برادر بزرگوار کے معاون تحقیق رہے۔

حدیث و روایت، رجال و فہارس ان کا خاص موضوع تھا۔

چھیالیس برس کی عمر پا کر ۱۷ شوال ۱۲۸۶ھ لکھنؤ میں وفات پائی۔ امام باڑہ غفران مآب میں سپرد لحد ہوئے۔

تصانیف : • شذور العقیان فی ترجمۃ الاعیان۔ • کشف الحجب والاستار فی اسامی الکتب والاسفار (عربی مطبوعہ) • رسالہ قیجان محمد لاہوری • احوال مرزا محمد کامل دہلوی۔ • القول السدید فی رد المرشید (بے بہا، مصفی المقال۔ نزہۃ الخواطر ۷، ص ۶۶)

افتخار حسین :

۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۲ء

سید افتخار حسین سشن جج، قصبہ ارزانی پور ضلع غازی پور کے معزز گھرانے کے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ نجم العلما مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ کرانا چاہا تو ان کی نگاہ انتخاب جناب شیخ بادشاہ حسین پر پڑی۔ موصوف نے پندرہ پاروں کی تفسیر و ترجمہ مکمل کیا۔ ان کے بعد نجم العلما نے افتخار حسین صاحب سے باقی ترجمہ مکمل کرایا۔ یہ ترجمہ قلمی صورت میں مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں محفوظ ہے۔

افتخار حسین صاحب نے ۷ محرم ۱۳۷۰ھ کو رحلت کی۔

افضال رضا :

حدود ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء
۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء

مولانا افضال رضا صاحب لکھنؤ کے عالم و فاضل طبیب جناب سید اقبال رضا صاحب کے بڑے فرزند تھے، لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد، نیز حکیم منے آغا صاحب اور دوسرے اساتذہ سے تعلیم حاصل کر کے مدرسۂ ناظمیہ میں تعلیم مکمل کی۔ اور ممتاز الافاضل کی سند لے کر نجف گئے۔ کم و بیش دو سال کے بعد لاہور واپس آئے ۱۹۵۲ء میں کراچی گئے ایک کالج میں استاد دینیات متعین ہوئے اور یکم شوال ۱۳۸۸ھ - ۲۱ دسمبر ۱۹۶۸ء کو کراچی میں رحلت کی اور پاپوش نگر میں سپرد لحد ہوئے۔

مولانا افضال رضا میرے بچپنے کے دوست، فاضل و ذہین ساتھی تھے۔ لکھنؤ کے بعد لاہور میں ان سے ملاقات ایک نعمت تھی۔ کراچی میں بھی ان سے مل کر خوشی ہوتی تھی۔ دو بچے حسن افضال عمر ۱۳، ۱۴ سال اور نجمی دو سال کا ایک بیوہ ان کی یادگار ہیں۔

اقبال رضا :

حدود ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء
۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

مولانا سید اقبال رضا صاحب ابن سید محمد صاحب لکھنؤ کے نامور استاد معقولات، ادیب و شاعر عالم و طبیب تھے موصوف نے اپنے عہد کے نامور اساتذہ سے معقولات و طب اور مدرسۂ سلطان المدارس سے درس نظامی کی تکمیل فرما کر ۱۹۲۰ء میں صدر الافاضل کی سند لی۔ عربی فارسی و اردو میں اعلیٰ درجے کے قصائد مدح ائمہ لکھے موصوف بڑی آن بان کے آدمی تھے۔ شہر میں علمی اور سماجی حیثیت سے ذی اثر تھے۔ چنانچہ حدود ۱۹۳۵ء میں میونسپلٹی کے الیکشن میں کھڑے ہوئے اور کامیاب بھی ہوئے۔

۲ نومبر ۱۹۴۳ء کو رحلت فرمائی۔

تصانیف : • حواشی شرح حمد اللہ • دیوان قصائد عربی و فارسی اردو۔

اولاد : مولانا افضال رضا صاحب • علی امام صاحب۔

اکبر شاہ سید :

بعد ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء

جناب سید اکبر شاہ کا اصل نام و نسب یہ ہے:

سید علی اکبر شاہ موسوی دہلوی، ابن سید مختار ابن سید محمد باقر ابن سید محمد جواد ابن سید امیر مختار ابن ابوالاعلیٰ ابن ابوالمعالی ابن سید خلیل ابن ابوالفتح گیلانی (دیکھیے احوال ابوالفتح) ابن عبدالرزاق گیلانی مصنف مصباح الحقیقۃ

و مفتاح الحقیقۃ"۔

حکیم ابوالفتح گیلانی دربار اکبر کے رکن تھے۔ ان کے بیٹے خلیل لاہور کے صوبہ دار اور ان کی اولاد لاہور، دہلی، کشمیر ہوتی ہوئی لکھنؤ پہنچی۔

جناب سید اکبر شاہ نے لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی اور جناب سید العلما سید حسین کے خاص حلقۂ تلامذہ میں رہے علوم دین کے علاوہ عربی ادب اور طب ان کا خاص فن تھا میرا اندازہ ہے کہ سید اکبر شاہ نے معاصر اساتذہ سے اجازات حاصل کیے، عربی بلا تکلف لکھتے اور تاریخ سے شغف تھا،

اولاد : • حکیم سید محمد باقر • سید ابوجعفر • سید علی حسین • دو صاحبزادیاں۔

تصانیف : سبیکۃ الذہب و معیار الادب، تاریخ کی کتاب ہے جس میں سرسری طور پر حکیم ابوالفتح گیلانی کے اجداد و اخلاف، نوابین اودھ، علماء و رؤسا لکھنؤ کا تذکرہ ہے ایک سو چودہ صفحے کی یہ کتاب حیات مصنف میں اثنا عشری پریس لکھنؤ سے چھپی تھی۔ سنہ طباعت ۱۳۰۹ھ ہے (طبقات علماء الشیعہ ۱۶)

اکبر، سید :

۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

مولانا سید اکبر، چکر کوٹ ضلع کوہاٹ کے عالم و فاضل بزرگ ہیں، آپ نے مدرسۂ عالیہ رام پور میں رہ کر درسیات مکمل کیے۔ مولانا شیخ جواد حسین صاحب لکھتے ہیں، ستر اسی کے لگ بھگ عمر تھی۔ گھر پر درس دیتے تھے۔ (مکتوب - ۲۵ دسمبر ۱۹۷۳ء)

اکبر علی، سید :

حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء

سید اکبر علی حسینی مشہور علماء اور جناب غفران مآب مولانا دلدار علی کے نامور شاگردوں میں تھے۔ علوم دین کے عالم اور عربی ادب کے ماہر تھے ضیاء الابصار (عربی) مقتل سید الشہداء میں لکھی جس میں چودہ فصلیں ہیں اور ہر فصل کو "تذکرہ" کا عنوان دیا ہے۔

(نزہۃ ج ۷ ص ۶۱)

اکبر مہدی، سلیم :

حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء
۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

مولانا اکبر مہدی بن حیدر مہدی معتقد جرول بڑے مقدس بزرگ تھے علم و عمل میں مشہور، بہت متواضع و خلیق تھے، میں نے انہیں بارہا دیکھا ہے۔ ساٹھ سے اوپر عمر تھی۔

اردو، فارسی، عربی ادب پر عبور تھا، آپ کی ایک کتاب "جواہر البیان" مجالس عزا کی مشہور کتاب ہے۔

محمود آباد
۱۹۴۶ء مطابق ۱۳۶۵ھ اپنے وطن میں رحلت کی۔

اکرم علی، سید بناری :
۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

جناب مولانا سید اکرم علی مولانا دلدار علی غفران مآب کے جلیل القدر شاگرد اور مشہور عالم تھے۔ آپ کو علوم فقہ و عقائد پر عبور تھا۔ مرزا خلیل زائر کے داماد تھے۔

۱۲۵۰ھ میں رحلت فرمائی۔

تصانیف : • الشواھد الفدکیہ رد تبصرۃ المسلمین از سلامت علی بنارسی۔ تالیف ۱۲۲۷ھ
(شواھد فدکیہ کا مخطوطہ خدابخش لائبریری پٹنہ موجود ہے (سعادت حسین) (نزہتہ ج ۷ - ص ۷۰)

الطاف حسین، سراج العلماء :
۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۳ء

معیار العلما، مرزا محمد تقی صاحب بن قائمۃ الدین مرزا محمد علی صاحب کے فرزند جناب مرزا الطاف حسین صاحب کلکتے میں متولد ہوئے اور اپنے والد، ایرانی علماء کلکتہ اور لکھنؤ کے اکابر سے تعلیم حاصل کی پھر عراق میں کربلا و نجف کے شیوخ علم و عمل سے اجازے لے کر کلکتے آئے۔ واجد علی شاہ کے بڑے صاحبزادے پرنس مرزا قمر قدر بہادر نے ۱۳۳۱ھ کے قریب خلعت و خطاب سراج العلما دیا۔ موصوف نے طویل عمر پاکر ۱۳۹۲ھ میں رحلت کی۔
سراج العلما بڑے پرہیزگار، عالم اور مدبر بزرگ تھے۔ بنگال میں مولانا کے خدمات بڑی تاریخی اہمیت رکھتے ہیں مٹیابرج ضلع چوبیس پرگنہ میں مسجد کے دروازے پر قبر ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے۔ (تذکرۂ بے بہا)

الفت حسین :
حدود ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء

فاضل و مصنف جناب الفت حسین صاحب مصنف "معجزۂ فرقان" وغیرہ
(تکملۂ تذکرۂ علماء ہند ص ۲۶۲)

امتیاز علی، سیتاپوری :
۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء
حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء

مولانا سید امتیاز علی بن محمد حسن صاحب۔ مولانا مہربان علی صاحب کے چھوٹے بھائی، امتیاز علی راجہ امیر حسن خاں صاحب آف محمود آباد کے اتالیق اور عربی و فارسی کے عالم تھے۔
محمد اکبر صاحب نے اپنے مضمون میں ۱۷ رمضان تاریخ وفات لکھی ہے۔ سنہ نہیں لکھا۔

اولاد : افضال حسین جو فراغت تعلیم دین کے بعد افریقہ گئے اور وقف محسنیہ ہگلی کے سلسلے میں بڑی جدوجہد کی۔ لیکن زیادہ عمر نہ پائی۔ (پیام اسلام، جون ۵۷ء ۱۹)

امجد حسین، الٰہ آبادی :
حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۴ء
۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء

سید امجد حسین بن مولوی منور علی صاحب رسول پور سونی ضلع الٰہ آباد کے رہنے والے تھے۔ مولوی منور علی عالم و فاضل بزرگ تھے۔ مولانا امجد حسین ان کے فرزند ہوئے جن کی ابتدائی تعلیم و تربیت خود مولانا نے کی پھر لکھنؤ آکر مولانا محمد حسین صاحب، مفتی محمد عباس صاحب، مولانا سید احمد علی صاحب محمد آبادی اور تاج العلما مولانا علی محمد سے تکمیل تعلیم کے بعد اسناد و اجازات حاصل کیے۔

مولانا امجد حسین، بہت ذہین، محنتی، اور صاحب استعداد مقدس نوجوان تھے۔ ۱۳۰۵ھ اور اس سے پہلے تصنیف و تالیف میں انہماک اور درس و تدریس میں اشتغال تھا۔ دس سال تک لکھنؤ میں رہ کر الٰہ آباد میں، امامت نماز جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دیے۔ اور ۲۰ شوال ۱۳۰۸ھ کو الٰہ آباد سے دھول پور و جے پور وغیرہ ہوتے ہوئے عراق پہنچے اور ساڑھے دس سال قیام کرکے ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ دھول پور واپس آئے۔ وہاں سے الٰہ آباد گئے۔

دس سال عراق میں رہ کر اکابر فقہ و اصول سے حدیث و تفسیر میں کمال حاصل کیا۔ آیۃ اللہ شیخ محمد طٰہٰ نجفی، آیۃ اللہ محمد علی رشتی نجفی، آیۃ اللہ سید محمد کاظم طباطبائی جیسے شیوخ نجف نے اجازۂ اجتہاد و روایت مرحمت فرمائے یہ اجازے سید وزیر علی صاحب نے شائع کرائے تھے (میرے کتب خانے میں موجود ہیں) آقای محمد طٰہٰ نجفی نے اجازہ میں لکھا ہے "حصلت له ملكة الاجتهاد وقوة الاستنباط فهو من المجتهدين الاعلام الذي يجب على اهل تلك الاطراف اتباع اقواله واثاره والراد عليه راد على الله" دوسرے اجازے بھی مولانا کی پاکیزہ نفسی علمی بلندی کے گواہ ہیں۔

نجف سے واپس آکر تبلیغ دین، ترویج احکام شریعت میں مصروف ہوگئے، ماہ رمضان سے آخر ذی الحجہ تک الٰہ آباد میں رہتے تھے۔ خوش اخلاق و سادگی، مہمان نوازی و سخاوت کی وجہ سے محبوب خاص و عام تھے۔ کہتے ہیں بے ایمان کے ہاتھ کا کھانا پسند نہ کرتے تھے۔ اپنا آذوقہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

۱۳۲۷ھ میں چک الٰہ آباد میں مدرسۂ دینیہ قائم کیا تھا۔ (یکم جنوری ۱۹۰۶ء)

اصلاح کھجوہ کی خبر کے مطابق ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ کو رحلت ہوئی۔

تصانیف : • زبدۃ المعارف در اصول دین • وسیلۃ النجاۃ فی احکام الصلوٰۃ اللہ مطبوعہ صفحۂ عجمیہ

فی شرح الوجیز   علامۂ بہائی عربی (١٣٠٥ھ مطبوعہ) • خلاصۃ الطاعات در احکام جمعہ وجماعات (اردو) • الحاشیۃ الرضیہ علی البہجۃ المرضیہ۔ (بے بہا۔ اجازات، مصفی المقال)

امداد امام : ١٢٦٥ھ / ١٨٤٩ء — ١٣٥٣ھ / ١٩٣٤ء

شمس العلماء خان بہادر سید وحید الدین بن خان بہادر امداد علی ، ۷ راگست ۱۸۴۹ء کو قصبہ نیورہ ضلع پٹنہ بہار میں پیدا ہوئے۔ موصوف فیروز جنگ حاجی محمد سعید خاں امیر دربار شاہ جہان و اورنگ زیب کی اولاد سے تھے ان کے اجداد مغل امیروں میں تھے، ان کے والد بھی امیر کبیر اور نامور و معزز عالم تھے۔ مولانا امداد امام نے بہار کے نامور اساتذہ سے علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کی اور علوم جدیدہ میں کمال پایا۔ علم عقائد، تقابل ادیان و افکار، انگریزی، عربی، فارسی ادب پر بہت عبور تھا۔ طب کے ماہر تھے۔ شکار اور فنونِ سپاہگری سے پوری طرح باخبر تھے۔ بہت سے دینی اور دوسرے مسائل پر کتابیں لکھیں۔ اور سب کتابیں بڑے اہتمام سے چھپوائیں۔ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق اکتوبر ۱۹۳۴ء کو رحلت کی۔

اولاد : • سر سید علی امام و سر حسن امام

تصانیف : • مصباح الظلم (مطبوعہ) • دیوان و کلیات اثر • کاشف الحقائق (اردو ادب)
• مرآۃ الحکما • کتاب الاثمار ، جس کا سویڈش میں ترجمہ ہوا اور ناروے یونیورسٹی کے نصاب میں رہی۔
• منظر المصائب مطبوعہ
(تحفانہ جاوید)

امداد حسین، کاظمی : ١٣١٩ھ / ١٩٠١ء — ١٣٩٥ھ / ١٩٧٥ء

سید امداد حسین کاظمی ابن عباس علی نومبر ۱۹۰۱ء میں گجرات پنجاب میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا، سید رمضان علی کاظمی المشہدی اپنے وقت کے بڑے زاہد اور فقیہ تھے۔ مولانا حشمت علی خیر اللہ پوری موصوف کا احترام کرتے اور ان سے ملنے آیا کرتے تھے۔ رمضان علی لکھنؤ اور امروہہ میں پسندیدہ ذاکر تھے۔ سلطان الذاکرین کہلاتے تھے۔ ان کے بڑے بیٹے فرزند علی علامہ غلام الحسنین کے شاگرد اور مدرسۃ ایمانیہ لکھنؤ کے طالب علم تھے۔
مولانا امداد حسین کی ابتدائی تعلیم وزیرآباد و گوجرانوالہ اور لاہور میں ہوئی۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل، مولوی فاضل اور ادیب فاضل اور بی اے پاس کیا۔ اسی کے ساتھ گورمکھی میں گیانی کی سند لی۔ جموں، کشمیر اور پونچھ میں آپ کے مواعظ بہت مقبول ہوئے۔ راجہ جگت دیو سنگھ والی پونچھ نے خلعت دی " ابوالفضل ثانی " کا خطاب دیا۔ اس کے علاوہ آسام، مدراس و بنگال سی پی، یوپی وغیرہ میں تبلیغ دین فرمائی۔

لکھنؤ، نجف و کربلا ، کے علماء نے اجازے عطا فرمائے تھے موصوف نے برصغیر کے اخبارات و رسائل میں بکثرت مضمون بھیجے سنی رسالہ " صوفی " کی ادارت بھی کی۔ بعض انگریزی منظومات و مضامین لندن کے رسالے " VICTORY " اور دہلی کے رسالہ " POSTAL COMRADE " میں شائع ہوئے۔
شیعہ رسائل میں عموماً اور معارف اسلام لاہور میں خصوصاً علمی مقالات چھپتے رہتے تھے۔
مولانا امداد حسین، ڈاک خانے میں اچھی پوسٹ سے ریٹائر ہوئے، مجھ سے ان سے صیغۂ مواخات تھا میں نے انہیں متقدس، صاحب مطالعہ اور فنِ حدیث سے باخبر پایا۔ عموماً " الکافی " کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ اور اخباریت کی طرف میلان رکھتے تھے۔ قرآن مجید کا مطالعہ اور ترجمہ و تفسیر سے والہانہ عشق تھا، سائنس اور قرآن مجید ان کا پسندیدہ موضوع اور مناظرہ ان کا فن تھا۔
اچھا خاصا ذخیرۂ کتب تھا جس میں الکافی، کتاب الروضہ کا ایک خطی نسخہ تھا جس پر علامہ مجلسی نے محمد اردبیلی کو اجازۂ قرأت دیا تھا، اور علامہ محمد باقر مجلسی کی تحریر ہے۔ موصوف طویل مدت تک فالج میں مبتلا رہے، مگر اس میں مطالعہ و تحریر مضامین کا سلسلہ جاری رکھا۔ میں دو مرتبہ ان کی عیادت کو گجرات گیا اور دونوں مرتبہ " الکافی " کا مطالعہ کرتے پایا۔
قرآن مجید کے بارے میں مطالعہ و تحریر کا بھی عالم یہی تھا، موصوف نے ۱۷ ستمبر ۱۹۷۵ء کو مجھے لکھا:
" قبلہ محترم دامت مکارمکم السامیہ۔
سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک تکلیف دیتا ہوں امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے۔ مجھے آپ پر یقین کامل ہے۔
تکلیف یہ ہے کہ آپ تحریر فرمائیں کہ پادری جارج سیل قرآن مجید کا ترجمہ کس مطبع میں طبع ہوا ہے۔ جواب بواپسی ڈاک عنایت فرمائیں یا ورلندن میں جس مکتبے میں طبع ہوا ہے اس کا نام تحریر فرمائیں۔ جواب بیرنگ لفافہ میں بھی میں اسے چھڑا لوں گا۔ مجھے اور کسی شخص پر اعتبار نہیں ہے۔ صرف آپ کی تحریر کو صحیح سمجھتا ہوں۔ والسلام "
۱۹ ستمبر کو خط ملا، ۲۰ سے حالت بدلی۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۷۵ء - ۱۴ رمضان ۱۳۹۵ھ کو رحلت فرمائی۔ ۱۵ رمضان کو میں نے حسب وصیت لاہور سے جا کر نماز جنازہ پڑھائی اور روز ولادت امام حسن علیہ السلام گجرات کے آبائی قبرستان میں سپرد لحد کیا۔

تصانیف : • اردو ترجمہ و تفسیر (حواشی) قرآن مجید بنام تفسیر الثقلین (مطبوعہ) • فتنۂ تفسیر بالرائے اردو (مطبوعہ) • تحقیق مہدی (مطبوعہ) • الفاطرہ (مطبوعہ) • برکات محرم بجواب بدعات محرم (مطبوعہ)
• تطبیق الشہادت (مطبوعہ) • اعمال واجبیہ • معلم الاسلام • اخلاق المعصومین (اردو) مطبوعہ

• استقرار حق عزاداری ضخیم (اردو) قلمی • حق سادات قلمی

امداد علی خاں، راجہ :

۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء

امیر فاضل راجہ امداد علی بن رحمان بخش کنتور میں پیدا ہوئے، وطن میں نشو و نما پائی، ابتدائی تعلیم جناب حکیم سید علی حسن کنتوری سے حاصل کی۔ پھر لکھنؤ میں مولانا اعظم علی شاگرد غفران مآب اور شیخ ولی اللہ بن حبیب اللہ متوفی ۱۲۷۰ھ سے تکمیل کی۔ تفسیر علوم قرآن و ادب سے خاص شغف تھا۔

آپ کی وفات ۱۲۹۲ھ میں ہوئی۔

تصانیف : • منہج السداد، تفسیر قرآن مجید • تفسیر سورۂ یوسف بلا نقط۔ • شرح خطبۂ شقشقیہ
• شرح مقامات حریری۔ • رسالہ فی المنطق۔ (نزہۃ الخواطر ۷، ص ۷۸)

حدود ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء

امداد علی، سید، کیرانوی :

۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۲ء

مولانا امداد علی صاحب بن علی احمد جن کے بزرگ بر ست ضلع کرنال سے کیرانہ ضلع مظفر نگر منتقل ہو گئے تھے۔ امداد علی صاحب نے کچھ عرصہ تک دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ وہاں سے لکھنؤ گئے اور نصیر الدین حیدر بادشاہ کے مدرسے میں داخل ہو کر پڑھنے لگے۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب اور جناب سید العلما کے شاگرد خاص تھے موصوف کے حکم سے خطابت شروع کی اور بادشاہ سے پانچ پارچے کا خلعت اور پانچ سو روپیہ اور سید الذاکرین کا خطاب ملا۔ نیز بادشاہ کی ملکہ نے اپنی لے پالک لڑکی سے شادی کر دی۔ آپ نے داروغہ و مہتمم باورچی خانہ کا منصب بھی پایا۔ سرکار و دربار کے علاوہ عوام میں بھی آپ کی خطابت بہت مقبول تھی۔

انتزاع اودھ کے بعد کیرانہ آ گئے تھے وہاں امام باڑہ و مسجد بنوائی۔ تقریباً ۶۶ سال کی عمر میں بتاریخ ۹ رجب ۱۲۹۰ھ انتقال کیا۔ (مولانا آغا مہدی صاحب نے امداد علی کے والد کا نام قلندر علی لکھا ہے)

تصانیف : بحر المصائب دو جلد مطبوعہ (بے بہا، طبقات الشیعہ)

امراؤ علی، شیخ :

حدود ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء

مولانا شیخ امراؤ علی جناب سلطان العلما سید محمد صاحب قبلہ کے شاگرد اور فقہ و علوم دین کے فاضل تھے۔ ان کی کتاب "حلیۃ العرائس" کی تمہید میں ایک فقرہ یہ ہے۔ علی ابن علی المدعو بہ امراؤ علی" اس کے بعد دوسرا فقرہ ہے:

"حسب ارشاد سلطان العلما مسائل ضروریہ نکاح و طلاق وغیرہ۔ کتب احادیث ائمہ انام و اقوال علمائے کرام کتب متداولہ مثل شرائع الاسلام و شرح لمعہ و جواہر الکلام سے منتخب کر کے زبان اردو میں لکھنے شروع کیے تھے کہ سلطان العلما نے رحلت کی۔

ان کے بعد یہ کتاب مکمل کر کے اپنے استاد جناب مولانا مفتی محمد عباس صاحب کو از اول تا آخر سنائی اور جناب نے اصلاح اور اپنے فتووں سے مزین فرمایا"

اسلمی صاحب نے تقریظ میں لکھا ہے :

"شیخ صاحب جامع کمالات صوری و معنوی، حاوی فضائل و فواضل ظاہری و باطنی، عالم معالم دینیہ عارف معارف یقینیہ، رافع اعلام شرائع اسلام، ناشر رایات و آیات ائمہ انام، مورد الطاف خفی و جلی ہیں"

تصانیف : • شیخ امراؤ علی صاحب نے "حلیۃ العرائس" شوال ۱۲۸۷ھ میں مکمل کی۔
• متاع الآخرہ • آئینہ جلی (مقدمہ و خاتمہ حلیۃ العرائس طبع لکھنؤ ۱۸۹۶ء طبع پنجم)

حدود ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء

امیر حسن، موسوی :

۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء

سید امیر حسن بن حاجی سید اکبر علی سہارن پوری، ان کے جد اعلیٰ سید عبد الہادی شاہ چراغ تھے جو محمود غزنوی کے ساتھ وارد ہندوستان ہوئے۔ مولانا امیر حسن علوم دینی کے فاضل تھے پھر قانون کی تعلیم حاصل کر کے تقریباً پچاس سال عدالت میں وکالت کرتے رہے آبائی جائداد کے علاوہ خود بھی املاک بنائی تھی۔ نہایت متقی و پرہیزگار تھے۔ عربی فارسی میں استعداد کامل رکھتے تھے۔ اوقات فرصت میں درس کا مشغلہ اور علمی مباحثات کرتے تھے۔ لکھنؤ اور دہلی کے اہل علم آپ کے مہمان ہوتے تھے۔ اعلیٰ درجے کے خوش نویس اور عربی، فارسی، اردو کے شاعر تھے۔ مولوی مہدی خاں کے شاگرد تھے جوان بیٹے کی وفات سے عارضۂ اختلال حواس ہو گیا تھا۔

۱۸۸۹ء میں رحلت کی۔ (خم خانۂ جاوید ج ۲ ص ۲۴۲)

۱۲۷۴ف

امیر حسن، سید غلام جبّار :

حدود ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۰ء

جبار یار جنگ بہادر، نواب مولوی سید غلام جبار امیر حسن ابن مولوی سید علی حسن، شمس علی پور ضلع فتحپور ہسوہ (ہتھگام) وطن تھا۔ مولانا علی حسن منشی علوم دین و عربی ادب کے بہت بڑے عالم تھے۔ انھوں نے فرزند کو بھی دینی تعلیم دلائی۔ غلام جبار صاحب نے پوری تعلیم لکھنؤ میں حاصل کی۔ مولانا کمال الدین موہانی، تاج العلما مولانا سید علی محمد صاحب اور ابو الحسنات جناب مولوی عبد الحی فرنگی محلی سے علوم معقول و منقول پڑھ کر سند فضیلت سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد

کلکتہ یونیورسٹی سے میٹرک اور الہ آباد سے وکالت پاس کی۔

حیدر آباد میں وکالت نے عروج پایا۔ نظام دکن نے اورنگ آباد میں میر عدل بنایا۔ اس کے بعد عدالتِ عالیہ کے رکن پھر میر مجلس ہوئے۔

۱۳۴۳ھ میں ہائی کورٹ کے رکن قرار دیئے گئے۔

• عتباتِ عالیات کی زیارت فرمائی • لکھنؤ جوبلی پیپر کے ایڈیٹر رہے۔ • نصاریٰ سے مناظرے کیے اور متعدد کتابیں لکھیں۔ • چند قانونی کتابوں کے ترجمے کیے۔ • آپ کے فرزند سید عسکری حسین صاحب بیرسٹر بہت مشہور آدمی ہیں۔

(مطلع انوار ص ۱۱۹ - ۱۲۰)

امیر حسین شاہ : حدود ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء — ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء

مولانا سید امیر حسین شاہ صاحب بڑے مقدس، پرہیزگار عالم تھے۔ دور دراز سفر کرکے بڑی بڑی مشقتیں جھیل کر درسِ نظامی کی تکمیل کی اور زندگی بھر لوگوں کو اپنے علوم سے فیض یاب کیا۔ حدیث سے شغف اور مسلک اخباریت تھا۔ دینی امور میں بہت متشدد تھے۔ ریاضت و عملیات اور کیمیاگری سے بھی دلچسپی تھی۔ گرائی ضلع ڈیرہ غازی خان وطن تھا اور عموماً طلباء کو درس دیتے تھے۔ ان کی تالیفات و احوال کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔ مشہور تلامذہ میں مفتی عابد حسین صاحب کا نام سرِ فہرست ہے۔

تقریباً اسی (۸۰) سال کی عمر پاکر وطن میں ۱۹۶۷ء کو رحلت کی۔

امیر علی، سید، جسٹس : ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء — ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء

سید امیر علی کے والد سعادت علی خان موہان ضلع اناؤ کے باشندے تھے۔ لیکن چن سورہ، بنگال میں متوطن ہو گئے تھے۔ سید امیر علی کی ولادت ۶ اپریل ۱۸۴۹ء چن سورہ میں ہوئی۔ ابتدائی اسلامی تعلیم کے بعد ہوگلی کالج میں داخل ہو گئے۔ ۱۸۶۸ء میں فراغت پاکر لندن کا سفر (۶۹ء) کیا۔ ۱۸۷۳ء میں بیرسٹری کا امتحان دے کر وطن آگئے۔ ۱۸۷۸ء میں کلکتہ کے جج اور ۱۸۸۴ء میں کلکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر قانون مقرر ہوئے۔ مولانا سید کرامت علی جون پوری سے علوم مذہبی میں تلمذ تھا۔

۱۸۸۷ء میں سی آئی اے کا خطاب پایا۔ ۱۹۰۰ء میں ہائی کورٹ کے جج ہوئے۔ ۱۹۰۴ء میں استعفیٰ دے کر لندن چلے گئے اور ۳ اگست ۱۹۲۸ء ۲۳ نومبر ۱۹۰۹ء کو لندن میں انتقال کیا۔ آپ نے لندن کے قبرستان میں مسلمانوں کے لیے ایک حصہ خریدا تھا، اسی میں دفن ہوئے۔

جسٹس امیر علی شیعہ خاندان کے فرد تھے، لیکن تجدد اور سیاست میں وہ مذہبی حدود چھوڑ بیٹھے تھے اور سر سید کی طرح روشن خیال یا آزاد منش بن گئے تھے۔ موصوف نے اسلام پر دشمنوں کے حملوں کا جواب دینا اپنا فریضہ قرار دیا تھا، انھوں نے مسلمانوں کی سیاسی اور معاشی، علمی اور ملی مدد کے لیے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

تصانیف : • اسپرٹ آف اسلام • اے شارٹ ہسٹری آف دی سارسینز • قانونِ شہادت • شرع محمدی

اولاد : • وارث امیر علی • طارق امیر علی۔

- - - - - - - - -

امیر خان، میر میران : ۱۱۰۹ھ / ۱۶۹۸ء

خلیل اللہ خان یزدی کے فرزند تھے۔ ان کی والدہ حمیدہ بانو بیگم یوسف خان کی بیٹی اور یمین الدولہ آصف خان کی نواسی تھیں۔ شاہجہان نے مختلف عہدے عطا کیے، عالمگیر نے بھی معزز رکھا، اٹھارہویں سال جلوس عالمگیری ۱۰۸۵ھ میں امیر خان خطاب اور صوبہ بہار کی حکومت حاصل کی۔ اس کے بعد بھی متعدد اہم منصب اور خدمات ملتے رہے۔

۲۷ شوال ۱۱۰۹ھ / ۲۷ اپریل ۱۶۹۸ء کو امیر خان نے رحلت کی اور دہلی میں اپنے والد خلیل اللہ خان یزدی کے مقبرے میں دفن ہوا۔

وہ شیعہ مذہب کے معاملات میں سخت تھا، ایران کے فضلاء و صلحا کو بہت روپیہ بھیجتا تھا۔ وہ بہت دانشمند، مدبر اور بہادر شخص تھا۔

اس کی زوجہ جی دختر علی مردان خان بھی معاملہ فہم اور شوہر کی معاون ریاست خاتون تھیں۔ ملاحظہ ہو، مآثر الامراء ج ۱ ص ۲۷۸ وہ حرمین کی بڑی خدمت کرتی تھیں۔ شوہر کے دو سال بعد حج کے لیے گئیں تو شریف مکہ نے بڑا اعزاز کیا۔

اولاد : • میر خان، بہادر شاہ کے زمانے میں نائب ناظم لاہور رہا۔ • مرزا جعفر عقیدت خان صوبہ دار پٹنہ۔ • مرزا ابراہیم رحمت خان۔ • مرزا اسحٰق امیر خان • ہادی خان • سیف خان • اسد اللہ خان۔

(مآثر الامراء ج ۱ ص ۲۷۲)

امیر کاظم، حافظ : ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء — ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء

حکیم سید مددعلی کاظمی لکھنؤ کے بادشاہ محمد علی شاہ کے طبیب تھے۔ (ان کا خاندان ایران کے صفوی سلاطین سے تعلق رکھتا تھا) مدد علی صاحب کے بزرگ ایران سے ہجرت کرکے قنوج ہند میں قیام فرما ہوئے وہاں

سے میر مدد علی لکھنؤ آئے۔ اور عروج حاصل کیا۔ ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ میں انقلاب آیا تو سید امیر کاظم کے والد وغیرہ نگینہ ضلع بجنور میں منتقل ہو گئے۔ ماہ صفر ۱۲۸۶ھ کو مولانا امیر کاظم صاحب نگینہ میں پیدا ہوئے۔

سید امیر کاظم نگینہ کے رئیس اور معزز آدمی تھے۔

عربی فارسی انگریزی میں اچھی قابلیت تھی۔ مذہبی تبلیغات کے لیے ایک پریس قائم کیا تھا جس سے اپنی اور دوسرے مصنفین کی کتابیں شائع کرتے تھے

پندرہ ماہ میں قرآن مجید حفظ کیا اور بڑے بڑے حفاظ سے سند لی اور مقابلے میں کامیاب ہوئے۔

مولانا امیر کاظم صاحب کی خبر وفات الواعظ لکھنؤ مارچ ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی ممکن ہے فروری ۱۹۲۲ء میں انتقال ہوا ہو۔

تصانیف: • احقاق الحق لابطال الباطل رد ابطال اصول الشیعہ بالدلائل العقلیہ طبع ریاض فیض نگینہ ۱۳۲۴ھ • تردید الکاذبین۔ مطبوعہ نگینہ

اولاد: الحاج اختر حسین ایم اے (انجمن وظیفہ، جوبلی نمبر)

امین الدین خان حسین:

۱۱۲۷ھ / ۱۷۱۵ء

سید ابوالمکارم شہود بن میر ابوالبقا امیر خان کے فرزند نواب میر امین الدین ۱۱۲۰ھ میں بھکر کے فوجدار اور ۱۱۲۴ھ میں ٹھٹھے کے والی ہوئے۔ سکھر میں انھوں نے ایک مسجد بنوائی تھی۔ بکھر میں ان کی قبر محفوظ ہے جس پر تاریخ وفات اور ایک رُخ کی تصویر تحفۃ الکرام میں چھپی ہے۔ جس میں لکھا ہے: سلام علیہ و علیہم اجمعین الطیبین الطاہرین المعصومین آل طٰہٰ و یٰس۔

مطالعہ وصحبت علماء کا شوق تھا۔

تصانیف: • رشحات الفنون (مطبوعہ نول کشور) تالیف ۱۱۲۳ھ • معلومات الآفاق: (جس سے دو تین واقعے ملا قانع تتوی نے نقل کیے ہیں) خطی نسخہ ۲ جمادی الثانیہ ۱۱۲۷ھ تصویر مخزونہ پنجاب یونیورسٹی۔

(تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۳۲۵)

امیر محمد تونسوی:

حدود ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء
۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء

مولوی امیر محمد صاحب تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان کے باشندے اعلےٰ درجے کے خطیب اور فاضل بزرگ عربیت کے دلدادہ اور منطق کے گرویدہ تھے۔

۱۹۴۰ء کے لگ بھگ مولوی فیض محمد کمیالوی سے مناظرے کے بعد شیعہ مذہب اختیار کیا اور دائرہ دین پناہ

اور روہی واسن ضلع ملتان معروف بحسین آباد میں کافی عرصہ قیام رہا۔ رحلت سے چند سال قبل دائرہ دین پناہ میں مکان بنوایا اور یہیں رہنے لگے۔

۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ یکم جون ۱۹۷۴ء وفات پائی۔

اولاد: متعدد فرزندوں میں مولوی غضنفر عباس صاحب علوم دین سے باخبر اور مقرر ہیں۔

انصار حسین:

۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء
حدود ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۰ء

مولانا المقدس سید انصار حسین ابن محمد احسن نقوی کنڈرکی ضلع مرادآباد میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی تاریخ ولادت ۱۲۹۳ھ ہے۔ مولانا نے اپنے دادا صاحب سے فارسی پڑھی۔ سترہ سال کی عمر میں مدرسۂ ناظمیہ لکھنؤ چلے گئے۔ ناظمیہ و سلطان المدارس سے درس مکمل کر کے دہلی کی مسجد اعتماد الدولہ میں امام جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ سولہ سال ہم دہلی میں ان کے علم، تقویٰ، خدمت خلق، خوش مزاجی اور تقدس نے بڑے بڑے لوگوں کو پابند دین بنایا۔

نواب حامد علی مرحوم نے رام پور میں نظامت تعلیم کا نیا بندوبست کیا تو مولانا کو بھی دعوت دی۔ تذکرۂ کاملان رام پور (ص ۲۰) کی روایت ہے کہ مولانا انصار حسین کی علمی شخصیت نے نواب صاحب اور علماء رام پور کو بہت متاثر کیا۔ ان کی حق گوئی اور پابندی شریعت کی دعوت کا یہ حال تھا کہ مولانا شبیہ الحسنین محمدی صاحب کے بقول ایک مرتبہ نواب صاحب نے مولانا کو بلا کر ایک خاتون سے عقد پڑھنے کا حکم دیا۔ مولانا نے دریافت کیا "یہ خاتون بیوہ ہیں یا مطلقہ" معلوم ہوا شوہر موجود ہے۔ مولانا نے عرض کیا نکاح نہیں ہو سکتا۔ نواب رامپور نے پستول اٹھا لیا اور کہا "مولانا نکاح نہ پڑھا تو پستول داغ دوں گا۔" فرمایا۔ آپ کو اختیار ہے مگر جو حرام ہے وہ حرام رہے گا۔" نواب صاحب نے بڑھ کر قدم چوم لیے، معذرت کی اور کہا میں فقط امتحان لے رہا تھا۔

نواب حامد علی خان مرحوم کی دینی قابلیت میں مولانا کی علمیت اور سیرت و کردار کا سب سے بڑا دخل تھا۔

مولانا انصار حسین صاحب قبلہ نے ۱۳۵۰ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔

انشاء اللہ خان:

۶۹ و ۱۱۷۰ھ / ۱۷۵۶ء
۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء

انشاء اللہ خاں کے والد ماشاء اللہ خان نجفی الاصل عالم و فاضل و حکیم تھے۔ انشا مرشدآباد میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کے ساتھ شاہ عالم کے زمانے میں دہلی آئے۔ پھر لکھنؤ منتقل ہو گئے۔ لکھنؤ میں سلیمان شکوہ اور نواب سعادت علی خان کے دربار میں عروج پایا۔

آخر عمر میں گوشہ گیر ہوئے اور ۱۲۲۵ھ میں رحلت کی۔

انشا، عربی فارسی، اردو، ہندی اور مختلف زبانوں کے عالم اور مختلف اسلامی علوم کے فاضل تھے۔

تصانیف: • کلیات اردو و فارسی و عربی وغیرہ • دریائے لطافت۔ • لطائف السعادت فارسی • ترکی روزنامچہ • سلک گوہر • رانی کیتکی اور کنور اودے بھان۔

ان کے دو عربی شعر ہیں:

سکت الحبیب متانۃ　　بقی التلذذ ساریہ
جلاؤہ لیتحسنون　　ویزعمون محاکیا

(نزہتہ ج ۷ ص ۶۰، مقدمہ کلیات انشا طبع مجلس ترقی ادب لاہور)

انور حسین　:　قبل ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

مولانا انور حسین صاحب، سریا ضلع شاہ آباد (ہند) افاضل میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۳۴۷ھ میں ممتاز الافاضل کی سند لی۔ جناب مولانا مظاہر حسین اور مفتی احمد علی صاحب کے تلامذۂ خاص میں تھے، عربی کے شاعر تھے۔ جوانی میں انتقال کیا۔ موصوف کی شرح قصیدۂ سید حمیری چھپ چکی ہے۔

۱۳۶۱ھ سے کچھ پہلے فوت ہو گئے۔

انور علی، حافظ　:　۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸ء　۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء

مولانا انور علی بن رستم علی صاحب تھانہ بھون، سہارن پور کے باشندے تھے۔ خدا نے غضب کا حافظہ اور بلا کی ذہانت عطا کی تھی۔ ۱۲۴۴ھ میں گیارہ سال کی عمر تھی اور قرآن مجید حفظ ہو گیا تھا۔ ۱۲۴۹ھ میں مزید تحصیلِ علم کا شوق پیدا ہوا تو گھر میں اطلاع دیئے بغیر دلی چلے گئے۔ آٹھ سال دلی میں پڑھ لکھ کر ۱۲۵۶ھ میں وطن واپس آئے۔

ریاضی، جبر و مقالہ، ہندسہ و اقلیدس میں یگانہ مہارت اور مجیر العقول قابلیت حاصل تھی۔ طلب میں عبور کا یہ عالم کہ معاصر اطبا کے خیال میں امداد غیبی کے مالک تھے۔

ماہِ شعبان ۱۲۹۷ھ میں انتقال ہوا۔　(بے بہا ص ۱۵)

انیس الحسنین　:　۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۶ء　۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

مولانا سید انیس الحسنین ابن مولانا سید ابوالقاسم تقوی امروہوی ۱۵ر شعبان یکم جنوری ۱۸۹۶ء کو پیدا ہوئے۔ انگول کی

ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۱۲ء میں مدرسہ ناظمیہ میں تعلیم دین کے لیے آئے، ممتاز الافاضل اور الہ آباد بورڈ کے امتحانات کی سندیں حاصل کرنے کے بعد مدرسۃ الواعظین میں تبلیغی نصاب و تربیت کا دورہ مکمل کر کے ڈیرہ اسماعیل خاں میں وعظ و ارشاد کے لیے متعین ہوئے۔

۱۹۲۷ء میں کراچی آئے، خوجہ اثنا عشری مسجد کھارادر کے خطیب پھر سندھ مدرسۃ الاسلام میں دینیات کے مدرس مقرر ہو گئے۔ مدرسۃ الاسلام سے ریٹائر ہو کر قائد اعظم کالج میں اسلامیات کی تعلیم سپرد ہوئی۔ مولانا نے دو مرتبہ حج و زیارات سے شرف پایا، ایک مرتبہ ۱۳۸۹ھ کے حج میں میرے شریک تھے۔

مولانا انیس الحسنین صاحب نے تحریک آزادی و قیام پاکستان میں بڑا حصہ لیا۔ انھوں نے رفاہی اور سماجی کارنامے بھی انجام دیئے۔ ان میں "رضویہ کالونی" رضویہ امام بارگاہ اور مسجد اخیس کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح "مارٹن روڈ" میں امام بارگاہ سے ۹ر محرم کو خاموش جلوس کی بنیاد رکھی۔ حسینیہ ایرانیاں کی بحالی میں ان کا سب سے بڑا حصہ تھا۔

قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم ان سے نیاز مندانہ مراسم رکھتے تھے۔ چنانچہ قائد اعظم کی تجہیز و تکفین کی نگرانی مولانا نے فرمائی اور نمازِ جنازہ بھی آپ نے پڑھائی۔ آپ کے بعد عام نمازِ جنازہ ہوئی جس نماز کا تذکرہ حذف کر دیا جاتا ہے۔

مولانا نے مختلف مضامین و رسائل کے علاوہ "المراجعات" کا بھی ترجمہ کیا تھا۔

ان کے ایک صاحبزادے پروفیسر سید محمد حسن صاحب ایم اے بہت موفق ہیں ابھی انگریزی میں انکا ترجمہ کیا ہے۔

مولانا نے ۲۵ر اگست ۱۹۷۵ء ۱۶ر شعبان ۱۳۹۵ھ کو رحلت فرمائی۔

اولاد حسین، شکوہ آبادی　:　۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء

سید اولاد حسین خلف سید احمد حسین شکوہ آبادی لکھنؤ میں علما سے تعلیم مکمل کی۔ جناب سید العلماء مولانا سید حسین صاحب علیین مکاں کے شاگرد رشید تھے۔

علوم عقلیہ اور ادب میں مہارت تھی۔ آپ کے تالیفات میر باقر داماد کی ہمسری کرتے تھے۔

درس و تدریس مشغلہ تھا۔

جوانی میں رحلت کی۔ ان کے بھائی سید اسماعیل حسین منیر نے قطعۂ تاریخ وفات لکھا ہے۔

میرے بھائی متقی و فاضل اولاد حسین　　واصل حق ہو گئے وہ صاحب ادراک ہائے
پیشوائے عارفان و مقتدائے زاہداں　　چھپ گیا وہ نور باری آج زیر خاک ہائے
قبلہ و کعبہ کے شاگرد اور دریائے علوم　　سید دیندار آلِ صاحب لولاک ہائے

منطق وعلم کلام وہم ریاضی و حدیث ۔۔۔ سب میں تھے یکتا وکامل وہ جناب پاک ہائے
عازم جنت جوانی میں ہوئے وہ نورِ حق ۔۔۔ لکھنؤ مجھ کو ہوا صحرائے وحشت ناک ہائے
جس کے سر سے باغ عالم میں اٹھے ایسا بزرگ ۔۔۔ کیوں نہ ڈالے مثل صرصر اپنے سر پر خاک ہائے

مصرعِ تاریخ رحلت میں نے پایا اے منیر
آج ڈوبا آفتاب علم و شرع پاک ہائے

۱۲۶۲ھ

تصنیف : • انوار الربوبیہ فی امور العامہ دالاعراض الذاتیہ (بے بہا ص ۵۶ ۔ نزہتہ ج ۷، ص ۹۰)

اولاد حسین، امروھوی :
۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۲ء
۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء

مولانا محمد حسن امروہہ کے صاحب ثروت بزرگ تھے وہ خود اور ان کے باپ دادا دینی علوم کے حامل تھے مولانا محمد حسن کے صاحب زادے اولاد حسین صاحب ۱۲۶۸ھ کو امروہے میں پیدا ہوئے۔

وطن میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ گئے اور مشاہیر سے معقولات و منقولات کی تکمیل کر کے وطن آئے۔ فقہ میں شہرت اور علم الفرائض و میراث میں مہارت و شہرت پائی۔ آپ کے نفیس کتب خانے میں فقہ کی بہت عمدہ عمدہ کتابیں موجود تھیں۔ سلیم تخلص سے شعر کہتے تھے۔ خوش نویس لاجواب تھے۔ اشرف المساجد محلہ داؤد پوتہ امروہہ کی تمام دیواری تحریریں آپ کے قلم سے ہیں۔

بہت مقدس، متورع اور با اخلاق تھے۔

زیارت عتباتِ عالیہ سے مشرف ہوئے تھے۔

اچھی خاصی عمر پا کر یکم شعبان ۱۳۳۸ھ روز چہارشنبہ امروہے میں جاں بحق اور وہیں دفن ہوئے۔

تصانیف : • نیرنگِ زمانہ • طرفۃ العین • دلائل حسینیہ • چراغ ایمان • انوار المومنین • معلم الاطفال • الاشاعۃ فی شرح نہج البلاغہ • نظم الفرائض • بدور الفرائض طبع ۱۳۲۱ھ (بے بہا) عربی فارسی اردو اشعار و قطعات تاریخ۔

. . . .

اولاد حیدر، فوق :
۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

خان بہادر سید اولاد حیدر فوق بلگرامی، بڑے معزز، صاحب اقتدار زمیندار آدمی تھے، علوم دین کی باقاعدہ تعلیم تو حاصل نہ کی تھی لیکن تاریخ سے گہرا تعلق اور سیرت سے عشق تھا۔ مطالعہ و شوق کی مدد سے سیرت و سوانح

حضرت رسالت مآب و احوال ائمہ پر بہت مقبول کتابیں لکھیں۔ جن سے فوق صاحب کی قابلیت و وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ زندگی بھر پڑھتے لکھتے رہے۔ چہاردہ معصوم کے سوانح خصوصاً سیرت النبیؐ پر ان سے زیادہ ضخیم شیعہ کتابیں اردو میں موجود نہیں۔

فوق صاحب نے اچھی عمر پا کر ۲۰ رمضان ۱۳۶۱ھ، ۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء جمعہ کے دن مرحوم ہوئے۔

تصانیف : • تفسیر قرآن مجید (جلد اوّل بلا ترجمہ متن و با حواشی اردو شائع ہو چکی ہے)
• اسوۃ الرسول سیرۃ النبیؐ پر تحقیقی ضخیم مجلد، مطبوعہ۔ • سراج المبین، سیرت امیر المومنینؑ دو مجلد مطبوعہ
• سرو چمن، سیرت امام حسنؑ۔ • ذبح عظیم، تاریخ امام حسینؑ۔ • صحیفۃ العابدین • مآثر الباقریہ
• آثار جعفریہ • علوم کاظمیہ۔ • تحفہ رضویہ • تحفۃ المتقین طبع ۱۹۱۶ء۔ • سیرۃ النقی طبع ۱۹۱۷ء
• العسکری • درِ مقصود۔ طبع دہلی ۱۹۱۹ء • تاریخ جدید صوبہ بہار و اڑیسہ۔ طبع پٹنہ۔ • گلدستہ مومنین قصائد مدح ائمہؑ، طبع دہلی ۱۳۴۱ھ۔

. . . .

اعظم علی، پنگوڑوی :
حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

مولانا سید اعظم علی، پنگوڑ کے سادات سے تعلق رکھتے تھے (پنگوڑ، دہلی کا ایک قصبہ جو سالم ملکیت سادات ہے)، جناب غفران مآب کے شاگرد تھے۔

تصانیف : رسالہ در فضیلت نکاح مؤبد، و بحث محبت نسا و اولاد : رسالہ در ردّ صوفیہ (تکملہ نجوم السماء، ج ۲، ص ۲۲)

. . . .

احمد، ملا، الاعرج :
۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء

فاضل مقدس ملا احمد الاعرج، کشمیری نوجوانی میں لکھنؤ آئے اور پورا دورہ درس مکمل کر کے جناب سید العلماء سے اجازہ لیا۔ نحو میں خاص طور پر مشہور تھے۔ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۰۱ھ کو رحلت کی۔

تصانیف : • حل غایۃ البیان (صرف، عربی) حاشیہ بر شرح صحیفۂ کاملہ سید علی مدنی (عربی) (تکملہ نجوم السماء ۱۵، ص ۲)

. . . .

احمد علی، وفاخانی :

پروفیسر، مولانا میر احمد علی صاحب سجادی و فاخانی ایم اے، بی او ایل، بی ٹی عربی و فارسی کے لکچرار اور علوم دین کے فاضل اور قرآن مجید کے عاشق تھے۔ موصوف نے مدراس میں یتیم خانہ حسینی، ایلیمنٹری، مڈل، نامی اسکول قائم کیا۔

مطالعہ اور تصنیف و تالیف سے شغف رہا۔ ان کی کتابوں میں (KING OF MARTAYERS) سوانح حضرت امام حسین علیہ السلام چھپ چکی ہے۔

تفسیر قرآن : مولانا میر احمد علی صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ انگریزی میں تفسیر قرآن مجید ہے جو شلیل شیرازی صاحب نے ۱۹۶۴ء میں کراچی سے شائع کی۔

موصوف کی وفات حدود ۱۹۷۰ء میں ہوئی۔

.. ..

اولاد حسین لکھنوی : ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۸ء

سید اولاد حسین شاعر، ذاخر لکھنوی کے فرزند تھے، تاریخ پر عبور تھا۔ بڑے عمدہ شاعر اور خطیب تھے۔ ساٹھ سال سے زیادہ عمر میں رحلت کی۔ موصوف نے "تذکرۃ الصحابیات" نامی کتاب لکھی تھی۔

.. ..

اولاد علی : حدود ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء

مولوی میر اولاد علی صاحب علوم اسلامی کے فاضل اور روشن خیال آدمی تھے۔ موصوف نے اپنی تدریسی قابلیت کی بنا پر انگریزوں پہ اثر ڈالا چنانچہ ۱۸۵۶ء میں ڈبلن یونیورسٹی کے فارسی اردو پروفیسر کی حیثیت سے نامزد ہوگئے اور دس بارہ سال تک لندن میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۸۶۹ء میں سرسید لندن گئے تو مولانا سے ملاقات کی۔

مولوی اولاد حسین وطن واپس آئے اور یہیں رحلت کی۔

میر اولاد علی شاعر بھی تھے۔ (خطبات گارساں دتاسی ص ۸۰، ۹ خطبہ ۱۸۶۹ء)

.. ..

امتیاز حسین :

.. ..

مولانا سید امتیاز حسین صاحب کرارہ ضلع الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ سلطان المدارس لکھنؤ سے صدر الافاضل کی سند حاصل کی۔ جناب مولانا امجد حسین صاحب قبلہ کے داماد تھے۔ وطن میں خدمات دینی انجام دیتے رہے۔

.. ..

امیر الدین : ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۳ء

چک جلال دین جھنگ کے زمیندار اور حافظ علی محمد صاحب کے شاگرد حکیم امیر الدین، تفسیر و حدیث، منطق فلسفہ و کلام کے فاضل جلیل تھے۔ جہانیاں شاہ کے رؤسا موصوف سے علاج کرواتے تھے۔ ایک مرتبہ حکیم صاحب جہانیاں شاہ

سرگودھے میں ایسے وقت پہنچے جب علامہ عبدالعلی ہروی طہرانی وہاں فروکش تھے۔ علمی شہرت سن کر حکیم صاحب مولانا ہروی سے ملنے گئے۔ گفتگو ہوئی اور حکیم صاحب تبادلۂ خیال پر آمادہ ہوگئے۔ طویل مباحثے کے بعد استاد و شاگرد دونوں نے مذہب جعفری قبول کرلیا، دونوں نے مذہب حق کی ترویج کو شعار بنالیا۔ دونوں نے مل کر "فلک النجاۃ" نامی کتاب عربی و اردو میں لکھی جس میں ان اعتراضات کو رد کیا ہے جو حضرات اہل سنت کی طرف سے کیے جاتے ہیں۔ مولانا امیر الدین صاحب حج و زیارات سے بھی مشرف ہوئے تھے، عبادت و ریاضت مشغلہ تھی۔

۸ رمضان ۱۳۸۲ھ کو جھنگ میں رحلت کی۔

موصوف کا اچھا خاصا کتب خانہ تھا جو ان کے بعد کچھ تو ضائع ہوگیا، باقی کتابیں مدرسۂ حسینیہ جھنگ کو دے دی گئی ہیں۔

.. ..

احمد عباس :

.. ..

مولانا سید احمد عباس صاحب صدر الافاضل منجھیانوان ضلع الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں مدرسۂ سلطان المدارس سے فارغ التحصیل ہوئے۔ عالم و متقی بزرگ تھے۔

اظہر حسن، متوفی حدود ۱۹۲۸ء مولانا اظہر حسن ممتاز الافاضل سرسی ضلع مراد آباد ہند کے رہنے والے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی سید ایوب حسین صاحب ممتاز الافاضل ماشاءاللہ زندہ ہیں ستر برس کی عمر ہے۔

اعجاز حسین، متوفی حدود ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء، پھیلی گاؤں فیض آباد کے مولانا اعجاز حسین صاحب طبیب و عالم و مدرس مدرسۂ وثیقیہ موسوم بہ وثیقہ[1] اسکول فیض آباد۔ (مولانا سعادت حسین صاحب)

امداد حسین خان متوفی ۱۹۶۴ء، انہٹ ضلع سلطانپور یوپی کے باشندے ان کے والد وزیر علی خان بڑے شجاع و بہادر تھے۔ میٹرک تک پڑھنے کے بعد تبلیغ کا شوق ہوا۔ لاہور میں علامہ ہروی کی فارسی تقریریں سن کر حفظ کر لیتے تھے۔ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ سے خصوصی جماعت میں داخلہ مل گیا پھر تبلیغی دوروں کی اجازت لے کر شہر شہر گئے چوہتر برس کے تھے، جہلم میں رحلت کی اور مومن پورہ لاہور میں مدفن بنا۔

---

[1] نواب بہو بیگم صاحبہ نے اپنی اور اپنے بھائی کی سرکار کے تمام ملازمین کی تنخواہ کا ایسٹ انڈیا کمپنی کو قرضہ کے ذیل میں پابند کیا تھا، پانچ روپے مرد اور ساڑھے چار روپے کنیزوں اور صاحب عورتوں کے جن کی تعداد پانچ سو تھی، یہ لوگ مرگئے تو متولیان نے حکومت سے کہا کر نو سو روپے ماہانہ کی بچت سے دینی مدرسہ قائم کیا جائے۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر نے سرکاری بورڈ کے عربی فارسی امتحانات کے لیے مدرسہ کی اجازت دی۔ یہ مدرسہ مارچ ۱۹۰۲ء سے اب تک وثیقہ اسکول کے نام سے قائم ہے۔

(ب) بادشاہ حسین، شیخ :

۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء

بادشاہ حسین بن خدا حسین صاحب سیتاپوری عربی، فارسی، انگریزی کے فاضل اور سنسکرت میں ایم اے تھے۔ نہایت متدین، متشرع، وضع دار، خوش اخلاق، اسلام کے فدائی اور مبلغ اور تعلیمات محمد و آل محمد کے شیدائی تھے۔ بہت سے مقالات لکھے اور قرآن مجید کا طویل مطالعہ کرنے کے بعد مستشرقین کی رد کی۔ پھر براہ راست انگریزی میں تفسیر لکھنا شروع کی۔ نصف سے زیادہ کام مکمل کر چکے تھے کہ موت نے مہلت نہ دی۔ دو جلدیں مع طویل مقدمے کے مدرسۃ الواعظین سے چھپ چکی ہیں۔ باقی حصہ کتب خانہ مواعظین میں محفوظ ہے۔ جناب نجم الملت مولانا سید نجم الحسن صاحب نے باقی تفسیر جناب افتخار حسین جج صاحب سے مکمل کروائی جو طبع نہ ہو سکی۔
مولانا بادشاہ حسین صاحب نے سیتاپور میں ۲۷ جمادی الاولی ۱۳۵۶ھ میں رحلت کی۔

باسط علی :

۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء

مولانا خواجہ باسط علی لکھنؤ کے علماء و افاضل میں تھے۔ تدریس و تعلیم ان کا مشغلہ تھا، ہنگامہ ۱۸۵۷ء نے ان کے احوال تک رسائی ناممکن بنا دی ہے۔ شیخ جہان محمد شاد نے مولانا کو "فقیہ و صرفی و نحوی" کے اوصاف سے یاد کیا ہے۔ ان کا قطعۂ تاریخ ہے۔

بخلد رفت چو باسط علی استادم ۔۔۔ فقیہ و صرفی و نحوی و فاضل و اکمل
شدہ مصرع تاریخ معنوی صوری ۔۔۔ دو شنبہ روز، شب نوزدہ ربیع اوّل

۱۲۷۳ھ (دیوان شاد طبع لاہور)

روشن علی بارہوی نے ایک اور خواجہ باسط کے بارے میں لکھا:
خواجہ باسط از علمائے شیعہ تاریخ وفات ۱۱۷۷ھ "شیخ المومنین باسط"

(سید التاریخ ص ۴۹)

باقر حسین، سید :

بعد ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

مولوی سید باقر حسین صاحب صادق، علوم اسلامیہ کے فارغ التحصیل، مقدس و محترم رئیس، جون پور کے مشہور فاضل سید محمد مرتضیٰ کے چچا زاد بھائی تھے۔ "افہام الحائرین" کے قطعات تاریخ میں ان کا نام محمد باقر درج ہے، اسی قطعہ سے معلوم ہوا کہ موصوف عربی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ تاریخ سے دلچسپی تھی، اسی بناء

پر "مقتل ابی مخنف" کا ترجمہ کیا۔ دوسری مطبوعہ کتاب "اسوف ترجمۂ لہوف" ہے۔ مطبع اثنا عشری لکھنؤ کے نسخۂ مطبوعہ ۱۳۲۰ھ پر مؤلف کا تعارف ان لفظوں میں ہے:۔

"یکے از تالیفات عالی مراتب جمیل المحامد والمناقب۔
جناب مولوی باقر حسین صاحب دام اقبالہ"

کتاب کے مقدمے میں سید محمد مرتضیٰ بن سید حسن علی صاحب جون پوری کا نام پورے احترام سے لیا گیا ہے۔
مؤلف ۱۳۲۰ھ تک زندہ تھے۔

باقر حسین، امروہوی :

۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء

مولانا سید باقر حسین صاحب، امروہہ محلہ قاضی زادہ میں رہتے تھے، معاصر علماء و اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور عالم و فاضل ہوئے۔ جناب نجم العلماء مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ کے ماموں تھے۔ امروہے کے مدرسۂ دینیہ میں پڑھاتے تھے (بقول مولانا سید محمد محسن صاحب نبیرۂ نجم العلماء) ۱۹۳۷ء امروہے میں رحلت فرمائی اور امام باڑہ قاضی زادہ میں دفن ہوئے۔

(تواریخ واسطیہ ص ۵۴۸ - طبع ۱۳۲۲ھ)

باقر حسین، فتویٰ نویس :

حدود ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء

مولانا سید محمد حسین صاحب لکھنؤ کے ممتاز عالم دین، نہایت متقی اور پرہیزگار فقیہ تھے۔ جناب علیین مکان سید حسین صاحب سے تلمذ خاص تھا۔ جناب ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب اور جناب سید محمد ابراہیم صاحب کے فتوے لکھا کرتے تھے۔ مولانا محمد حسین صاحب کے فرزند سید باقر حسین صاحب لکھنوی نے اپنے والد اور جناب سید العلماء سید حسین صاحب علیین مکان اور سید علی شاہ اور سید محمد تقی صاحب سے علوم دینیہ حاصل کیے۔ اپنے والد کی طرح فقہ پر عبور تھا، صلاح و تقویٰ، قابلیت و اعتماد کی بناء پر آپ بھی علما کے فتوے نویس رہے۔ ۱۳۲۰ھ کے بعد رحلت کی۔
آپ کے شاگردوں میں مولانا حسام الاسلام سید نثار حسین اور فرزندوں میں مولانا حکیم سید حیدر حسین پیش نماز آگرہ و کان پور نیز مولانا یاور حسین صاحب فاضل عراق مشہور ہیں۔ (بے بہا صفحہ ۸۴)

باقر علی مرزا، دہلوی، میرٹھی :

حدود ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء
حدود ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء

باقر علی ابن آغا علی صاحب بقول بعض میرٹھ میں اور بقول محمد حسین دہلی میں پیدا ہوئے۔ طب آپ کا خاندانی فن تھا۔ معقول و منقول مولانا جعفر علی صاحب جارچوی سے حاصل کیے۔ ۱۸۵۷ء میں آپ میرٹھ میں متوطن

ہوئے۔ اسی زمانے میں عنایت حسین خان صاحب نے کمبوہ دروازے میں مسجد تعمیر کی تو آپ امام جمعہ و جماعت ہوئے۔ ۱۸۷۹ء میں مدرسۂ منصبیہ کا قیام ہوا تو آپ مدرس اول ہوئے۔

بڑے مقدس و صالح و فاضل تھے۔

تخمیناً پینسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور پرانی کربلا میں آسودۂ لحد ہوئے۔ (بے بہا)

تصانیف : • فضائل مرتضوی۔ (۲۵۵ صفحات، اردو مطبوعہ) • ارشادیہ شرح اعتقادیہ • رد رسالہ سیف حسینی • صولت حیدریہ۔

باقر علی، نجفی : حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء — ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء

مولانا باقر علی خان نجفی، لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد مختلف اساتذہ کے علاوہ مولانا محمد حسین صاحب محقق ہندی سے تلمذ کیا۔ کچھ عرصے تک نجف میں تحصیلِ علم کی اور نجفی کہلائے۔ تبلیغ سے عشق تھا، گھر بار بیچ کر لندن گئے اور انگریزی میں لکھنے بولنے لگے۔ سنا ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا تھا۔

حیدر آباد و علی گڑھ اور لکھنؤ میں پروفیسر رہے۔ آخرکار پنجاب کے محکمۂ تعلیم سے وابستہ ہو گئے اور ایک زمانے تک گورنمنٹ ہائی اسکول باغبان پورے میں عربی کے استاد رہے۔

نبی پورہ شیعیان لاہور میں ذاتی مکان بنا لیا تھا اور مذہبی و علمی و قومی کاموں میں والہانہ شغف سے کام کرتے تھے۔

مولانا کے پاس فقہ و حدیث و تفسیر و عقائد کا بہت بڑا کتب خانہ تھا جس میں ان کے بھائی صادق علی خان صاحب مرحوم نجفی کا ذخیرہ بھی تھا۔ افسوس ہے سب کتابیں ضائع ہو گئیں۔ وہ خود ملازمت کے سلسلے میں مشرقی پنجاب میں تھے، وہاں گھر لٹا، پھر میانوالی میں آباد ہوئے وہاں کتابیں الگ ہیں اور لاہور کے مکان میں الگ تھیں۔

مولانا ملازمت سے ریٹائر ہو کر میانوالی ہی میں رہے اور اخباری اطلاع کے مطابق ۱۹۵۶ء میں رحلت کی۔

ان کی اہلیہ، دختر جناب محقق ہندی نے مجھے ان مرحوم کی کچھ بوسیدہ کتابیں دی تھیں۔ وہ ان کے نام سے میرے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔

مرحوم کے فرزند جناب علی حضور صاحب لاہور کے مشہور وکیل ہیں۔

باقر مہدی : ۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء — ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء

مولانا سید باقر مہدی بن مولانا سید ظفر مہدی اٹیم جرول و علی نگر ضلع بہرائچ۔ بہت بڑے عالم، فقیہ اور

محدث و خطیب تھے۔ اپنے قصبے میں امامت جمعہ و جماعت بھی کرتے تھے۔ پرہیزگار اور نیک، سخی اور غریب نواز تھے۔ شاعری کا شوق تھا۔ مرزا دبیر سے اصلاح لیتے تھے۔ مرثیہ میں واقعات و تواریخ کے لیے کتاب اور سند شرط جانتے تھے۔ چھتیس سال زندہ رہے۔ ۹ صفر ۱۳۱۲ھ کو رحلت کی۔

اساتذہ : • مولانا ظفر مہدی۔ • مولانا علی محمد تاج العلما، مولانا کلب باقر۔ • مولانا عبدالحی فرنگی محلی، عبدالحلیم و تفضل حسین فتح پوری۔

تصانیف : • مجموعہ خطوط عربیہ • مواعظ باقریہ • رسالہ تجہیز اموات • عید کا چاند
(دبستانِ دبیر، نزہتہ ج ۸ صفحہ ۸۸)

.. ..

ببر علی : ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء

مولانا ببر علی صاحب لکھنؤ کے ممتاز عالم دین اور فن حدیث کے ماہر تھے۔ دینی معاملات سختی سے انجام دیتے تھے بڑے پرہیزگار و متقی تھے۔ مسلکاً اخباری تھے۔

آخر میں عراق چلے گئے تھے اور ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۲۴۸ھ کو کربلا میں رحلت کی اور حرم امام حسینؑ میں لحد پائی۔ (دیکھیے، بختاور علی و بدرالاسلام، آخر ب) (نزہتہ الخواطر ۷ ص ۹۶)

بدیع الدین، مرشد آبادی : حدود ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء — ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء

سرخیل اتقیاء مومنین زبدۂ اصحاب یقین حاجی بدیع الدین سارن بہار کے باشندے تھے۔ علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد مجاہدۂ نفس کیا اور خواجہ محمد جعفر مرحوم درویش کے ساتھ رہے۔ حاجی احمد علی داماد مولوی نصیر مرحوم کے ساتھ حج و زیارات سے مشرف ہوئے اور کچھ عرصے مشہد مقدس میں ٹھہر کر مصطفےٰ آباد (اپنی زوجہ کے گاؤں) میں آئے اور وہیں اہل و عیال کے ساتھ رہے۔

فقہ و حدیث و تفسیر میں ماہر تھے۔ علوم عقلیہ سے دلچسپی نہ تھی۔ شیخ محمد علی صاحب (حزیں) کہا کرتے تھے۔ کہ عظیم آباد میں صرف ایک حاجی صاحب کا وجود ہے۔

ایک مرتبہ بنارس سے وطن کے لیے رخصت ہوئے تو شیخ محمد علی سے ملاقاتِ رخصت کے لیے گئے شیخ نے دروازے تک آکر آپ کو الوداع کہی اور رو کر دعا دی۔

مولانا الحاج بدیع الدین عبادتِ الٰہی میں دن رات مصروف رہتے تھے۔ کبھی نمازِ شب قضا نہیں کی۔ اسی برس کی عمر میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جو عمر ملی ہے وہ کسی امام کی عمر نہ تھی۔ نہ معلوم میری عمر اتنی کیوں ہوئی۔ مؤلف

سیر المتاخرین موصوف سے ملے تھے۔ عبدالحیٔ نے موصوف کی تاریخ وفات ۱۱۹۵ھ لکھی ہے۔

(بے بہا ص ۷۰، نزہتہ ج ۶ ص ۴۹۔ سیر المتاخرین ج ۲ ص ۶۲۰)

. . . .

برکت علی، سید، لاہوری:

بعد ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء

مولانا برکت علی صاحب جناب سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب اور ممتاز العلما سید ابراہیم صاحب کے شاگرد ~~جناب سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب نے~~ علم ریاضی و فقہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ آپ کی سند میں ~~لکھا تھا~~ ہے:

"ان السید الادیب اللوذعی والفاضل المتوقد
الذکی المولوی السید برکت علی حرسہ العلی لقد
حاز حظا وافرا من الفنون الدرسیۃ لاسیما الریاضیہ
واونی کفلا (؟) جزیلا من العلوم الفقہیۃ الدینیۃ
لازال مویدا بالتائیدات الغیبیۃ ومسددا
بالتسدیدات اللاریبیہ۔
وانا الفقیر الی رحمۃ ربہ الغنی محمد بن علی
بن محمد الرضوی تقبل اللہ اعمالھم وخفف
اثقالھم وکان ذلک اول الربیعین۔

۱۲۶۷ھ

مولانا برکت علی صاحب لاہور میں رہے اور دینی خدمتیں انجام دیں۔ ۱۲۷۰ھ کے بعد رحلت کی۔

(تاریخ سلطان العلما ص ۱۶۴)

. . . .

برکت علی بنگلوری، حیدرآبادی:

حدود ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء

سید برکت علی بن میر اشرف حسین بنگلور کے باشندے اور حیدرآباد کے متوطن تھے۔ ان کے بھائی مولوی غلام حسین صاحب بڑے نامور عالم تھے۔ برکت علی صاحب ان کے چھوٹے بھائی مجتہد کہلائے جاتے تھے۔ ۱۹۱۳ء میں رام پور آئے تھے۔ خطیب بھی تھے اور خلیق بھی۔ بار بار ضلع مظفر نگر میں بھی رہے۔

(بے بہا)

برہان نظام شاہ، احمد نگری:

۹۰۷ھ / ۱۵۰۱ء
۹۶۱ھ / ۱۵۵۴ء

برہان بن احمد بن حسن بحری احمد نگری، احمد نگر کے بادشاہ تھے۔ ۹۱۴ھ کو اپنے والد کے بعد تخت نشین ہوئے۔ ان کے وزیر کمل خان نے نوعمر بادشاہ کی تعلیم کے لیے بڑا اہتمام کیا۔ ۹۲۸ھ میں طاہر بن رضی قزوینی وطن چھوڑ کر احمد نگر آ گئے تھے۔ بادشاہ نے ان کو دربار میں طلب کیا اور قلعہ کے اندر ان کے لیے مدرسہ قائم کیا۔ جناب مولانا طاہر قزوینی ہفتے میں دو دن درس دیتے تھے جس میں علماء شہر اور خود بادشاہ بھی شریک ہوتا تھا۔ اور اس قدر ادب سے حاضری دیتا تھا کہ پیشاب کے لیے بھی اٹھنا ترک کر دیا تھا۔

مولانا کی تعلیم اور اپنے شہزادے کی معجزانہ طور پر صحت کی وجہ سے بادشاہ نے اپنے تشیع کا اعلان کر کے خطبے میں ائمہ اثنا عشر کے نام اعلان کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد احمد نگر شیعہ علوم و علما کا مرکز بن گیا۔

(نیز دیکھیے طاہر)

بادشاہ کے درباری علماء:

- ملا رستم جرجانی • ملا علی مازندرانی • ایوب ابوالبرکت • ملا عزیز اللہ گیلانی • ملا محمد امامی استرآبادی
- سید حسین مدنی • شیخ احمد نجفی۔

(نزہتہ ج ۴ ص ۹۹)

. . . .

بشیر حسن، امروہوی:

حدود ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء

مولوی سید بشیر حسن صاحب امروہے کے رہنے والے تھے۔ گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کر کے سید المدارس میں پڑھتے رہے پھر پنجاب یونیورسٹی سے مولوی عالم اور مولوی فاضل کے اسناد حاصل کیے۔

فروری ۱۹۱۵ء میں انھیں گورنمنٹ اسکول میں عربی مدرس کی جگہ مل گئی وہ ۱۹۳۶ء میں ہائر اسکول میں مدرس تھے دینی اور اخلاقی تحریکات کے محرک ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم نسواں کے حامی اور آل احمد گرلز اسکول امروہے کے سرپرست تھے۔ اس سلسلے میں "گھر گرہستی" نامی کتاب تعلیم نسواں کے لیے بہت مشہور ہوئی اور موصوف کی اس کتاب کا ہندی ترجمہ بھی چھپا۔

۱۹۴۰ء کے بعد رحلت کی۔

(انجمن وظیفہ سادات جوبلی نمبر)

. . . .

بقا، خواجہ:

حدود ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء

خواجہ بقا، نواب عبداللہ کے بھتیجے اور نواب مہابت خان کے بھانجے تھے، سرکار لکھنؤ میں جاگیردار

تھے۔ عقائد وکلام سے دلچسپی اور مذہبی علوم کی مزاولت تھی۔
شیخ فرید، خواجہ بقا کے مصاحب اور فوجدار تھے وہ بقا صاحب کے مباحثوں کے مداح تھے۔
(ذخیرۃ الخوانین ج ۲ ص ۳۵۲)

بندہ حسین سید، ملک العلما:

۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء

ملک العلما مولانا سید بندہ حسین صاحب جناب سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب کے فرزند تھے۔ اپنے بڑے بھائی جناب خلاصۃ العلما سید مرتضیٰ صاحب سے معقولات اور اپنے والد سے فقہ و اصول و منقولات کی تکمیل فرمائی۔ جناب سلطان العلما نے ۱۲ شوال ۱۲۵۱ھ کو اجازۂ اجتہاد مرحمت فرمایا۔ ان کے علاوہ جناب علامہ شیخ محمد حسین مازندرانی اور جناب علامہ سید علی تستری حائری نے اجازے بھجوائے۔

یکم فروری ۱۸۶۱ء / ۱۹ رجب ۱۲۷۷ھ اور ۲۸ جولائی ۱۸۶۲ء / ۳ صفر ۱۲۷۸ھ کی دو تحریروں کے ذریعے جناب سلطان العلما نے حکومت کو اطلاع دی کہ جناب بندہ حسین صاحب تمام املاک و جائداد کے سربراہ ہوں گے جناب سلطان العلما نے اپنی اولاد میں تقسیم کار فرمادی تھی۔ اتفاق سے چار فرزند آپ کی زندگی میں وفات پا گئے۔ از بعد سلطان العلما جناب ملک العلما سید بندہ حسین صاحب والد کے جانشین ہوئے۔

والد کی رحلت (۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء) کے بعد آپ نے حج کی سعادت حاصل کی آپ متحدہ ہندوستان کی مرجعیت کبریٰ کے مرتبے پر فائز ہوئے۔

حکومتِ اودھ نے "ملک العلما" خطاب دیا اور انگریزوں نے شرکتِ دربار اور استثناء حاضری عدالت کا اعزاز دیا۔

آپ فقیہ و منطقی و فلسفی مشہور ہیں۔ لیکن آپ کا ترجمہ و تفسیر قرآن مجید آپ کے مفسر ہونے کا گواہ ہے۔

آپ فنون سپہ گری کے ماہر اور شہسواری میں یکتا تھے۔ اردو بڑی صاف اور ادیبانہ لکھتے تھے۔

۲۹ جمادی الثانیہ ۱۲۹۶ھ لکھنؤ میں رحلت فرمائی اور غفران مآب کے امام باڑہ میں دفن ہوئے۔ مغفرت مآب لقب ہوا۔ عبدالحی نے تکملۂ نجوم السما کے حوالے سے سنہ وفات ۱۲۹۴ھ لکھا ہے۔

تصانیف: • تفسیر شبیری (اردو مطبوعہ لکھنؤ) • رسالہ مختصرہ در طعام اہل کتاب • قواعد المواریث بطرز جدول (اردو مطبوعہ) • فتاویٰ کئی مجلد • رسالۃ التعلیلیہ • تحفۃ السالکین مقطوع الید • الصراط السوی • نہج السداد • مواعظ حسینیہ

اولاد: • جناب بحرالعلوم سید محمد حسین صاحب معروف بہ علّن صاحب • جناب ملاذ العلما ابوالحسن صاحب معروف بہ بچھن صاحب • جناب مولانا سید رضا حسین صاحب۔ (بے بہا ص ۸۵۔ نزہۃ ج ۷، ص ۱۰۲)

بندہ حسن، حیدرآبادی:

سید فاضل بندہ حسن بن نیاز حسن اصلاً پانی پت کے مضافات کے رہنے والے تھے۔ مگر مولانا خود حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے وہیں تعلیم و تربیت حاصل کرکے تدریسی مشاغل میں منہمک ہو گئے۔
چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں رحلت کی۔ (نزہۃ ۸ ص ۹۲)

بُنیاد علی، فتح پوری:

۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء
۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء

مولوی بنیاد علی بن مولوی اولاد علی صاحب فتح پور ہنسوہ کے قریب بہیڑہ بستی کے باشندے تھے۔ آپ نے لکھنؤ کے مختلف اساتذہ کے علاوہ جناب مفتی محمد عباس صاحب جناب ممتاز العلما، مولانا محمد ابراہیم صاحب سے خصوصی تلمذ کے بعد مجبرہ وجاهت کے اجازے حاصل کیے۔

بڑے ذہین اور جید الحافظہ تھے۔ آگرے کے محلہ شاہ گنج میں پیش نماز تھے: جناب نواب علی خان صاحب بہادر رئیس حسین آباد ضلع مونگیر حج و زیارات کے لیے اپنے ہمراہ لے گئے۔ واپسی میں مولانا صاحب حسین آباد ضلع مونگیر ہی میں رہے اور انتالیس سال کی عمر میں رحلت کی۔ قطعہ تاریخ وفات ہے۔

مولدش پاک بہیڑہ بود در ہندوستاں — خود بہ بودہ عالم کامل فقیہ و متقی
از جہاں بے وفا رفتہ بسال سی و نہ — فخر اسلام آہ بنیاد علی مولوی — ۱۲۸۷ھ

فرزند: مولوی سید مہدی حسین صاحب متوفی ۱۳۱۳ھ

بُنیاد علی، ممتاز الافاضل:

حدود ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

مولوی بنیاد علی صاحب ممتاز الافاضل، واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ گجرات پنجاب اور بنگلور میں واعظ رہے۔ شکارپور ضلع بلند شہر وطن تھا۔ عالم و خطیب تھے تقریباً ۱۹۷۰ء میں رحلت کی۔

بہادر شاہ، اوّل:

۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۳ء
۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء

یوں تو بادشاہوں اور سیاسی سربراہوں کا مذہب اقتدار ہوتا ہے، لیکن ان کے رجحانات اور دینی اعمال بہرحال انھیں کسی نہ کسی مذہب سے وابستہ کرتے ہیں اور اسی بنیاد پر انھیں شیعہ یا سنی کہا جاتا ہے۔ برصغیر کی

طویل تاریخ میں تیموری سلاطین عموماً سنی کہے جاتے ہیں۔ اگرچہ شاہزادہ حیدر شکوہ نے ان کے شیعہ ہونے کے سلسلے میں دو کتابیں لکھی ہیں۔

- مثنوی شوکت حیدری (فارسی)
- رسالہ علم حیدری (فارسی مطبوعہ)

تیمور، سلطان حسین مرزا کے بارے میں ان کے تصرف پسند رجحانات اور ائمہ اہل بیت سے عقیدت کی بنا پر یہ خیال اور بھی قوت حاصل کر لیتا ہے۔ پھر ہمایوں کا شیعہ ہونا اور بیرم خاں کا تشیع تو بالاتفاق مانا جا چکا ہے۔ اکبر کے دربار میں مذہبی مناظرے اور حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم فتح اللہ شیرازی، ملا احمد ٹھٹھوی اور ملا نوراللہ شوستری جیسے شیعہ علماء و افاضل کا وجود شیعہ مذہبی اہمیت کی ضمانت ہے۔ جہانگیر کا وزیر اور اس کی ملکہ یعنی آصف خان اور نور جہاں کی شیعیت مشہور ہے۔ اگرچہ جہانگیر کے بارے میں یقینی ہے کہ وہ شیخ احمد سرہندی کی سیاسی اہمیت سے متاثر تھا۔ اس نے قاضی نوراللہ شوستری کو شہید کیا۔ اسی طرح شاہ جہاں بھی تشیع سے دور رہا۔ اگرچہ اس دور میں شیعہ علماء و فقہا دارالخلافت میں بڑے مکرم تھے۔ ملا سعید اشرف مازندرانی، ملا شفیعا جیسے بہت سے فقہا دربار میں اثر رکھتے تھے۔ شہزادے اور شہزادیاں شیعہ علماء کی تربیت میں رہیں۔ شاہ جہان نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا بہت اچھا انتظام کیا، اس کے لڑکے پڑھے لکھے تھے۔ دارا شکوہ تصوف اور ہندو فلسفے کا عالم تھا، اورنگ زیب عالمگیر اسلامی علوم کا دلدادہ اور مذہب کا پرستار، اس نے کتابت قرآن کو شرف جانا اور فقہ حنفی کی عظیم الشان کتاب "فتاویٰ عالمگیری" مرتب کرانے میں براہ راست دلچسپی لی۔ اس کے خطوط اور وصیت نامے سے ثابت ہے کہ وہ متعصب حنفی اور شیعہ مذہب سے بیزار تھا، لیکن شیعہ امرا اور شیعہ ریاستوں سے دوستانہ و مخالفانہ معاملات کے بعد وہ شیعیت[1] ہو گیا تھا۔ اس نے آخری وصیت نامہ میں شیعہ مذہب کے احکام کو مانا اور اس کا رازدان بہادر شاہ کو بنایا۔

بہادر شاہ جس کا ابتدائی نام معظم ہے۔ ۳۰ رجب ۱۰۵۳ھ کو نواب بائی دختر راجہ راجو والی کشمیر کے بطن سے پیدا ہوا۔ عالمگیر نے اس بچے کی تعلیم و تربیت کے لیے اعلیٰ درجے کے اساتذہ مقرر کیے، چنانچہ اس نے قرأت، تجوید، تفسیر و حدیث میں مہارت حاصل کی۔ تلاوت ایسی تھی کہ سننے والوں کے دلوں پر اثر ہوتا تھا، مطالعۂ تفسیر سے والہانہ شغف تھا، عربی پر اہل زبان کی طرح قدرت تھی، حدیث کا علم ایسا تھا کہ مورخین "قُدْوَةُ الْمُحَدِّثِیْن" لکھتے ہیں۔ صوبۂ کابل و دکن و بنگال میں صوبے دار رہے۔ حیدر شاہ کی مہم میں سربراہی کی۔ اسی زمانے میں بادشاہ ناراض ہو گئے۔ اور نظر بند یا قید کر دیے گئے۔

نواب بیگم (والدۂ معظم شاہ) کی وفات کے بعد ۲ ذی قعدہ ۱۱۰۲ھ کو قید سے رہائی پائی اور پنجاب کی صوبے داری

---

[1] شیخ احمد علی سندیلوی نے معدن الفوائد میں اس امر پر لکھا ہے کہ محاکمہ بر بیاض کہ بہ زیب کرد قریب وضو و خوبی امام رضا علیہ السلام سرودہ است و قصیدہ در منقبت آن امام ابن والاتبار در نہایت سلاست گفتہ و قصیدۂ مزبور گرد روضۂ منورہ کشتہ است۔

پر فائز ہوئے۔

۱۱۰۹ھ میں کابل کے صوبے دار ہوئے۔ ۱۸ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ کو اورنگ زیب عالمگیر فوت ہوئے۔ شاہزادہ معظم نے کابل میں خبر سنی۔ ۳۰ محرم ۱۱۱۹ھ کو تاج شاہی سر پر رکھا اور بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ بادشاہ غازی لقب اختیار کیا۔

جب لاہور آن کر تخت نشینی کی تو ممالک محروسہ میں حکم دے دیا کہ مساجد میں جمعہ کے دن جو خطبہ دیا جائے اس سے مروجہ ناموں کو خارج کر کے بارہ اماموں کے نام لیے جائیں۔

جمعہ کے دن ائمہ اثنا عشر کے ناموں کا خطبہ کیا پڑھا گیا کہ قیامت آگئی۔ کسی خطیب کو قتل کر دیا گیا۔ کسی خطیب کو رسوا۔ معززین و امراء و علماء اہل سنت نے شدید ردعمل کا مظاہرہ کیا اور بادشاہ کو فرمان واپس لینا پڑا۔ ملک میں مرہٹوں، سکھوں اور راجاؤں کی سرکشی، نیز محمد اعظم اور کام بخش کی بغاوت کی وجہ سے اندرونی نظم و نسق بحال کرنا تھا۔ اس لیے فرقہ وارانہ ہنگاموں سے بچنے کے لیے حکم تو واپس لے لیا مگر نعمت خان عالی جیسے امراء و علماء سے روابط بحال رکھ کر اپنا مذہب کسی نہ کسی طرح قائم رکھا۔ نزہتہ الخواطر جیسے تذکروں میں بہادر شاہ کی قابلیت اور حدیث میں مسلم حیثیت کا تذکرہ موجود ہے۔ اور تاریخوں میں تشیعیت کا تفصیلی بیان محفوظ ہے۔

بہادر شاہ نے ۷۳ سال کی عمر میں دوشنبہ ۲۱ محرم ۱۱۲۴ھ کو رحلت کی اور دہلی میں دفن کیے گئے۔

(● نزہتہ الخواطر ج ۶ ص ۱۰۲ ● بزم تیموریہ ص ۲۹۲ ● تاریخ عزاداری از مرتضیٰ حسین ● سیر المتاخرین)

.. ..

بہادر علی شاہ

۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء

پنجاب میں سکھوں کی حکومت نے مسلمانوں کے تمام نظام زندگی کو مکمل طور پر معطل کر دیا تھا۔ نادر کے حملہ، احمد شاہ ابدالی کے قبضے کے بعد پنجاب کے خاندان دہلی، اودھ، عظیم آباد، مرشد آباد، بنگال میں آوارہ وطن ہو گئے۔ باقی ماندہ نامور جو یہاں بچ گئے تھے وہ تمام سرگرمیوں سے دور ہو گئے۔ سکھوں نے اپنی افراتفری میں مسجدوں اور مدرسوں کو تباہ کر دیا۔ امراء و علماء کو بے دست و پا بنا دیا۔ اس لیے تاریخ پنجاب میں سنی علماء و مشائخ عموماً اور شیعہ علماء خصوصاً نایاب ہیں۔ زوال پذیر معاشرے میں اگر شکست خوردہ قوم متحد ہو تو بڑی حد تک اس کے آثار محفوظ رہ جاتے ہیں مگر یہاں باہمی اختلاف بڑھ گئے۔ مسلمانوں کے دو بڑے دشمن ہندو اور سکھ انہیں مٹا رہے تھے اور شیعہ سنی دونوں تباہ و برباد تھے۔ اس بربادی میں نیا شاخسانہ شیعہ دشمنی کی شدت تھی۔ شیعوں کے پاس لاہور میں علی مردان خان، آصف جاہ جیسے بڑے امیروں کے گھرانے تھے۔ ان خاندانوں میں علماء بھی تھے اور معززین بھی۔ ادھر گجرات میں حکیم فتح اللہ شیرازی اور لقبیۃ السیف امراء کی اولاد بھی تھی مگر احمد شاہ ابدالی کے

بعد متعصب سینوں نے انھیں بے اثر کر دیا اور سکھوں نے نام و نشان فنا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی آخر اسی پنجاب سے رجب علی شاہ اٹھے اور انھوں نے شیعوں کو سہارا دیا پھر قزلباش آئے اور اس خاندان نے شیعوں کی ثقافتی زندگی کو نمایاں کیا۔ آخری دور میں پنجاب کی بڑی ضرورت مبلغین تھے اس لیے پورے صوبے میں بڑے بڑے خطیب پیدا ہوئے یہ خطیب شیعہ عقائد کی تبلیغ اور تشیع پر حملوں کی تردید کے لیے کمربستہ ہو کر میدان میں آئے ان پر اعتراض تھا کہ "حافظ" نہیں ہوتے۔ یہ حافظ ہوئے۔ ان پر اتہام تھا یہ قرآن نہیں مانتے۔ یہ قرآن مجید کی آیتوں ہی سے گفتگو کرنے لگے۔ ان حضرات میں قاری سید بہادر علی شاہ نے بڑا نام پیدا کیا آپ جلال پور جٹاں کے سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے، وطن میں ابتدائی تعلیم حاصل کر کے دہلی گئے اور وہاں جناب جعفر علی صاحب جارچوی سے ضروری کتابیں پڑھیں اور خطابت شروع کر دی آپ خوش الحان قاری، خوش بیان خطیب، حاضر جواب مناظر، اور وجیہہ و خوش پوش نیک اور پاک نفس فاضل تھے آپ نے پنجاب میں بڑی تبلیغ کی اور یوپی میں بہت مقبول خطیب قرار پائے۔

آپ نے ۲۶ محرم ۱۳۲۵ھ گجرات میں وفات پائی۔ دفتر تاریخ حصہ ہفتم میں صفحہ ۸۷ پر نواب محمد جعفر صاحب نے یہ قطعہ تاریخ لکھا ہے:

بداں سکنش پور بعد جلال	کرو ریخ آبست ایں ارض پاک
مناظر بدو در غم شاہ دیں	دلی در بغل داشتہ چاک چاک
شش و بست ماہ محرم بعد	رسید و دریں جا گشتہ ہلاک
بگفتا چنیں جعفر دل حزیں	بہادر علی شاہ نیک آہ خاک

(۱۳۲۵ھ)

مولانا اظہر حسن صاحب زیدی فرماتے ہیں کہ بہادر علی شاہ کا کتب خانہ نادر کتابوں کا گنجینہ تھا جو ضائع ہو گیا۔

تصانیف: تفسیر سورۂ یوسف • دلیل الوصل فی جواب قوامع الفصل مطبوع ۱۳۱۲ھ • واقعات مناظرہ نگینہ وغیرہ ۱۸۹۱ء • دلائل الصادقین تاریخ محمدی ۱۸۹۵ء

اولاد: غلام علی صاحب اور سیف علی صاحب، سیف علی صاحب خطیب تھے ان کے فرزند جناب حافظ ذوالفقار علی شاہ صاحب خطیب ~~حیات~~ ہیں۔

بہادر علی، مرزا، حیدر آبادی:

۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء
۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۹ء

مروج شریعت قدسی صفات عمدۃ العلماء مولانا بہادر علی بن محمد رضا بن غلام علی بن بنگیر جنگ تیمور کے بھائی کی اولاد سے تھے۔ حیدر آباد میں ۱۴ مہر ۱۹۹۳ فصلی نماز صبح کے وقت (۱۲۹۴ھ) میں پیدا ہوئے۔

مولانا کاظم علی و مولانا غلام حسین اور دوسرے اساتذہ سے علوم متداولہ پڑھ کر درجۂ فقاہت کو پہنچے۔ عراق بھی گئے اور معاصرین میں معزز قرار پائے۔ حیدر آباد میں ایک بہت بڑا مدرسہ "باب العلوم" اور ۱۳۵۰ھ میں کتب خانہ قائم کیا تھا۔ مولانا حکومت دکن کے مشہور کالج "جاگیردار کالج" میں شعبۂ دینیات کے استاد مقرر ہوئے اور وفات تک اسی ادارے میں رہے۔

آپ عبادت خانہ دار الشفاء میں جماعت و امور دینی کے خدمات انجام دیتے تھے قومی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، شعر و خطابت میں کمال حاصل تھا۔

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ کو حیدر آباد میں انتقال کیا۔ تجہیز و تکفین دائرہ میر مومن میں ہوئی۔ میت میں اتنا بڑا مجمع کسی شیعہ عالم کے ساتھ نہیں دیکھا گیا۔

تصانیف: • سلسلۂ تعلیم مذہبی دو حصے • طریق شریعت • رباعیات صفی • مسدس تعلیم و مآل آخرت • عرفان صفی مطبوعہ • اخلاق آصفی مطبوعہ • تسبیح فاطمہ غیر مطبوعہ چراغ ہدایت مطبوعہ • خلاصۃ المسائل۔ غیر مطبوعہ • تسہیل المنطق۔ غیر مطبوعہ (سرفراز لکھنؤ ۲۵ را پریل ۱۹۵۱ء خزینۃ الخواطر ص ۸۲)

بختاور علی خان:

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء
۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

مولانا الحاج بختاور علی ابن محمد حسین خان، بخشی خان راجپوت تعلقدار (امیٹھ سلطان پور پرتاپ گڑھ یوپی ہند) کے پوتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں حکومت اودھ کا ساتھ دینے کے جرم میں ریاست ضبط ہوئی۔ ان کا خاندان تلاش معاش میں لاہور پہنچا۔ کچھ عرصے بعد بختاور علی بھی لاہور آئے۔ یہاں ملازمت ملی مگر دل میں علم دین کا شوق تھا۔ لہٰذا نجف روانہ ہو گئے ۱۹۱۴ء کی جنگ میں علماء نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا تو بختاور علی ترکوں کی حمایت میں کرپٹ گئے ناصریہ میں قید کاٹی ہوا انگریزی فوج نے وطن پہنچایا۔ وطن میں وہ چین سے نہ بیٹھے۔ نوگانواں، امروہہ اور لکھنؤ کے مدرسوں میں علم دین پڑھتے رہے اور حالات ساز گار ہوتے ہی عراق چلے گئے۔ طویل مدت تک وہاں رہے۔ ۱۹۶۰ء کے بعد ہند آئے اور بمبئی میں قیام کیا۔ ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ میں وفات ہوئی۔

اولاد: مولانا محمد حسین نجفی مولانا محمود الحسن صاحب نجفی۔ آغا حسین صاحب وکیل۔

(مولانا محمد محسن صاحب آل نجم العلماء نومبر ۱۹۷۷ء مولانا سعادت حسین صاحب قبلہ دسمبر ۱۹۷۹ء)

بدر الاسلام، جارچوی:

حدود ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۵ء

مولانا سید بدر الاسلام صاحب قبلہ جارچوی منصبیہ کالج میرٹھ میں درس دیتے تھے۔ موصوف نے میرٹھ اور امروہے میں تعلیم حاصل کی تھی اور دیگر مولوی، منشی، عالم، مولوی فاضل (عربی) اور فارسی میں منشی، فاضل کی سندیں لی تھیں۔ ۱۹۴۵ء کے قریب وفات پائی۔ (انجمن جوبلی نمبر)

(پ) پیارے مرزا صاحب:

حدود ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء
حدود ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء

جناب مولانا پیارے مرزا صاحب ابن حکیم عباس مرزا صاحب ابن حکیم وزیر مرزا صاحب کترۂ محمد علی خان لکھنؤ میں رہتے تھے۔ مولانا سبط حسن صاحب کے ہم درس اور جناب نجم الحسن صاحب قبلہ کے تلامذہ میں تھے تقدس، ریاضت وعبادت کے ساتھ ساتھ ادب وشعر میں مہارت تھی۔ فراغتِ تعلیم کے کچھ عرصے بعد مشہد مقدس چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی اور اسی شہر مقدس میں وفات پائی۔ مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ مدظلہ مولانا پیارے مرزا صاحب کے بھتیجے ہیں۔

(پیر علی دیکھیے: علی، سید)

پیر محمد، احمد نگری:

بعد ۹۳۰ھ / ۱۵۲۳ء

عالم وفاضل پیر محمد حنفی شروانی اپنے عہد کے بہت بڑے عالم تھے۔ برہان نظام شاہ نے ان سے درس لیا اور مقرب بارگاہ بنایا۔

ایک مرتبہ نظام شاہ نے اپنے خواجہ جہان (وزیر) کے پاس قلعہ پرینڈہ بھیجا وہاں ملا طاہر سے ملاقات ہوئی۔ ملا صاحب نے پیر محمد کو "مجسطی" پڑھائی۔ ایک سال کے بعد جب مولانا پیر محمد احمد نگر آئے تو بادشاہ نے استقبال کیا اور اعزاز میں اضافہ کیا۔

ملا صاحب نے تین ہزار آدمیوں کے ساتھ مذہب شیعہ قبول کر لیا اور خطبہ میں ائمہ اثنا عشرؑ کے ناموں کا اعلان کیا۔ اس سے مشتعل ہو کر اہلِ شہر کے بارہ ہزار سوار پیادوں نے نظام شاہ پر حملہ کر دیا۔ برہان نظام شاہ نے انھیں نظر بند کر دیا۔ اور ان کے ساتھ شیعہ ہونے والوں میں بہت سے لوگوں نے مذہب بدل دیا۔ چار سال بعد ملا صاحب رہا ہوئے۔ یہ واقعہ ۹۲۸ھ کا ہے۔ (نزہتہ الخواطر ج ۴ ص ۱۰۰ بحوالہ فرشتہ)۔

ملا عبدالقادر بدایونی فرماتے ہیں: "نہایت خوش فہم، شگفتہ مزاج عالم تھے۔ (کچھ مذمت کرنے کے بعد) شیروان سے قندھار پہنچا اور بیرم خان خاناں کے ہاں ملازمت کر لی۔ بہت جلد ترقی کے مدارج کو پہنچا۔ ہندستان فتح ہوا تو خان کا خطاب اور سپہر "ناصر الملک" کا خطاب ملا۔ تین چار سال شان وشوکت سے بسر کیے (ذم بہت) کچھ عرصے بعد نربدا ندی میں ڈوب کر مر گئے۔ بدایونی نے دور سے دیکھا تھا، ہم نشینی کا موقع نہ ملا۔
اسی کا خلاصہ رحمان علی نے تذکرہ علماء ہند میں لکھا ہے۔ (نیز دیکھیے طاہر شاہ)

(ت) تاثیر حسین:

۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء
بعد ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء

سید اشرف علی صاحب چندپڑی ضلع مراد آباد کے ایک بزرگ تھے۔ ان کے نیک نہاد فرزند مولانا تاثیر حسین صاحب ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۸۱ء سے سرکاری مدارس میں تعلیم شروع ہوئی۔ ۱۸۹۱ء میں اردو مڈل پاس کر کے دینی تعلیم کی طرف مائل ہوئے۔ مدرسۂ منصبیہ میرٹھ میں سات سال رہ کر سند لی۔ ۱۳۱۷ھ لکھنؤ گئے اور مدرسۂ ناظمیہ میں داخل ہوئے اور شعبان ۱۳۲۰ھ میں ممتاز الافاضل کیا۔

جناب نجم العلماء کو آپ پر بڑا اعتماد تھا۔ مدرسہ کے انتظامات آپ کے سپرد تھے۔ جب جناب زیارات کے لیے گئے تو مولانا بھی ہم رکاب تھے۔ شعبان ۱۳۳۱ھ میں مدرسۂ عالیہ رامپور میں طلب کر لیے گئے۔ ([illegible])

تراب علی:

۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء

مولانا سید تراب علی صاحب متوفی یکم رمضان ۱۳۶۴ھ یوم جمعہ، مدرسہ باب العلم نوگانواں سادات مراد آباد کے مدرس اور مولانا سبط نبی صاحب مرحوم کے معاون تھے۔ (البرہان اکتوبر ۱۹۴۵ء)

ترابی: دیکھیے رضا حسین علامہ ترابی

تصدق حسین:

۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء
۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء

ابوطالب سید اشرف کاظمی نامی ایک سید بزرگوار ہلاکو خان کی تباہیوں سے متاثر ہو کر نیشاپور سے پاکستان و ہندوستان میں وارد ہوئے اور تغلق نے خدماتِ عالیہ کے سلسلے میں (برادر اپنے سید اشرف کے فرزند کو قتل کرنے کے خوں بہا میں) کنتور ضلع جرول (لکھنؤ سے قریب) سات سو چوراسی گاؤں عطا کیے۔ یہ خاندان اس وقت سے ۱۹۴۸ء تک اس علاقہ کا مالک رہا۔ ابوطالب موسوی کاظمی کی اولادِ کرام میں برصغیر کے عظیم بزرگ مرتبہ علامہ سید غلام حسنین کنتوری کا نام سب جانتے ہیں۔ علامہ کنتوری کے فرزند جناب تصدق حسین صاحب ۷ ربیع الثانی ۱۲۶۳ھ مطابق ۴ اپریل ۱۸۴۶ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں آپ کے نانا جناب مفتی محمد قلی صاحب رزیڈنسی (بیلی گارد) کے قریب رہتے تھے۔ مولانا تصدق حسین صاحب نے علمی گھرانے میں ہوش سنبھالا اور اپنے گھر کے بزرگوں اور شہر کے اساتذہ سے مقدمات صرف ونحو ومنطق وفقہ وعقائد کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۵۷ء میں جنگِ آزادی ہوئی۔ اس میں علامہ غلام حسنین صاحب پیش پیش تھے اور ان کو نیپال جانا پڑا تو تصدق حسین صاحب اپنے وطن کنتور چلے گئے۔ جناب علامہ جب نیپال سے وطن پہنچے تو فرزند کو ساتھ لائے اور منطق وفلسفہ وریاضی واقلیدس ومجسطی وشفا تک درس دیتے رہے۔

۱۸۶۹ء میں کیننگ کالج قائم ہوا تو آپ نے عربی کی آخری سند فاضل کا امتحان دیا اور اعلیٰ درجے

میں کامیاب ہوئے۔

فقہ و حدیث، تفسیر و علوم دینی کے لیے اپنے خال علام مولانا حامد حسین صاحب اور جناب مفتی محمد عباس
اور آیۃ اللہ جناب مولانا سید احمد علی صاحب محمد آبادی سے درس لیا۔ اس درس میں آپ کے ساتھ مندرجہ
ذیل حضرات شریک تھے۔

سید جعفر حسین صاحب فرزند مولانا احمد علی صاحب۔ سید حسن ساکن کجھوہ۔ سید محمد تقی صاحب ساکن کجھوہ
سید مہدی حسین صاحب ساکن بڈولی (بارہہ) سید کرامت حسین صاحب جج۔ خواجہ عابد حسین صاحب سہارنپوری
سید رضا حسین صاحب نونہروی۔ یہ درس سہ پہر کو ہوتا تھا۔ مولانا نے دو سال میں شرح لمعہ مکمل کی۔

ادھر جناب ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب نے شرح کبیر و مسالک کا درس خارج نجف کے طرز پر شروع
کیا جس میں مولانا تصدق حسین کے ساتھ بہت سے حضرات تھے مثلاً:
جناب سید محمد ابراہیم صاحب۔ نواب والاجاہ۔ سید مصطفےٰ عرف میر آغا صاحب۔ سید محمد تقی صاحب
خواجہ عابد حسین۔ سید کرامت حسین صاحب۔ سید حیدر صاحب لکھنوی۔ سید علی حسین صاحب والد جناب
محقق ہندی۔

فراغت و تکمیل درس کے بعد اپنے ماموں جناب فردوس مآب حامد حسین صاحب کے ساتھ رہنے
لگے۔ جناب مرحوم کو آپ سے بے حد انس تھا۔ ایک آن کے لیے جدائی گوارا نہ تھی۔ عبقات الانوار و استقصاء
الافحام میں ساتھ کام کیا۔ اور درس بھی دیتے رہے۔ درس میں بے حد محنت فرماتے تھے۔ طلباء آپ کی محبت
اور شفقت و طلباء پروری سے بے حد متاثر تھے اور آپ کو جناب فردوس مآب کے اخلاق کا نمونہ کہتے تھے۔

۱۳۰۰ھ میں جناب علامہ حامد حسین صاحب نے رحلت کی تو مولانا نے حیدر آباد کا سفر کیا۔ حیدر آباد میں
آپ کے شاگرد مولانا سید محمد عباس صاحب رسول پوری مدرس مدرسہ دار العلوم نے پذیرائی کی۔ پندرہ سولہ دن کے بعد
جناب حکیم سید عنایت حسین کے ذریعے نواب بہادر صاحب خیر آبادی کے فرزند نواب مرزا خورشید بہادر اور
امراؤ بہادر و علی بہادر کے اتالیق ہو گئے۔ اور نواب صاحب کے یہاں منتقل ہو گئے۔

نواب تہور جنگ اشرف الدولہ بہادر رکن الملک خان دوران اس وقت نواب محبوب علی خان
کے معتمد وزیر تھے (انھیں کی سعی سے نواب عثمان علی خان تخت نشین ہوئے تھے) نواب صاحب کو جو مولانا
کی اطلاع ملی تو محلہ یاقوت پورہ میں بہرام الدولہ کے یہاں گئے اور اپنے یہاں نہ ٹھہرنے کی شکایت کی کیونکہ
تقریباً ۱۲۸۶ھ میں نواب تہور جنگ اور فردوس مآب اور مولانا تصدق حسین صاحب حج میں ساتھ رہ چکے
تھے۔ نواب تہور جنگ نے میر عثمان علی خان آصف جاہ سابع سے ان حضرات کی تعریف کی تھی اسی وجہ

سے میر عثمان علی خاں آخر دم تک اس خاندان کے علمی کمالات کے معترف اور ان حضرات کے محب رہے۔
اتفاق سے مولوی چراغ علی المخاطب بہ نواب اعظم یار جنگ بھی دکن میں تھے۔ وہ میرٹھ کے صدر الصدور
جناب مفتی محمد قلی صاحب کو بھی جانتے تھے اور علامہ کنتوری کو بھی پہچانتے تھے کیونکہ مرحوم کی ایک شادی
میرٹھ میں ہوئی تھی۔ اس قدیم تعلق کی بنا پر وہ اپنے ساتھ گھر لے آئے۔ مولانا تصدق حسین صاحب کو یہاں
اپنے ذوق کی چیز یعنی کتب خانہ مل گیا۔ استاد اور خاندان سے کتابوں کا عشق ورثہ میں ملا تھا تحقیق کی لگن تھی۔
مولوی چراغ علی صاحب "رسالۂ علوم جدیدہ و اسلام" لکھ رہے تھے۔ مولانا تصدق حسین نے ان کا ہاتھ بٹایا
اور تالیفات کو بھاری بنایا۔ چار سال تک مولانا کا قیام چراغ علی صاحب کے یہاں رہا۔
۱۷ شوال ۱۳۱۲ھ کو آپ کے چھوٹے بھائی مولانا محمد علی صاحب نے رحلت کی۔ اس سانحے نے
مولانا پر بہت اثر کیا۔
۲۴ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ کو نواب عماد الملک نے آپ کو مہتمم کتب خانۂ آصفیہ کی خدمت کے لیے
منتخب کیا اور گزٹ میں یہ لکھا:

"جو حضرات مولوی صاحب موصوف سے واقف ہیں
وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اہل ملک میں تو کیا بلکہ تمام ہندوستان
میں اس کام کے لیے ایسا موزوں و بہتر شخص نہیں
مل سکتا۔" (۲۷ مہر ۱۳۰۵ ف)

کتب خانہ آصفیہ میں مولانا نے کتاب شناسی، کتاب داری، تحقیق و مطالعہ کا حق ادا کیا۔ محققین کی مدد،
نوجوانوں میں تحقیق کا شوق، اور کتب خانے کی ترقی کا اہتمام فرمایا۔ ہزاروں کتابوں کی نقلیں حاصل کیں۔
سینکڑوں محققین کو بلا کر کام دلایا۔ متعدد نوادر دریافت کیے۔ فہرستیں بنوائیں۔ اور کتب خانۂ آصفیہ کو ایک
فعال ادارے کی حیثیت عطا کی۔ لکھنؤ میں انھوں نے اشاعتِ کتب کا منصوبہ بنایا تھا جسے ان کے بھائی
نے نول کشور کے ذریعے پورا کروایا۔ اب دکن میں ان کو خدمت کا موقع ملا اور وہاں یہ کام شروع کروایا۔
حیدر آباد میں جناب انیس کی آمد فردوس مآب کی تحریک اور نواب بہرام الدولہ کی تائید سے ہوئی۔ اس
کے بعد اکثر اہل علم و ادب کے سفر حیدر آباد مولانا تصدق حسین صاحب کی بنا پر ہوئے۔ علماء و محققین میں
ہر شخص آپ کی مہمان نوازی، اخلاق، انکساری کا مداح تھا۔ مصر کے مشہور شاعر عبد المسیح انطاکی نے تو آپ کی
شان میں ایک قصیدۂ سپاس نامہ عربی میں لکھ کر چھپوایا تھا۔
بیس سال کے قریب علمی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۲۷ھ میں پنشن ملی۔ مگر کتب خانے کی

انتظامیہ کے رکن نامزد ہوئے اور شریک معتمد کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

۱۳۴۲ھ میں زیارتِ عتباتِ عالیات سے مشرف ہوئے۔

۲۵ شوال ۱۳۴۸ھ میں پنجشنبہ کے دن گیارہ بجے کے قریب وفات ہوئی۔ آپ کے جنازے میں ہندو، مسلمان، سنی، شیعہ حضرات کا بہت بڑا مجمع شریک تھا۔ ترپ بازار کے قطب شاہی قبرستان خرمان باڑی میں سپردِ خاک کیے گئے۔

آپ کی خبرِ وفات نے عراق، ایران، ہند و دکن میں ہر شخص کو رلایا۔ اور مراکزِ علم میں علمانے اور عام حضرات نے فاتحہ خوانی میں مجلسیں برپا کیں۔ شعرانے مرثیے اور قطعاتِ تاریخ لکھے۔ اخبارات نے اظہارِ غم کیا۔

اولاد: مولانا سید عباس حسین صاحب مہتمم کتب خانہ آصفیہ • مولانا سید علی محمد صاحب صدر محاسبی دکن میں منتظم تھے۔ ۲۷ رجب ۱۳۵۵ھ میں رحلت فرمائی۔

تلامذہ: مولوی سید غلام عباس مدرس دارالعلوم حیدر آباد • حکیم سید محمد رسول خان عرف حکیم چھوٹے صاحب ابن حکیم مولوی سید ہاشم علی خان • مولوی سید احمد سعید • مولوی سید مصطفےٰ حسین کنتوری • مولوی سید محمد علی برادرِ حقیقی سید محمد زکی خالہ زاد بھائی • مولوی سید بندہ حسن کنتوری • قاری محمد علی لکھنوی • ولایت حسین برجیس لکھنوی • قاری مولوی ہادی حسین اکبر پور ضلع فیض آباد • مولوی سید محمد حسین نوگانوی • مولوی سید محمد مہدی مؤلف لواعج الاحزان • مولوی سید محمد جواد • حکیم سید محمد محسن بھیک پور • مولوی سید گلزار حسین متوطن سنبھل ضلع بانس بریلی • مولوی سید قاسم علی • مولوی سید زوار حسین رائے بریلی • مولوی سید علی ساکن عشری چھپرہ آپ عراق بھی گئے تھے اور درجۂ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ • مولوی سید ابوالحسن عشروی برادر مولانا سید علی حکیم سید اکبر حسین موہانی • حکیم سید تصدق حسین موہانی • حکیم میرزا مہدی خلف میرزا محمد علی مؤلف نجوم السماء - مولوی سید محمد رضا رئیس سرسی • حافظ مولوی سید عبدالجلیل مارہروی • حکیم میرزا محمد کاظم لکھنوی

تصانیف: • نور العین ترجمہ ابصار العین فی انصار الحسینؑ تالیف علامہ شیخ محمد بن شیخ طاہر سماوی نجفی ۱۳۴۵ھ طبع اوّل، ۱۳۵۷ھ حیدر آباد۔ • ترجمہ شرحِ باب حادی عشر • ترجمہ جامع الاحکام۔

(• مکتوب جناب مولانا ضیاء الحسن صاحب موسوی مدظلہ • بے بہا ص ۱۰۶ • نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۹۴)

تفضل حسین، خانِ علامہ:

حدود ۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء
۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء

تفضل حسین خان بن اسد اللہ بن کرم اللہ کشمیری فلسفہ و علوم عقلی میں اپنے عہد کے عظیم ترین علامہ تھے۔ ان کے دادا بھی عالم و فاضل و مدبر ہونے کی وجہ سے کچھ عرصے تک لاہور کے صوبے دار پھر معین الملک میر منو

کے وکیل رہے۔ اس وقت ان کی تنخواہ تین لاکھ روپے سالانہ تھی۔ کرم اللہ خان کے فرزند اسد اللہ امیر آدمی تھے ان کے حالات پردے میں ہیں نہیں معلوم کہ وہ لاہور میں رہتے تھے یا سیالکوٹ میں کہتے ہیں کہ اسد اللہ خان کے فرزند تفضل خان سیالکوٹ میں پیدا ہوئے[1]۔ بعض تذکروں میں ان کی ولادت گاہ لاہور درج ہے۔

لاہور میں تفضل حسین خان نے علومِ متداولہ کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ تیرہ سال کے تھے جب دہلی اور اٹھارہ سال کی عمر میں لکھنؤ آئے[2] اور مولوی وجیہہ الدین و مرزا محمد علی بن خیر اللہ مہندس سے معقولات و ریاضی و منقولات پڑھے۔ بلکھنؤ میں ملا حسن (شارح سلم العلوم) سے استفادے کے لیے حاضر ہوئے مگر اپنی ذہانت اور بحث کی وجہ سے نباہ نہ ہو سکا۔

خان علامہ کے اساتذہ میں شیخ علی حزیں (م ۱۱۸۱ھ) کا نام بہت اہم ہے۔ حزیں عالمِ جلیل اور حکیم بے بدل تھے۔ خان علامہ نے یقیناً ان سے غیر معمولی استفادہ کیا ہوگا۔ آگے بڑھ کر ان کو مختلف زبانوں سے دلچسپی ہوگئی اور انگریزی کے ساتھ ساتھ لاطینی میں قابلیت پیدا کی۔

ان کو نواب سعادت علی خان مولود ۱۱۶۷ھ کی اتالیقی کا عہدہ ملا اور خوش خطی خصوصیت سے خان علامہ نے سکھائی (عماد السعادت) اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ شجاع الدولہ کے زمانے ہی میں شہرت و اعزاز حاصل کر چکے تھے۔ نواب سعادت علی خان کی اتالیقی سے اندازہ ہوتا ہے کہ تفضل حسین خان نواب سے پندرہ سال کے قریب عمر میں بڑے ہوں گے۔ اسی لیے ہیں ۱۱۴۰ھ کے لگ بھگ ان کی تاریخ ولادت فرض کرتا ہوں۔

آصف الدولہ کے زمانے میں تفضل حسین خان سفیر اودھ کی حیثیت سے کلکتے گئے۔ غالباً یہ واقعہ ۱۷۷۴ء کا ہے۔ دس سال تک کلکتے میں رہے پھر نواب آصف الدولہ نے لکھنؤ طلب کر لیا اور وکالت سے سرفراز کیا۔ مؤلف عماد السعادت کہتے ہیں کہ ۱۲۰۱ھ میں خان علامہ کلکتے میں تھے۔ ۱۲۰۳ھ میں راجہ گوبند رام وکیل نواب آصف الدولہ اور خان علامہ وکیل ہوئے۔ لارڈ ہیسٹنگ نے ان سے جنیبی و جبلی پڑھی تھی اس نے نواب آصف الدولہ سے سفارش کی۔ نواب نے محبت کے ساتھ علامہ کی گردن میں باہیں ڈال کر اپنے نمک کا واسطہ دے کر وزارت پر راضی کیا۔ لکھنؤ میں ان کی علمی صحبت غفران مآب مولانا دلدار علی سے رہتی تھی، وہ ایک مرتبہ غفران مآب کے ساتھ الہ آباد میں مولوی برکت اللہ الہ آبادی کے شاگرد مولوی غلام حسین دکنی سے مناظرہ بھی کرنے گئے تھے۔ اس مناظرہ میں خان علامہ کی منطق میں مہارت اور علمی شرف کا سب نے اعتراف کیا تھا۔

۱۱ / ۱۲۱۲ھ میں تفضل حسین خان کو "خانِ علامہ" کا خطاب اور نیابت وزارت اودھ کا منصب

---

[1] رحمان علی تذکرہ علماء ہند و نجوم السماء۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۱۱۰

[2] نزہۃ الخواطر میں دہلی ۱۳ سال کی عمر میں لکھا ہے اور اٹھارہ سال عمر میں ورود لکھنؤ۔

دربار اودھ سے ملا، مگر ان کے علمی مشاغل نے اس منصب پر زیادہ عرصہ تک نہ رہنے دیا۔ انھیں آخر عمر میں نئے علوم اور مغربی سائنس اور فلسفے سے غیر معمولی انہماک ہو گیا تھا، کلکتے اور الٰہ آباد میں انگریزوں سے روابط گہرے ہو چکے تھے اس لیے وہ عہدۂ سفارت اودھ پر دوبارہ کلکتے چلے گئے۔ بظاہر کلکتے میں وہ سیاست و ریاست سے کنارہ کش ہو کر درس و تدریس، مطالعہ و تصنیف و تالیف میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

شوستر کے فاضل سیاح سید عبد اللطیف نے اپنے سفر نامہ "تحفۃ العالم" میں خان علامہ سے ملاقات کا ذکر کیا ہے وہ خان علامہ سے بہت متاثر ہوئے۔ ان کا بیان ہے کہ تفضل حسین خان "ارسطوئے زمان اور معلم ثالث تھے۔ ان کی علم دوستی، معارف پروری، شیریں زبانی، بذلہ سنجی، خوش طبعی، ذہانت و قابلیت دولت و امارت کا سب نے تذکرہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سادہ مزاج اور بے تکلف بھی تھے ان کے گھر پر حاجب و دربان نہ تھے، عیال و اطفال کو لکھنؤ میں رکھا تھا وہ اکیلے رہتے تھے۔

مطالعہ کا یہ عالم کہ رات رات بھر پڑھتے تھے۔ صبح کو پہر دن چڑھے اٹھتے اور ضروریات سے فارغ ہو کر درس شروع کر دیتے تھے۔ ریاضی و منطق و فلسفہ پڑھنے والے آتے اور درس لیتے تھے۔ بعد ظہر انگریزوں سے ملاقات یا دفتری کام انجام دیتے تھے۔ اس کے بعد طلباء آجاتے اور فقہ امامیہ پڑھتے تھے اس کے بعد نماز ظہرین اور کھانے سے فارغ ہو کر فقہ حنفی پڑھاتے تھے۔ مغربین کے بعد پابندی سے مطالعہ کرتے تھے۔

سونے سے قبل موسیقی بھی سننے لگے تھے۔ ان کے موسیقی نواز کا نام محمد پناہ تھا (عماد السعادت) انگریز ان کی بڑی عزت کرتے اور ان سے مستفیض ہوتے تھے۔ خان علامہ مغربی مصنفین کی کتابیں بڑے شوق سے پڑھتے تھے اور اہل علم انگریزوں نے ان سے متعدد انگریزی، لاطینی اور یونانی کتابوں کے ترجمے کروائے۔ یہ ترجمے عربی و فارسی میں تھے۔

لاہور، دہلی اور لکھنؤ کے علاوہ نواب سعادت علی خان کے ساتھ بریلی اور بنارس بھی رہے۔ وہ بنارس سے کلکتے اور گوالیار بھی گئے، گوالیار سے جنرل پالمر انھیں لکھنؤ لائے تھے۔

آخر میں وہ لقوہ اور پھر فالج کا شکار ہوئے اور کلکتے سے مرشد آباد سفر کرتے ہوئے ۱۵ شوال ۱۲۱۵ھ کو انتقال کر گئے اور غالباً بنارس میں دفن کئے گئے۔

شاہ محمد اجمل الٰہ آبادی نے ان کی وفات پر جو قطعۂ تاریخ لکھا تھا اس کے چند اشعار یہ ہیں:

در ہزار و دو صد و دوازدھم   شدہ چوں فضل قادر قدوس
خان عالی مقام و الا جاہ   اشرف النفس و ذوات نفوس

آن تفضل حسین خان یعنی   زدہ بر کشور امارت کوس
نائب آصف زماں گردید   رفت تا منش زہند تا عدروس
آں چناں بندوبست کرد بہ ملک   کہ بہ ملکش نہ ماندہ یک سالوس
بعد چندی بہ ملک مشرق رفت   خور بہ دولت سرائے اوزد بوس
گشت از شرق چوں بجانب غرب   حامی شد مطلع جہاں معکوس
آفتاب شرف غروب نمود   تیرہ تر گشت ایں جہاں عبوس
دو صد و یکہزار و پانزدھم   طالع روزگار شد منکوس
کہ بہ ناگاہ آں عدیم المثل   بسوی ملک آخرت زد کوس
یک جہاں رفت بہر استقبال   عالمی در امید شد مایوس
مثل او گردش زمانہ نہ دید   صاحب ننگ و صاحب ناموس
سر بہ شاگردیش فرو: برو ند،   یکہ تاز اوستاد بطلیموس
در متانت و گر فطانت و فہم   از فلاطوں و دیسقوریدوس
بر زباں بود یاد او ہمہ روم   چہ صراح و صحاح و چہ قاموس
رای مشائیاں و اشراقیین   پیش ایشاں چو رای نامحسوس
داشت او در خزانۂ علم چناں   کہ نہ دیدہ بخواب کیکاؤس
بو علی زمانہ خود بود   علم او پیش علم او چو دروس
صاحب دیں و صاحب اسلام   بے شک و ریب چوں محقق طوس
نیک و بد رانمی گذارد حیف   آہ از گردش سپہر سموس
آں کہ بر تاقم و سمور نشست   دارد از خاک گور ہی ملبوس
گر بہ پرسند سال تاریخش   با سر حیف و غم بگو افسوس

خانِ علامہ، خاندانی امیر تھے، خود بھی ریاست و امارت کے مالک تھے۔ وفات کے بعد اور املاک کے علاوہ نو لاکھ روپیہ نقد چھوڑا جس میں سے چھ لاکھ روپے ان کے فرزند نواب تجمل حسین خان اور تین لاکھ روپے ان کی دختر کے حصے میں آئے۔ نواب سعادت علی خان کے زمانے میں ساٹھ ہزار روپے سالانہ کی جاگیر بھی عطا ہوئی تھی۔ (طلسم ہند ص ۷، ۳۴)

تلامذہ: متعدد شہروں میں ان کے شاگرد تھے۔ لیکن آخری دور چونکہ کلکتہ میں گذارا اس لیے تلامذہ کی فہرست نہیں

معلوم البتہ چند شاگردوں کے نام یہ ہیں: • نواب سعادت علی خان (آف اودھ متوفی ۱۲۲۹ھ)
• نواب فریدالدولہ وزیر شاہ عالم بادشاہ علم نجوم وریاضیات پڑھنے لکھنؤ آئے تھے۔ متوفی ۱۲۴۴ھ
• مفتی علی کبیر مچھلی شہری (م ۱۲۶۹ھ)

تصانیف: • فقہ وحدیث کی متعدد کتابوں پر حاشیے لکھے۔ • ایلونیوس۔ ڈیوبال اور مسن کے "مخروطات" کی شرحیں۔ • یورپ کے علم ہیئت پر ایک کتاب • جبر و مقابلہ پر دو رسالے۔
• طبیعیات پر ایک کتاب۔

یہ سات کتابیں کچھ عرصے تک شامل نصاب بھی رہیں لیکن جب نصاب سے خارج ہوگئیں تو ان کا وجود ختم ہوگیا۔ • نیوٹن (م ۱۸۲۷ء) کی کتاب

PHILOSOPHIAC NATURALIS PRINCIPIAMATHEMATICA

کا فارسی ترجمہ کیا۔ اور تالیفات وحواشی ومتفرقات کا سراغ نہیں ملتا۔

اولاد: نواب تجمل حسین خان جو کرۂ ابوتراب خان لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ان کی یادگار میں ان کا بنا کردہ امام باڑہ اور وقف اب تک باقی ہے۔ اور غالباً اولاد بھی ہے۔ • ایک دختر

(• نزہتہ الخواطر جلد ۷ ص ۱۰۹ • ترجمہ تذکرہ علماء ہند ص ۱۴۰
تحفتہ العالم ص ۲۸۶ ۔ نجوم السماء ۳۲۵ ۔ تذکرہ علماء ہند ۳۶ ۔ تذکرہ بے بہا
المعارف لاہور اکتوبر ۱۹۷۲ء نیز نواب سید محمد علی خان کی تالیف حیات علامہ تفضل خان در انگریزی "درائل ایشیاٹک سوسائٹی جنرل ۱۹۰۴ھ۔)

تفضل حسین : ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء
۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۸ء

مولوی کرامت علی صاحب فتح پور بسواں ضلع بارہ بنکی بھارت کے تعلقہ دار اور وقف حسنیہ ہگلی کے متولی تھے۔ ان کے فرزند تفضل حسین صاحب ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوئے اور رئیسانہ طور پر نشو ونما اور تعلیم وتربیت حاصل کر کے لکھنؤ آئے اور اس مرکز علم میں امیرانہ انداز سے رہ کر اور اساتذہ سے علوم متداولہ حاصل کیے۔ مولوی نعمت اللہ صاحب کو اٹھارہ سال تک دو سو روپیہ ماہوار دے کر علوم عقلیہ کی تکمیل کی۔ پندرہ سال تک جناب علیین مکان سید حسین صاحب سے علوم شرعیہ اور جناب مفتی محمد عباس صاحب سے علوم ادب وغیرہ میں تلمذ رہا۔

ذہین، ذکی، محنتی اور طالب علمانہ ذوق تھا۔ اساتذہ کے احترام کا یہ عالم تھا کہ مولوی نعمت اللہ صاحب

سے ان کے گھر پڑھنے جاتے تھے ———— ایک مرتبہ مولوی صاحب نے آپ کے ملازم کو کتابیں لیے ہوئے دیکھ لیا خادم سے کہا "تو ہی پڑھ لیا کر۔ ہم اسی کو طالب علم جانتے ہیں جس کے پاس کتاب ہو" اس کے بعد ایک ماہ تک شیخ صاحب، مولوی صاحب کے پاس حاضر ہوتے رہے مگر مولوی صاحب نے سبق نہ دیا جب مولانا سید حسین صاحب قبلہ نے سفارش کی تو خطا معاف ہوئی۔

قابلیت کا یہ عالم تھا کہ اعلیٰ درجے کے طلباء آپ سے درس لیتے تھے۔ ریاست اور اعزاز یہ تھا کہ بڑے بڑے امراء وحکام ادب سے حاضری دیتے تھے۔ تقدس یہ تھا کہ لوگ اصرار کرتے تھے مگر نماز نہ پڑھاتے محتاط وعلم پرور تھے۔ طلباء کو وظائف وخرچ وقیام وطعام دیتے تھے۔

معاصر علماء سے نجف کے طرز پر مباحثات کرتے تھے۔ علماء آپ کا احترام کرتے تھے۔ جناب محمد ابراہیم صاحب قبلہ جناب اہامیر مرحوم سے بڑے دوستانہ مراسم تھے۔ تیزی کے باوجود علما کی شان اور طلباء سے محبت تھی۔ ریاضی میں یکتائے زمانہ مانے جاتے تھے۔ فتح پور میں خاندانی عزاخانہ تھا جس کی ازسرنو تعمیر کرائی تھی۔ اربعین میں بہت بڑی بڑی دس مجلسیں ہوتی تھیں، خود تحت اللفظ مرثیہ بھی پڑھتے تھے۔

مختلف موضوعات پر کتابیں اور حاشیے تحریر کیے مگر اشاعت وشہرت سے پرہیز کیا۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست بڑی اہم ہے مثلاً:

معتمد الدولہ آغا میر صاحب وزیر اودھ، جناب باقر العلوم سید باقر صاحب فخر الحکماء سید محمد جعفر صاحب، مولوی شیخ فدا حسین صاحب پروفیسر علی گڑھ کالج، حکیم میاں سید فضل علی صاحب۔ علامہ سید مرتضیٰ شاہ صاحب، جناب سید علی نقی صاحب، جناب سید محمد تقی صاحب جائسی، جناب نواب مہدی حسن خان بہادر، فتح نواز جنگ بہادر بیرسٹر حیدرآباد دکن۔

آپ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی اور اپنے امام باڑے میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات ۴ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ ہے۔

اولاد: • مولوی ابوجعفر صاحب عرف منے صاحب • مولوی ابوالقاسم صاحب • مولوی حکیم ابومحمد صاحب
(بے بہا ص ۱۰۲)

تفضل حسین سنبھلی : ۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۱ء
۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء

مولانا حاجی تفضل حسین خلف میر حیدر علی سنبھلی (ضلع مرادآباد) وطن کے علاوہ دہلی ولکھنؤ میں درس لیا۔

اور جناب قاری جعفر علی صاحب جارچوی۔ جناب علیین مکان مولانا سید حسین صاحب مفتی محمد عباس صاحب سے خصوصی طور پر تلمذ تھا۔ جید الاستعداد، فاضل، فقیہ، ادیب، زاہد، متقی تھے۔ تعلیم و تدریس سے شغف تھا۔ آخر میں تو یہ بھی ہوا کہ جب آپ سوار ہو کر نکلتے تو طلبا کو راستے میں سبق پڑھاتے جاتے تھے۔ ہیئت و ریاضی و ادب و طب پڑھانے میں شہرت رکھتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مراد آباد، گورکھپور اور کانپور کے گورنمنٹ اسکولوں میں استاد رہے۔ پھر بجنور و دھرم دون میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہو گئے تھے۔

ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ وقت ضائع کرنے سے پرہیز تھا۔ رحم دلی کا یہ عالم تھا کہ گھوڑے کو قمچی ملنے کی ضرورت ہوتی تو رکاب میں اپنے پیر کے جوتے کی نوک پر قمچی لگاتے تھے۔

احتیاط و پابندی طہارت، لقمۂ طیب اور حلال نوش فرماتے تھے۔ اگر نجس یا مشتبہ خوراک ہوتی تو چٹنی سے روٹی کھانے میں تکلف نہ تھا۔

خوفِ خدا کا یہ حال کہ ایک دوست نے ڈپٹی انسپکٹری کی مبارکباد دی تو آپ نے فرمایا، کیا مبارکباد ہے۔ پیشِ خدا اور حساب زیادہ ہو گیا۔

قبولیتِ دعا کے بارے میں آپ کے فرزند اکبر کہتے تھے۔ سفرِ حج میں ہم رکاب تھے۔ راستے میں طوفان آیا۔ تمام مسافر ہلکان ہو گئے۔ آپ نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا فرمائی۔ دعا کے فوراً بعد طوفان رک گیا۔ تمام مسافر اس کیفیت کو دیکھ کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ سب نے دست بوسی کی۔

خدا نے زبان میں اثر دیا تھا جس کو نصیحت فرماتے وہ اس کی تعمیل کرتا تھا۔ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ کو ہاپوڑ میں رحلت کی۔ صاحبِ تکملۂ نجوم السماء نے متعدد قطعات کی تاریخ لکھے ہیں لیکن بے بہا میں سنہ ۱۳۱۰ھ لکھ کر نواب جعفر علی خان کا قطعہ نقل کیا۔

مکین قصبۂ سنبھل جناب علامہ ۔۔۔ فقیہ آلِ نبی عالم علوم ادق
بشد بماہ مئی بست و ششم زدار فنا ۔۔۔ جناں مقام تفضل حسین محب حق
بگو جہاد دوم بست و ہفت از ہجری ۔۔۔ ہزار و دو صد و ہشتاد و نہ برائے طبق

صحیح تاریخ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ ہی ہے۔

تصانیف: حاشیہ شرح لمعہ (۱۸۵۷ء میں تلف ہو گیا) عربی

اولاد: • حکیم سید حسن صاحب امام جمعہ و جماعت کان پور تھے۔ • محمد سبطین صاحب جو حیدرآباد میں رہے۔

تلامذہ: • نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ • مولوی مظفر علی خان مراد آبادی • مولوی سید علی حسن صاحب نوگانوی۔ • مولوی سید حسین صاحب امروہوی۔ • مولوی سید علی رضا صاحب ساکن کنندکی موصوف کلام و فلسفہ و ریاضی کے ماہر تھے۔ • مولوی علی حسن صاحب ساکن سنبھل مناظرہ و فقہ میں توغل تام رکھتے تھے۔ • سید زندہ علی ساکن جھالا ضلع بجنور۔ (تکملۂ نجوم السماء ج ۱ ص ۱۴۹ و بے بہا ص ۱۰۰)

(ج) جان محمد، (چھوٹے میاں)

۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء

چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں، قصبۂ مبارک پور اعظم گڑھ میں جن اساتذہ نے تعلیمی ترقی میں سب سے زیادہ کام کیا وہ ہیں مولوی جان محمد صاحب چھوٹے میاں، ان کے قائم کردہ مدرسے میں شیعہ سنی طلبہ سب پڑھتے اور مولوی صاحب ہر ایک سے وہ سلوک کرتے تھے کہ طلبہ ان سے بدل و جان محبت کرتے اور زندگی بھر ان کے احترام و تلمذ پر فخر کرتے تھے۔ ان کی روحانیت و تقویٰ کے سب معترف تھے۔ انھوں نے قصبہ میں قرآن مجید کی تعلیم کو عام کیا اور اپنے بچوں کو علوم دین کا ایسا درس دیا کہ اب تک ان کی اولاد میں علما موجود ہیں۔

چھوٹے میاں جان محمد کے پوتے مولانا الحاج شیخ جواد حسین صاحب صدر الافاضل، مبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ ایک مدت دراز سے پنجاب و سرحد میں تبلیغ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

موصوف نے اپنے قصبے میں بھی علمی یادگار قائم کی یعنی ۱۹۲۹ء میں مدرسۂ باب العلم قائم کیا جو اب تک باقی ہے۔ مولانا جواد حسین صاحب ابھی نومبر ۱۹۷۷ء میں مبارک پور گئے اور وہ وہاں سے "شجرۂ مبارکہ یعنی تذکرہ علما مبارک پور" لائے اور کتاب مجھے مستعار دی۔ اس کتاب میں ہے۔

مولوی جان محمد صاحب نے ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۱ھ کو وفات پائی۔ ان کی قبر قصبے کے پچھم، پنچ شاہ کے روضے کی جنوبی دیوار کے مغربی گوشے میں ہے، قبر کے سرہانے بڑا سا پتھر نصب ہے جس پر لکھا ہے:

"تاریخ از تصنیف جناب مولوی سید محمد صاحب دام ظلہ"

مولوی جان محمد کہ نظیرش بجہاں ۔۔۔ چشم گردوں ہمہ دید و ہمہ دانست محال
عالم و معدنِ اخلاق و عزیز دو لہا ۔۔۔ زاہد و عابد و دیں پرور و بوذر بمثال
یک جہاں شاہدِ فضلش ہمہ خاص و ہمہ عام ۔۔۔ در کمالش بکسی ہیچ نہ قیل است و نہ قال
بود بست و دوم از ماہ جمادی الاولیٰ ۔۔۔ کرد آہنگ سفر جانب رب متعال
یا الٰہی بجناں مسکن طیب باشد ۔۔۔ این دعا از من و آمین ز سمک تا بہلال
آخر این مصرعِ تاریخ بقبرش بنوشت ۔۔۔ شد بفردوسِ جناں راہ نما پیمبرِ آل

۱۳۱۱ھ

جان محمد (بڑے میاں):

حدود ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء

مولوی جان محمد، بڑے میاں صاحب مبارک پور کے مشہور مدرس تھے۔ حسن علی فاروقی نے واقعات و حادثات میں مرزا ولی بیگ کے بارے میں لکھا ہے۔ "مرزا ولی بیگ تھانے دار مبارک پور نے سات برس

تک بڑے کرّوفر سے نظامت داری کی، اور تاریخ ۲۶ صفر شب جمعہ ۱۲۵۶ھ میں انتقال کیا۔ ان کی تاریخ مولوی جان محمد صاحب ساکن محلہ شاہ محمد پور من محلات قصبہ مبارک پور نے کہی۔

در کشور انصاف ولی بیگ در آمد — در خلق خدا منبع فضل و ہنر آمد
از دار فنا رفتہ سوئے منزل فردوس — تاریخ وفاتش "بغم و درد" بر آمد

۱۲۵۶ھ
(شجرۂ مبارکہ ۱۲۱)

جعفر، دہلوی : حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

مولانا سید جعفر عرف ابو علی خان موسوی بنارسی دہلوی، جناب مفتی محمد قلی خان صاحب کے معاصر، تاریخ و رجال و حدیث و مناقب اور فارسی ادب میں مہارت تھی۔

مولانا اعجاز حسین صاحب کنتوری نے "کشف الحجب والاستار" میں لکھا ہے :

"شفاء المسلمین بالفارسیہ، لشرف الدین الاخباری، زین الابرار نقاوۃ الاماثل، الموفق بجلائل الشمائل السید المعروف بابی علی خان الموسوی البنارسی ثم الدہلوی"

اُس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا سید جعفر اخباری المسلک ہونے کی بنا پر حدیث سے شغف رکھتے تھے۔ بنارس وطن تھا۔ بنارس سے دہلی چلے گئے اور اپنے معاصر عبدالعزیز صاحب کی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ کے نویں اور دسویں باب کا جواب لکھا۔

شرف الدین ابو علی صاحب کی کتابیں لکھنؤ کے کتب خانہ ناصریہ کھجوے میں موجود محفوظ ہیں۔

تالیفات : شفاء المسلمین ردّ تبصرۃ الایمان سلامت علی بنارسی۔ ٭ تکسیر الصنمین، جواب باب دہم تحفۂ اثنا عشری۔ ٭ مہجۃ البرہان ردّ باب نہم تحفہ۔ ٭ معین الصادقین جواب رجوم الشیاطین۔ یہ کتابیں اکثر فارسی میں ہیں۔ (تکملہ نجوم السماء ج ۲، ص ۲۲۷)

جعفر، مرزا، حکیم : ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء

حکیم جعفر مرزا صاحب خلف حکیم علی صاحب لکھنؤ کے رہنے والے عالم و فاضل معقولات و منقولات بزرگ تھے۔ متعدد حضرات نے آپ سے درس لیا۔ لکھنؤ میں مشہور تھا حکیم آدھا مجتہد ہوتا ہے۔ یعنی مستند حکیم وہ تھا جو فقہ و حدیث میں بھی اتنی دسترس رکھتا تھا جیسے کوئی عالم۔ حکیم مرزا جعفر بھی اسی قسم کے افاضل میں شمار ہوتے ہیں۔ میں نے اس قسم کے بزرگوں میں حکیم احمد حسن صاحب، حکیم مرزا علی محمد عرف آغن صاحب کو دیکھا جو فقہ و حدیث میں صاحب کمال تھے۔ حکیم منے آغا صاحب فاضل منطق و فلسفہ کے استاد و مدرس تھے۔ حکیم منے آغا صاحب آفتاب علم تجوید و قرأت کے عالم تھے۔ حکیم جعفر آخر ماہ محرم ۱۲۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ (نزہتہ ج ۷، ص ۱۱۷)

جعفر، بحرانی : ۱۰۸۰ھ / ۱۶۶۹ء

حجۃ الاسلام مولانا شیخ جعفر بن کمال الدین عربی النسل، بحرین کے اکابر علما میں تھے۔ علم کے ساتھ عمل سے آراستہ اور کمالاتِ باطنی کے حامل تھے۔ نورالدین علی بن علی عاملی اور علی بن سلیمان بحرینی سے تلمذ تھا۔ ان کے دوسرے رفیق شیخ صالح بن عبدالکریم کرزکانی بھی اوصاف اخلاق کے مالک تھے، دونوں نے بحرین سے ہجرت کی ایک صاحب شیراز چلے گئے اور شیخ جعفر حیدر آباد آئے اور یہاں شہرت و عظمت کے عروج کو پہنچے۔ آپ کا گھر علما و طلبا کے لیے چشمۂ علم و دولت تھا۔

جناب حر عاملی نے شیخ جعفر کو مکہ مکرمہ میں دیکھا تھا گویا شیخ جعفر نے حجاز میں بھی تحصیل علم کی تھی۔

جناب سید علی خان مدنی، صاحب سلافۃ العصر آپ کے شاگرد اور آپ سے صاحب اجازہ تھے، سید علی خان نے ۱۰۶۸ھ میں ان سے "منا" میں ملاقات کا واقعہ لکھا ہے۔ (سلافۃ العصر ص ۴۵۵)

جناب شیخ جعفر نے بقول شیخ یوسف ۱۰۸۰ یا ۱۰۹۱ھ میں وفات پائی اور حیدرآباد میں دفن ہوئے۔

(٭ لؤلؤۃ البحرین ص ۷۰۔ نجوم السماء ۸۵۔ امل الآمل ج ۲ ص ۵۳۔ اعیان الشیعہ بے بہا ص ۱۰۸ نزہتہ ج ۵۔ روضات الجنات ج ۲ ص ۱۹۲)

جعفر حسن، بدایونی : ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء — ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء

مولانا علی حسین صاحب کے فرزند مولانا جعفر حسن صاحب بدایون میں بتاریخ ۱۲۴۰ھ پیدا ہوئے

ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کر کے لکھنؤ گئے۔ لکھنؤ کے مختلف اساتذہ سے استفادہ کر کے مولانا سید حسین صاحب سے تکمیل فقہ و اصول کے بعد، خدمتِ دین شروع کی۔ مکہ و مدینہ، نجف و کربلا اور عرب و عجم کے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے ساتھ ساتھ تفسیر و حدیث، فقہ و اصول میں مراحل کمال تک پہنچے۔

آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی اور جناب آیۃ اللہ حسن آل یٰسین رحمہا اللہ سے اجازات پائے۔

مولانا جعفر حسین صاحب نے متعدد مدرسے بنائے جن میں میران پور اور نوگانوے کے مدرسے مشہور ہوئے۔ مظفر نگر میں ایک پریس قائم کیا اور اخبار الصادقین نامی اخبار جاری کیا۔

آپ نے تیرہ حج اور زیارتِ مدینہ کا شرف پایا اور گیارہ مرتبہ عراق و ایران کے مشاہدِ مشرفہ کی زیارت کی۔ جلالی ضلع علی گڑھ میں ۲ شعبان ۱۳۳۲ھ کو رحلت کی اور وہیں آسودۂ لحد ہوئے۔

تلامذہ: • مولانا سید ظہور حسین صاحب قبلہ • مولانا سید محمد حسین مؤلف تذکرۂ بے بہا۔
• مولانا شیخ اعجاز حسن فرزند وغیرہ۔

جعفر حسین محمد آبادی لکھنوی :

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء
۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء

استاذ العلما مولانا احمد علی صاحب محمد آبادی (دیکھیے احمد علی) لکھنؤ کے نامور عالم کے فرزند تھے آپ کا نام تھا سید بندہ رضا عرف جعفر حسین صاحب ۹ رمضان ۱۲۶۰ھ تاریخ ولادت ہے۔ لکھنؤ میں اساتذہ و علما سے تحصیل و تکمیل علوم دینیہ فرمائی۔ کئی مرتبہ حجاز و عراق و ایران کے سفر کیے مطالعہ و درس، عبادت و ریاضت کا شوق تھا مدرسہ سلطان المدارس میں پڑھاتے تھے۔

بڑے نورانی صورت، خوش اخلاق، سنی بزرگوار تھے۔ اپنے والد کی صحیح جانشینی کی طویل عمر پا کر ۱۸ شعبان ۱۳۳۲ھ کو لکھنؤ میں فوت ہوئے اور غفران مآب کے امام باڑے میں دفن کیے گئے۔

نفیس کتب خانہ اور متعدد حواشی یادگار چھوڑے۔ (حوالہ: تذکرۂ بے بہا ص ۱۱۷)

جعفر حسین شاہ :

حدود ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء
حدود ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

سید جعفر حسین شاہ بن مولوی سید میر جعفر مرحوم موضع استرزئی پایاں ضلع کوہاٹ میں پیدا ہوئے دینی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر مڈل کا امتحان دیا، ایک مڈل سکول میں ڈرائنگ ماسٹری مل گئی لیکن طبعاً دین دار اور مذہبی ذوق سے سرشار تھے۔ حجۃ الاسلام مرزا یوسف حسین قبلہ مدظلہ العالی سے ۱۹۲۹ء کے بعد، ملاقات ہوئی اور موصوف نے قبلہ و کعبہ سے عربی کتابیں پڑھنا شروع کیں پھر جب قبلہ و کعبہ پاراچنار تشریف

لے گئے تو وہاں بھی فیض یاب ہوئے۔ ڈیرہ اسماعیل خان اور پاراچنار میں مولانا یوسف حسین صاحب سے استفادے نے انہیں بہت دسترس و قوت پہنچائی۔ موصوف خاندانی طور پر پیر و مرشد تھے اور تبلیغ اسلام ان کا خاندانی وتیرہ تھا لیکن پشتو میں ترجمہ عوام میں قرآن مجید کی تبلیغ کے لیے ایک اہم اقدام تھا۔ عربی فارسی انگریزی زبانیں اور مذہب و تاریخ کا مطالعہ اور عرفانیات سے وابستہ ہو گئے۔ زاہد و متقی، صاحبِ اخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ پشتو کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ ان کے مرثیے اور دوسرے اصنافِ سخن کی شہرت تھی۔ آخر چار برس کی مسلسل محنت سے قرآن مجید کا پشتو میں ترجمۂ منظوم مکمل کر لیا۔ یہ ترجمہ چھپ کر شہرت پا چکا ہے۔ سرگند علی نے لکھا ہے کہ جعفر حسین صاحب کا تخلص "ریختونی" تھا جس کے معنی ہیں راست باز، موصوف واقعاً راست باز بزرگ تھے۔ مولانا جواد حسین صاحب نے اپنے مکتوب بنام مؤلف میں لکھا ہے کہ ریختونی کو تاریخ اسلام پر عبور تھا۔ اس کتاب میں جعفر حسین صاحب کا تذکرہ ترجمہ قرآن مجید کی بناء پر درج کیا گیا۔ اتفاق سے جن دنوں مولانا جعفر حسین پشتو میں ترجمۂ منظوم کر رہے تھے اسی زمانے میں محمد نبی بخش حلوائی۔ (متوفی ۱۹۴۴ء) لاہور میں پنجابی نظم میں ترجمہ لکھ رہے تھے۔

(تذکرۂ علماء اہلِ سنت و جماعت لاہور صفحہ ۲۹۰)

مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ کے نزدیک شاہ صاحب کی عمر ستر سال کے لگ بھگ تھی اور ۱۳۶۰ھ کے حدود میں فوت ہوئے۔

جعفر حسین فدوی :

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء
۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۵ء

مولانا جعفر حسین فدوی ہمارے زمانے میں اسلاف کا نمونہ تھے۔ بے حد مقدس، متقی، زاہد، تارک الدنیا، علم دوست، طلبا نواز تھے۔ علوم دین کی تعلیم مکمل کر کے لندن گئے اور وہاں سے پی ایچ ڈی کر کے واپس آئے لکھنؤ یونیورسٹی میں ملازمت ملی۔ کچھ عرصے بعد اپنے ہمدرس مولوی محمد حسین ایم اے کو اپنی جگہ دے کر کرسچین کالج میں لکچرر ہو گئے۔ اچھی تنخواہ ملتی تھی لیکن سب روپیہ غرباء و فقراء و اعزا میں تقسیم فرما دیتے تھے اور خود ۲۵۔۳۰ روپے میں بسر کرتے تھے۔ طلبا کو اخلاق و آداب کا پابند بناتے تھے۔ علم پر ناز، فقر پر فخر تھا۔ ۱۹۵۰ء کے بعد ریٹائر ہو کر کربلاء معلی چلے گئے تھے اپنا تمام روپیہ ایک مسافر خانے پر صرف کر دیا اور خود تمام عمر سادہ طالب علموں کی طرح درس دیتے رہے۔ آخر ۱۹۶۵ء میں تقریباً ستر برس عمر پا کر رحلت فرمائی۔

ڈاکٹر جعفر حسین فدوی بلا کا حافظہ رکھتے تھے۔ متعدد عربی دیوان حفظ تھے۔ ادب و مذہب پر یکساں عبور تھا پوری زندگی تاہل پسند نہ کیا۔ مولوی محمد حسین ایم اے سے غیر معمولی اخوت تھی۔ اپنے استاد علامہ ظہور حسین صاحب قبلہ کا احترام کرتے تھے۔

میری بسم اللہ انہی مرحوم نے کرائی تھی۔ والد مرحوم کے دوست و ہمدرس تھے۔

جعفر علی، جارچوی :

۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۲ء
۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء

مولانا جعفر علی بن سید افضال علی بن رحم علی رضوی ۲ صفر ۱۲۲۷ھ بروز یکشنبہ قصبۂ جارچہ میں پیدا ہوئے۔ دلی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر لکھنؤ پہنچے۔ اگرچہ وہ آخر زمانہ غفران مآب کا تھا مگر آپ کو جناب علیین مکاں سے تلمذ رہا اور اکثر علوم دینیہ انہی سے پڑھے۔ فن تجوید و قرأت میں قاری محمد اصفہانی تبریزی نزیل لکھنؤ سے تلمذ حاصل کیا۔ مشہور و مسلم ہے کہ فن قرأت و تجوید و حسن لحن میں موصوف کا جواب نہ تھا۔ دہلی کی مسجد حامد علی خان میں آپ کا قرآن سننے کے لیے بڑے بڑے سنی امرا و علماء حاضر ہوتے تھے۔ راہ گیر چلتے چلتے ٹھہر جاتے، سننے والے مسحور ہو جاتے۔

سید بہادر علی شاہ (جدّ ذوالفقار علی شاہ) جلال پور جٹاں سے مولوی محمد حسین نے سنا کر لاہور [illegible] میں ایک مرتبہ گزر رہا تھا، مسجد میں اجتماع اور قاری کی صدا سن کر ٹھہرا۔ میں نے آج تک ایسی آواز و قرأت نہ سنی تھی۔ مسجد میں گیا تو معلوم ہوا جعفر علی صاحب قرآن پڑھ رہے ہیں۔

بقول محمد حسین مؤلف تذکرۂ بے بہا، علامہ کنتوری نے اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ: جب موصوف لکھنؤ میں رجب دار تھے تو جناب قاری سید جعفر علی صاحب لکھنؤ آئے۔ جناب ممتاز العلماء کے مکان پر جلسۂ قرأت ہوا جس میں علماء و طلباء نے بکثرت شرکت کی۔ چونکہ خاندان غفران مآب اور قاری صاحب سے پرانے تعلقات تھے۔ اس لیے لوگ شوق سے گئے۔ قاری صاحب نے سورۃ الدھر اور الرحمٰن کی تلاوت کی اور ابتدا السکوں جیسے مشکل مقام کو یوں ادا کیا کہ سب حیران رہ گئے۔ اسی طرح حکیم مشتاق احمد صاحب بار برپری حنفی بھی بہت تعریف کرتے تھے۔ صغیر احمد کے بقول یہ نہ ہی نہیں، ان کی قرأت عربستان میں بھی پسند کی گئی جب مولانا جعفر علی صاحب حج کرنے گئے اور وہاں کے اجتماع قرا میں قرأت کی تو سب دنگ ہو گئے۔

۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں سادات جارچہ جیل خانے بھیج دیئے گئے تو ان میں آپ بھی تھے آپ اپنے ہاتھوں سے ہتھکڑی اور بیڑی نماز کے وقت جدا کر دیتے تھے اور بعد نماز پھر پہن لیتے تھے اور جب سادات جیل خانے سے چھوٹے تو آپ نہایت عسرت میں بسر کرتے تھے اور مومنین نے کچھ آپس میں چندہ جمع کر کے آپ کو دینا چاہا۔ آپ کو بھی معلوم ہو گیا کہ میرے واسطے چندہ کیا جا رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جارچہ چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں گا۔ اسکے بعد اپنے وطن چھوڑ دیا۔ آپ احکام شرعیہ کی پابندی بڑی مستعدی سے کرتے تھے اور مسئلہ شرعیہ کے مقابلے میں کسی برادری وغیرہ کا دباؤ نہ مانتے تھے۔ جناب نواب فضل علی خان صاحب بہادر اعتماد الدولہ رئیس دہلی کے مدرسے میں شاخ شیعہ کے مدرس اول تھے اور مدرسۂ منصبیہ میرٹھ میں بھی مدرس اول ہی رہے تھے۔ لیکن بہت جلد مومنین میرٹھ کی عنایتوں سے تنگ آ کر چلے گئے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ علیگڑھ کالج کے بانی نے آپ کو مدرس عربی بنانا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ آپ حیدر آباد بھی تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں جناب مختار الملک بہادر وزیر دکن تھے مگر بہت جلد وہاں سے بھی تشریف لے آئے۔

محمد حسین صاحب نے اپنے زمانہ لڑکپن میں سنا تھا کہ کوئی کہیں کا سوداگر مالدار عازم زیارات عتبات عالیات ہوا۔ اس نے خواب دیکھا کہ امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ قاری سید جعفر علیؒ صاحب کو ساتھ لاتا۔ موصوف کسی کا نذرانہ قبول نہ فرماتے تھے۔ جس سے وعدہ کرتے تھے۔ اس کے ایفا میں کیسی ہی زحمت ہو، مگر اس کو پورا کرتے۔ محتاط و قانع، عابد و زاہد تھے۔ معمولی غذا اور سالن میں پانی ملا کر نوش فرماتے تھے۔ آپ حج و زیارات سے مشرف ہوئے تھے۔

آغا محمد باقر مدیر "دہلی اردو اخبار" سے اختلافات بڑھے اور دونوں کے حامیوں نے بڑی مناظرہ بازی کی، دونوں پارٹیاں باقری اور جعفری کے ناموں سے یاد کی جانے لگیں۔

مولانا جعفر علیؒ دہلی میں دینی امور میں حرکت و حرارت کے باعث ہوئے۔ ان سے پہلے دہلی میں تقیہ اور خوف کی فضا تھی۔ آپ دہلی کالج میں شیعہ دینیات کے استاد بھی رہے، اور یوں بھی لوگ فائدہ اٹھاتے تھے۔ قرأت کے شاگردوں سے کہتے تھے کہ پہلے سوز خوانی سیکھو (تاکہ آواز سنبھلے اور حرام حلال کے حدود معلوم ہوں) پھر تجوید بتاؤں گا۔

۱۳۱۴ھ کو دہلی میں رحلت کی۔ تلامذہ میں چند مشہور حضرات:

- الطاف حسین حالی • مولوی خدا بخش بڈھانوی • مولوی حسین بخش • مولوی الفت حسین۔
- مولانا سید تفضل حسین سنبھلی • مولوی خواجہ ابراہیم حسین پانی پتی • مولوی عمار علی سونی پتی مفسر
- مولوی علی صغیر مہینی ضلع بجنور • انور علی • برکت علی • محمد حسن • علی حسین۔
- فرزند رشید شمس العلماء قاری عباس حسین صاحب کا ذکر آگے آتا ہے۔

(تذکرۂ بے بہا ۱۱۵۔ • صغیر جعفر جارچوی: غالب اور قاری جعفر علی ماہ نو کراچی فروری ۱۹۶۵ء • نزہۃ الخواطر ۷، ص ۱۱۸)

جمال الدین بن فتح اللہ حیدر آبادی :

حدود ۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۳ء

شیخ فاضل جمال الدین بن فتح اللہ بن سعد الدین شیرازی مختلف علوم میں ماہر تھے۔ حیدر آباد میں آئے اور قطب شاہ کے حکم سے "مصباح کفعمی" کی شرح لکھی۔ گویا عبادات سے خاص شغف تھا بارہویں صدی ہجری

کے آخر میں فوت ہوئے۔ (نزہتہ ج ۵)

جمال الدین محمد بن حسین خوانساری : حدود ۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۳ء

مولانا جمال الدین محمد بن حسین خوانساری ، حیدر آباد دکن کے عالم جلیل جن کی تالیفات میں "مفتاح الفلاح" تالیف علامہ بہاؤالدین العاملی کا ترجمہ متعدد کتب خانوں میں موجود ہے۔

جمال الدین، عاملی : ۱۰۹۸ھ / ۱۶۸۷ء

برصغیر میں جن خالص عرب علماء نے تشیع کی خدمتیں انجام دی ہیں۔ان میں علامہ جمال الدین بن نورالدین بن علی بن ابی الحسن موسوی کا نام بہت اہم ہے موصوف جبل عامل (لبنان) کے باشندے تھے۔اپنے والد علام سے علوم حاصل کیے اور دمشق میں سید محمد حمزہ نقیب الاشراف سے معارف میں فیض پایا۔

علامہ حر عاملی کہتے ہیں کہ عالم، فاضل، محقق، مدقق، ماہر ادیب وشاعر تھے، میرے ساتھ شریک درس رہے۔ دمشق سے اپنے والد کے ہمراہ مکہ مکرمہ چلے گئے۔ وہاں سے الامام احمد بن حسن کے عہد میں وارد یمن ہوئے امام یمن نے ان کی پذیرائی کی اور آپ نے ان کی مدح میں قصیدہ لکھا :

اذا ماجری ذکر البلاد وحسنها	فتلك فروع والغراس هي النخل
وان عدّ ذو فضل ومجد مؤثّل	فاحمد من بين الانام له الفضل
فلاغرو ان قصرت طول مدائحي	ففيّ البعد قصر الفرض جاء به النقل

علامہ جمال الدین مشہد میں بھی رہے۔ ابوالحسن تاناشاہ کے زمانے میں حیدر آباد آئے۔ حیدر آباد میں مرجع افاضل واکابر رہے۔ بادشاہ نے دربار میں اعزاز کیا۔ تاآنکہ عالمگیر نے دکن فتح کیا اور مولانا جمال الدین گوشہ گیر ہوگئے اور ۱۰۹۸ھ حیدر آباد میں رحلت کی۔

امل الآمل میں حر عاملی نے آپ کے آٹھ شعر اور اپنے عم محترم کی مدح میں دو قصیدوں کے پانچ چھ شعر اپنے نام ایک منظوم خط اور ایک اپنے منظوم خط کے بیالیس اشعار میں سے بائیس شعر نقل کیے ہیں۔ جن میں سے چھ شعر یہ ہیں :

أتقبل ارضاً شرفتها نعاله	واهدی بجهدی كل ما ذكرناه
من المشهد الاقصی الذی من توی به	ینل فی حماه كل ما يتمناهُ
الی ماجد تعنوا الانام ببابه	فتدرك ادنی منه واقصاه
واضحی ملاذاً للانام وملجاءً	يخوضون فی تعريفه كلما فاهوا
فتیً فی يديه اليمن واليسر سوریٰ	فلليمن يمناهُ ولليسر يسراه
جناب الامير الامجد الندب سيدی	جمال العلی والدين ايده الله

ل نزہتہ ج ۵ یہ شعر امل الآمل و اعیان میں نہیں ہیں صاحب نزہتہ نے خلاصۃ الاثر سے سات شعر نقل کیے ہیں)

(ترجمہ) بعد سلام...... میں اس زمین کے لوازم احترام ادا کرتا ہوں ، جہاں آپ کے قدم پہنچے۔ اس مشہد مقدس سے جہاں کا رہنے والا اپنی ہر تمنا حاصل کرتا ہے۔ اس بزرگوار کے نام جس کی ذات عوام کے لیے ملجا و ماوا ہے۔ جب بھی کوئی لب کشائی کرتا ہے تو آپ کی تعریف کرتا ہے۔ وہ جواں مرد جس کے دونوں ہاتھوں میں لوگوں کے لیے برکت و فارغ البالی ہے جس کا داہنا ہاتھ برکت اور بایاں ہاتھ دولت کی بارش کرتا ہے یعنی جناب امیر الامجد الندب محترمی جمال الدین ایدہ اللہ کے نام (یہ خط صفر ۱۰۷۶ھ کو لکھا گیا ہے)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب جمال الدین ۱۰۷۶ھ میں وارد حیدر آباد ہو چکے تھے (غالباً) اور یہاں عزت و مرجعیت کے مالک تھے۔ جناب حر عاملی ۱۰۳۳ھ میں پیدا ہوئے اور تاریخ وفات ۱۱۰۴ھ ہے۔ وہ خود شیخ الاسلام اور محدث بزرگ تھے۔ اتنے بڑے آدمی کی طرف سے مدح کے اشعار پڑھ کر خیال ہوتا ہے کہ جمال الدین جناب حر عاملی سے عمر میں بھی بڑے تھے اور مرجعیت و احترام بھی زیادہ رکھتے تھے۔

حر عاملی کہتے ہیں کہ جمال الدین کے اشعار کی تعداد بہت ہے ان میں معمے وغیرہ بھی ہیں اور بہت سی کتابوں پر حاشیے اور فوائد لکھے تھے۔ (امل الآمل ج ۱ ص ۵۴ ۔ ● نجوم السماء ۔ تذکرہ بے بہا ● نزہتہ الخواطر ج ۵ ● لؤلؤۃ البحرین ص ۹۴)

جواد حسین، امروہوی : حدود ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء

مولانا سید جواد حسین صاحب مرحوم عربی و فارسی زبان کے بے مثل ادیب تھے۔ سرکار نجم العلماء سے تلمذ تھا۔ ان کے داماد بھی تھے۔ میٹرک اور مدرسہ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کیا تھا۔ درسیات میں کمال تھا۔ بہت منکسر مزاج اور مقدس تھے۔ (میری سرگزشت ص ۶۲)

جواد علی مرزا، لکھنوی : ۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۰ء — ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء

فاضل تحریر، تقدس انتساب محقق مدقق مجمع الفضائل والفواضل زبدۃ الاماثل ذکی لوذعی علامی فہامی مولانا

جواد علی لکھنوی اپنے عہد کے بہت بڑے عالم تھے۔ جناب غفراں مآب کے تلامذہ میں جلالت علم و عمل کے لحاظ سے بہت محترم تھے۔
مختلف کتابوں پر حاشیے لکھے۔
شوال ۱۲۵۸ھ میں بمقام لکھنو وفات پائی (تکملہ نجوم ج ۱ ص ۲۹۰ نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۱۲۵ ۔ بے بہا ص ۱۱)

جواد علی بن سید اولاد علی :

۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۵ء
۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹ء

سید عاشق علی دہلی میں شاہی طبیب تھے ان کا کوچہ عاشق دہلی میں مدتوں آباد رہا۔ حکیم عاشق علی صاحب کے فرزند مولوی نادعلی صاحب کے بیٹے علی بخش ان کے بیٹے اولاد علی صاحب ہیرۂ ضلع فتح پور ہنسوہ کے سادات سے تھے۔ مولوی اولاد علی کے فرزند مولوی جواد علی نے ۱۲۳۱ھ کو دنیا میں قدم رکھا۔ دس سال کے ہوئے تو والد نے رحلت کی۔ گردش زمانہ سے تنگ آ کر سواروں میں نوکری کر لی۔ ایک روز کسی انگریز نے آپ کا وطن دریافت کیا۔ موصوف نے کہا ہیرۂ ہیرے کا نام سنتے ہی پوچھا کہ نادعلی اور عاشق علی جہاں کے باشندے تھے؟ موصوف نے کہا وہ ہمارے اجداد میں تھے۔ انگریز نے کہا ایسے باپ دادا کا فرزند اور سواروں میں نوکر ہو۔ اس بات نے آپ پر اثر کیا اور آپ چپکے سے لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ لکھنؤ میں علوم متداولہ میں کمال حاصل کر کے ناموری پائی۔ آپ کے اساتذہ یہ تھے:

- ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب • مفتی محمد عباس صاحب • حکیم سبحان علی صاحب • حکیم بنا صاحب
- حکیم مرزا محمد علی۔

خطیب تھے اور مجالس محرم جناب بادشاہ بیگم کے یہاں پڑھتے تھے اور اسی سرکار کے ملازم تھے۔
عہد امجد علی شاہ (۱۲۵۸ھ - ۱۲۶۳ھ) میں معین مفتی کی حیثیت سے ضلع ٹانڈہ میں متعین ہوئے۔ اوائل عہد واجد علی شاہ میں نوکری چھوڑ کر زیارات کے لیے گئے۔ تین سال بعد وطن آئے۔
۱۸۵۷ء میں انتزاع سلطنت کے بعد وطن چلے گئے اور مطب شروع کیا۔ ۱۲۷۵ھ میں جناب ممتاز العلماء نے مونگیر کے لیے روانہ کیا۔ اکیس روز میں عظیم آباد پہنچے۔ نواب جعفر حسین خان کے مہمان ہوئے۔ نواب علی خان صاحب کو معلوم ہوا تو وہ اپنے یہاں لے گئے۔ چند دن قیام کر کے آپ حسین آباد گئے اور وہاں دینی خدمات انجام دینے لگے۔ آپ کی نفیس تالیف "تحفۂ جوادیہ" (متعدد مرتبہ چھپ چکی ہے) پر جناب تاج العلماء مولانا علی محمد صاحب نے تقریظ لکھی ہے اس کے چند فقرے یہ ہیں:
"اس کے مصنف عالم باعمل، فاضل کامل، سلمان عصر، مقداد دھر، زاہد و عابد، راکع و ساجد، خاشع و خاضع و متواضع، المتفرد بالمعالی، المتوحد بالمعانی، المولوی الاولی جناب المولی سید جواد علی ...... جناب مصنف

زہد و ورع اور تقدس و تقویٰ میں شہرۂ آفاق اور یگانۂ زمانہ ہیں اور کیونکر ایسا نہ ہو۔ حالانکہ از بس پیرو دوست علی اور امین و معتمد ہمارے بزرگوں کے ہیں اور تلمیذ جناب مغفرت مآب علامہ و فہامہ از ہد و اعبد روزگار امام الابرار اعظم معظم جناب سید حسن صاحب طاب ثراہ ...... کے ہیں اور بعض علوم غیر شرعیہ میں جناب مقدس الالقاب وحید زمانہ، فرید یگانہ، سرشار ولائے حیدر کرار، و دلدادہ و جاں نثار ائمہ اطہار، رفیع المقامات صاحب کرامات سید رشید مجید امجد سید ذوالفقار علی صاحب ہمارے جد مادری طاب ثراہ سے تلمذ رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم خود اپنا بزرگ مانتے ہیں"
مولوی جواد علی صاحب ۱۲۹۷ھ میں لکھنؤ تشریف لائے تو علماء نے بڑا اعزاز کیا اور شایان اجتہاد جانا۔ ۱۳۰۴ھ میں فالج ہوا اور ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ میں رحلت کی اور وطن میں حسب وصیت اپنی بنا کردہ مسجد کے پیش دروازے میں سپرد خاک ہوئے۔ (بے بہا ص ۱۱۰)
اولاد: سید عماد الحسن حکیم، ارشاد الحسن • اولاد الحسین • حکیم اولاد الحسین جن کا ذکر گزر چکا ہے۔

جواد : دیکھیے محمد جواد کشمیری

جرار حسین متوفی رجب ۱۳۹۹ھ مولانا جرار حسین وثیقہ اسکول جون پور کے فاضل اور مولانا شبیر حسن صاحب نیز اپنے ماموں مولانا عنایت حسین خان کے شاگرد، مدرس و مقدس و خطیب تھے۔ (مولانا سعادت حسین)

(چ) چراغ علی، شیخ :

حدود ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء

شیخ چراغ علی صاحب اودھ کی شاہی میں مبارک پورہ کے تعلیمی اور مذہبی تبلیغات کے سربراہ تھے انھوں نے قصبے کے پچھم میں ایک شاندار امام باڑہ بنوایا جو شاہ پنجہ کے نام سے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔
چھوٹے سے قصبے میں ڈیڑھ دو سو برس قبل کے جو آثار مل سکے ہیں ان کی روشنی میں مبارک پور پانچ چھ مدرسوں کا قصبہ ہے۔ یہ مدرسے یکے بعد دیگرے عروج و زوال سے دوچار ہوتے گئے۔

- مدرسہ بڑا مکان امام باڑہ رمضان علی۔ • مدرسہ امام باڑہ لال مہتر • مدرسہ بر پشت مسجد مبارک شاہ۔
- مدرسہ چھوٹے میاں صاحب جان محمد • مدرسہ باب العلم جو اب تک باقی ہے۔ (شجرۂ مبارکہ)

چراغ علی صاحب کی طرح شیخ سیف علی صاحب نے بھی ۱۲۰۹ھ کے قریب ایک امام باڑہ بنوایا اور تعلیم و تبلیغ کا اہتمام کیا تھا، ۱۹۷۴ء تک اس امام باڑے کے کھنڈر باقی تھے۔

ⓒ حامد حسین میر : ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء — ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء

برصغیر کے جن علما کی عرب و عجم میں علمی عظمت تسلیم کی گئی ہے ان میں علامہ حامد حسین صاحب قبلہ فردوس مآب کا نام سرفہرست ہے۔ اودھ کے زوال اور ملک کی ابتری کا عہد تھا۔ سیاسی و ذہنی خلفشار نے علمی کام کے لیے فضا خراب کر دی تھی۔ شیعہ اقتدار کو زوال ہوا، لکھنؤ طوفانوں کی آماجگاہ بنا، چھوٹے بڑے ہو گئے۔ نظام درہم برہم ہو گیا۔ شیعوں پر سیاسی اور مذہبی حملے شدت اختیار کر گئے۔ علماء منتشر ہو گئے۔ کتاب خانے لٹ گئے۔ سکون تباہ ہو گیا۔ اس بحران میں مولانا حامد حسین علوم اسلامی کی شمع فروزاں کو دامن میں چھپائے جھگڑوں سے بچائے بیٹھے رہے اور سراپا انہماک بنے کام آگے بڑھاتے رہے۔ انھوں نے وسیع کتب خانہ قائم کیا۔ شیعہ سنی اختلافات پر عظیم الشان دائرۃ المعارف لکھی۔ بحث و تحقیق کی نئی راہ نکالی۔ علوم روایت و درایت کو اجتہاد و فکر انگیز حد تک پہنچایا۔ مناظرہ و استدلال کو نیا آہنگ بخشا اور فن تحریر و اظہار کو نئی روایت عطا کی۔

عبقات الانوار۔ عظیم و ضخیم کتاب ہی نہیں وہ ایک روایت بھی ہے اور درایت بھی۔ وہ ایک شخص کی عظمت و عزیمت کی مثال بھی ہے اور قوم کے لیے سرمایۂ عزت و افتخار بھی ہے۔ جمع و تالیف۔ مباحث و مسائل، ماخذ و مصادر پر گفتگو، وسعت نظر اور استدلال، استخراج نتائج کے نقطۂ نظر سے اسے جس نے دیکھا ہے۔ داد دی ہے۔ فارسی عبارت کا اسلوب، عربی خطبوں کا نہج ایران و عرب کے علماء سے امامت فن کی سند لے چکا ہے۔ بڑے بڑے محدث و محقق، یورپ و ایشیا کے اہل دانش و بینش عبقات کے مؤلف سے استفادہ شرف جانتے تھے۔ اکابر عالم کے خطوط کا ایک دفتر کتب خانہ ناصریہ میں محفوظ ہے جو شائع ہونے کے لائق تھا۔ مگر ملک میں ان نوادر کا قدر دان کون ہے۔

مولانا حامد حسین نے صرف کتابیں ہی نہیں لکھیں بلکہ اپنی مماثل شخصیتیں بھی بنائیں۔ علامہ غلام حسنین کنتوری، علامہ سراج حسین۔ علامہ حسین بخش کرامت حسین۔ علامہ تصدق حسین۔ علامہ ناصر حسین، علامہ عباس حسین۔ علامہ محمد مہدی ادیب ان کے غیر معمولی صحبت یافتہ بزرگ ہیں۔ میری کتاب تفصیل کی متحمل نہیں ہے۔ مجھے دکھ ہے کہ اختصار اس عظیم عالم کے تذکرہ کمال سے مانع ہے۔ مختصر یہ ہے کہ

نیشاپوری سادات کاظمیہ کی ایک فرد وارد ہند ہوئی۔ ان کے فرزند ابو المظفر علاؤ الدین حسین کنتور میں پیدا ہوئے ان کی اولاد اسی علاقے میں پھلی پھولی آباد ہوئی۔ سیاست و ریاست، ملک و ملت کی خدمتوں کے صلے میں جاہ و جلال پایا۔

اسی خاندان کے ایک فرد حامد حسین تھے جن کے فرزند محمد حسین اور ان کے بیٹے محمد قلی حکومت اودھ میں

لکھنؤ میں رہے۔ محمد قلی نے دیکھیے احوال علوم دینیہ میں مرتبہ کمال پر پہنچ کر مفتی کہلائے اور تصنیف و تالیف کی بدولت شہرت عام و بقائے دوام کے مالک ہوئے۔ مفتی محمد قلی صاحب نے تقدس و پاک ضمیری حاصل کی۔ جس زمانے میں وہ میرٹھ کے صدر الصدور تھے: ایک رات انہوں نے خواب میں اپنے جد امجد سید حامد حسین صاحب کو دیکھا، بیدار ہوئے تو ولادت فرزند کی خوش خبری سنی۔ آپ نے اس مولود کا نام دادا کے نام پر رکھا، آپ جن بزرگ کے مکان میں مقیم تھے۔ انھیں آپ سے عقیدت تھی۔ فرزند نومولود کی کرامت کو دیکھ کر موصوف نے اس مکان ولادت اور سہ دری کو امام باڑہ قرار دے دیا۔ اس طرح حامد حسین پیدائش کے بعد ہی سے تاسیس و تعمیر کا باعث بنے۔

آپ کی تاریخ ولادت ۵ محرم ۱۲۴۶ھ ہے۔ کم سنی میں فہم و فراست، ذہانت و ذکاوت ایسی کہ جو دیکھتا تعجب کرتا تھا۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۲۵۲ھ کو بسم اللہ ہوئی۔ ابتدائی اور وسطی علوم متداولہ والد نے تعلیم دیے۔ پندرہ سال کے ہوئے تو والد کا سایہ اٹھ گیا۔ (۹ محرم ۱۲۶۰ھ) ان دنوں آپ لکھنؤ میں تھے اور یہاں ادب مولوی برکت علی حنفی اور مفتی محمد عباس سے معقولات خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ بن سلطان العلماء اور فقہ و اصول سلطان العلماء سید محمد صاحب اور علیین مکان سید حسین صاحب سے پڑھ کر سند لی۔

"مناہج التدقیق" تالیف علیین مکان کا وہ نسخہ اب تک محفوظ ہے جس کو موصوف پڑھا کرتے تھے اس پر زمانۂ طالب علمی کے حواشی دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تحقیق و معلومات و وجودت ذہن کا کیا عالم تھا۔

تفسیر و حدیث، فقہ و اصول، کلام و ادب کے اساتذہ دیکھ رہے تھے کہ سید حامد حسین کی محنت و شوق انہماک و بصیرت قابلیت و عمل روشن مستقبل کی علامت ہے۔ وہی ہوا

تکمیل تعلیم کے بعد اپنے والد کے تالیفات کی ترتیب و اشاعت کی طرف توجہ فرمائی۔ فتوحات حیدریہ — رسالۂ تقیہ — تشیید المطاعن وغیرہ کے بعد منتہی الکلام کے جواب میں استقصار الافحام کی تالیف چھ ۶ جلدوں میں مکمل کی۔ اس کے بعد شوارق النصوص کی تالیف میں حلقے اور قوت استدلال کو عروج پر پہنچا دیا۔

۱۲۸۲ھ میں حج و زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں اکابر علماء اسلام سے ملے، مکہ و مدینہ کے نوادر مخطوطات و کتب کی نقلیں اور ملخص حاصل کیے۔ اس سفر میں نواب تہور جنگ اور مولانا کے عزیز شاگرد مولانا تصدق حسین ساتھ تھے۔ تہور جنگ نے مولانا کی ہمہ گیر شخصیت اور علوم اسلامی کی عظمت سے بہت اثر قبول کیا۔ یہ ہم سفری آگے بڑھ کر حیدرآباد دکن کے نئے علمی ارتقا میں بہت معاون ثابت ہوئی۔ علماء و ادباء و شعراء لکھنؤ و کنتور کی دکن میں پذیرائی اور کتب خانہ آصفیہ کی عظمت میں یہ سفر فال نیک بنا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام پر بڑا اثر رکھتے تھے، مولانا محمد قلی صاحب میرٹھ میں کمپنی کی طرف سے صدر الصدور تھے۔ ۵ محرم ۱۲۴۶ھ کو اسی میرٹھ میں مولانا حامد حسین پیدا ہوئے۔

اس رات کو مفتی محمد قلی صاحب نے اپنے جدِ امجد کو خواب میں دیکھا بیدار ہوئے تو ولادتِ فرزند کی خبر ملی اس لیے آپ نے حامد حسین نام رکھا

جس سہ دری میں آپ کی ولادت ہوئی تھی اس کو مالک مکان نے احتراماً امام باڑہ قرار دیا۔

مفتی صاحب کی شخصیت اور علمی وقار کے سائے میں حامد حسین صاحب کی ذہانت و ذکا بڑھتی گئی۔ خداداد برجستگی و حافظے نے روشن مستقبل کی نشاندہی کردی۔

۱۷ ربیع الاول ۱۲۵۲ھ کو تقریب بسم اللہ ہوئی جس میں آپ نے یہ دعا پڑھی ———

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ رب اشرح لی صدری و یسر لی امری و احلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی۔ رب یسر و تمم بالخیر و ادفع عنی کل ھمیر" (تکملہ)

تقریباً ۱۵ سال کی عمر تک اپنے والد سے پڑھا، مفتی محمد قلی صاحب کی رحلت کے بعد لکھنؤ کے مشہور اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مثلاً • برکت علی صاحب اور مفتی محمد عباس صاحب (سے ادب) • خلاصۃ العلما سید مرتضےٰ صاحب (سے معقولات) سید العلما سید حسین علیین مکان اور سلطان العلما سید محمد صاحب رضواں مآب (سے فقہ و اصول) تمام اساتذہ آپ کی ذہانت و ذکاوت، حافظے اور محنت کی قدر کرتے تھے۔ شرح کبیر پڑھتے وقت آپ کی بحث نکتہ رسی کی مثال تھی۔

سید العلما مولانا سید حسن صاحب قبلہ کی تالیف "مناھج التدقیق" پر مولانا کے حواشی و مباحث دیکھنے والوں نے بتایا ہے کہ وہ طالب علمی ہی میں کمالِ فنِ حکمت پہنچ گئے تھے۔

تعلیم سے فارغ ہو کر آپ نے اپنے والدِ محترم کے تصانیف کی طرف توجہ فرمائی۔ انھیں مرتب کیا، متن کی تصحیح و تحقیق کے بعد یکے بعد دیگرے شائع کیا:

• فتوحات حیدریہ: تصحیح متن کے بعد خاتمے میں جو ادبی شان ہے اس سے مولانا کی اٹھان کی بلندی نظر آتی ہے۔ • رسالۂ تقیہ: تصحیح و ترتیب • تشئید المطاعن: تصحیح و تحقیق محنت و جانکاہی کے ایک عمل کے بعد ان کی اشاعت و طباعت کا اہتمام کیا،

سفر حج و زیارات: ۱۲۸۲ھ، نوجوانی کا عالم تھا، اور شوق مطالعہ و تحقیق کا شباب، اس پر

لہ۔ یہاں سے مسودہ اور کتابت شدہ کتاب خدا جانے کہاں ضائع ہوگئی، زین العابدین تک ستر صفحے کس محنت سے لکھے تھے اور کہاں کہاں سے کن کن کے احوال قلمبند ہوئے تھے اس لیے یہ حصہ دوبارہ لکھ رہا ہوں۔ مرتضیٰ حسین ۱۳ اگست ۱۹۸۲ء

برادر بزرگ مولانا اعجاز حسین صاحب کا ساتھ سونے پر سہاگہ، لکھنؤ سے مکہ مکرمہ تک طالب علم جستجوئے علما، تلاشِ کتب، تحقیق رجال و تتبع حدیث کا سلسلہ رہا، جہاں گئے علما نے استقبال کیا، افادہ و استفادہ کا بازار گرم ہوا، اخذ روایت و نقل حدیث کی بات چلی تو معلوم ہوا سمندر سے سمندر مل گئے، کتب خانوں میں گئے تو کئی کئی دن مطالعہ و نقل و یادداشت میں نگاہ و قلم مصروف عمل رہے، بھائی بھی کتاب شناس و عاشقِ علوم، خود بھی مصنف و صاحب نظر، ہر لمحہ نورانی، ہر آن علمی بنتی گئی۔ شیعہ سنی محققین ملتے تو دم بخود رہ جاتے تھے کہ یہ حافظہ اور یہ مطالعہ؟! رواۃ، طبقات، انساب و اسناد پر یہ عبور، حدیث و جرح و تعدیل میں اتنی مہارت، اللہ اکبر۔ مولانا سمندری راستے سے حج کے لیے چلے، دخانی جہاز جس بندرگاہ پر رکتا، وہ اترتے، کتاب فروشوں سے کتابیں خریدتے اور جہاز پر واپس آجاتے۔ یوں مدینۂ منورہ و مکہ مکرمہ پہنچے تو بے شمار کتابیں ساتھ تھیں، حج کے بعد عراق و ایران گئے تو ذخیرہ اور بڑھ گیا۔

مولانا ضیاء الحسن صاحبؒ موسوی فرماتے ہیں کہ ایک دن مدینۂ منورہ میں ایک عرب نے مجھے روک کر پوچھا کہ تم آلِ سید حامد حسین موسوی سے ہو؟ میں نے کچھ تامل سے اپنا رشتہ بتایا، اور پوچھا کہ آپ مجھے کیونکر پہچانے انھوں نے فرمایا: تمہارے جدِ محترم نے اپنے سفرِ حج کے بعد "عبقات الانوار" نامی کتاب لکھی، جس میں ان مطالعات کی مدد سے اہلِ سنت کے مختلف النوع اعتراضات کے جواب دیے، اور وہ کتاب ہمارے والد کو بھیجی، ہمارے والد نے میر حامد حسین کا جو حلیہ بتایا تھا اس کے خد و خال تمہارے چہرے میں نظر آئے تو بطور قیافہ شناس میں سمجھ گیا کہ تمہارا کا ان سے کوئی تعلق ہے۔

مولانا اعجاز حسین اور مولانا حامد حسین کا یہ سفر عہدِ قدیم کے ان حافظ و محدث حضرات کے سفر کا نمونہ تھا جو صحرا صحرا پھر کر شیوخ و آئمہ فن سے ملتے تھے اور طلب حدیث کی خاطر ہزاروں دکھ اٹھاتے تھے۔ مولانا اس سفر سے جو کچھ لائے اسے "عبقات" کے ذریعہ علما تک پہنچا دیا۔

مولانا کی علمی حیثیت اور لکھنؤ میں ان کا احترام مسلّم تھا، اس سفر کے بعد وہ اسلامی دنیا میں عظمت و احترام کے مالک ہو گئے، مولانا محقق و مصنف بزرگ تھے اور عوامی مشاغل و معاملات کا وقت نہ رکھتے تھے۔ اس کے باوجود ڈاکٹر اسپرنگر مصنف "فہرست کتب خانہ شاہانِ اودھ" اور دوسرے علمی افراد سے روابط تھے۔ انجمن تہذیب کے رکن تھے۔ پورے ملک کے شیعہ کلام و حدیث، فقہ و علوم میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔

مولانا حامد حسین زمیندار و باحیثیت آدمی تھے اس لیے کسی کے دست نگر نہ تھے۔ جو کچھ آمدنی تھی

لہ۔ مولانا سید ضیاء الحسن موسوی سرکار ناصر الملت کے نواسے اور مولانا نجم الحسن صاحب کے فرزند، کراچی میں رہتے تھے، عربی کے بہت بڑے ادیب اور قادر البیان نظم و نثر لکھنے والے ادیب، متکلم و عالم ۱۳۹۸ھ میں وفات پائی۔

سب کتب خانے پر خرچ ہو جاتی تھی۔ پورا وقت نذر تصنیف و تالیف تھا۔ برصغیر میں ہمیشہ اہلسنت کی حکمرانی رہی، ہر دور میں شیعوں نے سیاسی اور جنگی میدانوں میں حکومت کی کمک کی، مگر معاشرتی زندگی میں اور نجی معاملات میں جب بھی بات ہوئی تو بڑے بھائیوں نے چھوٹے بھائیوں کو زک پہنچائی؛ انہیں غیر سمجھا، ان کی توہین کی، لفظ "رافضی" کو "شیعہ" کا مترادف قرار دیا، محمود غزنوی، فیروز شاہ تغلق، جہانگیر اور عالمگیر اور بہت سے سلاطین و امراء و نوابین نے علماء کے قتل و جلا وطنی، شیعہ کتابوں کو جلانے اور مدرسوں کو تباہ کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، خود اکبر کا عہد جسے غیر مذہبی عہد کہا جاتا ہے جسے مورخ کبھی ایرانیوں کا سازشی دور یا ایرانیوں کی بالادستی کا عہد کہتے ہیں۔ اس زمانے میں شیعوں کے خلاف لٹریچر مکے مدینے سے لکھوا کر منگوایا جاتا تھا "الصواعق المحرقہ" اسی سلسلے کی ایک کتاب ہے۔ خود اندرون ملک ہر شخص شیعوں کے خلاف سخت تقریر و تحریر میں مصروف تھا، ملا احمد ٹھٹھوی کے دلیرانہ جواب کو ان کے قتل کا بہانہ بنایا گیا اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ان کی قبر کھود دی گئی، ان کی لاش جلائی گئی اور ملا عبدالقادر بدایونی نے سب وشتم کے کریہہ سے کریہہ الفاظ لکھ کر منتخب التواریخ کو سیاہ کیا۔ شیعوں کو ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا حق نہ تھا۔ حکیم ابوالفتح "نے ہاتھ نہ باندھے تو عبدالقادر نگاروں پر لوٹ گیا۔ عہد جہانگیری میں آگرہ شیعوں کے لیے "اکرہ بلاد اللہ" بن گیا۔ ممالک محروسہ تیموریہ میں شیعوں کی زندگی اجیرن ہو گئی۔ ملا روز بہان کی "ابطال الباطل" اور ابن حجر کی "الصواعق المحرقہ" گھر گھر پھیل گئی، شیعوں کو چیلنج کر جواب دو، شیعہ مذہب کا تمسخر، اور ان کی بے دینی و بے علمی کا طعنہ تھا۔ نوراللہ شوستری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کا جواب لکھا تو جہانگیر کے حکم اور ملاؤں کے فتوے سے اس سید گھر والا اور عالم جلیل القدر کو جام شہادت پینا پڑا۔ یہ دونوں واقعے لاہور اور آگرہ جیسے دارالسلطنت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ملا احمد ٹھٹھوی کی شہادت ۹۹۶ لاہور میں ہوئی اور قاضی نوراللہ شوستری شہید ثالث ۱۰۱۹ھ آگرے میں شہید کیے گئے۔ اس کے بعد شیخ احمد سرہندی متوفی ۱۰۳۴ھ نے ملک گیر سطح پر جو مہم چلائی اس کا ہلکا سا خاکہ ان کے مکتوبات میں موجود ہے۔ انھوں نے شیعوں کے خلاف تشدد کا پرچار کیا، شیعہ علماء پر حملے کیے، ملا مقصود علی تبریزی اور ملا احمد نقی کے نام لکھ کر بہت کچھ کہا، شیخ احمد سرہندی کے دور میں شیعوں نے مجبور ہو کر جواب لکھے اور نواب ابراہیم خان (متوفی ۱۱۲۱) نے لاہور اور سوہدرہ (ابراہیم آباد) میں علماء سے سات جلدوں میں تمام اعتراضات و جوابات کا ایک مجموعہ "بیاض ابراہیمی" تیار کرایا۔ شیخ صاحب کے بعد ولی اللہ صاحب دہلوی نے پھر ان کے فرزند عبدالعزیز صاحب متوفی ۱۲۳۹ھ نے باہمی جھگڑوں کو "تحفۂ اثنا عشریہ" تک پہنچایا۔

عالمگیر سے شاہ عالم تک سیاسی طور پر شیعہ کمزور رہے، اب پھر ملک کو ایک مدبر اور جرنیل کی ضرورت پڑی اور تاریخ نے بیرم خان خاناں کا متبادل نجف خان پیدا کیا، جس نے روہیلے، مرہٹے اور جاٹ جیسے

سرکشوں کو زیر کیا۔ دہلی، آگرہ اور دور دراز علاقوں سے باغیوں کو نکال باہر کیا۔ ذوالفقار الدولہ نجف خان نے ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء میں رحلت کی، ان کے بعد آگرہ و اودھ پر شیعوں کی سیاسی حکومت قائم ہو گئی اس دور میں شاہ عبدالعزیز (متوفی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) نے "تحفۂ اثنا عشریہ" لکھی۔ اب پریس قائم ہو چکا تھا، تحفۂ اثنا عشریہ کی تالیف کے دوران حکیم مرزا محمد صاحب نے دہلی ہی سے جواب لکھنا شروع کیا؛ ادھر کتاب چھپ کر باہر آئی ادھر اس کا جواب "نزہۂ اثنا عشریہ" مکمل ہو کر چھپنے لگا۔ حکیم صاحب ۱۲۳۵ھ میں شہید کر دیئے گئے۔ لکھنؤ آباد تھا، کتب خانے وافر تھے، علماء با اختیار تھے، لہٰذا وہاں اس کا رد عمل شدید ہوا اور متعدد علماء نے جواب لکھ ڈالے، جن میں جناب مفتی محمد قلی صاحب نام بر آوردہ تھے۔ ابھی یہی گرما گرمی تھی کہ ملا حیدر علی صاحب نے شیعوں کے خلاف "منتہی الکلام" کے نام سے ایک اور کتاب لکھ ڈالی۔ مولانا حامد حسین صاحب نے اس کے جواب میں "استقصاء الافحام" قلم بند کی۔ اس کے بعد "عبقات الانوار" کے نام سے ایک مفصل کتاب شروع کی جو نہ صرف تحفۂ اثنا عشریہ کے باب انکار خلافت امیرالمومنین کا جواب تھا بلکہ حدیث و رجال، مناقب و مناظرہ پر ایک جامع انسائکلوپیڈیا ہے۔ اس کتاب نے فن جدل و مناظرہ میں شیعوں کی بالادستی پر مہر ثبوت ثبت کر دی۔

مولانا حامد حسین صاحب قبلہ کی اس کتاب کو دیکھ کر سید مرتضےٰ موسوی علم الہدیٰ کی "الشافی رد المغنی" اور سید نوراللہ موسوی شوستری کی "احقاق الحق" کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ مولانا حامد حسین صاحب موسوی کو قاضی نوراللہ شوستری رحمۃ اللہ علیہ سے خاص محبت تھی۔

۱۲۷۱ھ میں مولانا آگرہ تشریف لائے تو شہید ثالث کے مزار پر حاضری دی۔ یہ مزار ۱۰۱۹ھ سے ۱۱۸۸ھ تک آہستہ آہستہ شیعہ آبادی کے نہ ہونے سے کھنڈر بن چکا تھا۔ ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء میں ذوالفقار الدولہ نجف خان کے زمانے میں سید محمد منصور موسوی نیشاپوری صوبہ دار آگرہ نے دوبارہ اس کی تعمیر کی۔ جناب آیۃ اللہ میر حامد حسین صاحب موسوی نے کم و بیش ایک سو پندرہ سولہ سال بعد اس مزار کی تعمیر و تجدید و آبادی کی طرف توجہ دلائی اور دو سال بعد ۱۲۹۰ھ میں ڈپٹی سید علی نقی صاحب پیرسری کی سرپرستی میں یہ عمارت از سر نو مکمل ہوئی اور ۱۳۶۱ھ کے بعد سے اب تک یہ مقام یکسر بدل کر بہت شاندار آبادی بن چکا ہے۔

جناب حامد حسین صاحب کی ان علمی کوششوں کو دیکھ کر ایک جہان ان کا گرویدہ ہو گیا، علماء ایران و عراق نے انھیں آیۃ اللہ فی العالمین، مجدد ملت، محی الدین حجۃ الحق علی الخلق کے القاب سے یاد کیا، آیۃ اللہ سید حسین طباطبائی یزدی، سید الفقہا سید حسین قمی، مرجع اکبر زین العابدین مازندرانی، محدث اعظم شیخ حسین نوری جیسے اکابر نے ان کو محقق و محدث و حافظ و فقیہ کے بلند ترین اعزازات کا حامل مانا۔

جناب حامد حسین صاحب قبلہ نے اپنی پوری زندگی مطالعہ کے لیے وقف کی، وہ نحیف الجثہ پہلے تھی۔

شب و روز کے مطالعے نے انھیں اور لاغر کر دیا، جم کر بیٹھنے سے ان کو امراض معدہ نے گھیر لیا، کثرت تحریر سے ان کے ہاتھ کمزور ہو گئے، سینے پر کتاب رکھ کر مطالعے سے نشان پڑ گئے مگر وہ پڑھنے اور لکھنے میں کسی قسم کا کمی نہ کر سکے۔

دس ہزار نادر و کمیاب، قلمی اور بخط مصنفین کتابوں کے ذخیرے کو یکجا کیا، یہ کتب خانہ آج بھی لکھنؤ کی آبرو اور علوم اسلامیہ کا بیش بہا خزانہ ہے۔ مولانا نے اس کتب خانے کے ساتھ اپنی اولاد کو اپنا کام بھی سونپا — اور

وفات : ۱۸ صفر ۱۳۰۶ھ / ۲۵ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو اپنے کتب خانے واقع محلہ کھجوہ لکھنؤ میں رحلت فرمائی وفات سے ایک دن پہلے تک تصنیف کا کام کرتے رہے تھے۔ وفات کے بعد جنازہ گھر لایا گیا، اور پورے شہر کی مشایعت میں امام باڑہ غفراں مآب میں سپرد لحد کیے گئے اور آپ کا لقب فردوس مآب مشہور ہوا۔

تصانیف : • استقصاء الافحام (فارسی، مناظرہ چاپ شدہ)۔ • شوارق النصوص (غیر مطبوعہ)۔ • عبقات الانوار، تحفۂ اثنا عشریہ کے باب ہفتم میں جن حدیثوں کے ثبوت کو مسترد کیا گیا ہے۔ عبقات ان حدیثوں کی سند، متن، مفہوم اور استدلال پر مفصل بحث کی جامع ہے۔ علامہ حامد حسین فردوس مآب نے حدیث ولایت، حدیث نور، حدیث طیر اور حدیث غدیر پر سات جلدیں لکھیں جو فارسی میں چھپ چکی ہیں۔ • کشف المعضلات فی حل المشکلات (غیر مطبوعہ)۔ • الدر السنیہ فی المکاتیب والمنشآت العربیہ (عربی، غیر مطبوعہ)۔ • العضب البتار فی مبحث آیۃ الغار اس کا ایک عمدہ خطی نسخہ حاجی داؤد لائبریری کراچی میں ہے۔ • اسفار الانوار عن وقائع افضل الاسفار (سفر نامہ حج و زیارت)۔ • النجم الثاقب فی مسئلۃ الحاجب (فقہ، غیر مطبوعہ) • الذرائع فی شرح الشرائع، (ناتمام، فقہ استدلالی، عربی)۔ • زین الوسائل الی تحقیق المسائل۔ (عربی، فقہ، غیر مطبوعہ) • افحام اھل المین فی رد ازالۃ الغین

یہ ضخیم کتابیں دو دو تین تین جلدوں پر مشتمل ہیں اور کتب خانہ ناصریہ کھجوہ میں محفوظ ہیں۔

عبقات الانوار دو اہم واقعے :

جناب مولانا محمد حسین صاحب نے تذکرہ بے بہا میں رسالہ شیعہ کھجوہ بہار کے شمارہ مئی ۱۹۰۸ء اور جولائی ۱۹۰۸ء کے حوالے سے ایک واقعہ تو یہ لکھا ہے کہ کشمیر (؟) بہادر عبقات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

پشاور میں ملا عبدالحق ہاشمی اہل سنت کے عالم تھے، ان کو تحقیق حق کا شوق ہوا، انتہائے شوق میں کشف حق کی دعا شروع کر دی، ایک دن بعد نماز عشا، کنارۂ دریا جا کر سورۂ مزمل کا عمل اور چلہ کشی آغاز کر دی۔ چالیسویں دن عمل کر کے وہیں لیٹ گئے، آنکھ لگ گئی خواب دیکھا : ایک بزرگ صورت، سفید ریش، جو

سید و ولی اللہ معلوم ہوتے تھے، تشریف لائے اور فرمایا۔ اے عبدالحق! اگر حق کی تلاش ہے تو شیعوں کے مولوی سید حامد حسین کی مصنفات دیکھو۔ مثل آفتاب حق روشن ہو جائے گا"۔ مولوی عبدالحق بیدار، اندھیری رات میں شہر کا رخ کیا اور حاجی ملک رحمان صاحب کے گھر پہنچے، ملک صاحب جاگے، باہر آئے اور ناوقت آنے کی وجہ پوچھی — مولوی صاحب نے معذرت کے بعد کہا: جناب! شیعہ عالموں میں کوئی سید حامد حسین بھی ہیں؟ حاجی صاحب نے فرمایا مولانا سید حامد حسین صاحب لکھنؤ میں علم و فضل میں بڑے بڑے عالموں سے بڑھے ہوئے ہیں، فصاحت و بلاغت میں سب سے کامل، انشا پردازی میں اعلیٰ درجے کے منشی (انشا پرداز) درایت و علم کلام میں بے مثل محققین کے تاجدار تھے۔ مختصر یہ کہ وہ آیۃ اللہ فی العالمین شیعوں کے رئیس اور شریعت کے سردار تھے، اب موجود نہیں"۔ ملا صاحب نے پوچھا: ان کی کچھ تصنیفات ہیں؟ حاجی صاحب نے فرمایا: مناظرہ میں ان کی بہت کتابیں ہیں! ملا صاحب نے کہا: کوئی کتاب مجھے بھی دیجیے کہ کچھ فائدہ اٹھاؤں! حاجی صاحب نے عبقات کی (مجلد) حدیث طیر دی" وہ بہت شکر گزار ہوئے۔ چند روز مطالعہ کیا اور اس سے متاثر ہو کر مذہب حق، شیعہ اثنا عشری میں داخل ہو گئے۔ مولانا حامد حسین صاحب قبلہ، فارسی و عربی کے صاحب کمال ادیب و مصنف، فقہ و اصول کے بالغ نظر مجتہد، منطق و فلسفہ کے ماہر کی حیثیت سے ملک میں مرجعیت رکھتے تھے، سنی افاضل ان سے رجوع کرتے تھے۔ عرب و عجم کے افاضل سے مراسلت تھی۔

آپ بڑے باوجاہت، امیری کی شان اور عالمانہ وقار سے رہے۔ آپ کی تہذیبی اور علمی روایت کو آپ کے بڑے فرزند نے کمال و عروج پر پہنچایا۔

اولاد : • مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ (دیکھیے احوال) • مولانا ذاکر حسین صاحب (دیکھیے احوال) تکملۃ، ص ۲۴، بے بہا ص ۱۳۲۔ • نزہۃ الخواطر۔ • تذکرۂ ناصر الملت۔ • الشہید خاص نمبر آگرہ مارچ ۱۹۶۰ء)

حامد حسین لکھنوی :

حدود ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء
حدود ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

سید حامد حسین بن حسین لکھنوی، مولانا حامد حسین صاحب قبلہ فردوس مآب صاحب العبقات کے شاگرد مقدس و عالم، مناظر، عربی و فارسی میں نظم و نثر پر ماہرانہ قدرت رکھنے والے کتب خانۂ ناصر الملت لکھنؤ کے منتظم علمی شعبہ تصنیف و تالیف کے معاون لکھنؤ وطن تھا۔

حبیب حیدر کنتوری :

۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء
۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء

مولانا الحاج سید حبیب حیدر بن حبیب اللہ موسوی نیشاپوری، کنتوری، خاندان مفتی محمد قلی صاحب

قبلہ سے تعلق تھا۔ ۱۲۵۵ھ میں ولادت ہوئی، خداداد ذہانت اور الہٰی توفیق کی بدولت علوم و فنون میں عجیب طرح سے مہارت پائی، مرزا محمد مہدی صاحب تکملہ نجوم السما میں لکھا ہے کہ کبھی کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہ کیا، کسی سے سبق نہ پڑھا مگر فلسفہ و منطق حتیٰ کہ رسائل و قوانین و ضوابط و شرح کبیر و شرح لمعہ و قواعد علامہ کا درس دیتے تھے اور طلبہ بصد شوق مستفید ہوتے تھے۔

حبیب حیدر صاحب ادب و ریاست و سیاست سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے حلقۂ احباب میں علماء اور رؤسا بھی تھے اور انگریز بھی۔

مولانا سید حبیب حیدر صاحب لکھنؤ کے متمول زمیں دار تھے۔ اپنے زمانے میں لکھنؤ کے عالم متبحر اور بے مثل مدرس مانے جاتے تھے۔ آپ کے درس میں بڑے بڑے طلبا حاضر ہوتے اور اعلیٰ درجے کے طالب علم شاگردی کی آرزو کرتے تھے۔

تعلیم علوم دین کے ساتھ سرکاری ملازمت بھی کرتے تھے اور سب رجسٹرار کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ موصوف نے روضہ خوان اور مرثیہ گو حضرات کو صحیح روایتیں نقل کرنے پر متوجہ کیا۔

تقریباً پچاس برس کی عمر میں وفات پائی۔ مولانا محمد حسین نوگانوی کے خیال میں تاریخ وفات غالباً ۱۳۰۲ھ ہے۔

تلامذہ : چند نام • سید باقر صاحب قبلہ • سید محمد جعفر صاحب قبلہ • جناب مولانا ظہور حسین صاحب بارہوی • سید فدا حسین

تصانیف : • القدریہ • تحقیق درباره علی اکبر شہید • شرح زیارت ناحیہ کبریٰ • رسالہ عطش (عربی مطبوعہ) بنیان الایمان معانی و احتمالات نحویہ لا الٰہ الا اللہ (اردو مطبوعہ) مآخذ: تکملہ نجوم السماء ج ۱ ص ۱۲، بے بہا، ۱۳۲)

حزیں، محمد علی : ۱۱۰۳ھ / ۱۶۹۲ء — ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء

شیخ صفی الدین اردبیلی سلاطین صفویہ کے مرشد شیخ ابراہیم زاہد گیلانی اپنے دور کے بڑے عابد و عالم شیخ زاہد کی سترھویں پشت میں ابوطالب نامی عالم دین بزرگ گزرے ہیں، شیخ ابوطالب کے فرزند تھے۔

محمد المدعو بہ علی (محمد علی) ان کی ولادت دوشنبہ ۲۷ ربیع الثانی ۱۱۰۳ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۶۹۲ء اصفہان میں ہوئی۔ محمد علی چار سال کے تھے، اتفاقاً مولانائے اعظم ملا شاہ محمد شیرازی اصفہان آئے اور اپنے دوست ابوطالب کے یہاں مہمان ہوئے۔ مولانا نے فرزند کی تقریب بسم اللہ کرائی۔ حزیں کہتے ہیں کہ ملا محمد شاہ نے بسم اللہ کے بعد مجھ سے تین مرتبہ یہ آیت پڑھوائی "ربِّ اشرح لی صدری و یسّر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی"

پھر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دعا دی۔ سواد خوانی و خوش خطی اور سادہ کتابوں کے بعد صرف و نحو و فقہ شروع کی۔ منطق پڑھتے ہوئے حزیں نے دلچسپی محسوس کی اور استاد نے آفریں کہی۔ انہی دنوں شعر و شاعری شروع کر دی۔ استاد اور والد دونوں نے روکا مگر چھپ چھپا کر شعر کہتے رہے۔ آخر ایک دن والد سے اجازت شعر گوئی ملی اور شیخ نے باز ادی شاعری شروع کر دی۔

خوش نصیبی یہ ہوئی کہ شاعری نے ذوق طالب علمی اور شوق علم و عمل کو کمزور نہیں کیا۔ اصفہان رشک جہاں تھا، صفوی حکومت نے علوم اسلامی کے چمن کی آبیاری سے شہر شہر میں علم کے مرکز قائم ہو گئے تھے۔ تفسیر و حدیث فقہ و اصول، فلسفہ و منطق، غرض تمام علوم کے ماہر ہر جگہ موجود تھے۔ شیراز، یزد، تبریز، قم، مشہد کا تو کہنا ہی کیا، اصفہان ان شہروں میں یوں تھا جیسے تاروں میں چاند۔ استاذ الکل عندالکل، آیۃ اللہ آقا حسین خوانساری (متوفی ۱۰۹۹ھ) اور الحافظ الجامع محدث علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۱۱۱ھ) کے وجود ذی جود کی بدولت دنیا بھر کے تشنگان حدیث و فقہ اصفہان آنے پر مجبور تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار کا ہر فن کا جمگھٹ تھا۔ ان بزرگوں میں خود مولانا ابوطالب عرفان و زہد، علم و فضل میں مشہور تھے۔ ہر وقت طلبا کا مجمع، دن رات درس کا مشغلہ تھا۔ بڑے بڑے علما آتے جاتے تھے، شیخ نے توفیق خدا اور ذہن رسا سے فائدہ اٹھایا، والد علام سے سفر و حضر میں پڑھا، اصفہان کے اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، طلب علم کے لیے عرب و عجم گئے اور ماہرین علم و فن تلاش کیے اور کاملین روزگار سے دینی و دنیاوی، عقلی، روحانی فیوض حاصل کیے۔ تفصیل کے لیے "تذکرۃ الاحوال" کا مطالعہ مفید ہے۔ مجھے اختصار مانع ہے۔ لہٰذا اسی خود نوشت سوانح سے کچھ اساتذہ اور ان سے پڑھی ہوئی کتابوں کے نام پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس سے اس عہد کا نصاب تعلیم اور اعلیٰ درجے کے علما کا دائرہ اطلاعات معلوم ہوگا۔

اساتذہ : • ملا شاہ محمد سے بسم اللہ پھر آخری درس۔ • آٹھ سال کی عمر میں قاری ملک حسین سے تجوید و فن قرأت میں تلمذ کیا۔ • ملا ابوطالب (والد) سے شرح جامی، شرح نظام، تہذیب، شرح ایساغوجی، شرح شمسیہ، شرح مطالع الانوار، شرح ہدایۃ الحکمہ، حکمۃ العین، تلخیص المعانی، مطول، المغنی، جعفریہ، مختصر النافع، الارشاد، شرائع الاسلام، معالم الاصول، من لا یحضرہ الفقیہ، تفسیر صافی اور سفر لاہیجان میں شرح تجرید پڑھی زبدۃ الاصول اور تشریح الافلاک کا درس لیا۔ • عارف کامل شیخ خلیل اللہ طالقانی سے روحانی تربیت حاصل کی۔ کمسنی کے دن تھے، شیخ ہر روز ایک کاغذ پر ایک نکتہ اور مسئلہ لکھ کر دیتے اور اس کا مطلب بتاتے تھے۔ تین سال ان کی صحبت میں رہ کر تزکیہ و کمال عرفان کا درجہ حاصل کیا۔ شیخ خلیل شاعر بھی تھے اور شاعر نواز بھی۔ محمد علی کو حزیں تخلص انھیں نے عطا کیا۔

عارف کامل شیخ بہاء الدین گیلانی شاگرد میر قوام سے احیاء العلوم، رسائل اصطرلاب۔ شرح چغمینی

والد کا حکم تھا کہ کتب اخلاق پڑھو۔ نو عمری میں اخلاق و صحبت اولیا اور کثرت مطالعہ نے محنت کا عادی کر دیا، شب بیداری و نوافل نے دل کی جوت جگا دی۔ پڑھنا، پڑھانا، مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں زندگی بسر ہونے لگی۔ خوشحال گھر نے کسی کا دست نگر نہ ہونے دیا۔

- مجتہد الزمان آقا ہادی بن ملا صالح مازندرانی سے تہذیب الاحکام کا درس خارج لیا، استدلال و حدیث و رجال پر عبور حاصل کر کے درجۂ اجتہاد پر فائز ہوئے۔
- عم محترم سے خلاصۃ الحساب، کمال الدین فسوی سے تفسیر بیضاوی۔ جمع الجوامع طبرسی، امور عامہ، شرح تجرید۔ • مولانا حاجی محمد طاہر محدث و فقیہ سے "الاستبصار، شرح لمعہ دمشقیہ۔ • قدوۃ الحکما شیخ عنایت اللہ گیلانی سے منطق تجرید و کتب شیخ الرئیس۔ • امیر حسن طالقانی سے فصوص الحکم ابن عربی و شرح ھیاکل النور۔
- حکیم مسیحا سے طب پڑھی۔ • فاضل محقق میرزا محمد طاہر بن میرزا ابو الحسن قائنی سے ریاضی و حکمت۔
- ملا محمد شیرازی سے اصول کافی کا سماع۔ • شیخ الاسلام محمد مسیح مسیحا فسوی (م ۱۱۲۷ھ) سے طبیعات شفا۔ الہیات شرح اشارات۔ حواشی قدیمہ و جدیدہ۔ • مولانا لطف اللہ شیرازی شاگرد ملا محمد محسن فیض سے الوافی اور مباحث رجال و درایت و حدیث پڑھ کر اجازہ مفصل لیا۔ • مولانا العارف محمد باقر صوفی سے تلویحات، اور قانون۔ • مولانا عبدالکریم اردکانی سے نجوم۔ • عارف ربانی شیخ سلام اللہ شولستانی شیرازی سے تجرد و قطع تعلقات کے آداب سیکھے۔ • محی الحکمت محمد صادق اردستانی اصفہانی سے فلسفہ وغیرہ کی مشہور و غیر مشہور کتابیں پڑھیں یہ سلسلہ ۱۱۳۴ھ تک جاری رہا۔ اسی سال موصوف نے رحلت کی۔

اسلامی علوم و ریاضت باطن کے بعد، عیسائی و یہودی و مجوسی افکار کے لیے مختلف افاضل سے ملے۔

- سینٹ آوگس سے انجیل و شرح انجیل و عقائد و اعمال کا علم حاصل کر کے اسلامی عقائد کی برتری سمجھائی
- شعیب ربی سے توریت پڑھی اس کا ترجمہ لکھوایا۔ یہ شخص تیز و فکر سے بیگانہ تھا، بات دسمجھتا تھا۔
- دستور مجوسی سے شیراز کے اطراف میں زردشتی مذہب سے باخبری لی۔ • رستم مجوسی سے کتب مجوس و نجوم و تقویم، ھیئات و رمل و اصول رصد۔ • حویزہ میں صابئیہ کے افکار و عقائد کا مطالعہ کیا۔
- طویل، طویل سفر کیے۔ جن میں لاہیجان، گیلان، قم، مشہد، شیراز، قزوین، بیضا، اردکان، فسا، گازرون، شولستان، جہرم، بند، لار، بندر عباس، عمان، مسقط، بحرین، بندر کنگ، حجاز، بغداد، کاظمین، کربلا، نجف، سامرہ، یمن، منا، لحسا، بصرہ، کوفہ، ہمدان، ٹھٹھہ، ملتان، لاہور، دہلی، عظیم آباد، آگرہ، بنارس قابلِ ذکر ہیں۔

مشاہیر جن سے شیخ نے ملاقات کی :-

شیخ الاسلام علامہ محمد باقر مجلسی، عمدۃ الاعلام میرزا علاء الدین محمد گلستانہ، شیخ الاسلام شیخ جعفر قاضی کرہ ای علامہ شیخ علی۔ مسیح الزمان آخوند مسیحا کاشانی۔ مولانا الحاج ابو تراب۔ مولانا رضی الدین ابن آقا حسین خوانساری مولانا شمس الدین ابن فاضل مجتہد محمد سعید گیلانی۔ فاضل محقق میرزا حسن ابن عبد الرزاق لاہیجی، سید العلما میر ابراہیم قزوینی۔ سید الافاضل قوام الدین محمد قزوینی۔ حجۃ الاسلام جمال الدین (فرزند اکبر آقا حسین خوانساری) متوفی ۱۱۲۵ھ آیۃ اللہ آقا حسین خوانساری۔ مولانا الحاج ابو طالب ابن ابو تراب، حجۃ الاسلام مولانا محمد گیلانی سراب۔ شیخ محمد امین شیرازی۔ مولانا محمد علی سکاکی تلمیذ مولانا شاہ محمود اخوند مسیحا فسائی۔ شیخ الاسلام میرزا احمدی نسابہ۔ میرزا ابو طالب شہرستانی۔ صدر الدین سید علی خان مدنی۔ شیخ الاسلام شیخ محمد بحرینی۔ نجف و کربلا میں۔ مولانا ابو الحسن اصفہانی۔ مولانا نور الدھر گیلانی۔ شیخ یونس۔ سید قاسم نجفی۔

نو عمری میں درجہ اجتہاد حاصل کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی، اس پر طرہ متنوع علوم کا شوق شاعری، عرفان اور علوم فلسفہ و حکمت، مطالعہ و محنت، ریاضت و تصنیف و تالیف نے کمزور کر دیا تھا۔ ایک دن گھوڑے پر سوار تفریح کو نکلے گھوڑے سے گرے اور دائیں ہاتھ کی ہڈی چکنا چور ہو گئی۔ سال بھر تک دکھ میں مبتلا رہے اسی عالم میں ہزار بیت کی مثنوی بائیں ہاتھ سے لکھ ڈالی۔ کچھ عرصے کے بعد جبیح مفاصل نے بٹھا دیا اشتغال تو سیر و گردش کو نکل کھڑے ہوئے۔ نیت تھی حج کی مگر راستے میں لٹ گئے۔ والدین کے حکم سے اصفہان آ گئے۔

- پھر پڑھنا پڑھانا شروع کر دیا۔

۱۱۲۷ھ میں والد اور ۱۱۲۹ھ میں والدہ نے رحلت کی۔ اب گھر میں رہنا مشکل ہو گیا۔ شیراز چلے گئے۔ ادھر چچا نے انتقال کیا اور گیلان کی زمین کچھ تو بزرگوں کی موت سے کچھ روس کے حملوں سے غتر بود ہو گئی۔ حزین تیس برس سے زیادہ کے جوان تھے، گھر کا سکھ دیکھ چکے تھے۔ ریاضت نے توکل و استغنا سے آراستہ کر دیا تھا۔ شادی کی نہ تھی۔ کچھ ایسا عالم ہوا کہ ترک دنیا کی ٹھان لی۔ ملک میں افراتفری تھی۔ افغانوں نے تخت ایران کو تاک لیا اور اصفہان کو دشمن کی نظر کھا گئی۔ پورا ایران شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔

۱۱۳۴ھ میں محمود نے شہر پر حملہ کر دیا، حزین تین ماہ تک خانہ نشین رہے۔ ثانی، دونوں بھائی بھی رخصت ہو گئے، گھر لٹ گیا۔ تو حزین بھیس بدل کر نکلے۔ خوانسار سے خرم آباد آئے۔ بیماری و پریشان حالی کے باوجود طلبہ نے گھیر لیا تو تفسیر بیضاوی، اصول کافی و شرح اشارات جیسے اعلیٰ درجہ کا درس جاری کر دیا اور دو سال تک پڑھاتے رہے۔

اتنے میں ترکوں نے حملہ کر دیا اور ایران ایک اور زلزلے سے دوچار ہو گیا۔ ان ہنگاموں میں صفویوں کی حکومت

ختم ہوگئی۔ امرا، اکابر، علما، اولیا اور دوست عزیز سب مارے گئے۔ خرم آباد دشمن کی زد میں آگیا۔ حزیں نے ہمدان کا رُخ کیا۔ راستے میں روسیوں نے گرفتار کر لیا۔ بمشکل چوٹیں کھا کے بچ نکلے ہمدان پہنچے تو شہر کشتوں سے پٹا پڑا تھا۔ وہاں سے نہاوند سے پھر خرم لوٹے وہ خالی تھا لہٰذا دزفول آئے وہاں سے شوستر میں نورالدین بن نعمت اللہ جزائری سے ملاقات ہوئی مگر قیام نہ کر سکے۔ حویزہ اور حویزے سے بصرے اور بصرے سے حج کے لیے کشتی پر بیٹھ کر آگے چلے مگر وہاں طوفان اور بے سروسامانی نے رخنہ ڈالا۔ یمن کی بندرگاہ مخا میں اترے پھر صحت کے لیے اچھی آب و ہوا کی فکر میں صنعا میں رہے۔ لیکن دوبارہ حویزہ و شوستر و خرم آباد آنا پڑا۔ وہاں چند خادموں کے ساتھ اترے ہی تھے کہ روسی آگئے۔ حزیں ان کی فوج کے ساتھ کرمان شاہ پہنچے، یہاں دو تین رسالے لکھے۔ پھر توی، سرکان اور کوہ الوند کی راہ سے بغداد و کربلا و نجف حاضر ہو کر تین سال گذارے نجف میں سکوں ملا ایک قرآن مجید لکھ کر روضۂ علویہ کی نذر کیا۔ مطالعہ و درس و استفادہ کا موقع تھا۔ دل کھول کے مطالعہ کیا۔ کاظمین و سامرہ و بغداد سے نجف آ رہے تھے کہ مشہد جانے کی نیت ہوگئی، مگر راستے خطرناک لہٰذا کرمان اور کردستان، آذربائیجان اردبیل و گیلان و استار پہنچے وہاں کی دنیا بدل چکی تھی طاعون سے گھبرا کر مازندران سے استرآباد و وہاں سے مشہد مقدس میں حاضری دی۔ شاہ طہماسپ وہاں پناہ گزیں تھے۔ انھیں خبر ہوئی تو مولانا حزیں سے ملنے آئے۔ حزیں کو مشہد میں دوبارہ سکون ملا، انھوں نے ملاقاتوں کے بجائے تصنیف و تالیف کو مشغلہ بنایا۔

صفر ۱۱۴۲ھ کو بادشاہ نے حزیں کو طلب کیا اور حزیں بادشاہی لشکر کے ساتھ چلے، سبزوار پہنچ کر حزیں کو بخار آیا اور دامغان میں طبیعت بگڑ گئی لہٰذا دس دن وہاں قیام کیا، پھر مازندران میں دو ماہ بستر پر گذرے۔ اتنے میں طلبا نے گھیر لیا۔ اصول کافی و من لا یحضرہ الفقیہ والٰہیات شفا و شرح تجرید کا درس دینے لگے — اس کے بعد درس کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔

حزیں مازندران سے تہران اور تہران سے اصفہان آئے۔ یہاں بادشاہ سے ملے۔ اصفہان سے شیراز، لار و بندر عباس پہنچے اور حجاز کے لیے انگریزی جہاز لیا، سورت سے جدہ اور وہاں سے حج کی سعادت سے مشرف ہو کر محرم ۱۱۴۵ھ میں لحسا کے حاجیوں کے ساتھ خشکی کی راہ سمندر اور سمندر سے بحرین و بندر عباس پہنچ کر ایران کے حالات سنے۔ نادر شاہ فتح یاب ہو چکا تھا۔ قرض اور ضعف سے نجات حاصل کرنے کے لیے دو ماہ بندر عباس میں قیام کیا۔ اس کے بعد اصفہان کے ارادے سے لار تک پہنچے، وہاں فوج نے لوٹ مچا رکھی تھی۔ حزیں نے نجف کا ارادہ کیا، اِدھر اُدھر دوڑے مگر جہاں گئے راہِ عراق نہ ملی۔ آخر بندر عباس سے سندھ کا ارادہ کیا۔ انگریزی جہاز والوں سے بات کی انگریزوں کو خبر ہوئی کہ مولانا علی حزیں سندھ جانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے یہاں کے حالات بتائے اور مشورہ دیا کہ یورپ چلے جائیں مگر وہ فیصلہ کر چکے تھے۔ جہاز روانہ ہوا، اور حزیں یکم شوال ۱۰۴۶ھ، ۴؍ فروری ۱۷۳۴ء

کو ٹھٹھہ پہنچ گئے۔

ٹھٹھہ پہنچ کر حزیں کسی سے ملنا نہ چاہتے تھے مگر ایرانی تاجروں کو جو مخدوم شاہان صفویہ اور عالم اصفہان کی خبر ملی تو ٹوٹ پڑے۔ بہر حال دو ماہ قیام کیا، وہاں سے خدا آباد آئے، سات ماہ یہاں بیماری کے عالم میں گذارے اس کے بعد بھکر و ملتان میں ٹھہرے۔ کچھ رسالے تصنیف کیے۔

ملتان میں سیلاب اور اس کے بعد وبا پھیلی تو مولانا بھی زد میں آگئے۔ غموں سے نڈھال، یہاں کے حالات اور وطن کی یاد میں پریشان نہ کوئی نوکر نہ ساتھی، مجبوراً لاہور کا راستہ لیا، تین ماہ میں رو بصحت ہوئے تو دہلی کا سفر شروع کیا دہلی میں ایک سال رہ کر ہمت جوان ہوئی اور مشہد کے لیے کمر بستہ ہو کر لاہور آئے تو نادر شاہ کے حملے اور راستوں کے خطرے معلوم ہوئے۔ مجبوراً لاہور سے سرہند آئے اور وہاں ایک دستہ مسلح سپاہیوں کا تیار کر کے بحفاظت دہلی واپس پہنچے۔ ۹ ذی الحجہ ۱۱۵۱ھ کو نادر نے دہلی فتح کر لیا۔ اس کے بعد قتلِ عام ہوا۔ اور ۷ صفر ۱۱۵۲ھ کو نادر واپس ہوا۔

۱۱۵۴ھ میں بقول حزیں ان کی عمر ۵۳ سال تھی، وہ دنیا سے دل برداشتہ ہو چکے تھے۔ دہلی میں ساڑھے تین سال گذرے تھے کہ انھوں نے تذکرۃ الاحوال کو تمام کیا — خوش قسمتی سے یہاں شاہ نعمت اللہ ولی کے خاندان کا ایک رئیس امیر خان انجام، ہفت ہزاری منصب رکھتا تھا صفوی خاندان سے قرابت اور مولانا حزیں کے بزرگوں کی عزت سے باخبر تھا۔ اس نے محمد شاہ سے سفارش کر کے دو لاکھ روپے کی جاگیر دلوا دی — لیکن ۲۳ ذی الحجہ ۱۱۵۹ھ/ ۱۵ دسمبر ۱۷۴۶ء کو عمدۃ الملک نواب امیر خان انجام دہلی میں قتل کر دیے گئے۔ حزیں کے لیے یہ واقعہ روح فرسا تھا۔ مگر نواب برہان الملک اور صفدر خان اور شجاع الدولہ ان کی عزت و حرمت جانتے تھے، اسی کے ساتھ اہل دہلی مولانا حزیں کی نازک مزاجی اور یہاں کے علما و شعرا سے ان کی بے رخی بلکہ ان پر نقد و نظر سے برافروختگی نے انھیں دہلی چھوڑنے اور حج و زیارات پر جانے کے لیے تیار کر دیا۔ ۱۱۶۱ھ میں وہ آگے بڑھتے ہوئے عازم بنگالہ ہوئے لیکن عظیم آباد سے واپس آنے پر مجبور ہوگئے، نواب اودھ اور قدر دانانِ عظیم آباد نے ان سے درخواست کی یا مرض و ضعف مانع سفر ہوا؟ تاریخ میں تفصیل نہیں ملتی۔ والہ داغستانی اور لطف علی بیگ آذر ان کے ایرانی دوست تھے۔ دونوں اسی گردش کا شکار ہوئے۔ والہ تو انھیں سندھ لانے اور دہلی میں غم بٹانے کا باعث بھی ہوئے۔ ان دونوں کی ملاقات کرمان میں ہوئی تھی۔ حملۂ نادری میں حزیں کا قیام والہ کے یہاں تھا۔ اور علی قلی خان والہ دہلی میں پنجہزاری منصبدار تھے۔ حزیں لاہور میں نواب زکریا خان کی دشمنی کا نشانہ بنے تو حسن قلی خان کاشی سفیر دہلی آڑے آئے اور حزیں کو اپنے ساتھ دہلی واپس لائے۔ بھکر میں میر غلام علی آزاد بلگرامی سے ملاقات ہو چکی تھی۔ اس بنا پر حزیں کی شخصیت کا چرچا عام ہوا۔ لاہور و دہلی میں ان کے خلاف جو پارٹی بندی ہوئی، شیعہ امرا و علما اس سے باخبر ہوں گے۔ اس لیے گمان غالب ہے کہ معززین نے ان کی پذیرائی و اظہارِ عقیدت میں کسر نہ اٹھا رکھی ہوگی۔

حزیں کا تقدس اور دنیا سے بے تعلقی، گوشہ نشینی اور ہنگاموں سے بیزاری کی خواہش یوں پوری ہو سکتی تھی کہ وہ دہلی، آگرہ اور لکھنؤ کے بجائے بنارس میں منزل کریں۔ اس وقت شجاع الدولہ اور راجہ بنارس سے معاہدہ ہو رہا تھا، وہاں ایرانی و ترک امرا کی چشمک اور شیعہ سنی جھگڑے بھی رہتے تھے۔ بنارس میں شہر سے باہر ایک شاندار مکان باغ اور فاطمان نام کا حسینیہ بنوایا اور وہاں خوشحالی و فارغ البالی سے رہنے لگے۔

حاکم لاہوری، بندرا بن خوش گو اور شاہ عالم بادشاہ و نواب شجاع الدولہ ان سے ملنے بنارس گئے، گویا حزیں بنارس میں مرکزِ عقیدت بن گئے۔ اور بنارس علم و معرفت، شیعہ عقائد و اعمال کی تبلیغ سے منور ہو گیا۔

میر محمد حسین فیض آبادی ایک مردِ مقدس بھی حزیں کی طرح ایک جہاں گرد بزرگ تھے۔ انھیں حزیں سے ارادت ہو گئی اور ان کی خدمت میں رہنے لگے۔

حزیں نے بنارس میں درس تو جاری نہیں کیا مگر ان کی علمیت اور ذوق، شاعری اور پرہیزگاری نے لوگوں کو کھینچا، مختلف مذاہب میں تبلیغ کا جذبہ اور علما سے علمی مباحثے کا شوق ضرور رنگ لایا ہوگا، لوگ سوال کرتے ہوں گے اور مسائل پر بحث رہتی ہوگی۔ شاعر کلام دکھانے اور ارادتمند زیارت کے لیے حاضری دیتے۔ وہ خالی اوقات میں لکھتے پڑھتے اور عبادت میں مصروف رہتے۔ میر شیر علی قانع کے بقول "بصیام دوام، و قیام لیالی و ایام علی الدوام اہتمام تمام بکار داشتہ، بغایت موقر و متواضع می زیست" (مقالات الشعرا) بندرابن داس خوش گو بنارس میں حاضر ہوئے۔ ان کے تاثرات یہ تھے "چند شعر بخدمت ایشاں فرستادہ استدعای ملازمت نمود، طلب فرمودند، چوں بہ سعادت حضور رسید فرشتہ دید بآب و گل رحمت سرشتہ و عشق الٰہی سراپایش بیک دل دردآلود آفریدہ، خیلی مرد بزرگ دردمند گداختہ از خود رمیدہ بنظر آمدہ" (سفینۂ خوش گو)

وفات : ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۱۸۰ھ/ ۱۷۶۶ء کو رحلت کی اور اپنی بنوائی ہوئی قبر میں محوِ آرام ہوئے۔ لوحِ قبر اپنے سامنے لکھوا رکھی تھی جس پر یہ تحریر ہے :

اللہ ۔ محسن قد اتاک المسئ ۔ العبد الراجی رحمۃ ربہ الغنی

محمد المدعو بعلی ابن ابی طالب الجیلانی"

روشن شد از وصال تو شبہای تارِ ما
صبح قیامت است چراغ مزارِ ما

اور قبر کے پہلو میں یہ مصرع ہیں :

زباں دانِ محبت بودہ ام دیگر نمی دانم — ہمی دانم کہ گوش از دوست پیغامی شنید این جا
حزیں از پای رہ پیما بسی سرگشتگی دیدم — سرِ شوریدہ بر بالینِ آسایش رسید این جا

بھگوان داس ہندی زیارت کو حاضر ہوئے تو مذکورہ بالا پہلا شعر چراغ داں پر کندہ لکھا اور قدمِ رسول کے پائیں، چبوترہ قبر کی جگہ دیکھی۔ اس موقع پر دو باتیں اور عرض کر دوں۔ • نقشِ مہرِ انگشتری حزیں تھا "علی ابن ابی طالب"۔ فاطمان ایک مدت سے شیعی مراسمِ عزا کا مرکز ہے۔ محرم کے جلوس وہاں جاتے ہیں اور ہندو، سنی اور شیعہ سب زیارت مزار کو آتے ہیں۔ مولانا محمد سجاد صاحب نے مدرسۂ جوادیہ قائم کر کے حزیں کی شمع کو فروزاں کیا۔

شاگرد : حزیں کے شاگرد و مخلص سید محمد حسین، حسین فیض آبادی نے ۱۲۰۵ھ میں رحلت کی۔ (روز روشن ص ۱۸۷) دوسرے شاگرد میر اولاد علی زائر، آل کمونہ، اودھ کے کسی ضلع کے رہنے والے تھے۔ حزیں سے بعض علوم اور میر محمد عسکری سے طب پڑھی (سفینۂ ہندی) • خان علامہ تفضل حسین خان۔

تصانیف : • شیخ علی سادہ بیان، بلیغ الکلام اور نفیس اسلوب نگارش رکھتے تھے۔ ان کا قلم شیریں تھا، زود نویسی اور متنوع مطالعے کے ساتھ ساتھ، ذہنی یکسوئی جو پڑھا ہے اسے محفوظ رکھنے کے شوق کا نتیجہ وہ سینکڑوں کتابیں، حاشیے اور رسالے ہیں جو حزیں نے سفر و حضر، جنگ اور مرض کے دوران لکھے۔ حیرت یہ ہے کہ ان کے فرزندانِ قلم کے ضائع ہونے سے انھیں ذہنی جھٹکا نہیں لگا، وہ لکھتے رہے اور ان کا حافظہ ان کا ساتھ دیتا رہا، وہ بیک وقت مفسر و محدث، فقیہ و متکلم بھی ہیں اور عارف و حکیم، مہندس و منجم بھی، تاریخ و رجال و درایت پر کام کرتے اور حیوان شناسی، گیاہ شناسی، رمل و جفر پر بھی کتابیں لکھتے ہیں۔ چار دیوان، متعدد مثنویاں لکھیں، کچھ کلام، کلیات و دیوان کے نام سے الگ الگ چھپا ہے۔ "تذکرۃ المعاصرین" اور خود نوشت سوانح بھی شائع ہو چکی ہے۔ لیکن سینکڑوں کتابیں اور رسالے تو کیا خود فہرست تصانیف بھی نایاب ہے۔ مؤلف نجوم السما کو مصنف کی لکھی ہوئی فہرست مل گئی تھی جو نجوم السما میں چھپی ہے۔ اس میں مندرج دس بیس کتابیں دنیا کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ہم اس فہرست سے تفسیر و حدیث و علومِ دین پر کچھ کتابوں کی درجہ بندی کر کے دوسرے رسائل و تصانیف کو اسی فہرست کی ترتیب کے مطابق نقل کر رہے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جائے گا کہ شیخ علی حزیں نے علومِ اسلامی پر کس قدر کام کیا اور تقریباً پینتیس سال کے قیامِ دہلی و بنارس میں ان کے ثقافتی اثرات کیا مرتب ہوئے ہوں گے۔ یہ کتابیں عموماً عربی و فارسی میں ہیں۔ • کتاب فضائل القرآن۔ • تجرید القرآن۔ • الناسخ والمنسوخ۔ • خواص بعض السور والآیات (نجف میں لکھی)۔ • شجرۃ الطور، شرح آیۃ النور (تالیف در مشہد)۔ • رسالۃ الاسنیٰ فی تحقیق قولہ تعالیٰ "ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ"۔ • تفسیر سورۃ ھل اتیٰ۔ • کتاب معنی الصمد و سورۃ التوحید • تفسیر سورۃ الحشر • شرح عیون اخبار الرضا۔ • ترجمہ نوادر محمد بن ابی عمیر و ذکر سیرہ واحوالہ۔ • ھشام بن الحکم و مناظراتہ۔ • سبب الاختلاف فی الاخبار و بیان طریق جمعہا۔ • کتاب الفضائل فی احیاء السنن۔ • اصول المنطق شرح بعض خطبات حضرت علیؑ (فارسی)

• رسالة فی تدوین بعض ماکتبه الی الاصحاب دعائم الدین۔ • حصرضروریات الدین
• رسالة الحسن والقبح العقلیین۔ • الرد علی التناسخیه عربی۔ • ابطال تناسخ (فارسی)
معرفة الباری ومایتعلق به۔ • بشارات النبوة بحوالۂ توریت وانجیل وصحیفۂ یوشع
(فارسی)۔ • ابطال الجبر والتفویض۔ • سیف الله المسلول علی اعداء الرسولؐ۔ • الاغاثه
فی الامامة (مکمّل نہیں تالیف) • وجوب النص علی الامام۔ • الامامة والبحث
فی شرائطه۔ • رسالة فی بیان خوارق العادات والمعجزات والکرامات۔ • الرد
علی النصاری فی القول بالاقانیم۔ • الکر واحکام المیاه۔ • رسالة فی
جواب مسئلة الوضو۔ • رسالة فی معرفة القبله۔ • رساله فی تحقیق صلوٰة الجمعة
• رسالة فی الکسوف والخسوف۔ • النوافل اللیلیه۔ • احکام الشک والسهو
فی الصلوٰة۔ • مناسک الحج (سفر حج میں)۔ • کتاب الزکوٰة۔ • کتاب الصید
والذبائح وخواص بعض الحیوان۔ • المواریث۔ • شرح مصباح الشریعة۔
• کتاب الوصیة۔ • کشف الغطا فی تحقیق الغناء۔ • المعیار فی الاوزان الشرعیة
• انیس القواد فی حقیقة الاجتهاد۔ • الرمح المصقول علی اکثر قواعد الاصول۔
• کشف التلبیس فی هدم اساس ابلیس (قیاس کی رد)۔ • رسالة فی تحقیق بعض
المسائل التی اشتهر الخلاف فیها بین الامة المحمدیه۔ • الادعیة والادویة
• مایعمل فی لیلة الجمعه۔ • آداب دعوات الاسماء والاذکار۔ • مختصر الدعوات
والزیارات۔ شرح دعاء عرفه۔ • ترجمه دعاء مشلول۔ ترجمه دعاء صباح۔ • ترجمۂ
دعاء علوی مصری۔ الذخر والسعادة فی العبادت۔ • الدعوات الصالحات واسماء الله الحسنیٰ
• روائح الجنان۔ • کنز المرام۔ • مدة العمر۔ • الرموز الکشفیه۔ • خلاصة المنطق
• الفصح۔ • التوجیه لقول قدماء الفرس فی المبداء۔ • شرح رسالة الشیخ شهاب الدین
یحیی المقتول۔ • اللباب فی الحساب۔ • جوامع الآداب۔ • کتاب النصره۔ • کتاب
الانساب۔ • التعلیقات فی الطبیعی والالهی۔ • المراصد فی الرائج والکاسد۔
کتاب الفوائد...... • جلاء الاذهان فی علم المساحة۔ • نجح الطلب فی استخراج ضلع
المکعب ومشکلات الهندسة۔ • کد القلم حل شبهة جذر الاصم۔ • التعلیقات علی
شرح المقاصد۔ • الصراط السوی فی غوایة البغوی۔ • خلق الاعمال۔ • اللمع فی

انهاق البدع۔ • تحقیق الرؤیا واصول التعبیر۔ • التعلیقات علی مبحث الفلکیات (شفا)
• التعلیقات علی امور العامة من شرح التجرید۔ • التعلیقات علی کتاب المطارحات
للشیخ المقتول۔ • التعلیقات علی نصوص الفارابی۔ • التعلیقات علی نجاة الشیخ الرئیس
• التعلیقات علی مقامات العارفین من شرح الاشارات۔ • التعلیقات علی غوامض
المجسطی۔ • التعلیقات علی تلویحات للشیخ المقتول۔ • التعلیقات علی تذکرة ابن الرشید
• شرح رسالة حکیم عیسیٰ بن زرعة۔ • لوامع المشرقة فی تحقیق الواحد والوحدة۔
• جوامع الکلم۔ • مدارج العلیه۔ • شرح قصیدۂ الممدودہ دوان قصیدے سید حسین
آل صخر کے کے بھیجے اور پھر لسان کران کی شرح لکھی۔ • الدیباج فی ابانة اغلاط الزجاج
• هدایة الامم فی الحدوث والقدم۔ کتاب التنبیه؟۔ الجوابات عن مسائل سأل
عنها الشیخ احمد بن محمد الصیمری العمانی۔ • الجوابات عن مسائل الطبریة۔
• کتاب الجواب الی السید نصر الله الحائری فی مواضع من کلام ابن العربی۔ • کتاب
خلق الاعمال۔ • کتاب تحقیق الازل والابد والسرمد۔ • کتاب الطول والعرض۔ کتاب
العین فی شرح القصیدة العینیة للسید الحمیری۔ • الفصول البلیغه۔ • مختصر البدیع والعروض
والقوافی۔ • کتاب فتح الابواب۔ المشاهد العلیة۔ • کتاب حیاة الاخوان۔ • بهجة
الاقران۔ معراج النفس۔ راح الارواح۔ • المقله فی بیان النقطه۔ نوادر العرب واخبارهم
اخبار ابو الطیب المتنبی احمد بن الحسین بن عبد الصمد الجعفی الکوفی وذکر بعض
اشعاره۔ • اخبار الصاحب الجلیل اسماعیل بن عباد وذکر ما وصل الی من فصوله ونوادر
اشعاره۔ • کتاب نوادر ابی الحسن مهیار الکاتب الدیلمی وذکر لبعض غرر
اشعاره۔ • اخبار ابی تمام الطائی حبیب بن اوس ولبعض اشعاره۔ • اخبار الشیخ
صفی الدین الحلی ونوادر اشعاره۔ اخبار المحقق الطوسی۔ • اخبار جدی السعید
الشیخ ابراهیم زاهد الجیلانی۔ • ماجری به القلم۔ • معرفة النفس وتجردها (فارسی)
تالیف کرمان شاهان۔ • رساله در حدوث و قدم۔ • فتح السبل۔ • مقالات لبعض
مشائخ۔ • نسب تالیفیه۔ • فوائد الطب۔ • الحلبات؟۔ • دستور العقلا در آداب
ملوک وامراء حکمت عملی تالیف ۱۱۵۳ھ۔ شرح قصیدہ جیمیہ فارضیه۔ • معرفت
الاجسام وتناهیها۔ • جام جم در موالید وکائنات جو۔ • خواص مجربه۔ • علاجات

غریبہ۔ • شرح مطلع الانوار (ھیئت)۔ • شرح بعض فصول افلاطون الٰہی۔ • المواشہ السماویہ، ثنایۂ ذیل فہرست کیمبرج، شمارہ ۱۲۸۰ پر اسی کتاب کا نام موائد الاسعاف فقہ، فارسی، صفحات ۲۲۰، بتایا گیا ہے۔ • جمع بین الحکمت والشریعت۔ • ترجمۂ رسالہ صفیحہ فی علم الاصطرلاب از شیخ بہائی با توضیحات وافادات۔ • ترجمہ منطق تجریبہ

• ترجمۂ کتاب اقلیدس باضافہ وتوضیح۔ • رسالہ در سیرت متعلمین۔ • رسالہ در تضعیف شطرنج۔ • حل بعض اشعار خاقانی۔ • مناظرات ومحاضرات (بلاغت)۔ • اداب عزلت وخلوت۔ • آداب معاشرت۔ • معرفت تقویم واحکام نجوم۔ • کتاب جراثقال۔

• تعریف در حصر انواع قسمت۔ • حیات وممات، درعمل وذم بے عملی۔ • کتاب المعادن

• معرفت لآلی۔ • قلذۃ الاکباد۔ شیخ رئیس کے شاگرد ابوعبداللہ معصومی کے رسالۃ العشق کا فارسی خلاصہ مع اضافۂ مطالب۔ التحلیہ والتخلیہ۔ • التالیف بین الناس۔ • فضل عزلت

• تذکرۃ المعاصرین (تالیف ۱۱۶۵ھ) طبع شد۔ • مکیال العلوم؟ • ریاض الحکمت

• مواعظ حکما۔ • تقسیم اسماء ومعانی آنہا۔

• شرح رسالہ والدؒ در بحث حرکت۔ • شرح رسالہ والد در عمل مسبع ومتسع در دائرہ اب ج۔ • شرح رسالۂ والدؒ در بحث قول ارسطو لم صار ماء المطر خفیفا۔ • ترجمہ رسالہ والد در بیان قل الروح من امر ربی۔ ترجمۂ رسالہ والد در تحقیق ما ھو الحق در مسئلہ علم۔ ترجمہ رسالہ والد در تحقیق عرفت ربی بفسخ العزائم وحل عقود۔ • کتاب المواھب فی لیلۃ الرغائب (رغائب) اس کا جملہ ہے "الخیرات منہا ماھی شریفۃ ومنہا ماھی محمودۃ ومنہا ماھی بالقوۃ کذالک..." یہ رسالہ ایک رات میں مکمل ہوا۔ • کتاب الفرق بین اللمس والمس وما یتعلق بہ ومایتعلق علیہ

• شرح رسالۂ ابو یوسف یعقوب کندی در تحقیق نفس۔ • کتاب المفصل فی العقل وتوکل

• رسالہ فی دلالۃ فعل المضارع المثبت ونقل اقوال وحمایت قول ابی حیان۔ • جواب از سوال اربعۃ المتناسبہ۔ • رسالۃ در ذکر احوال فاضل عارف افضل الدین کاشانی وبعض مکاتیب وفوائد مختصرہ۔ • جواب نامہ ھای خراسان۔ • جواب مسائل از جیلان۔ • جواب نامۂ از قسطنطنیہ۔ • رسالہ تذکیہ نفس بنا بر قول ارسطو وقول افلاطن۔ • رسالہ دربیان قوت قدسیہ وامکان نفوس قدسیہ در نوع انسانی بنا بر قول مشائین وتجویز کشف والہام بنا بر قول اشراقیین وصوفیہ۔ • رسالہ در فرق ما بین علم ومعرفت۔ • رسالہ اصول

اخلاق۔ رسالہ تجدد امثال۔ • رسالہ در بحث مسلک شیخ سہروردی در رویت۔ • رسالہ در شرح قصیدہ لامیہ مصنف۔ • رسالہ در اقسام مصدقین بسعادت اخرویہ۔ (نجوم السماء)

• تذکرۃ الاحوال (تالیف ۱۱۵۴ھ دھلی، چاپ شد)۔ • سفینہ علی حزین (چاپ مدراس)۔ • حملہ ھای ایران بر ھند (تالیف محمد حسین آباد ۱۱۷۰ھ)۔ • چار دیوان، کلیات چاپ ھند۔ دیوان چہارم بخط علی قلی والہ وتصحیح حزین چاپ کراچی۔

حسن، سید، باخدا:

۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء
۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء

کھجوہ ضلع سارن صوبہ بہار ہند شیعوں کا علم دوست علاقہ ہے، نوابین عظیم آباد وریاست مرشد آباد، نیز سادات کے قدیم گھرانے مدتوں سے شیعہ چلے آرہے ہیں، ان میں علوم دین کی روایت بھی پرانی ہے۔ لکھنؤ کی علمی مرکزیت قائم ہوئی تو بہار کے علما وطلبا نے سمت سفر بدلی۔ وہ لکھنؤ آئے اور یہاں سے سند فضیلت لے کر دور دور تک پھیل گئے۔ کھجوے کے زمیں دار گھرانوں میں سے ایک بزرگ تھے۔ سید علی حسین ان کے گھر سید حسن نامی فرزند کی ولادت ہوئی۔ تاریخ پیدائش ہے ۶ جمادی الثانیہ ۱۲۵۶ھ کمسنی میں یتیم ہوگئے والدہ اور جد بزرگوار نے پالا پوسا۔ ہوش سنبھالا تو پاک نفسی، عبادت دوستی کی وجہ سے "باخدا" نام پڑ گیا۔ قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا محمد تقی صاحب اتالیق نواب سید ناصر حسین خان صاحب سے میزان منشعب سے قواعد احمدیہ تک پڑھا تھا کہ مولانا کان پور چلے گئے۔ سید باخدا گھر سے دو کوس روزانہ سفر کرتے اور ایک استاد سے سبق لیتے تھے۔

۱۲۷۵ھ سے پہلے آپ کی شادی ہوئی، ۱۲۷۷ھ میں علی اظہر صاحب کی ولادت ہوئی، فرزند کی پیدائش کے تین سال بعد مولانا حسن باخدا صاحب لکھنؤ کے دار العلوم میں حاضر ہوئے۔ جناب ممتاز العلماء تقی صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ وہاں مولانا سید احمد علی صاحب قبلہ سے تعارف ہوا۔ مولانا نے بڑی شفقت ومحبت کا اظہار فرمایا، فرزند کی طرح رکھا۔ قطبی، صدرا، شمس بازغہ احمد علی صاحب سے پڑھیں۔ تفسیر وحدیث وفقہ واصول جناب ممتاز العلماء سے اور علم کلام جناب فردوس مآب مولانا حامد حسین صاحب سے پڑھا۔

۱۲۸۰ سے ۱۲۸۴ھ تک تن دہی سے دورۂ درس مکمل کیا، ۱۲۸۴ھ میں اہلیہ کی خبر علالت سن کر وطن چلے گئے۔ ڈیڑھ سال بعد دوبارہ لکھنؤ آئے اور ایسے معزز طالب علم قرار پائے کہ جناب ممتاز العلما اور فردوس مآب آپ کی قیام گاہ آتے تھے۔ تحصیل علم مکمل کر کے اجازات لے کر وطن پلٹے، جائداد کا انتظام اور تبلیغ کے اہتمام میں مشغول ہوئے۔

۱۲۹۵ھ میں حج، ۱۲۹۷ھ میں زیارات عراق و ایران سے مشرف ہوئے۔

۱۳۰۲ھ میں لکھنؤ آن کر کچھ عرصے علمی مذاکرات کیے۔ اس سفر میں ان کا خاص کام "عبقات الانوار" کا مسودہ و مآخذ سے مقابلہ تھا۔

مولانا حسن، باخدا، پرہیزگار، قائم اللیل، صائم النہار عالم تھے۔ ہر مخصوص دن روزہ رکھتے، رجب، شعبان، رمضان صوم سے رہتے۔ تمام مسنونات و نوافل ادا کرتے۔ دو بجے رات سے طلوع صبح تک مسجد میں رہنا، لوگوں کو نمازِ شب کا شوق دلانا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ خوفِ خدا اور حقوقِ بندگانِ خدا کا لحاظ تھا۔ امر معروف، نہی عن المنکر میں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ زہد و قناعت، ایثار و مہمان نوازی میں ضرب المثل تھے۔ علمِ دین کے عاشق اور تبلیغ مذہب کے شیدائی تھے۔ رئیس ہونے کے باوجود اولاد کو ایسی تربیت دی کہ آج تک دینی خدمت کا سلسلہ جاری ہے۔ (دیکھیے احوال مولانا علی اظہر و علی حیدر)

ساٹھ سال کی عمر تھی، ضعف و امراض بڑھتے گئے۔

مولوی سید غلام صادق صاحب (چچازاد بھائی اور شاگرد) کی روایت ہے کہ میں نے خواب دیکھا، آفتاب میں پورا گہن لگا ہوا ہے اور مولانا باخدا نماز پڑھ رہے ہیں۔

مولانا کے فرزند علی اظہر صاحب نے خواب دیکھا کہ مولانا کے حکم سے سورۃ الحجرات پڑھ رہا ہوں کہ دفعتہً سورہ ہاتھ سے غائب ہو گیا۔

جوں جوں قرآن مجید کی ورق گردانی کرتا ہوں، اجزا غائب ہوتے جاتے ہیں۔

حالات ایسے تھے کہ سب مولانا کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔

ایک روز مولانا نے بیٹے سے کہا۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ اس کے بعد بے ہوش ہو گئے۔ یہ نماز صبح و ظہرین و مغربین قضا ہوئی کہ ہوش نہ آیا۔ عالمِ احتضار میں دفعتاً گوشۂ ردا کو اٹھایا اور کہا:

"آیئے سیدہ آیئے"

۱۲ رجب ۱۳۱۶ھ کو وفات پائی۔

"شمس العلم لقد انکسفت" سے تاریخ نکلی۔

آثار: امام باڑہ، کتب خانہ اور خواتین کی مجلسیں اور مجلس خوانی خواتین۔
تعمیر مساجد و حسینیہ

اولاد: • مولانا سید علی اظہر صاحب۔ فخر الحکما

(بے بہا: ص ۱۲۷)

حسن ابن زین العابدین:

حدود ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء

الشیخ حسن حسینی بخاری ابن سید زین العابدین ابن سید راجو راجن پور ملتان کے عارف باخبر اور عالم معتبر، بالفاظ حضرتِ شہید ثالث نور اللہ شوشتری "خلیق تزین سلالہ و خرمن اعتقاد تعصب خوراجوالہ"۔ مبلغ دین متین، مروج شریعت خاتم المرسلین ملتان و سندھ کے مرجع و زعیم سید حسن نقوی بخاری عہد اکبر کے علما میں سے تھے (ان کے دادا سید راجو شاہ کا حال "ر" میں دیکھیے) یہ لوگ بلا تقیہ زندگی گزارتے ہے اور کھلم کھلا مذہب امامیہ کی خدمت کو شرف سمجھا کیے۔ مجالس المومنین سے معلوم ہوا کہ جب قاضی نور اللہ الشہید لاہور میں قاضی تھے۔ اس وقت سید حسن ان سے خط و کتابت کرتے اور سوالات کے جواب منگواتے رہتے۔ ان میں سے ایک سوال نامہ "نواحی سندو سوئی پور" سے لاہور بھیجا اور جناب قاضی نے اس کا جواب مجالس المومنین میں بایں الفاظ محفوظ کر دیا ہے:

"سوال اول آن کہ بچہ دلیل مذہب شیعہ اثنا عشری مذہب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام است؟

جواب، آں ست کہ ہم چناں کہ علمای شافعی را مذہب شافعی ثابت می شود و بنقل اصحاب حنفی اعتقادی کنیم کہ مذہب حنفی آنست کہ ایشاں می گویند و ہم چنیں بنقل اصحاب جعفر علیہ السلام و مجتہدان و علمای شیعہ اثنا عشریہ ثابت می شود کہ مذہبی کہ دارند مذہب امام جعفر استؑ۔ و آں کہ اہل سنت و جماعت مذہب امام جعفرؑ را نداشتہ باشند یا گویند کہ نمی دانیم کہ مذہب شیعہ اثنی عشریہ مذہب امام جعفرؑ است ضرری بمذہب شیعہ نمی رساند۔ ہم چنانکہ حنفی مذہبان مذہب شافعی را نمی دانند و ندانستن ایشان خللے در مذہب نمی رسانند و ہم چنیں برعکس۔

و ایضاً، ملا سعد الدین تفتازانی کہ از اکابر علمای اہل سنت و جماعت است و در حاشیہ مختصر اصول عضدی اختلافی کہ در جواز بیع امہات اولاد و عدم آں در میان صحابہ واقع شدہ اعتراف بآں نمودہ کہ مذہب شیعہ مذہب امیر المومنین علی علیہ السلام است، زیرا کہ در مقام دلیل برآنکہ مذہب حضرت امیر جواز بیع است گفتہ کہ قول بجواز را شیعہ از او نقل نمودہ اند و مذہب ایشان ست و ایشاں مذہب آنحضرت را بہتر می دانند۔ اینست حاصل کلام مولانای مذکور پس آنکہ بعضی از اہل سنت و جماعت گویند کہ... ما نمی دانیم کہ مذہب شیعہ اثنی عشریہ مذہب حضرت امیر المومنین علیہ السلام است محض مکابرہ و عناد خواہد بود۔

سوال دوم؛ اہل سنت و جماعت نیز دعوی می کنند کہ مذہب ما نیز مذہب امام جعفر علیہ السلام

است چراکه ابوحنیفه شاگرد امام جعفرؑ بوده، پس این اختلاف از کجاست؟

جواب آن ست، که علمای اهل سنت وجماعت این دعوی می کنند و لهذا در بعضی از کتاب های خود نوشته اند، ابوالحسن اشعری در فلان سال مروج مذهب اهل سنت وجماعت بوده و حضرت امام علی بن موسی الرضاؑ در فلان سال مروج مذهب شیعهٔ عشریه بوده و ظاهر ست که مذهب شیعه غیر مذهب اهل سنت وجماعت است، پس چگونه مذهب اهل سنت مذهب علی بن موسی الرضاؑ و جد او امام جعفرؑ باشد؟ واگر چنین بودی بایستی که گویند که در فلان سال علیؑ بن موسیؑ الرضا نیز مروج مذهب اهل سنت وجماعت بوده.

القصه این که مذهب اهل سنت وجماعت مذهب امام جعفرؑ باشد سخنی است که از روی جهل برزبان جاهلان اهل سنت جاری شده، آنها که از حقیقت مذهب خبری دارند این نمی گویند. و پوشیده نماند که کسی که شاگرد شخصی باشد لازم نمی آید که مذهب آن شخص داشته باشد، نمی بینی که ابوحنیفه شاگرد مالک نیز بوده و مذهب علیحده دارد و هم چنین احمد حنبل شاگرد شافعی بوده و مذهبی دیگر دارد و ابوالحسن اشعری شاگرد ابوعلی جبائی معتزلی بود و مذهبی دیگر دارد و نظیر این بسیار است.

و ایضا شاگردی ابوحنیفه نسبت بحضرت امام جعفر علیه السلام این قدر بوده که از آنحضرت بعضی از احادیث شنیده وچون آنحضرت او را ازم ر... الی دانسته از او تقیه نموده اظهار مذهب حق باو نمی نمود و او را مکرر در باب عمل بقیاس تشنیع کرده والزام نموده و از آن برگردیده و تفصیل روی که آنحضرت در این باب با ابوحنیفه نموده اند در کتاب "حیوة الحیوان" که تصنیف یکی از علمای اهل سنت وجماعت است مذکور است.

سوال سیم آن که در مذهب شیعه مجتهد هست یا نیست؟ اگر هست پس مذهب مجتهدات نه مذهب امام جعفرؑ و مجتهد گاه بر صواب است و گاه بر خطا، و مذهبی که احتمال خطا داشته باشد صواب نخواهد بود.

جواب آنست که مجتهدان در مذهب شیعهٔ اثنا عشریه بسیارند، لیکن از این لازم نمی آید که مذهب مذهب مجتهد باشد بلکه اصل مذهب منسوب بامام است و ایشان فهم و استعداد خود در آن مذهب اجتهادی کنند هم چنانکه اهل سنت نیز مذهب خود را بیکی از شافعی و ابوحنیفه و مالک و احمد ابن حنبل منسوب می سازند و ایشان را امام و مجتهد بالمذهب می گویند. و مجتهدان در مذهب ایشان را مانند مزنی و ابویوسف قاضی و محمد بن الحسن الشیبانی را مجتهد فی المذهب می گویند ونسبت مذهب بایشان نمی دهند و اگر چنین بودی که بایستی که اصل مذهب اهل سنت منحصر در چهار نبودی بلکه متجاوز از چهار هزار بودی و ازین جا ظاهر شد که لازم نمی آید از آن که مجتهدان شیعه در فهمیدن کلام امام خود گاهی خطائی کنند آنکه اصل مذهب امام ایشان خطا داشته باشد و حال آنکه در علم

کلام برهان بر عصمت ایشان ثابت شده و ظاهر است که در مذهب معصوم و افعال و اقوال او خطائی باشد. بخلاف مذهب چهار امام اهل سنت که هر یک از آن چهار امام را با دیگری مخالفت تمام و در ابطال مذهب او صاحب اهتمام است.

و هم چنین جمعی کثیر از اصحاب از ایشان که در آن چهار مذهب اجتهادات کرده اند و با ائمه خود مخالفت ها نیز نموده اند و طریق ابطال فتاوای ایشان را پیموده اند تا آنکه الحال در بسیاری از مسائل بقول اصحاب ایشان فتوی می دهند و فتوای امام مذهب را اعتباری نمی نهند و معهذا خطائی مجتهدان مذهب شیعه که همیشه علم را از مشکاة نبوت و ولایت اخذ کرده اند و اجماعات ایشان بحضور امامؑ انتظام یافته و بنای کار بر نصوص مفیدهٔ علم و یقین و آثار منقول از قتاوای صادقین نهاده اند و در مرتبهٔ خطائی ائمهٔ اهل سنت و مجتهدان ایشان است که مبنای احکام و اقوال بر مجرد اختراع و اجماع از جهال و اعمال قیاس و استحسان و ظن و تخمین مستنبط از اخبار موضوعه زمان و امثال ایشان نهاده اند و لهذا در جائی که مجتهدان مذهب شیعه در فهمیدن کلام خدا و پیغمبر و امام علیهم السلام با هم مخالفت کنند چنانکه مثلا نزد یکی سلام در نماز مستحب است و دیگری گوید که واجبست، بیقین می دانیم که مذهب امام بحسب ظاهر از این دو بیرون نیست و نحن نحکم بالظاهر والله یتولی السرائر. بخلاف آنکه دیگری گوید که سلام نه واجب است و نه مستحب، و این معنی را اصلا از سخن امام فهم نتوان کرد، بلکه کلام امام صریح در خلاف آن باشد که این هنگام بیقین می دانیم که خطا است و اکثر مخالفتها که ابوحنیفه و شافعی و امثال ایشان با علمای شیعه نموده اند از این قبیل است که مبنای آن بر قیاس و استحسان و مانند آنست و کلام ائمه و احادیث ایشان بر خلاف آن دلالت صریح دارد و از سخنان ایشان آن چه ایشان مذهب ساخته اند اصلا فهم نمی شود، پس بیقین خطا باشد.

سوال چهارم. آنکه شیعه بچه دلیل می گویند که مذهب ما حق است و مذهب دیگران باطل است؟

جواب: دلیل آنست که بعد از آنکه مقرر شد که مذهب شیعهٔ اثنا عشریه مذهب اهل بیت و عترت پیغمبر است و در کتب شیعه بدلیل عقلی و نقلی ثابت شده که ائمهٔ اهل بیت طاهر و معصوم اند از خطا بی شبهه ثابت می شود که مذهب ایشان حق است، زیرا که مذهب معصوم است و معصوم بر حق است. و ایضا ظاهر است که حضرت پیغمبرؐ بموجب حدیث انی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی، کتاب الله وعترتی اهلبیتی" امت خود را بمتابعت کتاب خدا و عترت خود که بعد آن حالند وصیت نموده و هیچ دلیل عقلی و نقلی نیست که ما را متابعت ابوحنیفه یا مالک یا شافعی یا حنبل جائز باشد. پس شیعه که تمسک بعترت پیغمبر نموده اند از ضلالت دور باشند و فرقهٔ حقهٔ ناجیه ایشان باشند و حدیث مذکور در کتب حدیث اهلسنت مذکور است و صحت آن پیش ایشان مقرر و مشهور.

سوال پنجم آنکہ ہر یک از ائمۂ اثنا عشر را مذہب علیحدہ بودہ یا ہمۂ ایشان یک مذہب داشتند اند چرا آنرا بحضرت امام جعفرؑ نسبت می دہند و بمذہب آں حضرت اشتہار یافتہ؟

جواب آنست کہ مذہب ایشان ہمہ یکی ست اما چوں بعضی از ائمۂ معصومین کہ در زمان بنی امیہ بودند بواسطۂ اشتغال بقتال اہل بغی و ضلال و بعضی بسبب خوف اعدا مجال نیافتند و نتوانستند کہ تفصیل مذہب خود را آشکارا بمردم تعلیم نمایند و معظم وقایع و حوادث مکلفان را بیان فرمایند۔ بلکہ بیان بعضی از کلیات مسائل و قلیلی از جزئیات آں ایشان را میسر شد۔ لاجرم آں مذہب بنام ایشان مشہور نشد و چوں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام در زمان خلفای عباسی بود و آں قدر خوف کہ از بنی امیہ داشتند از ایشان نداشتند بلکہ قدمای عباسیان در باطن ہم شیعہ بودند لاجرم آنحضرت آشکارا تعلیم و ارشاد مردم می نمودند، و احادیث بر مردم می خواندند و تفاصیل احکام حوادث مکلفان را اصحاب ایشان ضبط می کردند بنابریں مذہب شیعہ بنام شریف ایشان نسبت یافت۔ و در تواریخ مذکور است کہ در کوفہ و بغداد راویان حدیث آں حضرت زیادہ از ہفتاد ہزار بودہ اند" (مجالس المومنین طبع طہران ۱۲۶۸ھ ص ۱۳۰ تا ۱۳۶)

یہ خط طویل ہے لیکن میں نے مکتوب الیہ کی شخصیت اور شیخ حسن بخاری کے روابط کو واضح کرنے کے لیے نقل کیا ہے۔ اس خط سے ان حالات اور کشمکش پر بھی روشنی پڑتی ہے جو شیعہ علما کو دینی تبلیغ کے معاملات میں پیش آتے تھے۔ شیخ حسنؒ نے پاکستان میں لوگوں کو مذہب محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی طرف دعوت دی اس سلسلے میں انھوں نے کیا لکھا اور کس کس شیعہ عالم سے ان کا تعلق تھا؟ اس کا جواب سر دست ممکن نہیں۔ شاید راجن پور کے کسی بزرگ کے پاس کوئی ذخیرہ مدد دے سکے۔ (دیکھیے، راجو بن حامد)

حسن ابن دلدار علی لکھنوی

۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۱ء
۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء

۲۱ ذی قعدہ ۱۲۰۵ھ کو جناب مولانا دلدار علی صاحب قبلہ کے تیسرے فرزند پیدا ہوئے، اس وقت لکھنؤ میں جناب غفراں مآب کا آفتاب اقبال بلند ہو رہا تھا، فرزند کی تربیت و تعلیم کے لیے اچھے اچھے استاد حاضر خدمت تھے۔ ابجد خوانی کے بعد مقدمات و درس نظامی کا آغاز ہوا۔ ذہانت اور محنت کی بدولت تھوڑے دنوں میں برادر بزرگوار اور والد نامدار کے درس میں حاضر ہونے لگے اور چند دن بعد جناب غفراں مآب کے تلامذہ میں شہرت پا گئے۔

جناب سید العلما مولانا سید حسین صاحب علیین مکان نے جناب سید حسن صاحب کی انیسؔ سال کی عمر میں قابلیت کا تذکرہ ان الفاظ میں لکھا ہے:

"جناب سید حسن موصوف کثیر الحیا، عظیم الغنا و جمیل البہا بود در ابتدا حال بسبب قلت کلام و شدت

استحیای کہ داشت جودت بیان ازاں جناب ظاہر نمی شد۔ مگر اتفاقاً مرا باآں جناب در بعض مسائل علم کلام اتفاق مباحثہ افتاد و آں جناب تجرید اشکال در آں چہ مبحث اثبات ذات واجب از استدلال تعلق دارد ابتدا فرمود و دین شوق فش دراں وقت بہ نوزدہ سال رسیدہ بود۔ پس آں جناب کلامی وافی در غایت متانت و فصاحت بیانی تحریر نمود، بنحیکہ از اں علو شان آں جناب بر من ظاہر شد و من جوابش بہ تحریر آوردم و آنچہ لغزش در کلام آں جناب بختام رسید نوشتہ بر آں جناب عرض نمودم" (ورثۃ الانبیا ص ۴۸)

جناب غفراں مآب اور سلطان العلما سے سند تکمیل سے سرفراز ہوئے۔

نوجوانی کا زمانہ، حیا اور زہد کا عالم تھا مگر قوی ایسے کہ چھری پر کی جس کا وزن تین من سے زیادہ ہو گا تنہا اٹھا کر حوض میں ڈال دی مگر مسلسل ریاضت کی بنا پر بہت کمزور ہو گئے تھے۔

طہارت باطن، عرفان و تقویٰ، زہد و تواضع میں ضرب المثل تھے۔ عموماً روزے رکھتے، رات رات بھر جاگ کر عبادت کرتے، نوافل و زیارت امام حسین علیہ السلام ترک نہ کرتے تھے۔ عارف کامل اور متقی و محبوب خدا تھے۔

جناب بحر العلوم سے روایت ہے کہ ایک روز جناب سلطان العلما گھر سے یہ فیصلہ کر کے صبح سویرے نکلے کہ آج کسی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ دیکھا کہ جناب سید حسن نماز پڑھا رہے ہیں، سلطان العلما بھی نیت کر کے کھڑے ہو گئے۔ بعد نماز جناب سید حسن مصلے سے اٹھے اور بڑے بھائی سے معذرت کی۔ جناب سلطان العلما نے فرمایا "الحمد للہ آج نماز حسن اختیار کر کے ماجور ہوا۔"

تذکرۃ العلما کے مصنف نے ایک خواب دیکھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ راقم نے خیال کیا کہ جناب سید حسن کی جماعت میں، اتنے میں دیکھا، کوئی بزرگ برابر فرماتے جاتے ہیں "الحسنؑ فی الجنان والحسینؑ فی الجنان" خواب سے بیدار ہوا اور خیال کیا کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا فضول ہے۔

۱۱ شوال ۱۲۶۰ھ کو رحلت فرمائی۔ کہتے ہیں کہ جنازے میں علما، صلحا، روسا، شہزادگان غمگین و اشک ریز ساتھ تھے، لکھنؤ کے دونوں بزرگ عالم، مولانا سید محمد صاحب قبلہ سلطان العلما اور مولانا سید حسین صاحب سید العلما سید محمد جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ نے اس واقعے کی منظر کشی کی ہے۔

گویا کہ خامہ صور سرافیل می دمد	یا شور محشر است کہ راہ سخن گرفت
یارب چہ شیون است کہ در عالم اوفتاد	فریاد از غمی کہ دل مرد و زن گرفت
سید حسن کہ رستۂ عباد عصر بود	برخاست از جہان و جناں را وطن گرفت
گردون دوں شکست بباز و دریں رساند	گر عقد پر بدار و گل زیں چمن گرفت

ہرکس کہ یافت نکہت خلق حسن ازو — دیگر نہ نام نافۂ مشک ختن گرفت
پر نور بود شب ز قیام و تہجدش — روز فلک سیاہ کہ شمع از لگن گرفت
در مسجد شریف کہ خالی ست جائے او — محراب و طاق صورت بیت الحزن گرفت
چوں نعش پاک او ز سر کوچہ ہا گذشت — ہرکس کہ دید بر سر و صورت زدن گرفت
سیلاب خوں دو دیدہ ز دنبال چشم ما — دریا تمام رنگ عقیق یمن گرفت
سید بہ ارتجال رقم کرد سال فوت
زہد و ورع عزائے جناب حسن گرفت (۱۲۹۰ھ)

بہت بڑے مجمع کے ساتھ نماز جنازہ کے بعد غفران مآب کے امام باڑے میں محو خواب ہوئے۔

تصانیف: مولانا سید حسن صاحب قبلہ اس غیر معمولی زہد کے باوجود تصنیف و تالیف میں بھی منہمک رہے۔
ان کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں: • باقیات الصالحات (اردو، اصول دین)۔ • احکام اموات۔
• رسالہ در فن قرائت (اردو، مطبوعہ)۔ • تذکرۃ الشیوخ والشبان (وعظ و اخلاق)
• رسالہ فی کتابۃ انشاءاللہ (عربی)۔ • حواشی تحریر اقلیدس۔

اولاد: • سید حسن مفتی۔ • سید مہدی۔ • ایک دختر

(• نجوم السماء، ص ۲۰۵۔ • بے بہا ۱۲۲۔ • نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۱۳۰۔ • ورثۃ الانبیاء، ص ۴۶)

.. ..

حسن، جزائری:

حدود ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء

سید حسن موسوی جزائری عالم و فاضل فقیہ و ادیب تھے۔ حیدرآباد دکن میں قیام رہا۔

حسن بن علی (ابن شدقم)، مدنی

۹۴۲ھ / ۱۵۳۵ء
۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء

سید حسن بن علی بن حسن بن علی بن شدقم حسینی مدنی ۹۴۲ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد مختلف علماء سے تلمذ کیا، خصوصیت سے علامہ شیخ حسین عاملی والد شیخ بہائی اور علامہ شیخ نعمت اللہ بن احمد بن خاتون عاملی سے سند روایت و فضیلت حاصل کی۔ نظام الدین سید احمد مدنی شیرازی سے گہرے روابط تھے۔

حیدرآباد دکن میں عرب شیعہ علما کا ایک خوبصورت گلدستہ بن گیا تھا۔ سید حسن اس کے گل صد رنگ تھے۔ میرا خیال ہے کہ علامہ حسن بن علی نے ہندوستان میں فن حدیث پر بنیادی کام کیا اور وہ برصغیر کے عظیم محدث تھے، تفسیر و فقہ و عقائد کے علاوہ ادب میں بھی بڑا پایہ تھا۔ امیر نظام الدین مدنی سے گہرے تعلقات

تھے۔ سید علی خان مدنی نے سلافۃ العصر (۲۴۶) میں ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ شیخ حر عاملی نے انھیں "فاضل، عالم جلیل، محدث، شاعر و ادیب" لکھا ہے۔ علامہ سید حسن نے ۱۲ صفر ۹۹۹ھ کو ستاون سال کی عمر پا کر دکن میں وفات پائی، اور دکن ہی میں سپرد لحد ہوئے مگر آپ کے فرزند خورد حسین بن حسن علامہ کی وصیت کے مطابق دکن سے مدینہ منورہ لے گئے اور جنت البقیع میں دفن کیا۔

تصانیف: • الجواہر النظامیہ من حدیث خیر البریۃ: یہ مجموعہ نظام شاہ کے لیے مرتب کیا تھا۔ • زہر الریاض و زلال الحیاض (روضات الجنات ج ۲، ص ۲۹۰)

اولاد: متعدد اولادیں تھیں۔ چھوٹے فرزند کا نام حسین تھا۔

(فوائد الرضویہ، امل الآمل ج ۲، ص ۷۰۔ • اعیان الشیعہ۔ • نجوم السماء، ص ۱۴۔ • بے بہا ۱۲۰، "تاریخ ولادت و وفات از حاشیہ امل الآمل بحوالہ اعیان)

حسن رضا، نخبۃ العلما:

۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء
۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء

نخبۃ العلما، سلمان زماں، ابوذر دوراں، مولانا سید حسن رضا حسینی اعرجی ترمذی ابن قاسم علی زنگی پوری اپنے وطن میں ۱۱۹۳ھ کو پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالا اور ابتدائی تعلیم سے فارغ ہوئے تو سید محمد صاحب دیو کھٹوی کی خدمت میں حاضر ہوئے انھیں کی درس گاہ سے معقولات و منقولات مکمل کیے اور مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے فیض آبار سے عرب و ایران کا ارادہ کیا۔ حج و زیارات و طلب علم کا دلکش سفر شیوخ علما سے فیض یاب ہونے کا ذریعہ بنا۔ پانچ سال تک علمی مرکزوں سے استفادہ اور روحانی سرچشموں سے سیراب ہوئے۔

آیۃ اللہ الحاج آقای شیخ ابراہیم کرباسی (اصفہانی متوفی ۱۲۶۲ھ) صاحب نخبۃ اس عہد کے نامور مجتہد تھے۔ مولانا حسن رضا نے فقہ و اصول کا درس آخر ان سے لیا اور آقای کرباسی نے اجازہ دیا۔ مولانا حسن رضا انتہا، احتیاط کی بنا پر شیخ ہی کی تقلید کرتے رہے۔ شیخ کے بعد پھر نہ تقلید کی نہ دوسروں سے تقلید کرائی بلکہ عمل با احتیاط کو وتیرہ بنا لیا تھا۔

فتح علی شاہ قاچار اور مولانا حسن رضا

مولانا حسن رضا کی شہرت و عظمت کا چرچا اتنا عام ہو چکا تھا کہ فتح علی شاہ قاچار (؟) نے آپ کی آمد ایران پر ملاقات کی۔ ایک دن شاہی اعزازات کے ساتھ دعوت پر بلایا، تحف و ہدایا و خلعت کے ساتھ ایک خصوصی خط دیا جس میں گورنر جنرل کلکتہ کو مولانا کے اعزاز و احترام کی طرف متوجہ کیا تھا۔

حیرت انگیز واقعہ: اسے کرامت کہیے یا اتفاق جس جہاز سے وطن آ رہے تھے وہ تلاطم میں پھنس گیا۔

مسافر چیخ رہے تھے، پرہیزگار توبہ کر رہے تھے لوگ دعا کر رہے تھے۔ آپ تسبیح خاکِ شفا پڑھ رہے تھے کہ سامنے سے ایک جہاز نمودار ہوا۔ دونوں جہاز یکجا ہوئے، مولانا اور اہلیہ بھی نئے جہاز میں پہنچے ہی تھے کہ پہلا جہاز تہہ نشین ہو گیا۔ سب ساز و سامان ڈوب گیا۔ مولانا کلکتہ پہنچے تو حاجی کربلائی نامی تاجر نے اپنی ایک دن کی کل آمدنی قبلہ و کعبہ کے حضور میں پیش کر دی۔

سفر ہی کے واقعات میں یہ قصہ بھی عجیب ہے کہ حاجی مکارم سمندر سے پانی لینے گیا اور غائب ہو گیا، چھٹے روز لوگوں نے دیکھا کہ جہاز کی زنجیر میں لٹکا چلا آ رہا ہے، جہاز میں اٹھا کر رکھا تو صرف سانس آ رہی تھی، علاج کے بعد خدا نے رحم کیا اور مکارم ٹھیک ہو گیا۔

۲۵ سال بعد وطن گئے تو آپ کے فرزند محمد حسین انتقال کر چکے تھے۔ لکھنؤ میں ان کا قیام بڑی وضعداری و سادگی سے رہا، نواب مبارک محل صاحب نے مولانا کی اہلیہ کا معقول وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور خود مولانا کو ایک سو ساٹھ روپے ماہانہ حاضر کرتی تھیں۔

مولانا کا گھر ایرانیوں کا مہمان خانہ تھا، آپ انھیں مہمان بھی رکھتے اور کچھ نہ کچھ ہدیہ بھی دیتے تھے۔ ہر مہینے کی نوچندی اور محرم کی دسویں تک مجلسیں کرتے اور ایرانی واعظ وعظ کرتے تھے۔ مجلس کا خرچ دس روپے ہوتا تھا۔

ایک سال محرم کا ہلال دیکھ لیا، ہاتھ خالی تھا، دعائے ہلال پڑھ کر مغرب کی نماز پھر تعقیب و دعا میں مصروف تھے کہ ایک صاحب آئے اور ایک تھیلی پیش کی وہ صاحب چلے گئے تو تھیلی کھولی، ایک سو روپے یعنی دس مجلسوں کا خرچ تھا۔ شکرِ خدا بجا لائے اور حسبِ دستور مجلسیں کیں۔

حاضر جوابی و بذلہ سنجی، ادب اور مزاح میں سے دو لطیفے مولانا محمد حسین صاحب مرحوم نے نقل کیے ہیں۔

لنگڑی: ایک مرتبہ جناب سلطان العلماء نے باتوں باتوں میں فرمایا: آپ لنگڑی سیادت پر کیا نازاں ہیں؟ مولانا نے برجستہ کہا۔ جھوٹی تو نہیں!

۱۸۵۷ء میں ہزاروں آدمیوں نے لکھنؤ سے ہجرت کی۔ جناب سلطان العلماء بھی نصیر آباد (ضلع بریلی) تشریف لے گئے، آپ کے گھر میں صدر دروازے پر شہد کی مکھیوں کا چھتہ تھا، گھر سے جو اندر آئے تو مکھیاں اسے مانع ہوئیں، امن و امان بحال ہوا اور قبلہ و کعبہ لکھنؤ آئے تو مولانا سے ایک ملاقات میں یہ واقعہ بیان فرمایا۔ مولانا نے فرمایا: اب ثابت ہوا کہ آپ امیر النحل کے پوتے ہیں۔ میر شکوہ آبادی نے سلطان العلماء کی ہجرت اور امداد غیبی کے سلسلے میں یہ شعر لکھا تھا (مندرج در قطعہ تاریخ وفات سلطان العلماء)

الحمد بہر حفظ جانش آمد اندر قتل عام ... لشکرِ زنبور از حکم خداوند قدیر

۱۸۵۷ء کے بعد حالات کچھ بدل گئے۔ میر عطا حسین ابن دیوان ناصر علی خاں ساکن کھجوہ (جن کا لکھنؤ

میں ایک امام باڑہ، مسجد اور معقول وقف ہے) نے اپنی قیام گاہ کان پور میں بلایا اور مولانا لکھنؤ سے جانے لگے تو سلطان العلماء ملنے اور رخصت کرنے آئے اور آبدیدہ ہو کر فرمایا، افسوس آپ نے بھی لکھنؤ چھوڑا۔

جناب سلطان العلماء شرعی فیصلوں میں گاہے گاہے آپ سے بھی مشورہ لیتے اور اپنا قوت بازو سمجھتے تھے مولانا کان پور چلے گئے جہاں ۱۲۷۹ھ میں کسی نے زہر دے دیا۔ آپ کی اہلیہ لکھنؤ میں رہتی تھیں اور آپ کا گھر ایرانی مہمانوں کے لیے حسبِ دستور مہمان خانہ تھا۔

تصانیف: خوش خط بے مثال تھے ایرانی خطابت نفیس تھا۔ ایک قرآن مجید بڑے اہتمام سے لکھا تھا۔ اور بعض کتابیں نقل کی تھیں۔ خود ان کی کتابوں میں ایک سفر نامہ تھا اور تمام تصانیف ضائع ہو گئے۔ (بے بہا: ۱۲۱)

.. ..

حسن عسکری:

حدود ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

مولانا سید حسن عسکری صاحب جگیھان جون پور (ہند) کے رہنے والے عالم و فاضل متقی و عابد امام جمعہ و جماعت تھے۔ مدرسۃ محمڈن کالج علی گڑھ میں عربی کے استاد تھے۔ بعض اخبارات ۱۹۰۱ء میں ان کا تذکرہ دیکھا تھا۔

.. ..

حسن علی بن ملا صالح مازندرانی:

حدود ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء

ملا صالح مازندرانی (متوفی ۱۰۸۱ھ) کے فرزند جناب علامہ حسن علی اوائلِ شباب میں برصغیر آئے اور یہاں بڑی عزت و اقتدار کے مالک ہوئے۔ لوگ فاضل لبیب و عالم و ادیب کہتے تھے۔ حسن علی خان کے نام سے شہرت پائی۔ ان کے ایک فرزند مرزا علی اشرف اصفہان میں رہے باقی اولاد برصغیر میں رہی۔

ملا حسن علی چھ بھائی تھے اور سب جید عالم

- فاضل مقدس علامہ آقا محمد ہادی مترجم قرآن مجید اور ۔ • فاضل مقدس عزیز، آقا نور الدین ۔ محمد سعید ۔
- فاضل عارف آقا حسن علی ۔ • فاضل مقدس صالح آقا عبد الباقی ۔ • عالم مقدس آقا محمد حسین رحمہم اللہ

(بے بہا بحوالہ جہان نما ص ۱۲۱)

.. ..

حسن علی، حاجی:

بعد ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۷ء

عالم و فاضل، محدث و فقیہ، مرزا مولانا حسن علی صاحب لکھنؤ کے نامور اخباری بزرگ تھے۔ ۱۲۶۱ھ سے پہلے حج و زیارات کا سفر کیا اور علماء و افاضل عرب و عجم سے مستفید ہوئے، موصوف شیخ گھاسی کے باغ (وزیر گنج لکھنؤ) میں رہتے تھے اور نواب جعفر حسین خاں ابن نواب کلب علی خان ابن نواب سعادت علی خان

سے روابط تھے۔ اخباریت میں راسخ تھے۔ اخباری حضرات کے لیے متعدد کتابیں لکھیں۔

موصوف اردو و فارسی کے شاعر تھے اور جعفری تخلص تھا۔

تصانیف: • تحفۃ العوام: اردو میں متوسط درجے کی کتاب اعمال و فرائض جو ۱۲۶۰ھ کے لگ بھگ شائع ہوئی اور بے حد مقبول ہوئی۔ موجودہ تحفۃ العوام جو برصغیر میں متداول ہے۔ اس تحفۃ العوام سے بالکل مختلف ہے۔ • احکام الائمہ: اوراد و وظائف و اخلاق و مواعظ پر مشتمل یہ کتاب ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۴ء میں بہت نفیس کتابت و طباعت سے شائع ہوئی۔ • تحفۂ جعفری: ایک طویل مثنوی اردو جس میں فضائل و اخلاق و حکایات نظم ہیں، ۶۲ھ کا مطبوعہ نسخہ اور احکام الائمہ کا پہلا ایڈیشن میرے کتب خانے میں موجود ہے۔

حسن علی، میر لندنی:

.. ..

۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء

(دیکھیے نزہۃ الخواطر)

حسن علی، وقار:

حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء
حدود ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۵ء

جناب سید حسن علی زمیں مشیر یا مع جون پور کو میں نے ۱۹۴۴ء کے حدود میں دیکھا، ان دنوں میں کتب خانہ سرکار ناصر الملت میں دن گذارا کرتا تھا، مولانا ضیاء الحسن صاحب موسوی کا کمرہ درس و مذاکرہ و ملاقات احباب کا مرکز تھا۔ اسی کتب خانے میں وقار صاحب آیا کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ پڑھے لکھے بزرگ ہیں۔ سرکار ناصر الملت سے روابط تھے۔ مولوی عبدالاول جون پوری کی تالیف مناقب معاویہ کا جواب تاریخ معاویہ اور متعدد کتابیں لکھیں ــــــــ وقار صاحب نے ۱۹۴۵ء کے بعد رحلت کی۔

حسن مرزا، لکھنوی:

حدود ۱۲۴۵ھ / ۱۸۲۹ء
حدود ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۸ء

مولانا حسن مرزا صاحب خاندانِ علما و صلحا سے تعلق رکھتے تھے۔ جوانی میں دستورِ لکھنؤ کے مطابق فنونِ سپہ گری سیکھے تھے، فنِ پہلوانی و تیراکی میں استاد مانے جاتے تھے۔ لیکن عبادت و زہد، درس و تدریس میں مشغول رہے۔ دنیاداری سے دور تھے، چونکہ مدت سے لکھنؤ سے باہر رہے اس لیے گمنام رہ گئے۔

لکھنؤ میں پیدا ہوئے، مفتی گنج میں رہے، معاصر اساتذہ سے تحصیلِ علم کی۔ خلاصۃ العلما سید مرتضیٰ اور

مولانا حامد حسین فردوس مآب اور جناب مفتی محمد عباس صاحب رضوان اللہ علیہم سے خاص تلمذ رہا۔

جناب سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب قبلہ نے نواب محمد علی خان صاحب رئیس شیخ پور ضلع مونگیر کی درخواست پر مولانا حسن مرزا صاحب کو بھیج دیا۔ نواب صاحب نے رئیسانہ اہتمام سے مولانا کو رکھا اور مولانا کی سیرت و کردار، تبلیغ و رشد و ہدایت نے ایک دنیا کو شیفتہ بنا لیا، نواب محمد علی خان حسین آباد سے ایک کوس کا سفر کر کے شرکت جماعت سے خوش ہوتے تھے۔

چھتیس سال تک مولانا حسن مرزا صاحب جمعہ و جماعت، وعظ و ارشاد کے فرائض انجام دے کر وطن واپس آئے اور ستر برس کے قریب عمر پا کر مرحوم ہوئے۔

فرزند: • شاہ مرزا صاحب

(بے بہا، ص ۱۴۲)

حسنو میاں، حیدرآبادی:

حدود ۱۲۱۷ھ / ۱۸۰۲ء
۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء

مولانا حسین علی خان عرف حسنو میاں، عالم و فاضل تھے۔ آپ کے اساتذہ میں معقولات کے استاد عبدالصمد خان قندھاری اور منقولات کے استاد مولانا محمد علی صاحب قبلہ تھے۔

مولانا حسنو میاں حیدرآباد دکن میں فلسفی یا معقولی کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ حیدرآباد کے اکثر افاضل آپ کے شاگرد تھے۔

تقریباً ایک سو بارہ سال کی عمر پا کر ماہِ ذی حجہ ۱۳۲۹ھ میں رحلت کی۔

نواب جعفر علی خان کا قطعۂ تاریخ ہے:

مسکنش در ہند بودہ، حیدرآباد دکن — مومن کامل محب بادشاہ انس و جان
در مہ ذی حجہ امی وا حیدرآبادی جوان — رفت زین جا مولوی فلسفی حسنو میاں

(۱۳۲۹ھ) (دفتر تاریخ حصہ ۲، ص ۷۶)

تلامذہ: مولانا آغا محمد علی مداح جعفری پسر آغا معصوم رشتی، مولود ۶ ذی قعدہ ۱۲۸۸ھ فاضل و شاعر و مدرس، مؤلف رسالہ افضل الصرف • صراطِ مستقیم • ایقاظ الغافلین (طبع شدہ)

مولانا مرزا صادق علی بیگ مدرس ملازم نواب اقبال الدولہ بہادر بمشاہرہ چہار صد ماہانہ

(بے بہا ص: ۱۴۲)

حسن، عظیم آبادی:

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء

مولانا الحاج میرزا حسن عظیم آبادی فاضل و فقیہ و عابد و زاہد خوش اخلاق تھے۔ جناب سید العلما مولانا سید حسین صاحب اور معاصر اساتذہ سے کسب فیض کے بعد حج و زیارات سے مشرف ہوئے، پھر کربلائے معلےٰ میں مجاورت کر لی۔ ان دنوں شیخ احمد احسائی و سید کاظم رشتی سے متاثر ہوگئے۔ ۱۲۵۲ھ کے آخر میں لکھنؤ آئے تو کشف الظلام و ترجمۂ حیوٰۃ النفس کے ساتھ ساتھ تبلیغ بھی شروع کی جناب سید العلما نے افادات حسینیہ میں اس کے جواب لکھے، علمائے لکھنؤ کی مزاحمت سے گھبرا کر ۱۲۶۰ھ میں عزم سفر عتبات عالیات سے الہ آباد پہنچے اور وہیں ۱۷ رمضان ۱۲۶۰ھ کو وفات پائی۔

تصانیف: • رسالہ در صلوٰۃ جمعہ • رسالہ صوم • اور فقہی رسائل (تکملہ نجوم السما ج ۲، ص ۱۴)

حسن رضا، شمس العلما:

۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء

مدراس کے مشہور عالم مولانا سید حسن رضا صاحب کو گورنمنٹ سے شمس العلما کا خطاب ملا تھا آپ انسپکٹر آف اسکولز رہے اور شیعوں کی دینی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔

۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ میں رحلت کی۔ (مکتوب حاجی غلام محمد تقی صاحب)

حسن یوسف:

حدود ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء

مرزا حسن یوسف اخباری فرزند زبدۃ المتفقہین، قدوۃ العلما، الاعلام، نخبۃ الافاضل الکرام زین الاتقیا الحاج آقا احمد میرزا لکھنؤ کے پرانے علمی اور زمیں خانوادے کے بزرگ و مقدس عالم تھے جو کربلائے معلےٰ ہجرت کر گئے تھے اور آخر عمر میں ایک عرصے تک لکھنؤ میں مقیم رہے۔ جب میں نے انھیں دیکھا (۱۹۴۰ء تا ۱۹۵۰ء) اس وقت ان کا سن ساٹھ برس سے زیادہ تھا۔ عربی لباس، ٹوٹی پھوٹی اردو بولتے تھے موصوف نے "نور ساطع" ترجمہ فارسی ہدایۃ العوام مجھے عطا کیا تھا۔ میری ہجرت پاکستان کے بعد رحلت کی میرا خیال ہے کہ ان کی رحلت عراق میں ہوئی۔ عراق میں لکھنؤ سے متعدد خاندان کربلا ہجرت کر گئے تھے۔ ان لوگوں نے وہاں املاک خریدی اور دینی علوم حاصل کیے۔ مرزا حسن یوسف صاحب، مرزا بادشاہ فیض آبادی کی اولاد سے تھے، ان کے دادا بھی لکھنؤ سے کربلا گئے۔ مرزا صاحب کے ایک فرزند محمد صالح دوسرے محمد علی کربلا میں رہتے تھے۔ (مولانا سعادت حسین خان صاحب ۱۲ محرم ۱۴۰۰ھ)

حسین بن شہاب الدین العاملی:

حدود ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء

۱۰۷۶ھ / ۱۶۶۵ء

علامہ الشیخ حسین ابن شہاب الدین بن حسین بن محمد بن حسین بن حیدر عاملی کرکی ۱۰۱۴ھ کے قریب پیدا ہوئے کرک وطن تھا، معزز اساتذہ سے تعلیم حاصل کر کے علم و فضل کی بلندیوں پر پہنچے، فصیح البیان ادیب و شاعر ہونے کے علاوہ طب میں مہارت تھی۔ سید علی مدنی نے سلافۃ العصر اور حر عاملی نے امل الآمل میں ان کی تعریف کی ہے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ مولانا اعجاز حسین نے شذور العقیان میں شیخ حسین کے نام بہاؤ الدین عاملی کا اجازہ نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ان کے تلامذہ میں تھے۔

حرمین حجاز، عتبات عالیات عراق و ایران کی زیارت کی، اصلاً عرب تھے مگر مدت تک ایران و دکن میں رہے، اصفہان میں قیام کر کے حیدرآباد آگئے۔ دکن میں اس وقت عبداللہ قطب شاہ کی حکومت تھی، عرب و عجم کے علما ملک میں عزت و احترام سے زندگی بسر کر رہے تھے، علم کا دور تھا، تصنیف و تالیف کی قدر تھی، حسین عاملی اپنی شگفتہ مزاجی، حاضر جوابی، خوش اخلاقی اور درس و تدریس کے شوق کی وجہ سے مقبول خاص و عام ہوئے علامہ نے چونسٹھ سال کی عمر میں دوشنبہ ۱۹ صفر ۱۰۷۶ھ کو حیدرآباد میں رحلت کی۔

تصانیف: • حاشیہ تفسیر بیضاوی۔ • شرح نہج البلاغہ مفصل۔ • ھدایۃ الابرار فی اصول الدین

- الاسعاف۔ • رسالۃ الرائقۃ فی طریقۃ العمل۔ • عقود الدرر فی حل ابیات المطول والمختصر۔
- حاشیۃ المطول۔ • مختصر الاغانی۔ • دیوان الشعر عربی۔ • کتاب کبیر فی الطب۔
- کتاب مختصر فی الطب۔ • رسائل فی الطب۔ • ارجوزۃ فی النحو۔ • ارجوزۃ فی المنطق۔ وغیرہ۔

(امل الآمل ج ۱، ص ۷۰۔ • نجوم السما ص ۹۲ • بے بہا، ص ۱۲۰)

حسین ابن شدقم مدنی:

۱۰۲۶ھ / ۱۶۱۷ء

حدود ۱۰۹۰ھ / ۱۶۷۹ء

مولانا سید حسین ابن علی ابن حسین / حسن بن شدقم مدنی، جمعہ، ۱۵ شعبان ۱۰۲۶ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، معاصر علما سے تعلیم حاصل کی۔ ایک مدت کے بعد وارد دکن ہوئے۔ اور یہیں ۱۰۹۰ھ کے قریب وفات پائی۔

کتب خانہ آیۃ الحکیم نجف میں ان کے قلم کے تصحیحات صحیفۂ کاملہ پر محفوظ ہیں۔

(امل الآمل ۵۵)

حسین، خالص اصفہانی:

۱۱۲۲ھ / ۱۷۱۰ء

حسین ابن باقر اصفہانی، ایران و عراق کے فاضل، عالم و علامۂ عہد و لاہور، دہلی آگرے میں رہے، خالص تخلص تھا۔ شاعری میں نام پایا۔ ۱۱۲۲ھ میں وفات پائی۔

حسین، شہرت:

۱۱۴۱ھ / ۱۷۲۸ء

سید حسین، شہرت، عالم و فاضل آدمی تھے، عراق سے ہجرت کر کے شیراز اور شیراز سے ہند آئے۔ شہزادہ محمد اعظم نے حکیم الممالک خطاب دیا، عالم و فاضل حاجی و زائر تھے۔ علم و زہد میں بے مثال تھے۔ ۱۱۴۱ھ میں رحلت کی۔ "شہرت مرد" تاریخ ہے۔ (نزہۃ الخواطر میں سال وفات ۱۱۴۹ھ لکھا ہے)

حسین بن رمضان علی:

۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء
۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۴ء

بحر العلوم السید حسین بن عارف کامل، مولانا السید رمضان علی نونہروی تیرھویں صدی کے ان حیرت انگیز شخصیتوں میں تھے جو خدا سے خاص توفیق لے کر آتے ہیں۔ مہینہ بھر میں نصف قرآن حفظ کر لیا، ایک مرتبہ کسی مسئلے کو دیکھ لیا تو اس کے کلیات و جزئیات ازبر ہو گئے۔ فلسفہ و منطق، ریاضی و اقلیدس غرض تمام علوم عقلیہ پر یکیانہ قدرت تھی، انگریز بھی لوہا مانتے تھے۔ "جامع بہادر خانی" پر ایسے اہم اعتراض کیے کہ مولانا غلام حسین گرویدہ ہو گئے۔ انتہی ذہانت و ذکاوت، حافظے اور قابلیت کے باوجود شوق مطالعہ کا یہ عالم کہ کہنیوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ شرح لمعہ اول سے آخر تک سات مرتبہ دیکھی اور کہا کرتے تھے کہ یہ کتاب علم فقہ کا سمندر ہے۔

نواب صاحب مرشد آباد نے باصرار تمام ریاست کے مدرسے کی صدارت پر راضی کیا تھا وہیں چھتیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ تاریخ وفات "الصدر" ۱۲۷۱ھ ہے۔ لکھنؤ میں علمائے فرنگی محل سے معقولات اور معاصر علماء سے علوم ہندسہ، ریاضی و ادب و تفسیر و حدیث پڑھی۔ جناب سید العلماء سے فقہ و اصول کا درس لیا۔ فخر العلماء سید محمد صاحب کہتے تھے کربلا و عرب و عجم میں مولانا سید حسین جیسا ذہین و کامل حکیم و فلسفی نہیں دیکھا جو پڑھتا اسے پانی اور سمندر کی گہرائی و روانی مل جاتی۔ عابد شب زندہ دار و تہجد گذار، طہارت کے پابند اور کمال تقویٰ پر فائز تھے۔ طلبہ سے محبت اور مطالعے سے عشق تھا۔ بحر العلوم فرنگی محلی و غلام حسین صاحب اور بڑے سے بڑے علمائے مباحثہ اور علمی حقائق پر گفتگو کرنے میں بند نہ تھے۔ ایک مرتبہ گورنر بنگال، نواب صاحب مرشد آباد سے

سے ملنے آئے، نواب صاحب نے اس اجتماع میں مولانا کو بھی شریک کیا تھا۔ اثنائے گفتگو میں ریاضی و فلسفہ و حکمت و اصول سیاست پر بات چھڑ گئی، مولانا کی گفتگو سن کر گورنر تڑپ اٹھا اور بے حد متاثر ہوا، کلکتے کی دعوت دی اور انگریزی میں تقریر کو ترجمہ کرنے کی خواہش کی مگر مولانا نہ مانے۔

مولانا حسین صاحب کے بعد ان کے جانشین سید مرتضیٰ نونہروی ہوئے۔ مولانا نے بے توجہی کی وجہ سے اپنے حواشی و تعلیقات و رسائل کو محفوظ نہ رکھا۔ (تکملہ نجوم السماء ج ۲، ص ۱۲۲، نزہۃ ج ۷)

حسین، مرعشی:

حدود ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء

مولانا سید حسین مرعشی، فقیہ، محدث، عالم، علامہ ترک وطن کر کے لکھنؤ آئے جناب سید العلما کے شاگرد ہوئے اور ۱۲۷۳ھ میں وفات پائی اور امام باڑہ غفران مآب میں محو خواب راحت ہوئے۔

(تکملہ ج ۲ ص ۲۲۵، نزہۃ ج ۷)

حسین، سید العلما:

۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء
۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء

۱۴ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ / اکتوبر ۱۷۹۶ء کو جناب آیۃ اللہ سید دلدار علی صاحب کے گھر سید العلماء مولانا سید حسین صاحب قبلہ کی ولادت ہوئی۔ "خورشید کمال" مادۂ تاریخ ہے۔

جناب غفران مآب نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام فرما رہے ہیں: "تم نے اپنی اولاد نرینہ کے نام رکھنے میں پنجتن کا سلسلہ کیوں موقوف کر دیا" تو آپ نے عرض کیا: اب میں ضعیف ہو گیا ہوں اس لیے آخری فرزند کا نام آخری امام کے نام پر رکھا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: ایک فرزند اور ہوگا اس کا نام میرے نام پر رکھنا۔

اس لیے نومولود فرزند کا نام حسین رکھا، عرف میرن صاحب قرار پایا۔

بچپنے میں کھیل کود سے دلچسپی نہ تھی۔ چار پانچ بھائی پڑھنے لکھنے والے، اندر باہر لوگ احترام و عزت سے پیش آنے والے نظر آتے تھے، لہٰذا اخلاق و کردار میں طبعی میلان اور ماحول نے دل کشی پیدا کر دی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد والد بزرگوار سے پڑھنے لگے۔ جب ان کی طبیعت ناساز ہوئی تو سلطان العلما سے درس لیا اور جب ان کا مزاج رو بصحت ہو گیا تو پھر ان سے سبق شروع کر دیے۔ عماد الاسلام، شرح اربعین بہاء الدین عاملی، کافی (اصول و فروع)، منتقی الجمان، غفران مآب سے پڑھی اور سلطان العلما سے سلم العلوم، شرح حمد اللہ، سیف ماسح کا درس لیا۔

دونوں بزرگوں نے اجازہ دیا۔

مفتی محمد عباس صاحب نے منطق و فلسفہ، ہیئت و ہندسہ، تجوید و ادب، علم الکلام و اصولِ فقہ و فقہ میں یکتائی روزگار مانا ہے۔

ذہانت و ذکاوت شوق و محنت کی بدولت سترہ برس کی عمر میں تجزی فی الاجتہاد پر رسالہ لکھا دوسرا مقالہ "حکم ظن در رکعتین اولیین" تحریر کیا مگر شرم کی وجہ سے والد سے اس کا اظہار نہ کیا۔ جناب غفران مآب نے فرمایا کہ اجازے کے لیے یاددہانی کرانا اجازہ لکھ دوں گا۔ عرض کیا کہ کسی وقت میری تحریر بھی ملاحظہ فرمائیے جناب نے درخواست منظور فرمائی لیکن ناسازی مزاج کی بنا پر سلطان العلما کو حکم دیا کہ رسالے کو دیکھ کر مجھے مطلع کرو۔ مولانا سید محمد صاحب نے تعمیل حکم فرمائی۔ خود مولانا دلدار علی صاحب نے بھی نظر ڈالی اور فرمایا "ماہرانہ باتیں لکھیں۔ مبتدیانہ کمزوریاں نہیں ہیں۔" اس کے بعد اجازہ دیا۔

جامعیت تحریر و تقریر کا عالم یہ تھا کہ بحث یا سبق کے درمیان برجستہ کہی ہوئی بات آخر تک اپنا وزن ظاہر کرتی رہتی، استفتا کے جواب میں جو جملہ لکھ دیا وہ مسئلے کے تمام پہلوؤں کو گھیر لیتا تھا۔ عراق و ایران کے فقہی ماحول اور اصولی فضا کے رہنے والے اس دراکی پر حیران ہو جاتے تھے۔

لوگوں کی رجوع، عوام کی محبت، طلبا کا ہجوم، سائلوں کا مجمع، افاضل کی گرویدگی کا عالم دیدنی ہوتا تھا۔ لکھنؤ کو ثانی نجف بنا دیا تھا، عرب و عجم سے مراسلت تھی۔ بادشاہ بھی تعمیلِ حکم کو شرف جانتے تھے۔

بادشاہ ثریا جاہ مصلح الدین ابو المظفر محمد امجد علی شاہ جنت مکان نے مولانا ہی کے اشارے سے مدرسۂ[1] سلطانیہ قائم کیا۔

---

[1] اعلم العلما افضل المجتہدین فخر المدرسین ممتاز العلما مولانا سید محمد تقی صاحب فرزند سید العلما کی سرپرستی و ارادت میں امجد علی شاہ نے ۱۲۵۹ھ سے قبل "مدرسۂ سلطانیہ" کی بنا رکھی۔ شاہی عمارتوں کے قریب نواب سعادت علی خاں مرحوم کا شاندار مقبرہ اپنی وسعت و گنجائش کے اعتبار سے منتخب کیا گیا دیکھیے احوال "آغا ابو صاحب" اور اس حاشیے میں مدرسۂ سلطانیہ کے ایک استاد کا نام پڑھا لیجیے۔ مرزا علی اظہر صاحب برلاس اپنی کتاب تاریخی شہ پارے میں لکھتے ہیں — "مولانا مرزا محمد مہدی صالح شاہی مدرسے کے ایک پروفیسر اور واجد علی شاہ کے ذاتی عملے کے ایک رکن تھے۔ وہ واجد علی شاہ اور علی نقی خان وزیر اعظم کو فن شاعری بھی سکھایا کرتے تھے۔

۱۹ مارچ ۱۸۵۸ء کو جنرل اوٹرم نے نواب علی نقی خان کی کوٹھی واقع گاؤ گھاٹ پر حملہ کیا، جس کا منہ توڑ جواب لکھنؤ کے دلیروں نے دیا۔ گئو گھاٹ کے میدان جنگ سے دو فرلانگ کے فاصلے

(جاری ہے)

"حاوی علوم دین، حامی سادات و مومنین، حافظ احکام اللہ مجتہد العصر سید العلما" پیہم کندہ کرا کے نذر کی اور سرکاری طور پر مولانا کو انھی القاب سے یاد کرنے کا فرمان جاری ہو گیا۔

سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب نے شرعی احکام کے نفاذ کی جو مہم شروع کی تھی، امجد علی شاہ نے اسے قبول کیا۔ شریعت کا نفاذ ہوا، اور سلطان العلما کو عدلیہ و انتظامیہ کی نگرانی حاصل ہوئی، سید العلما مولانا سید حسین صاحب کو نگرانِ تعلیم کا غیر رسمی منصب ملا اور وہ پورے ملک میں دینی سربراہ بن کر ابھرے۔ بادشاہ سکندر جاہ، ابو المنصور ناصر الدین حضرت سلطان عالم محمد واجد علی شاہ بہادر بھی ہمیشہ خلوص و عقیدت[2] اخلاص و ارادت سے پیش آتے رہے۔

(بقیہ) پر مفتی گنج نامی محلہ آباد ہے۔ علما و صلحا کے اس گنجان آبادی کے علاقہ میں ہائی لینڈرس (اسکاٹ لینڈ کے پہاڑی باشندے) نے مفتی گنج کی طرف پیش قدمی کی، مولانا محمد مہدی صاحب اپنے گھر سے صبح صبح اپنے باغ جا رہے تھے۔ انھوں نے دشمن کو دیکھا تو جھپٹ پڑے اور ان کے آدمیوں کو مار کر خود بھی گولی کا نشانہ بنے۔ مولانا محمد مہدی کو ان کے رہائشی مکان میں دفن کیا گیا۔ (تحقیقی مقالے ص ۳۳۴)

[2] واجد علی شاہ ہمیشہ علما کی عزت کرتے رہے، بچپنے سے ان کی تربیت ہی یوں تھی۔ ایک مرتبہ اپنی ولی عہدی کے زمانے میں ایک کنیز کو اس کی مالکہ کی رضامندی کے بغیر محل سرائے شاہی میں داخل کر لیا۔ یہ عورت مالکہ تھی اور اس عورت کو زوجہ بنانا چاہتی تھی۔ جناب رضوان مآب کی کچہری میں استغاثہ دائر ہوا، تحقیق کے بعد آپ نے لکھا:

رتفتیش بہ نہج شرعی ثابت گردید، ولی عہد بہادر را حکم محکم صادر شود کہ ویرا بمالکۂ وی حوالہ فرمایند و بمالکش حکم محکم صادر شود کہ ویرا بحبالۂ نکاح مومنی در آورد و بہ پیرامون فجور نہ گردد	اس کی کنیزی شرعی طور پر ثابت ہو گئی ولی عہد کو حکم محکم دیا جاتا ہے کہ اسے اس کی مالکہ کے حوالے کریں اور مالکہ کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس کی شادی کر دے اور فسق و فجور نہ کرے۔

کچہری کا فیصلہ اور مجتہد کا فرمان پہنچتے ہی تعمیلِ حکم ہوئی۔ امجد علی شاہ کے بعد جب ولی عہد تخت نشین ہوا تو سلطان العلما کو مقدمہ پر نظر ثانی کی درخواست دی۔ سلطان العلما نے جواب میں لکھا۔ حلال محمدؐ حلال الی یوم القیامہ وحرام محمدؐ حرام الی یوم القیامۃ۔

(حقائق لکھنؤ، ص ۳۲، جمادی الثانیہ ۱۳۵۴ھ)

سلطان العلما سید محمد صاحب قبلہ تمام معاملات میں چھوٹے بھائی کی رائے کو مقدم سمجھتے رہے، موصوف نے ممتاز العلما سید محمد تقی صاحب کے اجازے میں لکھا ہے :

"السمیدع الالمعی والحبر اللوذعی، ذی النظر الصائب والذهن الثاقب، عالی الکعب فی الفنون العقلیه، طویل الباع فی العلوم النقلیة، الراتع فی ریاض الاجتهاد والافادة الکارع من احادیث الجد والسادة، سید العلماء العاملین سند الفقهاء الکاملین عین الانسان وانسان العین اخی وصنوی ومهجة قلبی السید حسین لازال قریر العین محفوظاً عن اصابة العین"۔

اعلام و مجتہدین عظام سے برابر کے تعلقات استوار تھے، شیخ الشیوخ محمد حسن النجفی مؤلف جواہر الکلام کے مفصل و طویل خط چھپ چکے ہیں۔ ہزاروں معتقدوں، حاجت مندوں، شاگردوں کے خطوط کا انبار، ملنے والوں کا مجمع، طلبا کا ہجوم، اہلِ حاجت کا جم غفیر، وعظ و تذکیر، درس و تدریس، خطوں کے جواب، کتابوں کی تصنیف مومنین کی عیادت، محتاج، مسکین، یتیم اور بیوگان کی خبر گیری۔

تقسیم اوقات : آخر شب مسجد میں آنا، نوافل و فرائض و تعقیبات کے بعد واپسی اذاں تا نخانے میں جانا، وہاں تصنیف و تالیف کا کام کرنا، کچھ ضروری کاغذات دیکھنا۔

دس بجے تقریباً مردانے مکان میں تشریف آوری، پہلے درس دینا، درس میں اکثر افاضل و علما شریک ہوتے تھے۔ درس کے بعد اہلِ حاجت کی عرضیوں پر حکم ان کو حسبِ امکان داد و دہش، فتویٰ مانگنے والوں کو فتوے دینا۔

بعد زوال مسجد میں نمازِ ظہرین پڑھانا اور تعقیباتِ عصر کے بعد، برادرِ بزرگ سلطان العلما کی خدمت میں حاضری کے بعد گھر واپسی، مغرب تک درس، بعد درس گھر پر نماز جماعت۔

مغربین کی نماز کے بعد احباب و مسترشدین سے بات چیت اور جواب طلب خطوں کے جواب و فتویٰ، کبھی اس نشست کا سلسلہ نصف شب تک کھنچ جاتا تھا۔

وعظ و درس قرآن مجید : مولانا سید حسین صاحب کا دستور تھا، جمعہ، دوشنبہ، پنجشنبہ اور رمضان المبارک میں روزانہ درس قرآن مجید، بیان عقائد، تعلیم اخلاق دیتے، تقریر میں نکات و حقائق کا بحر زخار ٹھاٹھیں مارتا تھا۔ دُور دُور سے لوگ وعظ سننے آتے اور زبردست اجتماع ہوتا تھا، حاضرین گوش دل سے سنتے اور دل و جان سے یاد رکھتے تھے۔

معروفیات کے اس بحران اور وقت کی اس تنگی میں عشقِ قرآن میں ایک عرصے تک بپابندی قرآن مجید لکھتے رہے۔ کامل قرآن مجید جناب سید ابراہیم صاحب کے پاس تھا، جس کا ترقیمہ یہ ہے :

قد وقع الفراغ من کتابة القرآن المجید والفرقان الحمید بتائید الله سبحانه وحسن توفیقه علی ید اقل الخلیقه بل لا شیئ فی الحقیقة اقل العباد عملاً واکثرهم زللاً۔ ابن العلامة المرحوم الساکن فی جوار رحمة ربه الکریم السید دلدار علی رفع الله و درجاته فی جنات النعیم السید حسین صانه عن کل شین ورزقه شفاعة سید البشر رسول الثقلین صلی الله علیه و آله ۔ وکان ذلک یوم الاحد خمس بقین من شهر جمادی الآخرة سنة ست واربعین بعد الف ومأتین من الهجرة النبویة علی الصادع بها الف تسلیم وتحیة۔

حلیہ : میانہ قد، نحیف و لاغر، کتابی چہرہ، نور ساطع، ریش مبارک گھنی ہوئی تھی۔

اخلاق : شہرت کی زیادتی سے عاجزی و انکساری بڑھتی گئی بیوہ اور یتیموں پہ مہربان، طلبہ اور زائرین پہ شفیق تھے۔ قبولِ دعا اور زبان کی تاثیر کا یہ عالم۔

بارشِ رحمت : جناب مفتی محمد عباس صاحب نے اوراق الذہب میں لکھا ہے :

ایک سال بارش نہ ہوئی، موسم گذر گیا لوگ رو رو کر دعائیں مانگتے تھے، مگر بارش کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا۔ جناب سید العلما بھی استسقا کے لیے صحرا میں آئے۔ جماعت ختم کی ہی تھی، اور عبا کو جھٹکا بھی نہیں دیا تھا کہ گھٹا آئی اور خوب بارش ہوئی، جل تھل بھر گئے گلی کوچے پانی پانی ہو گئے۔

شوقِ خدمتِ دین : مولانا سید حسین صاحب علیین مکان نے مدارس کی تاسیس، مساجد کی تعمیر، دُور دراز مساجد میں آئمہ و واعظین کا تقرر کیا، کتابیں چھپوائیں، علما و طلبا کی مدد کی، متعدد حضرات کے وظیفے مقرر کرائے جن میں ایک مرزا غالب دہلوی بھی ہیں۔

برصغیر کے علاوہ مراکز عراق، نجف و کربلا تک پہنچے۔ وہاں کے علما و طلبا کی خدمت کی اور روضوں کی تعمیر کرائی۔

مشاہد مشرفہ کی تعمیر : جناب سید العلما علیین مکان نے نجف میں نہر آصف الدولہ کی اصلاح و تعمیر کے لیے ڈیڑھ لاکھ روپیہ، اور روضۂ حضرت عباس ع کے نقرئی دروازوں کی تجدید اور ایوانِ طلا کی تعمیر کے لیے تیس ہزار روپے، اور سامرے میں روضۂ عسکریین کی چار دیواری، گنبد پہ طلا کاری اور ایک مسافر خانے کی تعمیر کروائی اور نہر حسینی کربلا کی کھدائی کے لیے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ حضرت حُر کی قبر پہ عمارت بنوائی۔

یہ سب روپیہ آیت اللہ شیخ محمد حسن صاحب، جواہر الکلام اور آیۃ اللہ سید ابراہیم صاحب مصنف ضوابط الاصول کو بھیجا۔ اس سلسلے میں خط "ظل ممدود" میں چھپ چکے ہیں۔

دو ڈھائی لاکھ روپے یہ اور حرمین کی خدمت کے لیے ہزار ہا روپے محمد علی شاہ' بادشاہ اودھ اور رؤسا اور خود اپنے پاس سے بھجوائے۔ (ورثۃ الانبیاء، ص ۱۱۸)

محمد علی شاہ بادشاہ کے بعد امجد علی شاہ تخت نشین ہوئے تو وہ بھی سید العلماء کا بصد خلوص احترام کرتے تھے مگر آپ نے کبھی توجہ نہیں کی۔ امرا فرماں بردار تھے مگر کبھی کہیں نہ جاتے تھے۔ لوگوں کی سفارش کے لیے جانا ہوا تو بصد خوشی گئے۔

تعمیر روضۂ مسلم و ہانی : کوفے میں حضرت مسلم وہانی کے مزار ایک مدت سے بے توجہی کا نشانہ تھے جناب سید العلماء نے پندرہ ہزار روپیہ بھجوا کر دونوں روضوں کی تعمیر ہوئی۔

صاحب نظر جوہری : لکھنؤ میں ایک شخص موتی بیچتے بیچتے قبلہ و کعبہ کے یہاں حاضر ہوا۔ جناب نے موتی دیکھے اور خادم سے پانی طلب اور فرمایا یہ موتی اس میں ڈال دینا، سوداگر گھبرا گیا، اپنا صندوق بند کرنے لگا تو جناب نے فرمایا: تم شہر کو لوٹ چکے اب شہر میں اب نہ آنا۔ معلوم ہوا کہ سوداگر نے مصری کے موتی بنائے تھے۔

غربا پر شفقت : غربا پر لطف و کرم آپ کی فطرت کا خاصّہ تھا۔ چنانچہ ایک دن آپ تعقیبات کے بعد ہاتھ اٹھائے، دعا کر رہے تھے۔ ایک سائل آیا اور غصّے میں آپ کے منہ کے قریب ہاتھ لا کر چلایا،

"میں غریب بھوکا مرا جاتا ہوں، آپ ہیں کہ دعا ختم نہیں کرتے"۔

حاضرین نے اسے نکالنا چاہا مگر آپ نے روکا اور سائل کی حاجت پوری کرتے ہوئے اس سے معذرت کی۔

ایک مرتبہ دو آدمیوں نے گلے کی ردا کھینچ لی کہ دم گھٹنے لگا، جناب زبدۃ العلماء نے ان کو ڈانٹا تو آپ ناراض ہوئے اور ان دونوں سے کہا، واقعاً تمہارے کام میں تاخیر ہوئی معاف کر دو اور فرزند سے کئی دن تک بات نہ کی۔

ایک جامع واقعہ : اوراق الذہب عربی ادب و سوانح کی نفیس ترین کتاب ہے۔ اس میں مولانا سید حسین قبلہ کی سیرت بڑے جذب و شوق سے قلم بند کی ہے۔ مولانا کے زہد و اتقا' دنیا سے کنارہ کشی، صبر و عاجزی' عشق عبادت کی ایک نفیس تصویر اس واقعے میں نظر آتی ہے۔ مفتی محمد عباس صاحب ناقل ہیں۔

سید العلماء بیمار ہوئے، مرض سخت ہو گیا، شعبان کے آخر میں کچھ افاقہ ہوا ہی تھا کہ ماہِ مبارک آ گیا۔ اور جناب نے روزے شروع کر دیئے، میں (مفتی صاحب) نے اور اطبا نے منع کیا لیکن وہ شوقِ ثواب و ذوقِ عبادت میں روزہ رکھنے سے باز نہ آئے۔ کمزوری بڑھی تو انھوں نے "تاویلیں کرنا شروع کر دیں، کوشش

کی کہ لوگ روزے اور اعمال و سنن سے مانع نہ ہوں۔ بخار دوبارہ آنے لگا، روزے، نمازیں، وعظ کا سلسلہ جاری تھا۔ ایک روز منبر پر لرزہ آیا اور بہت نڈھال ہو گئے۔ منبر سے اترے گھر آئے کچھ دیر بعد ایک جنازہ آ گیا کہ نماز پڑھا دیجیے۔ قبلہ و کعبہ اس قدر معذور تھے کہ عذر کر دیا۔ وہ تھے دکھی اور صاحب غرض فرمانے لگے کہ ابھی کسی رئیس کا جنازہ ہوتا تو عذر نہ کرتے۔ جواب سُنا، صبر کیا اور اسی اذیت و تکلیف میں باہر آئے نماز پڑھائی۔

رمضان یونہی گزرا، ایک دن بخار رہا، ایک دن نہ رہا، مولانا بہر حال روزے رکھتے چلے گئے۔ آخری دن تھا کہ صحیفہ کاملہ سے دعاء وداع ماہِ رمضان پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے۔ مفتی صاحب نے پوچھا۔ حضور! ہمیشہ رمضان میں یہ اعمال بجا لاتے ہیں مگر جو حالت اس سال ہے پہلے کبھی نہیں دیکھی فرمایا: مجھے یہ آخری رمضان نظر آتا ہے۔ میری زندگی تمام ہو چکی ہے۔

یہ ان کا عام طریق کار تھا (ورثۃ الانبیاء، ص ۱۷)

وفات : محنت و ریاضت اور ضعف تو اپنی جگہ، اصل میں وقت آ چکا تھا۔ لہٰذا شب یکشنبہ، ۱۷ صفر ۱۲۷۳ھ / اکتوبر ۱۸۵۶ء کو دنیا سے رخصت ہوئے۔

صبح کو شہر میں کہرام بپا تھا۔ "میرن صاحب رحلت کر گئے۔ چھوٹے قبلہ و کعبہ مرحوم ہو گئے۔ سید العلماء کو اب علیین مکان کہا جائے۔

دریائے گومتی پر غسل ہوا، مجمع کی زیادتی تھی، لہٰذا آصف الدولہ کے امام باڑے میں نماز ہوئی، کہتے ہیں کہ لکھنؤ میں اتنے بڑے اجتماع سے اب تک کوئی جنازہ نہ اٹھا تھا۔ جناب سلطان العلماء غم سے نڈھال تھے۔ آپ ہی نے نماز پڑھائی' اور امام باڑہ غفران مآب میں اندرونی دالان میں جناب غفران مآب کے پائیں با مغربی حجرے میں دفن کیا۔ قبر پر مرمر کی سلیں جن پر سونے کا کام' قبر کے اوپر چوبِ صندل کا جنگلہ لگا دیا گیا۔

لکھنؤ تو سوگوار ہوا ہی' پورے ملک میں حسرت و غم کی فضا چھا گئی۔ مرزا غالب نے کالپی کے رئیس انور الدولہ کو لکھا:

"آپ کو معلوم ہو گا کہ میرن صاحب نے انتقال کیا' یہ چھوٹے بھائی تھے مجتہد العصر لکھنؤ کے نام ان کا سید حسین اور خطاب سید العلماء "نقش نگین و میر حسین ابن علی" میں نے ان کی رحلت کی ایک تاریخ پائی، اس میں پانچ بڑھتے ہیں۔ یعنی ۱۲۷۸ء ہوتے تھے، تخرجہ تخرجہ کا میرے خیال میں آیا، میں تو جانتا ہوں اچھا ہے۔۔۔۔۔

حسین ابن علی آبروئے علم و عمل — کر سید العلما نقش خاتمش بودی
نماند و ماندے اگر بودے پنج سال دگر — غم حسین علی سال ماتمش بودی

(اردوئے معلّےٰ طبع مجلس ترقی ادب. ص ۵۹۷)

بے شمار شعرا نے مرثیے اور قطعاتِ تاریخ لکھے، جناب مفتی محمد عباس صاحب نے عربی و فارسی میں لاجواب قطعات لکھے ہیں، ان میں ایک قطعہ ہے۔

الدھر اقبل بالعوالی وانتضیٰ — سیفا ولیس الحکم الا للقضا
لھفی علی حبر علیم بارع — قدبات من مغض علی جمر الغضا
ھو سید العلما مولانا الحسین سلیل آل المصطفیٰؐ والمرتضیٰؑ
مازال کھفا للانام مواسیا — متعطفا متفجعا و ممرضا
حتی اذا اصفرت انامله من — الحمٰی لسابع عشر من صفر مضیٰ
والیوم یوم وفاۃ مولانا الرضاؑ — فبکت علیه عیون اخبار الرضا

مرزا غالب نے قطعہ تاریخ کے علاوہ ایک درد انگیز ترکیب بند فارسی میں لکھا ہے۔

(کلیاتِ غالب طبع مجلس ترقی ادب ج ۱، ص ۴۶۴ و ۵۰۴)۔

نواب خیرات علی خان نجم کے چار مصرعے ہیں:

ہفدہ ز صفر، ثلث شبِ شنبہ بود — مولای جہاں بجنت چو فرمود وصال
شد سالِ وفات با سنہ میلادش — ای نجم "زوال دید" خورشید کمال"

۶۲ = ۱۲۱۱ھ

اولاد : • سید علی حسین صاحب، حکومتِ اودھ نے زین العابدین خطاب دیا تھا۔ علوم طبیہ میں کامل تھے۔ ۱۲۶۴ھ میں رحلت کی۔ • ممتاز العلما سید محمد تقی صاحب جنت مآب۔ • زبدۃ العلما سید محمد تقی صاحب • مولانا سید عبدالجواد صاحب اودھ کی کسی ریاست میں پیش نماز تھے۔

تصانیف : • تفسیر سورۃ الحمد، مفصل۔ • تفسیر سورۃ البقرہ، نامکمل۔ • تفسیر سورۃ ھل اتیٰ علی الانسان • تفسیر سورۃ التوحید۔ • تفسیر آیہ کریمہ کنتم خیر امۃ، رد اعتراضاتِ رازی۔ • تفسیر پر نوٹ اور اشارے (غیر مطبوعہ)۔ • رسالہ در فن تجوید۔ • رسالۂ تجزی فی الاجتہاد • رسالہ مسئلہ شک در رکعتین الاولیین۔ • مناہج التدقیق و معارج التحقیق از اوقاتِ نماز تا احکام سلام شیخ محمد حسن جواہر اور شیخ سلیمان بحرانی شیخ باقر رشتی نے تعریف کی طبع شد و جیز رائق احکام طہارت فقہ (املا کرائی) طبع شد

• روضۃ الاحکام (فارسی، فقہ) مقصدِ اوّل مقدمہ و طہارت و صلوٰۃ و صوم، طبع شد اور مقصد چہارم کا باب اوّل یعنی میراث بھی طبع ہو چکا۔ • رسالۂ مبسوط فی المیراث (عربی، فقہ)۔ • حدیقۂ سلطانیہ در مسائلِ ایمانیہ، حسب ایما امجد علی شاہ بادشاہ۔ • اصول دین و احکام تاج، بابِ ششم (مقصد ثانی) بیان زیارات۔ اس ضخیم کتاب کا مقدمہ، باب اوّل و دوم (توحید و عدل و نبوت) باب چہارم امامت دو جلدوں میں چھپا ہے (فارسی، عقائد)۔ • وسیلۃ النجاۃ۔ اصول دین تا آخر بحث نبوت (فارسی، عقائد، غیر مطبوعہ)۔ • رسالہ اصالۃ الطہارت، سید ابراہیم حائری نے مدح لکھی (فقہ، غیر مطبوعہ، عربی)۔ • رسالہ منع از بیع مایعات نجس و متنجس (فارسی، فقہ، غیر مطبوعہ)۔ • طرد المعاندین اہل نفاق پر جواز لعن (فارسی، مطبوعہ)۔ • حاشیہ شرح کبیر (ریاض المسائل) کتاب الصوم، الغصب، الحقوق • تعلیقات علی شرح ھدایت الحکمت، ملا صدرا (عربی، فلسفہ، غیر مطبوعہ)۔ • رسالہ تبصرۃ العقول فی تحقیق النسبۃ بین الحقیقۃ والمجاز المنقول (عربی، اصول فقہ، غیر مطبوعہ)۔ • مجالس مفجعہ۔ • فوائد فی تنقیح العقائد، افاداتِ حسینیہ، رد اقوال شیخ احمد احسائی و کاظم رشتی۔

تلامذہ : سینکڑوں افاضل میں سے چند نام : • مفتی محمد عباس (سید العلما کے تلمیذ خاص مؤلف اوراق الذہب، سوانح سید العلما نیز ظل ممدود مکاتیب سید العلما کا مجموعہ۔ • ممتاز العلما جناب سید محمد تقی صاحب۔ • علامہ کنتوری غلام حسنین صاحب۔ • زبدۃ العلما سید نقی صاحب۔ • حامد حسین فردوس مآب۔ • عمدۃ العلما سید ہادی صاحب۔ • مفتی منظفر حسین نانوتوی۔ • قائمۃ الدین مرزا محمد علی صاحب • مفتی مقبول حسین بدایونی۔ • مولانا نیاز حسن صاحب برتنی حیدر آبادی۔ • مولانا شیخ تفضل حسین تعلقدار فتح پور لسواں۔ • نواب دولہا صاحب۔ • مولانا شیخ علی حسین صاحب بدایونی۔ • مولانا شیخ علی اظہر صاحب • مولانا سید حسین مرعشی۔ • مولانا سید علی نقی صاحب۔ • و حاج مرزا حسن عظیم آبادی جو کاظم رشتی کی صحبت میں شیخی ہو گئے۔ وفات الٰہ آباد ۱۲۶۰ھ۔ • مولانا سید محمد بن سید باقر شاہ بخاری۔ • مولانا اولاد حسین صاحب۔ • مولانا حکیم مرزا غازی صاحب۔ • مولانا حافظ انور علی صاحب۔ • مولانا قاری جعفر علی جارچوی صاحب۔ • مولانا سید مہدی شاہ کشمیری عظیم آبادی۔ • مولانا مرزا محمد صاحب بخاری • مولانا سید علی حسن صاحب جائسی۔ • مولانا سید محمد حسین صاحب۔ • مولانا مرزا محمد ہادی صاحب صلاح مصنف خلاصۃ المصائب۔ • حکیم سید اکبر شاہ کشمیری۔ • شفاء الدولہ، ذکاء الملک حکیم سید افضل علی خان صاحب بہادر مدبر جنگ۔ (آخر حدیقۂ سلطانیہ، باب چہارم، طبع لکھنؤ ۱۳۰۴ھ • بے بہا ص ۱۴۲ • قصص الانبیاء • فوائد الرضویہ • اوراق الذہب • ظل ممدود تکملۂ نجوم السماء ج ۲، ص ۱۲۵)۔

حُسین، آذربائیجانی :

حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

مولانا محمد حسین ابن مولانا محمد علی آذربائیجانی، کھمبات میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد علی اور مُکیر آذربائیجان سے وارد کھمبات ہوئے (کھمبات بمبئی کے قریب شیعہ ریاست تھی اور قدیم زمانے سے اس بندر گاہ پر شیعہ قافلے اترتے رہتے تھے، مَیں نے ۱۹۵۰ء میں حسب نامہ خاندان مومن خان ثانی کا ترجمہ کیا تھا جس میں اس شیعہ ریاست پر مختصر نوٹ ہے (یہ کتاب ابھی تک منتظر اشاعت ہے) مولوی محمد حسین حسینی نے کھمبات میں ہوش سنبھالا، والد کے ساتھ ایران گئے اور تعلیم مکمل کر کے کھمبات اور لکھنؤ پہنچے، لکھنؤ میں شاہی اعزاز کے "روضہ خوان" و کتاب خوان مقرر ہوگئے۔

نواب صدیق حسن خان نے حدود ۱۲۹۵ھ میں لکھا ہے کہ ان دنوں مولانا حسین رام پور میں ملازم ہیں۔

تصنیف : مجالس الاخبار، فارسی، حدیث و تاریخ و مناقب، (روز روشن، ص ۱۷۷)

حُسین، امروہوی :

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۲ء

۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

مولانا سید حسین، امروہہ وطن تھا، نوجوانی میں وفات پائی، تاریخ وفات ۱۳۰۰ھ ہے۔

حُسین، صابر :

۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء

۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء

مولانا سید حسین بن مفتی محمد عباس صاحب قبلہ، لکھنؤ میں ۱۲۷۶ھ کو پیدا ہوئے۔ علم و کمال حاصل کر کے اجازات سے سرفراز ہوئے۔ (صابر تخلص تھا)

دریائے ہگلی کے کسی سفر میں (۱۳۰۶ھ) غریق ہوئے۔

حُسین، سیتاپوری :

حدود ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء

مولانا سید حسین صاحب سیتاپور کے علما میں تھے۔ لکھنؤ کے علما سے فقہ و اصول، حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کی تھی۔ حدود ۱۳۰۸ھ میں رحلت کی۔

لہ۔ لکھنؤ میں بہت سے ایرانی افاضل جو خطابت میں طاق تھے، صاحب اعزاز ہوئے۔ ان میں ملا بابا ذل کے خاندان سے آقا جان زائر۔ ملا محمد شوستری خطا مؤلف بحر البکا۔ مولانا محمد علی ابن غلام علی مؤلف لسان الواعظین وسیع النظر عالم و فاضل حضرات تھے۔

حسین ابن عاشق علی، لکھنوی :

حدود ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء

۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء

مولانا سید حسین ابن سید عاشق علی سادات ... سلسلہ بارہویہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے اجداد دہلی میں سکونت پذیر تھے۔ رسول دار کہلاتے تھے۔ عہد آصف الدولہ میں لکھنؤ آئے۔ نواب مرحوم ان صاحب کی قیام گاہ احاطہ شاہ جمال و کمال میں ملنے آئے۔ اٹھارہ بیگھے زمین کا معافی نامہ دیا۔

مولانا سید حسین صاحب، عہد نواب سعادت علی خان میں پیدا ہوئے۔ یعنی ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء کے لگ بھگ۔

مقدمات صرف و نحو اور فارسی کا نصاب شاہی مدرسے میں پڑھا، پھر اعلیٰ درجے کی کتابیں بڑے اساتذہ سے پڑھیں، ان اساتذہ میں سید العلما سید حسین علیین مکان سے خاص تلمذ رہا۔

۱۸۵۷ء سے بہت پہلے سفر عراق و ایران کے لیے بہلیوں پر نکلے منزل بمنزل بھوپال پہنچے وہاں مدرسے میں مدرسی کی پھر دوسری منزل پر روانہ ہوئے۔ یہ سفر تحصیل علم و ملاقات علما و زیارات عتبات عالیات کا سفر تھا۔ ساڑھے تین سال اس میں بسر ہوئے۔ اس کے بعد تین سفر عراق اور کیے، آخری سفر فالج کی حالت میں اپنے فرزند محقق ہندی کے ساتھ کیا تھا۔

مولانا سید حسین صاحب معقولات کے استاد کامل اور مدرس مشہور تھے۔ علامہ غلام حسنین صاحب کنتوری کے مدرسہ ایمانیہ لکھنؤ میں مدرس رہے۔ مولانا ادب و کلام، فقہ و اصول پر عبور رکھتے تھے مگر درس طب و معقولات میں شہرت تھی۔ آپ کے شاگرد بہت نامور ہوئے۔

۳۲ سال فالج میں مبتلا رہے۔ اسی سال کی عمر پا کر سہ شنبہ ۱۲ رمضان ۱۳۱۹ھ لکھنؤ میں رحلت کی۔ نواب جعفر علی خاں رئیس شمس آباد نے قطعہ تاریخ لکھا :

روز سہ شنبہ دہ و دو بود ماہِ صیام — رفت این کامل مدرس نزد شاہِ مشرقین

در وفات منطقی لکھنوی جعفر بگو — ماہ روزہ خلد منزل مولوی سید حسین

۱۳۱۹ھ

آپ کی قبر شبیر جنگ کے باغ واقع ڈیوڑھی آغا میر لکھنؤ میں ہے۔ مَیں نے قبر پر لکڑی کا کٹہرہ بھی دیکھا تھا۔

مولانا سید حسین صاحب زہد و ورع، علم و عمل میں سلمان و ابوذر وقت تھے۔ تمام علما ان کا احترام کرتے تھے۔ ان کے فرزند مولانا سے پڑھتے تھے، عراق کے اکابر ان کی جلالت علمی سے باخبر

تھے، چنانچہ مولانا محمد حسین صاحب محقق ہندی کے اجازات میں سے چند عبارتیں مولوی محمد حسین صاحب ڈگانوی نے یہ نقل کی ہیں:۔ • شیخ زین العابدین مازندرانی الاعلم۔

"سید العلماء الاعلام، قدوۃ الفضلاء الکرام، ذخر الاواخر والاوائل العبر بلاساحل صاحب التصنیف فی المعقول والتالیف فی الاصول۔ مولی الموالی سید حسین۔ • آقای مرزا حبیب اللہ رشتی الاعظم

• العالم الربانی والفاضل الصمدانی والنحریر الذی لیس لہ ثانی الالمعی اللوذعی جناب السید حسین صاحب الهندی۔ • آقای شیخ حسین رہ۔

"العالم الفاضل، والکامل الباذل ذخر الاواخر والاوائل البحر بلاساحل۔ المولوی السید حسین الکھنوی"۔ • آقای میرزا فضل اللہ مازندرانی۔

"سید علماء الاعلام قدوۃ فضلاء الکرام جامع العلم والعمل المھذب عن الزلل والعلل، الجلیل الکبیر الذی عز لہ مثیل ونظیر ابو التصانیف فی المعقول والتالیف فی الاصول وسائر العلوم الدینیۃ والمطالب الشرعیہ۔ المولی القمقام۔ المولی العلام، جامع سعادات الدارین المولوی المعنوی، السید حسین"۔

تلامذہ : ان اوصاف کا مظہر ان کے فرزند محقق ہندی مولانا محمد حسین صاحب اور وہ شاگرد ہیں جو درج ذیل ہیں: • بحر العلوم جناب علن صاحب۔ • ملاذ العلما سید بچھن صاحب۔ • باقر العلوم سید باقر صاحب • مولانا ابو الحسن صاحب ساکن مقبرہ لکھنو۔ • مولانا سید علی جواد زنگی پوری۔ • ظہیر العلما ظہور حسین میراں پوری۔ • مولانا محمد حسن مولانا کے فرزند اکبر۔ • مولانا خواجہ عابد حسین سہارن پوری۔ • مولانا حکیم محمد جواد صاحب • مولانا محمد حسین مؤلف بے بہا۔

تصانیف : • چند نام، • رسالہ اصول فقہ در عربی۔ • رسالہ در علم کلام۔ • حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ ملا صدرا۔ • رسالہ منظومہ در عروض و قوافی۔

اولاد : • مولانا محمد حسن صاحب۔ • مولانا محمد حسین صاحب محقق ہندی۔

حسین، بلگرامی :

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۵ء
۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء

مولانا سید حسین بلگرامی عماد الملک، عالم و فاضل، مدبر و منتظم، مولانا سید علی بلگرامی و سید حسن بلگرامی کے بھائی، عربی، فارسی، انگریزی و اردو کے ادیب اسلامی تبلیغات میں آپ کا نام مشہور ہے، قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا۔ حیدر آباد دکن میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔

۱۳۴۴ھ میں وفات ہوئی۔
ترجمہ انگریزی، قرآن مجید بڑی محنت سے لکھا تھا۔

حسین، سنبھلی :

۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۶ء

مولانا سید حسین، سنبھل (ہند) کے رہنے والے تھے۔ عالم و فاضل، مقدس و پیش نماز، کانپور میں قیام رہا۔

۲۳ اپریل ۱۹۳۶ء محرم ۱۳۵۴ھ میں رحلت کی۔ (البرہان، لدھیانہ)

حسین احمد، بارہوی :

۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء
۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء

مولانا حکیم سید حسین احمد صاحب زیدی میرٹھ اور رام پور کے تعلیم یافتہ اور پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل تھے۔ طب بھی پڑھی تھی اور معالجہ سے شغف تھا۔

ہائی اسکول میں عربی کے مدرس تھے۔ ریواڑی اور ملتان میں رہے۔ میری مولانا سے ملاقات ۱۹۵۴ء ملتان میں ہوئی۔ بہت مقدس اور ملنسار تھے۔ عمر ۵۵ برس کے قریب تھی۔

ملتان، گورنمنٹ ہائی سکول سے ریٹائرڈ ہو کر ملتان شہر ہی میں رہے۔ آخر میں فالج ہو گیا تھا۔ کئی سال فالج کی حالت میں رہ کر ۲ نومبر ۱۹۷۶ء / ۹ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ کو دنیا سے کوچ فرمایا۔

اولاد : متعدد فرزند اور دختران تھیں۔

تصانیف : • اصلاح المصلین، قرائت و مسائل نماز دو مرتبہ چھپی۔ • معراج الصلوٰۃ، شرح اصلاح المصلین۔ (مکتوب مرحوم مولانا حسین احمد صاحب اور مجلس جہلم کا اشتہار)

حسین اصغر، جونپوری :

۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء
۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء

مولانا سید حسین اصغر ابن میر امام علی صاحب چورا ضلع جون پور کے رہنے والے تھے۔ ۱۲۳۵ھ کے لگ بھگ ولادت ہوئی۔ لکھنؤ میں جناب مفتی محمد عباس صاحب اور جناب مولانا سید حسین صاحب علیین مکان سے تلمذ رہا۔ متداول علوم سے باخبر اور فقہ و اصول کے عالم تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں شعر و شاعری کرتے تھے۔

جناب سلطان العلما سید محمد صاحب اور علیین مکان نے جمعہ و جماعت کے لیے اجازے دیے

تھے۔ مولانا احمد حسین صاحب زنگی پوری نے آپ کے زہد و تقویٰ، امانت و دیانت کی بنا پر اپنا وصی و امین بنایا تھا، حسین اصغر صاحب نے حق وصایت ادا کیا اور مولانا مرحوم کا متروکہ سامان ان کی والدہ کو بحفاظت پہنچادیا۔

نواب سید لطف علی خان صاحب بہادر مرحوم کے یہاں چلے گئے اور جمعہ و جماعت و تبلیغ احکام و دین کے فرائض انجام دے کر ترسٹھ، چونسٹھ سال کی عمر پاکر ۲۳ شعبان ۱۲۹۹ھ پٹنہ ہی میں رحلت کی۔ تلسی منڈی، پٹنہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

اولاد : مولانا حسین اصغر صاحب کی شادی بارہ ضلع غازی پور میں ہوئی تھی اس لیے آپ باروی کہلاتے تھے۔ آپ کے فرزند مولانا محمد صالح صاحب شرح لمعہ و شمس بازغہ تک پڑھ کر بارہ میں زمین داری کی دیکھ بھال کرتے رہے اور قصبے میں بحد امکان دین اور علم کی خدمت بھی کی۔

محمد صالح صاحب ۱۲۸۳ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۳۵۵ھ تک زندہ تھے۔ (بے بہا، ۱۳۱)

حُسین اصغر جلالوی :

۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

مولوی سید حسین اصغر، جلالی ضلع علی گڑھ کے رہنے والے تھے، مدرسۂ ناظمیہ میں تعلیم حاصل کی۔ مجھ سے شرایع الاسلام اور منتخب العربی کا درس لیا۔ وطن سے ہجرت کرکے کراچی میں آباد ہوگئے تھے اور وہیں تقریباً تیس پینتیس کی عمر پاکر ۲۲ مئی ۱۹۷۵ء کو رحلت کی۔

حُسین علی خان بارہوی :

۱۱۳۲ھ / ۱۷۱۹ء

امیر الامرا حسین علی خان، بڑے بہادر، مدبر، عالم فاضل شخص تھے، چہارشنبہ ۶ ذی الحجہ ۱۱۳۲ھ میں رحلت ہوئی۔ آپ نے محمد بن رستم بن قباد حارثی بدخشی سے "نزول الابرار بما صح من مناقب اہل بیت الاطہار" نامی کتاب لکھوائی۔ (نزہۃ ج ۶، ص ۷۷)

حُسین علی بریلوی :

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

مولانا حسین علی بریلوی، عالم و فاضل بزرگ تھے ۱۲۵۰ھ کے لگ بھگ رحلت کی۔

حسین مہدی :

۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

مولانا سید حسین مہدی صاحب مانک پوری (الٰہ آباد) ممتاز الافاضل، ناظمیہ میں مدرس تھے، وہاں سے مدرسہ ناصریہ آگئے اور صدر مدرس تک رہے۔ ۱۹۷۳ء کے حدود میں رحلت کی۔

حُسین ابن نورالدین جزائری :

۱۱۷۳ھ / ۱۷۶۵ء

سید نعمت اللہ سید آغائی جزائری کے بھائی سید نورالدین کے فرزند سید حسین علم و فضل میں ماہر اور فارسی کے بہت بڑے شاعر تھے۔ بادشاہ نے پذیرائی کی، محمد علی زنگا آغروبل سے بنگال اور بنگال سے جہاز کے ذریعے نجف پہنچے اور مطالعہ و تحقیق، عبادت و ریاضت میں عمر بسر کرکے ۱۱۷۳ھ میں رحلت کی۔

• حواشی و تعلیقات۔

فرزند : • سید محمد علی (نجوم السماء)

---

[1] اس کتاب میں جا بجا ان عرب علما کا ذکر موجود ہے جو ایران اور برصغیر میں تبلیغ و تعلیم دین کے لیے تشریف لائے ان کے خانوادے یہاں رہے۔ انھوں نے تفسیر و حدیث و فقہ و اصول کے درس دیے وہ اسی خطے میں رہے بسے اور یہیں پھلے پھولے۔ ان علما میں شط العرب کے علاقے "الجزائر" کا ایک خاندان قابل توجہ ہے یعنی سید نعمت اللہ بن سید عبداللہ حسینی موسوی جزائری، سید نعمت اللہ الجزائر کے قریہ صباغیہ میں پیدا ہوئے، مقامی علمائے پڑھ لکھ کر شیراز و شوشتر گئے اور علامہ مجلسی محمد باقر سے حدیث میں آخری اجازہ لیا۔ ان کے ساتھ کام کیا اور ۱۱۱۲ھ میں رحلت کی۔

ان کے فرزند سید نورالدین اور ان کی اولاد حیدرآباد و لکھنؤ میں رہی جن میں مفتی محمد عباس کا نام سونے کے حرفوں سے لکھا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ نعمت اللہ جزائری کے نواسے سید نعمت اللہ سید آغائی، جو زیچ محمد شاہی کے رکن تھے اور پشاور میں جاں بحق ہوئے سنہ وفات ۱۱۵۱ھ ہے۔ اسی طرح ان کے بھائی سید حسین بن نورالدین دہلی میں رہے مگر یہاں کی تباہ حالی اور متعصبانہ روش سے گھبرا کر نجف چلے گئے۔

ان حضرات کی اولاد میں بہت سے علما برصغیر میں دینی خدمات انجام دیتے رہے۔

(تحفۃ العالم اور نجوم السماء جلد دوم میں ان حضرات کے بارے میں تفصیلات ملیں گے)

حُسین علی جارچوی : ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء

مولانا الحاج سید حسین علی صاحب جارچوی، مقدس و پرہیزگار واقفِ فقہ، لودھیانے (متحدہ پنجاب کا ایک شیعی مرکزی شہر) میں جمعہ و جماعت کے امام تھے۔ آپ نے ۷ جنوری ۱۹۱۸ء/ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ کو رحلت کی۔ (البرہان، جمادی الاول ۱۳۳۶ھ)

حشمت علی : ۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء — ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

مولانا سید حشمت علی صاحب موضع خیر اللہ پور سیداں تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد حاجی جماعت علی صاحب متدین و مقدس بزرگ تھے (موصوف نے ۱۲۵ برس عمر پانے کے بعد رحلت فرمائی) خاندانی طور پر یہ لوگ شیرازی سید کہلاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جب ہمایوں ہندوستان سے شکست کھانے کے بعد ایران گیا اور شاہ طہماسپ نے فوجی کمک دی اور کچھ اشراف و سادات ساتھ بھیجے ان میں سے ایک بزرگ سید سعید نوروز شیرازی بھی تھے۔ یہ بزرگوار مستجاب الدعوات تھے۔ ہمایوں چاہتا تھا کہ موصوف بادشاہ کی فتح کے لیے دعا کریں۔ سید صاحب کی دعا قبول ہوئی۔ بادشاہ نے کامیابی کے بعد آپ کو اجازت دی کہ جو جگہ پسند فرمائیں وہ نذر کی جائے۔ سید صاحب نے سیالکوٹ کے قریب موجودہ نارووال کے مضافات کی سرسبز و شاداب زمین کو پسند فرمایا۔ اس علاقے میں پانچ بستیاں آپ کی اولاد کی آباد ہوئیں جن میں علی پور سیداں اور خیر اللہ پور سیداں مشہور ہیں۔ خیر اللہ پور میں سید جماعت علی کے گھر میں سید حشمت علی پیدا ہوئے۔

مولانا حشمت علی کی تاریخ ولادت ۱۸۵۸ء / ۱۲۷۴ھ ہے۔

طلب علم کے لیے سفر: ہوش سنبھالا تو قصبے کے مدرسہ مولانا عبد الرشید میں جانا شروع کیا۔ عبد الرشید حنفی سے فارسی کی تعلیم مکمل کی۔ حاجی جماعت علی صاحب نے فرزند کو عالمِ دین بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لاہور میں مولانا ابو القاسم حائری صاحب کا مدرسہ تھا لہذا حاجی صاحب نے بیٹے کو لاہور بھیج دیا۔ محلہ شیعاں میں مسجد نواب صاحب درس گاہ تھی۔ حشمت علی مدرسے میں پڑھتے اور "ماتم سرائے" میں رہتے تھے۔ طالب علم کی ذہانت اور شوق سے متاثر ہو کر نواب نوازش علی خان قزلباش نے سرپرستی کی اور مولانا کو اورنٹیل کالج میں داخلہ مل گیا۔ موصوف نے مولوی فاضل پاس کر لیا تو لکھنؤ جانے کی تیاری کی۔ مولوی فاضل میں درس نظامی کی اعلیٰ ترین کتابیں پڑھ کر اور مولانا ابو القاسم صاحب سے تفسیر و حدیث و فقہ کا درس لے کر لکھنؤ پہنچے۔ اساتذہ سے فقہ و اصول کا آخری درس لیا اور سندِ تکمیل کے بعد دل چاہا کہ حنفی علماء سے بھی اجازے لیے جائیں چنانچہ دیوبند گئے۔ صدر

مدرس نے حشمت علی صاحب کے شوقِ تحصیلِ علم، محنت اور اخلاق سے متاثر ہو کر مدرسے میں رہنے کی اجازت دے دی، خود مولانا فرماتے تھے کہ اجازتِ داخلہ کے ساتھ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا حق بھی دیا۔ کچھ عرصے تک دیوبند میں رہ کر وطن آئے۔ تمام اطراف و جوانب میں ان کا شہرہ ہو گیا، نارووال کے شیعوں نے درخواست کی اور مولانا کو اپنے یہاں رکھنے کی سعی کی۔

سفرِ عراق: مولانا کی پیاس ابھی بجھی نہ تھی وہ عراق کے لیے تڑپ رہے تھے، سب نے روکا مگر نہ مانے آخر والدہ نے منع کیا تو مجبور ہو گئے مگر مناسب وقت تلاش کر کے والدہ کی منت سماجت کی اور نجف کی راہ لی۔ ایک دیہات سے چلنا، راستوں کی زحمت، سفر کا طول سب مشکلیں سامنے آئیں، نارووال کے معززین آڑے آئے مگر مولانا کے ارادے میں تزلزل نہ آیا، نارووال کے ایک مومن مخلص شیخ ماہیا کو ساتھ لیا اور پیدل چل کھڑے ہوئے۔ کبھی گھوڑے پر کبھی پیادہ سفر کا ارادہ تھا۔ خیر اللہ پور سے لاہور چھیاسٹھ میل دور ہے، خاندان اور اردگرد کے لوگ موضع بنواں چونڈہ تک میل بھر رخصت کرنے آئے۔ مولانا نے سب کو خدا حافظ کہا اور سفر شروع کر دیا، زادِ راہ کم، طولانی سفر پیش نظر، خدا پر تکیہ اور جذب کامل پر بھروسہ تھا۔ دیک موضع لہلیاں میں رات بسر کرنا تھی۔ برساتی نالہ عبور کر رہے تھے کہ ایک غیبی امداد مل گئی اور اتنی بڑی رقم کا انتظام غیب سے ہوا کہ تیرہ سال تک انھیں کسی کا احسان مند نہ ہونا پڑا، یہ مولانا کی روحانی کیفیت کا نتیجہ تھا۔ مولانا کے خلف اکبر جناب محمد حسین شاہ صاحب نے اس کی تفصیل بیان کرنے سے پہلو تہی فرمائی ہے کہ شیعہ علما باطنی کمالات کے اظہار کو پسند نہیں فرماتے۔ مولانا لاہور پہنچے ہی تھے کہ آپ کے والد کچھ روپیہ لے کر وارد لاہور ہوئے اور بیٹے کو وہ رقم پیش کی۔ مولانا نے بصد احترام وہ رقم والد صاحب کی نذر کرتے ہوئے درخواست کی کہ اس سے آپ حج کر لیں، ادھر نواب نوازش علی خان صاحب حج کے لیے تیار تھے۔ جناب سید جماعت علی شاہ صاحب شریکِ قافلہ ہو گئے۔

ورودِ عراق: مولانا حشمت علی صاحب کراچی سے بصرہ اور بصرے سے کربلا حاضر ہوئے۔ اس وقت شیعوں کے مرجع اکبر آیۃ اللہ، المجدد العلام سید محمد حسن شیرازی تھے۔ نجف و کربلا میں سید مہدی قزوینی (م ۱۳۰۶ھ) شیخ محمد حسن مامقانی (متوفی ۱۳۲۳ھ) سید محمد کاظم صاحب کفایہ (م ۱۳۲۹ھ) سید محمد حسین شہرستانی جیسے جید علمائے اعلام مسندِ درس پر جلوہ افروز تھے، شہر طلبہ سے آباد اور علما جوق در جوق آ رہے تھے۔ الامام المجدد محمد حسن شیرازی نے سامرہ کو مرکز ثقل بنایا تھا۔ مولانا حشمت علی صاحب بھی اس چشمۂ آبِ حیات کے پاس پہنچے اور چند مہینوں میں سرکار آیۃ اللہ کے معتمدین میں داخل ہو گئے۔ مراسلات کا شعبہ مولانا سے متعلق ہو گیا۔

آیۃ اللہ سرکار میرزا محمد حسن شیرازی : سرکار میرزا کا دور حوزۂ علمیہ نجف کا اہم ترین دور گذرا ہے مجدد اعظم آیۃ اللہ شیخ مرتضےٰ انصاری رحمۃ اللہ کے بعد آپ میرزا ملت شیعہ کے سب سے بڑے مرجع تھے آپ نے ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء میں رحلت کی۔ جناب محمد حسین صاحب (فرزند اکبر مولانا حشمت علی صاحب قبلہ) نے اپنے مکتوب میں چار باتیں ایسی لکھی ہیں جو قابلِ توجہ ہیں۔ موصوف نے اپنے والد علام کی زبانی سُنا۔

• آپ کے درس میں سینکڑوں طالب علم حاضر ہوتے تھے۔ آپ منبر پر تشریف لے جاتے اور درس شروع کرتے تو آواز ایسی ہوتی کہ جس طرح قریب کے طلبا سنتے تھے۔ اسی طرح دور کے بیٹھنے والے سنتے تھے۔

• حاجت مند آتے تو آپ ہر ایک کو اتنی ہی رقم دیتے جو اس کی حاجت کے مطابق ہوتی تھی خواہ سائل کتنی ہی زیادہ رقم کیوں نہ طلب کرتا۔ رقم لے کر وہ شخص قائل ہو جاتا تھا۔ • پنجشنبہ کو بعد نماز صبح بالائی منزل پر آتے اور کربلا کی طرف رُخ کر کے زیارتِ امام حسین علیہ السلام پڑھتے تھے اور امام حسین علیہ السلام ان کا جواب دیتے تھے۔" خود قبلہ حشمت علی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں سرکار سید الشہداء علیہ السلام کی آواز اٹھویں روز سنا کرتا تھا۔" مولانا حشمت علی نے اس عارف کامل کی صحبت میں رہ کر طہارت باطنی اور اخلاق عالیہ کی تربیت اور درس علوم دینی لیا۔

چھ سال مسلسل درس میں رہنے کے بعد ایک سال کے لیے وطن آئے ۱ سال تمام کر کے دوبارہ گئے اور پھر چھ سال تک تحصیلِ درس میں مصروف رہے۔

عراق میں ان کے خاص اساتذہ تھے : • محقق آخوند کاشی۔ • مرزا عبدالوہاب مازندرانی۔ • محقق شہرستانی، سید محمد حسین (فقہ کے ساتھ علوم سائنس کے بھی عالم تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے غیر مسلموں اور سائنسدانوں سے استفادہ کیا تھا)

مولانا حشمت علی صاحب معقولات کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایک سال قسطنطنیہ میں رہے، اس سفر کی یادگار ایک منقش حقہ ہے جو اب تک ان کے آثار میں محفوظ ہے۔

مجموعی طور پر تیرہ سال عراق و ایران و ترکیہ میں رہ کر وطن آئے اور مرجعیت حاصل کی۔ مقامی مزاج نے ان کے علم فقہ و اصول کے بارے میں تو کچھ نہ کہا البتہ انھیں صدرا کا حافظ اور معقولات کا ماہر ضرور مانا۔ لیکن یہاں ایک جگہ بیٹھنا ممکن نہ ہوا، قومی اصلاح اور مناظروں کی بنا پر دورے کرنا پڑے اور پورے برصغیر سے دعوت نامے آنے لگے یہی بیان کا ماحول تھا اور مناظرہ و وعظ ہی کو معیارِ علم سمجھا جاتا تھا۔ مولانا علمی مزاج رکھتے تھے" آپ کو وعظ و خطابت کا اتنا شوق نہ تھا جتنا خود مسائل سمجھانے اور بتانے" اس کے باوجود ملک کے تقاضوں کو قبول کیا مناظرے کیے تو ڈنکے بج گئے، جلسوں میں گئے تو لوہا منوا لیا۔

سیدھی سادھی وضع، قانع و زاہد ہونے پر سب کا اتفاق تھا، علم و فضل میں لاجواب ہونے کے ساتھ

ساتھ صاحب عرفان و صاحب باطن بزرگ مانے گئے۔

قومی خدمات : مولانا محمد حسین صاحب نے تذکرہ بے بہا میں معاصر اخبارات و رسائل سے تاریخوار چند اہم خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔

شیعہ کانفرنس کے اجلاس امروہہ کی شرکت کی، ۱۹۰۶ء میں سرگودھا میں امام باڑے کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس جلسے میں انگریز حکام اور معززین شہر جمع ہوئے تھے۔ مولانا کی تحریک سے چندہ بھی بہت ہوا۔ ۱۱ محرم ۱۳۲۶ھ کو ناروال میں سالانہ جلسہ ہوا اور مولانا نے تقریر فرمائی موضوع تھا :

"اِنَّ اللہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ" [1] اس موضوع پر اصلاحی اور علمی تقریر کی۔ جمعہ کے دن بہت بڑے اجتماع کے ساتھ نماز ہوئی۔ — علی گڑھ یونیورسٹی کے لیے دورہ کیا۔ چنانچہ ۱۰ مارچ ۱۹۱۱ء کو گوجرانوالہ میں قلندر حسین صاحب ڈسٹرکٹ انجینیر گوجرانوالہ کی صدارت میں جلسہ ہوا گوجرانوالہ و امین آباد وغیرہ سے شیعہ جمع ہوئے۔ بہت بڑا اجتماع تھا، حکام بھی موجود تھے مولانا نے تقریر کی اور دل موہ لیے۔ لوگوں نے یونیورسٹی فنڈ کے لیے دل کھول کر چندہ دیا — ۱۹۲۳ء جھنگ کے اجلاس شیعہ کانفرنس میں آپ صدر منتخب ہوئے تھے۔ — شیعہ کالج کی تحریک میں مولانا نے دل کھول کر امداد دی۔

سفرِ زیارات : ۱۳۴۴ھ میں مولانا حشمت علی صاحب دوسری مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے۔

سفر سے واپسی کے بعد بھی آپ کے مساعی جاری رہے، ضلع سیالکوٹ خصوصاً اور پنجاب عموماً آپ کے فیوض سے بہرہ ور ہوا۔ ناروال کی تو دینی فضا ہی مولانا کی محنت کا پھل ہے

وفات : یکم و دوم جنوری ۱۹۳۵ء کی درمیانی رات کو دس بجے (۲۵ رمضان ۱۳۵۳ھ) مولانا نے رحلت فرمائی۔ صبح کو بٹالہ، امرتسر، جھنگ، منٹگمری اور لاہور سے لوگ جوق در جوق جمع ہو گئے۔ عظیم الشان مجمع کے ساتھ نماز جنازہ ہوئی اور امام باڑہ خیر اللہ پور میں سپردِ لحد کیے گئے۔

مولانا کی خواہش تھی کہ خیر اللہ پور میں ایک مسجد بنوائیں لیکن حالات ساز گار نہ ہوئے۔ آپ نے وصیت کی تاکہ ان کے بعد مسجد ضرور بن جائے چنانچہ خان بہادر نور محمد صاحب ڈپٹی کمشنر مرحوم کی ہمت اور لوگوں کی والہانہ عقیدت کام آئی۔ ایران سے حجۃ الاسلام عبدالکریم زنجانی لاہور آئے تو انھیں تکلیف دی گئی۔ موصوف نے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور مسجد مکمل ہوئی۔

۱۹۷۰ء تک مولانا کا شاندار مقبرہ بھی مکمل ہو گیا۔

اولاد : مولانا کی دختری اولاد کے علاوہ تین فرزند ہیں۔

• جناب سید محمد حسین شاہ صاحب بی اے۔ • ڈاکٹر محمد طفیل شاہ صاحب۔ • مولانا نذیر احمد صاحب۔

---

[1] حجۃ الاسلام آقای حاج عبدالکریم زنجانی زعیم الاسلام نے ۸۵ سال کی عمر پا کر ۱۰ ستمبر ۱۹۶۸ء میں رحلت فرمائی۔

تصانیف: • معراجیہ (ثبوت معراج جسمانی) • رسالہ ضرورت امام (غیبت امام پر بحث) • شرح حدیث طینت (جس پر مولانا اصغر علی روحی حنفی نے بہت عمدہ تقریظ لکھی ہے) • رسالہ عرشیہ (رد تناسخ) • نماز شبیہ مترجم با اصول دین۔ پانچوں کتابیں چھپ چکی ہیں۔ ان کی زبان فلسفیانہ اردو ہے۔

(بے بہا، ۱۴۳۔ • مکتوب جناب محمد حسین صاحب فرزند کربلائی قبلہ و کعبہ۔ • ذاتی اطلاعات)

حفاظت حسین :

۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء

مولانا سید حفاظت حسین صاحب بزرگ افاضل میں تھے۔ ان کے احوال مفصل گم ہوگئے۔ خیال ہوتا ہے کہ جیک پور سے تعلق تھا۔ لکھنؤ میں تکمیل علوم کے بعد دینی خدمات انجام دیئے اور ۱۳۸۴ھ میں وفات پائی۔

حمایت حسین :

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۴ء

مولانا سید حمایت حسین عرف میر علی بخش کنتوری جناب غفران مآب مولانا دلدار علی صاحب کے شاگرد اور کنتور (بہرائچ) کے باوجاہت رئیس تھے۔ عالم و فاضل بزرگ تھے۔ عربی ادب و نظم کے عظیم المرتبت ادیب تھے۔ لوگ انھیں امرؤ القیس کہتے تھے۔ طب سے بھی شغف تھا۔ موصوف نے اصول فقہ میں غفران مآب کی تصنیف اساس الاصول کا اردو میں ترجمہ فرمایا۔ اس طرح موصوف کو اردو میں اصول فقہ منتقل کرنے کی اوّلیت حاصل ہے۔

۱۲۸۰ھ کے حدود میں رحلت فرمائی (تکملہ نجوم السماء ص ۴۲۲، سوانح غفران مآب ص ۳۰، بے بہا ص ۱۵۱)

حمد اللہ :

۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء

مولوی حمد اللہ ابن حکیم شکر اللہ ابن شیخ دانیال ابن پیر محمد حضرت ابوبکر کی اولاد سے تھے اور لکھنؤ کے قریب سندیلہ کے رہنے والے تھے، ملا نظام الدین سہالوی کے نامور شاگرد اور برصغیر کے نامور فلسفی و منطقی و حکیم تھے، حکومت دہلی (شاہ عالم) کی طرف سے فضل اللہ خان کا خطاب اور جاگیر کا فرمان رکھتے تھے۔

معاصر شیعہ علمائے سے فیض یاب ہوئے اور شیعہ مذہب قبول کر لیا۔ میر باقر داماد (متوفی ۱۰۴۱ھ) کے افکار سے بہت متاثر تھے اور انھیں اپنی کتابوں میں "خیر اللحققۃ بالمھرۃ" کے نام سے یاد کرتے اور ان کے افکار کی حمایت کرتے تھے۔

میرا خیال ہے کہ حزیں سے استفادہ کیا تھا۔

منطق کی مشہور و متداول کتاب سلم العلوم کی شرح لکھ کر برصغیر کے منطقیوں کی حد آخر قرار پائے۔ ملا صدرا کی شرح حکمۃ العین پر عالمانہ حاشیے لکھے۔

بہاء الدین عاملی رحمہ اللہ کی اصول فقہ شیعہ کا درس دیا اور زبدۃ الاصول کی شرح قلم بند کی۔

صوبہ دار اودھ نواب ابو المنصور خان سے صیغۂ اخوت تھا اور دستار بدلی تھی۔ سندیلہ میں بہت بڑا مدرسہ قائم کیا تھا اور نواب اودھ نے اس کے لیے بہت بڑی امداد دی تھی۔ ان کے فرزند حیدر علی بھی شیعہ تھے اور آپ کی طرح بڑے استادوں میں شمار ہوتے تھے۔

مولوی حمد اللہ نے ۱۱۶۰ھ دہلی میں رحلت کی۔

تصانیف: • شرح زبدۃ الاصول (اصول فقہ، عربی) • شرح تصدیقات سُلّم معروف بہ حمد اللہ (عربی مطبوعہ) • حاشیہ شمس بازغہ (فلسفہ، عربی) • حاشیہ صدرا۔

اولاد: • حیدر علی • اکبر علی۔

تلامذہ: • قاضی احمد علی سندیلوی داماد۔ • ملا باب اللہ جون پوری۔ • عبد اللہ مخدوم زادہ سندیلوی۔ • احمد حسین لکھنوی۔ • قاضی زادہ محمد اعظم سندیلوی۔

(تذکرہ علمائے ہند: ۵۲، نزہۃ الخواطر)

حیدر حسین، نکہت :

حدود ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء

حدود ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

مولانا حسین صاحب صدر الافاضل فوزیہ گنج لکھنؤ کے رہنے والے افاضل و علماء میں تھے۔ جناب نجم العلوم مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ اور جناب سید ہادی صاحب قبلہ سے تلمذ تھا۔ ۱۹۱۸ء کے لگ بھگ صدر الافاضل کا امتحان پاس کیا۔ مولانا حیدر حسین کے ساتھی بڑے پائے کے تھے، ذہین، ذکی اور مقدس مثلاً مولانا حیدر علی صاحب ملا یوسف صاحب، مولانا سید محمد صاحب امروہوی، حکیم صادق حسین صاحب، ملا محمد جواد صاحب مناظر۔ ان میں مولانا حیدر حسین صاحب شعر و ادب میں فائق تھے، شستہ تحریر اور شگفتہ تقریر، اردو، عربی، فارسی میں برجستہ شعر گوئی میں امتیاز حاصل تھا۔

شوق تبلیغ میں بیرون لکھنؤ زیادہ رہے۔ بمبئی کے مومنین نے آپ سے بہت فیض حاصل کیا۔ لکھنؤ میں مدرسہ ناظمیہ اور سلطان المدارس دونوں جگہ کچھ عرصہ درس بھی دیا۔ میں نے موصوف کی مجلسیں لکھنؤ میں سنی ہیں۔

جب میں نے لکھنؤ چھوڑا ہے اس وقت مولانا نکہت صاحب پچاس ساٹھ کے درمیان میں تھے سنا ہے کہ ۱۳۹۰ھ کے قریب لکھنؤ میں وفات پائی۔

حیدر علی سندیلوی : ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء

ملا حیدر علی ابن ملا حمد اللہ، سندیلے کے مشہور عالم تھے۔ ان کے والد ملا حمد اللہ سے خاندان شاہانِ اودھ کے قدیمی تعلقات تھے۔ ملا شیخ حیدر علی صدیقی بھی لکھنؤ میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ شیعوں کے مشہور عالم مولانا دلدار علی غفران مآب ان کے شاگرد تھے۔ مولانا حیدر علی کا خاندان سنی تھا لیکن ان کے والد اور وہ خود شیعہ ہو گئے تھے۔

ان کے اساتذہ میں قاضی احمد، باب اللہ جونپوری اور مولانا حمد اللہ کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔
مولانا حیدر علی کی تاریخ وفات ۷ رجب ۱۲۲۵ھ اور مقام دفن مدرسہ حمد اللہ، سندیلہ ہے۔

تصانیف : • تکملہ شرح سلم العلوم۔ • حاشیہ شرح سلم۔ • حاشیہ میر زاہد۔ • حاشیہ میر زاہد ملا جلال۔
(نزہۃ ج ۷)

حیدر علی لکھنوی : ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء — ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء

مولانا حیدر علی بن محمد علی موسوی محلہ توپ دروازہ لکھنؤ کے رہنے والے اور عالم باپ کے عالم فرزند تھے۔
اپنے والد کے علاوہ مولوی تراب علی حنفی (متوفی ۱۲۸۱ھ) مولانا احمد علی محمد آبادی۔ جناب مفتی محمد عباس جنتِ مکان ممتاز العلما سید محمد تقی صاحب سے، شرح ملا حسن، مسلم الثبوت، زبدۃ الاصول، تہذیب الاصول، مسالک اور مدارک کے درس لیے۔

مفتی صاحب کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ عابد و زاہد، شاکر و قانع، انتہائی منکسر المزاج و محتاط تھے۔ رؤسا کے یہاں سے چہلم کے جوڑے اور فاتحہ کا سامان جو بہت قیمتی ہوتے تھے۔ مولانا قبول نہ کرتے تھے۔

فقہ و اصول میں مجتہد، معقولات میں یکتا اور ادب میں مانے ہوئے ادیب تھے۔ ترویج علوم تدریس کا شوق تھا۔ بہت بڑے بڑے علما آپ کے شاگرد ہوئے۔ مولانا غلام حسنین صاحب کنتوری نے مدرسۂ ایمانیہ قائم کیا تو مولانا اس کے مدرس ہوئے۔ آپ صرف فیٹن کا کرایہ لیتے تھے۔ پٹنہ میں نواب لطف علیخان کے یہاں جمعہ و جماعت پڑھاتے تھے مگر چھ ماہ پٹنے اور چھ ماہ لکھنؤ میں رہتے۔

۱۹ محرم ۱۳۰۲ھ کو رحلت کی اور ممتاز العلما کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔

تلامذہ : مولانا حیدر علی صاحب کثیر التلامذہ تھے۔ آپ کے شاگردوں کی مختصر فہرست یہ ہے :

- مولانا سید محمد باقر صاحب۔ • جناب سید محمد جعفر صاحب۔ • صاحبزادگان جناب سید باقر صاحب
- مولانا نثار حسین صاحب عظیم آبادی۔ • احمد حسین صاحب الٰہ آبادی۔ • علی جواد صاحب زنگی پوری

تصانیف : فہرست تصانیف سے مولانا کے تنوع اور خصوصی ذوق و رجحان کا حال معلوم ہوتا ہے۔

- شرح زبدۃ الاصول۔ • رسالہ در استدلال نجاست کفار۔ • حاشیہ شرح لمعہ۔ • حاشیہ شرح ملا صدرا۔
- حاشیہ شرح حمد اللہ۔ • دیوان عربی۔ • منشآت العربیہ۔ (تکملہ نجوم السما، ج ۱، ص ۶)

(خ) خادم حسین مفتی : ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء — ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۴ء

مولانا مفتی سید خادم حسین صاحب ڈیرہ اسماعیل خان صوبہ سرحد کے مشہور عالم، مبلغِ اسلام، مقدس اور مخزم بزرگ۔ مولانا نے ابتدائی تعلیم مدرسۂ عالیہ رام پور میں حاصل کی اور مولوی فاضل کا امتحان دے کر سلطان المدارس لکھنؤ میں داخل ہوئے اور آیۃ اللہ الاستاذ الاکبر مولانا سید محمد باقر صاحب، مولانا سید محمد ہادی صاحب اور دوسرے اساتذہ سے متوسطات و درسِ اعلیٰ کے بعد سند الافاضل و صدر الافاضل کی سندیں حاصل کیں۔ ۱۹۲۱ء میں مدرسۂ سلطان المدارس سے فارغ التحصیل ہوئے اور مدرستہ الواعظین میں تربیت تبلیغ کے لیے چلے گئے، وہاں جناب مولانا سبط حسن صاحب قبلہ اور مولانا ابوالحسن صاحب قبلہ سے فیض یاب ہوئے۔ مدرستہ الواعظین نے مولانا کو سندھ کے لیے مبلغ متعین کیا۔ آپ نے خیر پور میں مرکز بنایا اور حمایتِ اسلام و تشیع میں عمر گزاری۔ قیام پاکستان اور مہاجرین کی آبادکاری میں انتھک کوشش کی۔

مولانا مرزا عبد الحسین صاحب لکھنوی کی وفات کے بعد ریاست خیر پور میں مفتی مقرر کیے گئے تھے۔ عراق و ایران کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ایک کتاب بھی لکھی۔ ۱۳۷۴ھ میں رحلت کی۔ ۱۹۵۴ء کے بعد رحلت فرمائی۔

تصانیف : الحق مع حیدر الکرار۔ (مطبوعہ، اردو) (مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ)

لہ۔ مدرسۂ عالیہ رام پور، ریاست رام پور کا مشہور مدرسہ ہے۔ اس میں بڑے بڑے شیعہ سنی علما نے تعلیم حاصل کی۔ آخر میں مولانا سید محسن نواب صاحب صدر مدرس تھے۔ رام پور کی حکومت شیعہ تھی اور آخری نواب، سید رضا علی خاں نے مدرسے کی بڑی خدمت کی تھی۔ رضا علی خاں، ریاست رام پور کے آخری نواب تھے۔ ۱۹۴۸ء میں ریاست ضبط ہوئی اور ۶ مارچ ۱۹۶۶ء کو مرحوم ہوئے۔ موصوف نے ریاست کے کتب خانہ رضائیہ کو بڑی ترقی دی، یہ کتب خانہ اس وقت ہندوستان کے وقیع کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔

خادم حسین، فیض آبادی:

حدود ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء
حدود ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء

مولانا سید خادم حسین صاحب بڑاگاؤں ضلع فیض آباد (ہند) جناب مولانا سید عالم حسین صاحب قبلہ استاذ ادب جامعہ سلطانیہ کے فرزند اکبر تھے۔ اپنے والد علام اور جناب مولانا محمد رضا صاحب، جناب سید محمد ہادی مجتہد اور سرکار محمد باقر صاحب قبلہ سے تلمذ تھا۔ سلطان المدارس سے ۱۹۲۱ء میں سے صدر الافاضل اور لکھنؤ یونیورسٹی سے دبیر کامل، فاضل ادب اور فاضل حدیث میں گولڈ میڈل تھے۔ (۲۵-۱۹۲۸ء)

جناب مولانا عالم حسین صاحب قبلہ کی وفات کے بعد ۱۵ ستمبر ۱۹۳۴ء سے مدرسہ سلطان المدارس میں شعبہ امتحانات عربی و فارسی الہ آباد کے درجہ مولوی میں استاد مقرر ہوئے۔ ۱۷ سال بعد اورنٹیل کالج لاہور چلے گئے، کچھ دنوں بعد افریقہ میں طلب کیے۔ آپ نے وہاں خدمات دینی انجام دیئے۔

مولانا کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔ اندازہ ہے کہ ۵۴ کے بعد اور ۱۹۶۰ء سے کچھ پہلے رحلت کی۔
مولانا خادم حسین صاحب جید الاستعداد عربی، فارسی کے شاعر و ادیب، فقیہ اور مقدس عالم تھے

خادم علی خان:

حدود ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء
~~حدود~~ ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء

مولانا خادم علی خان صاحب بستی شاد و خان ضلع مظفر گڑھ کے ایم اے اور فاضل پنجاب میں تھے۔ مولانا آغا سید شرف حسین شاہ صاحب مرحوم ساکن بھکر ضلع میانوالی کے شاگرد تھے۔ نہایت مرد فاضل اور متقی تھے۔ ساری عمر اس جگہ گذاری۔ ہمیشہ طالبان علم دین کو درس دیتے رہے۔ وسیع کتب خانہ تھا جس کا ایک حصہ اب بھی اسی بستی میں بطور امانت محفوظ ہے۔ جس کے نگران شاد محمد خان بن واجد علی خان بلوچ ہیں۔

اولاد نرینہ نہیں چھوڑی ۱۳۷۹ھ سنہ وفات ہے

~~ان کی ولادت ۱۸۹۰ء سے قبل ہوئی اور ۱۹۷۰ء قبل رحلت فرمائی۔~~

مسائل فقہ و اصول و کلام پر پورا عبور تھا۔ تاریخ و حدیث پر مکمل نظر تھی۔ مناظرہ کے ماہر تھے اور روزمرہ کا شغل تھا۔ اس علاقہ میں اپنے مواعظ مناظرے اور درس سے بڑی تبلیغ فرمائی۔ نہایت سادہ مزاج بے تکلف گوشہ نشین شہرت پسندی سے دور تھے۔

اس دور کے اکثر تعلیم یافتہ حضرات ان کے شاگرد رہ چکے ہیں۔

خاقان حسین:

۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء
حدود ۱۳۷۴ھ/۱۹۴۵ء

سید خاقان حسین ابن سید مظفر حسین رضوی، نواب سید محمد آغا میر کے نواسے تھے، فقہ و منطق و ادب عربی و فارسی آقا احمد آذر بائیجانی سے پڑھے، اور کچھ ترکی بھی سیکھی۔ انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کی وثیقہ یاب و رئیس ہونے کے باوجود علوم اسلامی سے شغف رہا۔

موصوف کی ولادت ۱۸۷۶ء میں ہوئی اور وفات ۱۹۴۵ء کے لگ بھگ کان پور میں رہتے تھے۔

اولاد: • قیصر حسین قیصر۔ • انور حسین

تصانیف: • دیوان۔ • معدن الاسرار (مذہبی عقائد، فلسفہ و حکیمانہ و عارفانہ افکار تین ہزار شعر) • العلم والعمل (اردو)، مذہب شیعہ کے عملی پہلو مطبوعہ۔ • الحکمۃ اللدنیہ (عربی، فلسفہ مطبوعہ)

(انجمن اسلام جوبلی نمبر)

.. ..

خدابخش:

حدود ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء

فاضل کامل، میر خدابخش، جناب غفران مآب کے شاگرد تھے، وطن کنتور تھا، لکھنؤ میں آفرین علی خاں کے مختار کار تھے۔ ۱۲۳۲ھ میں وکٹوریہ گنج کے آگے تال کٹورے کی کربلا میر خدابخش صاحب نے بنوائی تھی یہ کربلا موصوف کی آرام گاہ بھی ہے (سوانح حیات غفران مآب، ورثۃ الانبیاء)

خورشید حسن:

حدود ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء
۱۳۸۰ھ/۱۹۶۸ء

مولانا سید خورشید حسن صاحب قبلہ جناب نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ مجتہد طاب ثراہ کے چھوٹے بھائی جناب مولانا سید بدر الحسن صاحب قبلہ جو کہ اچھے صاحب علم تھے اور بعہدہ ڈپٹی کمشنری ریاست اودے پور میں فائز رہنے کے بعد ریاست محمود آباد میں تحصیلدار کی حیثیت سے تشریف لائے انھیں کے بڑے صاحبزادے اور ناظمیہ عربی کالج کے ممتاز طلبا میں رہ کر ممتاز الافاضل کے بعد درجات اجتہاد کے سلسلہ میں عراق تشریف لے گئے۔ حصول اجازہ ہائے اجتہاد کے بعد لکھنؤ تشریف لائے کچھ عرصہ نور المدارس امروہہ میں پرنسپلی کے بعد جامع مسجد گیا میں امام جمعہ و جماعت رہے اور وہاں تقریباً ۴۰ سال مقیم رہنے کے بعد امروہہ تشریف لائے اور یہیں انتقال فرمایا مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے مبلغ کی حیثیت سے جناب مرحوم نے خدمات انجام دیں۔ آخر عمر میں فریضہ حج بھی ادا فرمایا اور زیارات کربلا و نجف سے بھی مشرف ہوئے۔ چند کتب گیا میں طبع ہوئیں۔ جامعہ ناظمیہ کے سالانہ

جلسہ کی صدارت بھی فرمائی اور جشنِ الماسی میں بہترین خطبہ پیش فرمایا۔ ان تمام باتوں کے علاوہ آپ بہترین خطیب و ذاکر تھے۔ اور زہد و ورع اور سادگی میں سرکار نجم العلما کا پرتو تھے۔ موصوف کے ایک فرزند اور متعدد صاحبزادیاں موجود ہیں۔ مولانا خورشید حسن کی تاریخ وفات ۲۳ جنوری ۱۹۶۸ء / ۲۲ شوال ۱۳۸۷ھ ہے)

تصانیف : • تنبیہ الغافلین۔ • شرح نہج البلاغہ۔ • نجم الزائر طبع لکھنؤ ترتیب و ترجمہ جامع الکلم (طبع شدہ) (مولانا محمد محسن نبیرہ نجم العلما)

.. ..

خیرات احمد :

حدود **۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء**

مولانا خیرات احمد صاحب، پٹنہ کے قریب ایک قصبے کے رئیس تھے۔ علوم دینیہ سے شغف تھا، ان کی تبلیغی کتاب "نور ایمان" ساٹھ ستر برس سے مشہور ہے اور عام قاری کے لیے بے حد کارآمد ہے اس کتاب نے سینکڑوں کو مذہب شیعہ کا حلقہ بگوش بنایا۔

۱۹۴۰ء کے کچھ دیر بعد انتقال فرمایا۔

ان کے فرزند سید سلطان احمد خان صاحب برصغیر کے عظیم قانون دان، بیرسٹر تھے۔ اطاعت والدین، منکسر المزاجی، محبت اہل بیت اور ملت کی خدمت میں اپنی مثال آپ تھے۔ موصوف نے ۱۹۶۲ء میں رحلت کی۔

.. ..

خیرات علی :

حدود **۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء**

سید خیرات علی ابن قنبر علی بلگرامی، لکھنؤ کے علما میں تھے۔ ان کی تالیف "خلاصۃ الایمان" اٹھارہ صفحے پر مشتمل کتب خانہ وزیری، یزد میں موجود ہے۔ اس کتاب کی تاریخ کتابت ۲۲ محرم ۱۲۰۹ھ ہے۔

آغاز : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ .. ..

امابعد، فیقول .. .. خیرات علی بن سید قنبر علی البلگرامی الهندی

.. ان اعتقدان وجود الله تبارک و تعالیٰ (فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ وزیری یزد ج ۲ ص ۴۹۲)

آخر کتاب : ولعنة الله علی اعدائهم الی یوم الدّین۔

یہ رسالہ اعتقادیہ ہے۔ اور زبان عربی ہے۔ الذریعہ میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔

خیر اللہ

دیکھیے۔ خیر الدین الہ آبادی

خیر الدین، حیدر آبادی :

۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۴ء
۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء

الشیخ الفاضل خیر الدین بن معصوم الحسینی، مدراسی، حیدر آبادی۔

ولادت ۱۱۸۸ھ، مدراس۔ تعلیم و تربیت کے لیے اودے گیر میں **امیر الدین، امین الدین علی،** حافظ حسین، شیخ علاء الدین لکھنوی سے مدراس میں استفادہ کیا۔ پھر شیخ **باقر بن مرتضیٰ** مدراسی سے تعلیم حاصل کر کے حیدر آباد چلے گئے اور وہاں درس شروع کیا۔ حکومت سے پانچ سو روپے ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا۔

وفات ۱۲۴۲ھ حیدر آباد (نزہتہ ج ۷ ص ۱۶۳)

.. ..

خیر الدین، الہ آبادی :

حدود **۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء**

مولانا خیر الدین صاحب اصلاً جون پوری اور بنا بر شہرت الہ آبادی ہیں۔ ان کے تالیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تفسیر و حدیث و فقہ و ادب و تاریخ کے عالم تھے۔ بقول مولانا سعادت حسین صاحب جون پور نامہ تالیف مصنف علی ضامن خان رئیس [illegible] جونپور کے یہاں موجود ہے جس میں ہر محلہ اور اس کی آبادی و اوقاف درج ہیں۔ [illegible] باب چہارم تحفہ اثنا عشریہ [illegible] لکھنؤ میں ہے۔ بظاہر عراق ہجرت کر گئے تھے وہیں حدود ۱۲۵۰ھ میں رحلت کی۔ امین الدین حسن ان کے فرزند تھے۔

تصانیف : جون نامہ [illegible] تذکرۃ العلما [illegible] موجود [illegible] کتب رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگلہ نقد البلاغہ شرح تلخیص المعانی قزوینی تالیف جون پور ۱۲۱۵ھ بقول [illegible] اور بقول آغا بزرگ ۱۲۲۵ھ

(نزہتہ ج ۷ ص ۱۶۴، طبقات اعلام ج ۲ تکملہ)

.. ..

(د) دانشمند خان :

۱۰۸۱ھ / ۱۶۷۰ء

ایران سے متعدد شیعہ علما و فضلا، اکبر و جہانگیر و شاہ جہان کے دور میں وارد لاہور و آگرہ و دہلی ہوئے ان میں سے کچھ لوگ سیاست و ریاست میں صاحب اعزاز ہوئے، کچھ شعر و ادب میں استاد مانے گئے، کچھ طبیب ذی اعزاز عموماً اہل علم و دین ملا کہلاتے تھے۔ مثلاً ملا احمد تبریزی، ملا محمد [illegible] ملا علاء الملک تونی مخاطب بفاضل خاں، مظفر خان، میر عبد الرزاق نجفی، ملا نور اللہ شوشتری، ملا محمد شفیعا یزدی، ملا امانت [illegible] میر محمد زمان مشہدی، خان مرزا معز، شاگرد آقا حسین خوانساری، ملا ملک قمی، ملا فتح اللہ شیرازی [illegible]

ان علما میں ملا محمد شفیع معروف بہ شفیعا یزدی [illegible] کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ ملا محمد شفیع عرف مرزا

تک ایران میں علوم حاصل کرتے رہے۔ اور مروجہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے حصول و کمال کے بعد کسب حلال و تجارت کی نیت سے مال و متاع لے کر اکبر آباد و لاہور پہنچے اور مال تجارت بیچ کر، علم و دانش کے آثار چھوڑ کر واپس ہوئے ابھی سورت کی بندرگاہ پہنچے تھے کہ شاہ جہان نے ان کی قابلیت کا حال سن کر دربار میں طلب کیا۔ ملا صاحب ۷ ذی الحجہ ۱۰۶۰ھ کو دربار شاہ جہان (دہلی) میں شرف یاب ہوئے، بادشاہ نے خلعت، تین ہزار روپیہ اور ہزاری صد سوار کا منصب عطا کیا (شاہ جہان نامہ ج ۳، ص ۱۱۵) ملا صاحب نے ایک مختصر مدت میں فلسفہ، ہیئت و حساب (سائنسز) میں کچھ ایسے کمالات دکھائے کہ میر بخشی و منصب پنج ہزاری تک ترقی کی۔

(شاہ جہان نامہ، ص ۳۸۲)

۹۶۴ھ میں "دانشمند خان" خطاب پایا۔ ۱۰۶۶ھ میں منصب بخشی گری سے مستعفی ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

عالمگیری جلوس کے دوسرے سال چار ہزاری ذات دو ہزار سوار کا منصب ملا جو سنہ جلوس میں پنج ہزاری اور آٹھویں سال جلوس میں قلعہ دہلی کی نگرانی و صوبہ داری، سنہ جلوس میں میر بخشی اور سنہ ۱۲ جلوس میں آگرے کی نظامت بھی ملی۔

عالمگیر نے "دانشمند خان" خطاب ملا، اور کچھ کتابیں ان سے پڑھیں خصوصاً احیاء العلوم غزالی (فرحۃ الناظرین محمد اسلم پسروری، ص ۱۷۰، مشمولہ مقالات مولوی محمد شفیع ج ۲)

شاہ جہان نے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) اور مولانا سے ایک نحوی و تفسیری بحث کرائی جس کا موضوع تھا واو "ایاک نعبد و ایاک نستعین" یہ بحث بہت عرصے تک جاری رہی آخر کار ملا سعد اللہ خان کے فیصلے پر ختم ہوئی۔ سعد اللہ خان (م ۱۰۶۶ھ) "ثالث تھے" فیصلہ میں برابری کا اعتراف تھا (مآثر الامراء) یہ بحث ۱۰۶۵ھ کے حدود میں ہوئی ہوگی۔ مآثر الامراء میں ہے کہ جب شاہی ملازمت میں داخل ہونے تو ملا عبدالحکیم سے بحث کا اشارہ ہوا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ملا شفیع بڑے عالم و مناظر تھے۔

ملا شفیعا، مغربی علوم و فلسفے کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے برنیر کہتا ہے کہ مغربی علوم پر مذاکرات کرتے تھے یعنی لاطینی زبان، اور مغربی سائنس میں درک حاصل تھا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ دانشمند خان کے بعد ان جیسا کوئی فاضل آدمی مغل حکومت میں نہیں دیکھا گیا۔ (عمل صالح۔ مآثر الامراء۔ فرحۃ الناظرین)

.. ..

داؤد علی، عظیم آبادی :

حدود ۱۱۶۰ھ / ۱۷۵۶ء

داؤد علی بن محمد نصیر، شیخ پورہ عظیم آباد سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے والد اور علمائے معاصر سے مستفید ہوئے

حج و زیارات سے مشرف ہو کر، علمائے عرب و عجم سے فیض یاب وطن آئے، عبادت و وعظ و درس میں مصروف رہے گیارہ سو ساٹھ ستر کے درمیان فوت ہوئے۔ (نزہۃ ج ۶ ص ۸۳)

دبیر، سلامت علی :

۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء
۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء

سلامت علی دبیر ابن غلام حسین، ملا ابلی شیرازی کی اولاد سے تھے، اس خاندان کے بزرگوں میں ملا رفیع شاہ دہلی کے میر بخشی تھے۔ غلام محمد اور ان کے بیٹے غلام حسین سیاسی افراتفری کی وجہ سے پریشان حال رہے۔ غلام حسین ۱۲۲۴ھ کو لکھنؤ آئے تو مرزا صاحب سات سال کے تھے کیونکہ ان کی ولادت ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۲۱۸ھ ۲۹ اگست ۱۸۰۳ء کو محلہ بلی ماراں دہلی میں ہوئی تھی۔

مولانا غلام ضامن اور مولانا مرزا کاظم علی اخباری (متوفی ۱۲۴۹ھ) اور ملا مہدی مازندرانی مجتہد (متوفی ۱۲۵۹ھ) اور مولوی کاظم علی اخباری رحمہم اللہ سے صرف و نحو، معانی و بیان، منطق و فلسفہ، تفسیر و حدیث فقہ و اصول کا درس لیا۔

مرزا سلامت علی دبیر، فارسی و عربی کے عالم اور متقی و عارف، سخی، عابد و زاہد بزرگ تھے۔ ان کی شہرت مرثیہ گوئی کی حیثیت سے ہوئی۔ مگر وہ دراصل عالم و واعظ تھے۔ ان کے مرثیہ میں استدلال، بحث، تاریخ و تبلیغ کا بھرپور مظاہرہ ہے۔ انھیں بالاتفاق عالم و مقدس مانا گیا۔ کچھ لوگ انھیں اخباری کہتے تھے کچھ محتاط۔

مرزا صاحب نے تیسویں محرم ۱۲۹۲ھ رات کو قریب صبح صادق رحلت کی، دریائے گومتی پر غسل ہوا، جناب سید ابراہیم صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور مجمع عظیم کے ساتھ خود ان کے گھر میں دفن کیا گیا۔

اولاد: جناب مرزا محمد اوج صاحب (م ۱۳۲۵ھ) • مرزا محمد ہادی حسین عطارد (م ۱۲۹۱ھ)

تصانیف: • مراثی و قصائد و مثنویات و قطعات (عربی و فارسی) اردو ابواب المصائب

.. ..

دلدار حسین، مفتی :

حدود ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء

سید دلدار حسین بن سید عسکری علی بن سید علی رضا زیدی واسطی پوری، بلگرامی فقیہ شاگرد رشید سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب۔ • سلطان العلما نے انھیں مفتی کا منصب سپرد کیا ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد عراق چلے گئے۔

تصانیف: • حجۃ الاسلام۔ رد منتہی الکلام۔

اولاد: • محمد نقی • محمد رضا • علی نقی جو ۱۳۰۶ھ میں زندہ تھے۔ رسالۂ تحفۂ سلیمانیہ پر ان کی تقریظ سے ان کے علم پر روشنی پڑتی ہے (طبقات اعلام الشیعہ ۲/۲، ص ۵۱۸)

دلدار حسین :

فہرست افاضل مدرسۂ سلطان المدارس لکھنؤ میں ایک بزرگ ہیں۔ مولانا دلدار حسین صاحب صدر الافاضل ان کے احوال نہیں مل سکے۔

دلدار علی غفران مآب :

۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۳ء
۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء

برصغیر کے مجدد و زعیم اور حکومت اودھ میں دینی نظام کے داعی جناب غفران مآب سید دلدار علی ہمارے علما میں سب سے بلند مرتبے کے مالک ہیں۔ موصوف کا خاندان صدیوں سے رائے بریلی کے قریب نصیرآباد و جائس نامی قصبوں میں آباد تھا۔ آخری زمانے میں سید محمد معین بن عبدالہادی ایک متقدس زمین دار کی حیثیت سے نصیرآباد میں رہتے تھے، اللہ نے اس سید محترم کو ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۲ء، ۱۷۵۳ء میں ایک فرزند بلند اقبال مرحمت فرمایا۔

نصیرآباد کے اکابر میں ایک صاحب جو اس زمان و مکان میں موجود تھے، کہا کرتے تھے کہ جناب کی ولادت شب جمعہ کو ہوئی اور میں نے اس مکان میں ایک نور چمکتے دیکھا۔ (ورثۃ الانبیا)

ہوش سنبھالا تو گھریلو تعلیم اور ابتدائی کتابیں وطن میں پڑھیں اور گھر کا کام کاج کرنے لگے۔

ایک روز اپنے مویشی لیے کھیت میں مصروف کار تھے کہ صدا آئی "دلدار علی اپنی تعلیم جاری رکھو" دل کی آواز یا غیب کا اشارہ ملتے ہی طبیعت نے شوق اور دل نے عزیمت کی انگڑائی لی اور متوسطات پڑھنے، رائے بریلی اور الٰہ آباد گئے۔ رائے بریلی میں مولوی باب اللہ سے اور الٰہ آباد میں فاضل کامل سید غلام حسین دکنی سے اور لکھنؤ کے قریب سندیلے میں مولانا حیدر علی ابن ملا حمد اللہ سے منقولات و معقولات کا درس مکمل کیا۔

شاید یہی وہ زمانہ تھا کہ ایک غیر مسلم دوکاندار سے رات کو حفاظتِ دوکان کی شرط پر اس کے چراغ کی روشنی میں پڑھنے اور اس دوکان کے باہر سونے کی اجازت لی اور یہ دور صبر و محنت سے گذار کر علم سے بہرہ ور ہوئے (آغا مہدی: سوانح حیات غفران مآب)

مولوی محمد باقر شمس فرماتے ہیں کہ مولانا دلدار علی اس نو عمری میں ذہانت و ذکاوت میں اس درجہ پر تھے کہ بسا اوقات استاد کے الجھے ہوئے مطلب کو اس طرح سلجھا دیتے تھے کہ طلبہ کے ذہن میں اتر جاتا تھا۔

فیض آباد کا واقعہ مشہور ہے کہ اقلیدس کا کوئی مسئلہ زیر بحث تھا۔ طالب مطمئن نہ ہو رہے تھے استاد بار بار سمجھاتے تھے مگر مسئلہ الجھتا جا رہا تھا۔ مولانا دلدار علی بڑھے، قلم اٹھا کر ایک سرا زمین پر اور ایک سرا دیوار پر رکھا اور مثلث کی عملی شکل بنا کر زیر بحث مسئلہ کو حل کر دیا۔ یہ بات استاد کو ناگوار گذری اور اس کا تذکرہ نواب حسن رضا خان تک پہنچا اور اسی طرح تقریب ملاقات نکل آئی۔

شاہجہان پور میں ملا عبدالعلی صاحب سے ایک مسجد میں ملاقات ہوئی۔ موصوف نے شرح سلم ملا حمد اللہ پر کچھ بڑے بڑے اعتراض کیے تھے۔ مباحثے میں مولانا نے ان اعتراضات کو رد کرکے ملا صاحب کو حیران کر دیا۔

ملا حسن سے دہلی کی جامع مسجد میں ملاقات ہوئی اور مسئلۂ انجرار و تر پر تفصیلی بحث میں ملا صاحب کو اعتراف فضل کرنا پڑا۔ (ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ، ص ۱۲)

ہندوستان میں تکمیل تحصیل کے بعد عراق و ایران کے لیے کمر ہمت باندھی اور اس عہد کے عالم جلیل، مجدد فقہ و اصول، زعیم اکبر علامہ سید محمد باقر بہبہانی (متوفی ۱۲۰۸ھ) سید مہدی طباطبائی (م ۱۲۱۲ھ) سید مہدی موسوی شہرستانی (متوفی ۱۲۱۶ھ) سید علی صاحب ریاض المسائل (متوفی ۱۲۳۱ھ) تاریخ تشیع کے رہنما اور حوزۂ علمیہ نجف و کربلا کے سربراہ تھے۔ ان حضرات کے تلامذہ نے شام، حجاز، ایران، ہندوستان اور خلیج فارس کی عرب ریاستوں اور ترکی میں فقہ شیعہ پر بہت کام کیا۔ آقای بہبہانی تمام شیعی دنیا کے مرجع تھے۔ ان کا حلقۂ درس نجف و کربلا کی تاریخ کا ممتاز حلقہ مانا گیا ہے۔

مولانا دلدار علی نجف و کربلا و سامرا کے ان اساتذہ سے اجازات لے کر ایران پہنچے اور یہاں کے شیخ الفقہ والاصول سید مہدی ابن ہدایت اللہ اصفہانی کے درس میں حاضری دی۔ کچھ عرصے تک قم و مشہد میں قیام کرکے اکابر علمائے سند حدیث و اجازات لیے ایران سے وطن کا رُخ کیا۔

سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خان اور رؤسا و علمائے فیض آباد و لکھنؤ مولانا کی واپسی کے منتظر تھے، نواب حسن رضا خان علم پرور اور دین کے حامی تھے۔ انھوں نے مولانا کو سفر عراق کے لیے پیش قرار

لہ برصغیر میں شیعہ مدارس کی تاریخ بہت طویل ہے۔ دہلی، آگرہ، لاہور، ٹھٹھہ، بھکر، سورت، مدارس، بیجاپور، حیدرآباد، احمد نگر، مرشدآباد، میسور، کلکتہ، عظیم آباد جیسے شہروں میں علما مدارس بکثرت قائم ہوئے برہان نظام شاہ نے قلعہ احمد نگر کے سامنے مدرسہ بنوایا اور جون پور، ستور، آسیا پور (احمد نگر) کے گاؤں اس مدرسے کے لیے وقف کیے۔ علی وردی خان نے مرشدآباد میں مدرسہ بنوایا اور عرب و عجم کے شیعہ علما وہاں جمع کیے۔ فیض آباد میں نواب بہو بیگم صاحبہ کے علاوہ حسن رضا خان وزیر آصف الدولہ نے مدرسہ بنوایا اسی معارف پرور وزیر نے فرخ آباد میں بھی مدرسہ بنوائی جس کے ایک مدرس عبدالواحد خان خیرآبادی تھے۔ (حاشیہ ہے)

امداد بھی دی تھی۔ مولانا کی لکھنؤ آمد کا سنہ ۱۱۹۴ھ بتایا جاتا ہے۔ سفر اور قیام عراق کا زمانہ متعین کرنے کے لیے کسی سوانح نگار نے کچھ نہیں لکھا، چونکہ اجازات علماء اسی زمانے میں چھپ گئے تھے اس لیے اگر وہ دستاویز مل جائے تو سفرِ عراق کے بہت سے نکات سامنے آجائیں۔

مولانا آغا مہدی صاحب کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غفران مآب کو اپنے استاد سے غیر معمولی محبت و عقیدت تھی، وہ جب وطن آئے تو ان کا کرتہ تبرک کے طور پر ساتھ لائے۔ یہ معلوم نہیں کہ استاد سے مراد، آیۃ اللہ بہبہانی ہیں جن کی عمر سو برس اور علم و عمل میں اصحاب معصومین کا درجہ رکھتے تھے، دینی اقدار کی بحالی، مدارس و علماء کا سلسلہ تمام اسلامی علاقوں میں پھیلانے والے تھے) یا کوئی اور بزرگ؟

غفران مآب لکھنؤ آئے تو یہاں علوم عقلیہ کا زور تھا، شیخ علی حزیں، خان علامہ تفضل حسین خان کے تلامذہ ملا حمد اللہ اور ملا حسن کے شاگرد پھیلے ہوئے تھے۔ خود مولانا دلدار علی بھی معقولات میں شہرت کے حامل تھے۔ معقولات کے بعد دینی علوم میں اصولِ فقہ کا چرچا کم اور اخباریت کا دور دورہ زیادہ تھا۔ مولانا مرزا محمد عسکری مفتی شہر تھے، حکومت سے پانچ سو روپے تنخواہ تھی۔ (لکھنؤ کی تہذیبی میراث ص ۲۳۲) مولانا دلدار علی، آیۃ اللہ بہبہانی اور سید علی طباطبائی جیسے اصولیین کے شاگرد اور اصولی عالم و مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لیے ایک حلقے میں بڑی پذیرائی ہوئی۔ موصوف نے حکومت کا تو کوئی منصب قبول نہیں فرمایا، مگر لوگوں کے دل موہ لیے۔ نواب حسن رضا خان نے مولانا دلدار علی صاحب کو نصیر آباد سے بلا کر لکھنؤ میں بڑے اعزاز و احترام سے رکھا، مولانا نے یہاں درس قائم کیا، کتابیں لکھیں۔ اصولِ فقہ و اجتہاد کا تعارف کرایا، اخباریت کی تردید کی۔ اس سلسلے میں "اساس الاصول" کی تالیف خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ پانچ چھ سال کی کوشش بار آور ہوئی اور کم از کم دو ایسے شاگرد ابھر کر سامنے آئے کہ ملا محمد علی بادشاہ نے آصف الدولہ مرحوم کو جو رسالہ "فضیلت نماز جماعت" پر لکھا تھا، اس کی عبارت "ملا علی" کے احوال میں مندرج ہے، اس خط میں مولانا دلدار علی کے لیے شاندار خیالات کا اظہار ہے:

"عاکفِ کعبۂ مقبلی و سعیدِ ازلی، میر دلدار علی ست کہ از سالکانِ راہ مقربانِ درگاہ است۔ بشری ست فرشتہ سیرت و آدمی قدسی سریرت کہ انوار عرفان و اشعۂ ایمان از جلیۂ اش

(بقیہ حاشیہ) نواب سعادت علی خان آف اودھ کے وزیر حکیم و مولانا مہدی کشمیری نے فتح گڑھ میں مدرسہ قائم کیا۔ بنارس، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، غرض ہر جگہ مدرسے تھے جن میں سے دو تین مدرسوں کا تذکرہ مولوی ابو الحسنات ندوی نے اپنے رسالے "ہندوستان کی گذشتہ اسلامی تعلیم گاہیں" میں لکھا ہے۔ (مرتضیٰ)

درخشان و فروغ علم و عمل از جبہ‌اش تابان، رافع اعلام شعائر شرع سید الانام و سرمایۂ برکت خواص و عام، زبدۂ اذکیائے فحول، جامع منقول و معقول۔ بجبلیت متواج و مکی امتزاج، بالاقتدا احقیق و بالاقتداء یلیق از مجتہدین کربلای معلیٰ و مشہد مقدس ثامن ائمۂ ہدیٰ سجل و افتادا بہرو توقیع رسانیدہ و استفاضۂ فقہیہ نمودہ است، بر محک اعتبار ایشان طلائیش کامل عیار برآمدہ۔ تحمل مشقتہای وو رود راز کردہ گوہر اجتہاد بدست آوردہ، سعیش مشکور و مشقتش ماجور شدہ۔

صدق اللہ العظیم والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین" .. ..

و پرہیزگاران دیگر ہم از تلامذۂ ایشان ذوالنفس القدسیہ والخصال الملکیہ، شعلۂ ادراک و ذکاسیہ مرتضیٰ و مرزا محمد خلیل زائر، کہ بلاشبہ قابلِ امامت نماز اند"۔

اس خط پر تاریخ نہیں ہے، لیکن تیرہ رجب ۱۲۰۰ھ / ۱۲ مئی ۱۷۸۶ء کو پہلی مرتبہ نماز جماعت کے انعقاد سے زمانۂ تحریر متعین ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۱۹۹ھ کے قریب لکھا گیا ہوگا۔

مولانا محمد علی بادشاہ دینی سربراہ اور فیض آباد میں نواب بہو بیگم صاحبہ کی سرکار میں اثر رکھتے تھے، حسن رضا خان نے تعمیلِ حکم میں ۱۳ رجب کو اپنے گھر پر نماز ظہرین کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر خود مولانا محمد علی صاحب کے علاوہ شیخ اکبر علی چشتی مودودی الہ آبادی م ۱۲۱۰ھ) بھی اقتدا کے لیے حاضر تھے۔ دو ہفتے کے بعد ۲۷ رجب ۱۲۰۰ھ / ۲۶ مئی ۱۷۸۶ء کو نمازِ جمعہ ہوئی۔ نماز کے بعد موعظے کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ بدعات کے خلاف تقریریں اور اخلاق و عادات کی اصلاح پر خطبے دیئے۔ اخباریت نے فقہی جمود اور تصوف نے اسلامی اقدار میں تعطل پیدا کر رکھا تھا۔ مولانا کی کوششوں سے اور ان کی تقریروں کے اثر سے سب سے بڑی بات تو یہ ہوئی کہ آصف الدولہ نے بھنگ کی عادت چھوڑ دی اور توبہ کی۔ پھر اخباریت کے بے معنی حامی فقہ و اصول کا درس لینے لگے۔ تصوف کے پرستار شیعہ سنی، پیری مریدی، عرس، قوالی، قبروں پر چادریں، پنکھے اور بیرقیں چڑھانے میں حد سے آگے بڑھ چکے تھے۔ مولانا نے بھنگ کے چبوترے، شیخ سدو کا بکرا، شیخ فرید کی شیرینی، بابا شکر گنج کا کونڈا، شاہ مدار کی کندوری، سید سالار کی بیرق جیسے رسومات کو یک قلم ختم کرا دیا۔

آصف الدولہ نے خود سرکاری سطح پر جامع مسجد اور امام باڑہ بنوایا، سرفراز الدولہ حسن رضا خان نے کم و بیش ڈیڑھ لاکھ روپے کی کتابیں خرید کر عظیم الشان اسلامی کتب خانہ قائم کیا۔ مجلسِ درس کا قیام عمل میں آیا۔ اور مولانا دلدار علی کی محنت سے لکھنؤ کی نو مولود حکومت شیعہ مذہب کے اقدار و تعلیمات کے پرچار اور اسلامی

دعوت و افکار کی مروّج ہوئی۔ مولانا دلدار علی نے نمازِ جمعہ، بدعتوں کے قلع قمع، درسِ اجتہاد کے قیام میں اوّلیت کا امتیاز حاصل کیا۔ اور حکومتِ اودھ نے دکن کی حکومتوں کے بعد شمالی ہند میں شیعہ مذہب کے استحکام و رواج دینے میں ان کی کمک کی اور ایک اتنی بڑی کامیابی حاصل کی جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ کے ورق عاجز ہیں۔ وہ بات تھی شیعہ سنی اتحاد۔

لکھنؤ میں شیعہ سنی علاقوں سے آباد تھے، سنی علما کا اثر و اقتدار تھا۔ حکومتِ اودھ نے سنی علما کو قاضی و مفتی مقرر کیا اور شیعہ مفتی و قاضی معین کیے۔ شیعہ علما نے حکومت کی سرپرستی کے باوجود سنی نظامِ حکومت میں کوئی مداخلت نہیں کی اور سنیوں نے شیعوں کے معاملات میں دخل نہ دیا، دونوں علما شیر و شکر تھے۔ اور دونوں مدرسوں کے طلبا ایک دوسرے کے اساتذہ سے مستفید، برادرانہ فضا قائم تھی اور یک جان دو قالب کا منظرِ عام تھا۔ فرنگی محل سنی علما کا محلہ تھا اسی کے برابر جوہری محلہ غفران مآب اور ان کی اولاد و تلامذہ کا محلہ، دونوں کی مرکزی حیثیت تھی۔

کرتھا شہر ان مدتوں سے لکھنؤ میں آباد تھا۔ اور درگاہ قدم رسول ان کی تولیت میں تھی آصف الدولہ کے زمانے میں میر منصور اور میر سنگی میں مقدمہ بازی ہوئی۔ عرصے تک مقدمہ چلتا رہا۔ مفتی غلام حضرت (متوفی ۱۲۳۴ھ) اور صدر الصدور مفتی جلال صاحبان اس معاملے کو طے نہ کر سکے تو جناب مولانا سے رجوع کیا گیا اور مولانا نے اختلاف ختم کرا دیا، صلح نامے کی عبارت یہ ہے:

"در کچہری عدالت العالیہ پیش مفتی غلام حضرت برائے سوال و
جواب می فرستادیم تا مدتی آنجا قضیہ ماند، عاقبت الامر
بحضور جناب سید دلدار علی صاحب مصالحہ شرعیہ واقع شد۔"

۱۰ ذی قعدہ ۱۲۱۱ھ کی اس تحریر پر مندرجہ ذیل علما کے دستخط ہیں۔ مفتی غلام حضرت — مفتی سعد اللہ — مفتی گھسیٹ خان — مفتی نعمت خان اور مفتی جلال (سوانح حیات غفران مآب ص ۱۶)

یہی ایک واقعہ نہیں بہت سے ایسے واقعات ہوئے جن میں باہمی حب الوطنی نے کام کیا اور علمی خدمت کے لیے اچھا ماحول بن گیا۔ ۱۲۲۹ھ میں شاہ زمن غازی الدین حیدر نے تختِ حکومت پر قدم رکھا اور مولانا دلدار علی کی دینی جد و جہد ربع صدی پوری کر کے پانچ سال زیادہ کی عمر حاصل کر چکی۔ ان کے فرزند سید محمد صاحب جو ۱۱۹۹ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اب تیس سال کے تھے۔ اور علوم دین کی تعلیم سے فارغ ہو کر والد کے معاون بن چکے تھے۔ مرجعیت کبریٰ کا عالم اور ستتر، اٹھتر برس کی عمر تھی۔

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۵ھ کو انھوں نے فرزندِ اکبر کو وصیت نامہ لکھتے ہوئے اپنا قائم مقام

نامزد کیا۔ اس تحریر کے دو مہینے سات دن بعد مولانا دلدار علی نے رحلت فرمائی۔

مولانا دلدار علی غفران مآب کی تاریخ وفات شب ۱۹ رجب ۱۲۳۵ھ مطابق ۳ مئی ۱۸۲۰ء ہے۔ لکھنؤ میں ان کی رحلت سے تلاطم برپا ہو گیا۔ مولانا سید محمد صاحب قبلہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور خود جناب کے عزاخانے میں سپرد لحد کیا۔ اسی وقت سے مولانا دلدار علی کو غفران مآب کہا جاتا ہے۔ سیکڑوں مرثیے اور قطعاتِ تاریخ لکھے گئے۔ جن میں ایک جامع قطعہ جناب مولانا احمد علی صاحب کا یہ ہے:

فقیہ و مجتہد و عالم و مروّجِ دیں — شریفِ مکرّمِ علم و کمال و فضل و تقیٰ
ضیاءِ دیدۂ دروازۂ مدینۂ علم — عزیزِ مصرِ سیادت، سپہرِ مجد و علا
ندیدہ چشمِ فلک مثلِ آں مجدّدِ دیں — کر فشاندہ بفضل و بزرگیش اعدا
جمال در نظرِ علم و کمال داشت ازیں — کہ بود نزولِ مہبطِ فیوضِ خدا
بآبیاریِ ارشادِ آں سحابِ فیض — دمید در گلِ ناچیزِ ہندیش گلہا
رسید چوں شبِ تاسع عشرِ ماہِ رجب — سفر بروضۂ رضواں نمود از دنیا
دریں مصیبتِ جانکاہ شیعیان یکسر — بسوزِ سینہ نمودند ماتمش برپا
چو ایں مصیبتِ عظمیٰ در اہلِ دیں رو داد — بدل گذشت کہ تاریخ ایں کنم انشا

سروشِ غیب ہماں وقت ناگہاں فرمود
ستونِ دیں بزمیں اوفتادہ واویلا (۱۲۳۵ھ)

خدمات: جناب غفران مآب، ہندوستان کی آخری خود مختار اور شاندار حکومت کے ابتدائی دور میں آفتاب بن کر ابھرے۔ ان کے علمی انوار سے آج تک کی تاریخ منوّر ہے۔ وہ پہلے نامور عالم ہیں جو برصغیر سے تحصیلِ علومِ اجتہاد کے لیے عراق گئے اور مجددِ اکبر آیۃ اللہ محمد باقر بہبہانی سے کسبِ فیض کر کے آئے اور اس فیض کو زبان و قلم، درس و کردار سے عام کرنے میں کامیاب ہوئے۔ علمائے عراق و ایران نے ان کو مساویانہ، پھر بزرگانہ القاب سے یاد کیا۔

- جناب غفران مآب ان خوش نصیب علما میں ہیں جنھوں نے شب قدر کی مبارک ساعت میں زیرِ قبۂ حضرت امیر المومنین علیہ السلام دعا فرمائی کہ ان کی اولاد در اولاد علمِ دین سے وابستہ رہے اور علما و مجتہدین پیدا ہوتے رہیں۔ ان کی دعا قبول ہوئی اور کم و بیش دو سو برس سے یہ سلسلہ جاری ہے۔
- نواب آصف الدولہ سے تحریک کر کے کربلا میں نہر بنوائی اور نجف و کربلا و مقاماتِ مقدسہ کے لیے بیش قرار روپیہ بھیج کر مدارس و طلبہ کی امداد کی۔

- بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا اور کتب خانوں کے بنانے میں لوگوں کی مدد کی۔
- مسجدوں کی تعمیر کا سلسلہ قائم کیا۔ خود آپ کے نام کی دو مسجدیں مشہور ہیں ایک نصیر آباد میں دوسری لکھنؤ میں
- امام باڑے بنوائے، خود ان کے بنا کردہ دو عزا خانے ہیں۔ ایک لکھنؤ میں دوسرا نصیر آباد میں۔
- امام حسین علیہ السلام کے روضۂ اقدس کی تعمیر کے لیے کربلائے معلّٰی میں نواب اودھ سے روپیہ بھجوایا۔
- اخباریت و تصوف و بدعات کو ختم کیا۔ • عزاداری کو فروغ دیا۔ • اپنی زمین پر کنویں بنوائے
- حکمران اور اعلیٰ عہدیداروں کو مذہب کا پابند کیا۔ • سُنّی شیعہ اتحاد قائم کیا۔ • متعصب افتراق پسند حضرات کے ان حملوں کا دفاع کیا جو ایک طویل مدت سے شیعوں پر ہو رہے تھے۔ • منبر پر وعظ و مستند تفسیر و حدیث و مناقب و مصائب کو فروغ دیا۔

اولاد : • سلطان العلماء سید محمد رضوان مآب (م ۱۲۸۴ھ) • مولانا سید علی المفسر (م ۱۲۵۹ھ کربلا)
- مولانا سید حسن (م ۱۲۵۹ھ) • سید مہدی۔ • سید العلماء سید حسین (م ۳، ۱۲ھ) علیین مکان
- دختر۔

تصانیف : جناب غفران مآب نے انتہائی پریشانی اور بے حد مصروفیت کے عالم میں تصنیف و تالیف کا کام کیا اور بہت بڑی بڑی کتابیں لکھیں ان میں سے ستائیس (۲۷) کتابوں کے نام معلوم ہو سکے
- اساس الاصول (عربی، رد اخباریہ، طبع لکھنؤ ۱۲۶۲ھ) • منتہی الافکار (عربی، مطبوعہ، اصول فقہ)
- مرآۃ العقول معروف بہ عماد الاسلام اصول دین میں ہر اصل پر ایک جلد اور ہر جلد ضخیم و طویل (عربی، مطبوعہ تین جلدیں، علم کلام) • شہاب ثاقب (عربی، غیر مطبوعہ، رد صوفیا) • صوارم الالہیات (فارسی، طبع لکھنؤ، رد تحفۂ اثنا عشریہ)۔ • حسام الاسلام (فارسی، جواب تحفہ، باب نبوت)۔ • تتمۂ صوارم (فارسی، جواب تحفہ، باب امامت۔ • ذوالفقار (فارسی، جواب تحفہ، باب ۱۲، طبع لودھیانہ۔
- رسالہ در حکم اوانی ذہب و فضہ • اثارۃ الاحزان علی قتیل العطشان (عربی، مقتل، غیر مطبوعہ)
- مسکن القلوب عند فقد المحبوب (عربی، مصائب الانبیاء و آئمہ) ۔ • اجازہ مبسوطہ و وصیت نامہ (عربی و فارسی)۔ • حاشیہ شرح حکمۃ العین ملا صدرا (عربی، فلسفہ، غیر مطبوعہ)۔
- حاشیہ شرح سلم العلوم ملا حمد اللہ (عربی، منطق، مطبوعہ لکھنؤ)۔ • رسالہ بر بحث مثناۃ بالتکریر • رسالہ در رد نصاریٰ ۔ • مطارق (رد اخباریین)۔ • رسالہ در جواب محمد سمیع صوفی (فارسی، ۵۰ صفحات، غیر مطبوعہ)۔ • رسالہ کفن (ادعیۂ کفن)۔ • جواب مسائل فقہیہ (فارسی محفوظ در کتب خانہ مولانا محمد مصطفےٰ صاحب جوہر، کراچی)

- احیاء السنۃ (فارسی، جواب تحفہ، بحث، معاد و رجعت۔ • رسالہ غیبت (فارسی طبع لکھنؤ)
- مواعظ حسینیہ۔ • شرح حدیقۃ المتقین، طہارت، صوم، زکوٰۃ (۳ جلد فقہ، فارسی، غیر مطبوعہ) • رسالہ جمعہ۔ • رسالہ ارضین، بارہ گھنٹے سورج والے علاقوں کے احکام کا معاملات پر بحث استدلالی۔

تلامذہ : • مولانا سید مرتضیٰ (مؤلف اسرار الصلوٰۃ و اوزان شرعیہ)۔ • مولانا سید احمد علی۔ • مفتی محمد قلی
- میرزا فخر الدین احمد خان معروف بمیرزا جعفر مؤلف تحفۂ آصفیہ۔ • مولانا سید یاد علی مفسر (م ۱۲۵۳ھ)
- مولانا میرزا محمد خلیل۔ • مولانا سید غلام حسین۔ • مولانا سید محمد باقر واعظ۔ • مولانا سید نثار علی
- مولانا الحاج سید نظام الدین حسین۔ • مولانا سید جواد علی۔ • مولانا میرزا علی شریف خان۔
- مولانا سید مرتضےٰ۔ • مولانا میرزا محمد رفیع معروف بمیرزا مغل غافل (م ۱۲۴۷ھ)۔
- مولانا سید علی اصغر بن بہاء الدین۔ • علی نقی ابن بہاء الدین۔ • مولانا الحکیم میرزا علی • مولانا امان علی
- مولانا سید حمایت حسین عرف علی بخش مترجم (اردو) اساس الاصول۔ • مولانا حکیم میرزا اسماعیل (مبلغ در دکن)۔ • مولانا میرزا محمد علی (مہاجر مکہ) • مولانا حکیم سید احسان علی۔ • مولانا بنیاد علی۔
- مولانا سید سجاد علی، مترجم مقدمات عماد الاسلام (اردو)۔ • مولانا میر کاظم علی۔ • مولانا میرزا زین العابدین۔ • میرزا محسن ۔ • مولانا سید اعظم علی۔ • مولانا علی نقی قزوینی۔ • مولانا پیشاہ علی۔
- مولانا میر خدا بخش بانی کربلا تال کٹورہ لکھنؤ (درسنہ ۱۲۳۲ھ)۔ • مولانا عبد العلی[1] دیوکھٹوی نیز ان کے دو فرزند سید محمد و سید کلب علی فیض آبادی۔ • مولانا سید اعظم علی۔ • مولانا اشرف علی بلگرامی۔
- مولوی منو خان۔ • مولانا محمد عبادت امروہوی۔

ماخذ : • نجوم السماء۔ • تذکرۂ علمائے ہند۔ • ورثۃ الانبیاء۔ • بے بہا۔ • آغا مہدی : سوانح حیات غفران مآب۔ • محمد باقر شمس : ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ نیز تاریخ لکھنؤ حصہ اول۔
- صفدر حسین : لکھنؤ کی تہذیبی میراث ۔ نیز دیکھیے میرا مقالہ در "دائرۂ معارف اسلامیہ اردو" دانشگاہ پنجاب لاہور و نزہۃ الخواطر

---

[1] مولانا عبد العلی کی ولادت ۱۱۶۲ھ اور وفات ۱۲۴۳ھ میں ہوئی۔ انھیں ملا محمد علی بادشاہ سے بھی تلمذ حاصل تھا، مولانا عبد العلی نے فیض آباد میں امامت جمعہ و جماعت کرائی اور ان کی اولاد اب تک عالم ہے۔
(سبط محمد : امجد علی شاہ، ص ۱۴۴)

دیدار جہاں :
حدود ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء

تقدس و تورع ایاب مولانا سید دیدار جہاں مترجم احادیث ، مفسر قرآن ، جناب غفران مآب کے شاگردوں میں تھے ، ورثۃ الانبیاء میں تذکرۃ العلماء سے یہی سطر نقل ہے۔

مولانا آغا مہدی صاحب نے بڑا گاؤں ضلع فیض آباد کا باشندہ اور مولانا عالم حسین صاحب کا نواسا لکھا ہے۔ مولانا سبط محمد فیض آبادی نے اپنی وقیع کتاب " امجد علی شاہ " میں اس پر بحث کر کے بتلایا ہے کہ یہ بزرگ راجہ ارادت خان ، رئیس خرسون ضلع اعظم گڑھ کی اولاد سے تھے جو ۱۸۵۷ء کے بعد بڑا گاؤں ضلع جون پور میں آباد ہوا۔" مولانا دیدار جہان ۱۲۵۳ھ میں فوت ہوئے۔ (امجد علی شاہ ، ص ۲۲۶)

(ذ) ذاکر حسین لکھنوی :
حدود ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء

مولانا سید ذاکر حسین ابن مولانا سید حامد حسین فردوس مکان ، سرکار ناصر الملت کے چھوٹے بھائی ، عالم و فاضل ، ادیب و شاعر۔ حدود ۱۳۵۸ھ میں رحلت کی۔

ذاکر حسین بھریلوی :
حدود ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء
۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء

مولوی سید ذاکر حسین صاحب بھریل کے سادات سے تھے۔ عربی و فارسی سے واقف تھے ، متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا۔ اردو ترجمہ نہج البلاغہ بنام نیرنگ فصاحت بہت مشہور رہا۔ اگرچہ یہ ترجمہ اصل سے آزاد ہے۔

مرحوم نے ۱۹ رنومبر ۱۹۵۲ء شب یکم ربیع الاوّل ۱۳۷۲ھ کو رحلت کی۔

ذاکر حسین بارھوی :
حدود ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء
۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء

مولانا سید ذاکر حسین زیدی الباھوی لکھنؤ ، بہرائچ آگرہ ، بھرت پور ، بہیرسر ، اجمیر اور اٹاوہ کے مبلغ دین ، مصلح احوال اور مرشد پاک باطن تھے ، ان کے تقوے ، ورع اور علم و فضل کے دوست دشمن سب معترف تھے۔ اپنے دور کے ابوذر اور سلمانِ وقت تھے ، جہاں تشریف لے گئے۔ لوگوں کو پابندِ شریعت بنا دیا ، مسجدیں آباد کیں۔ واقفیتِ مسائلِ شریعت کا شوق بڑھایا۔ سوکھی اور خشک روٹی ، معمولی اور کم قیمت قمیص و عبا ، سادہ زندگی ، ٹھاٹھ باٹھ سے دور ، شہرت سے نفور منکسر عیسائی ، ہندو ، سنی ، شیعہ سب

صدقے قربان ہوتے تھے۔ قرآن مجید و احادیث الکافی حفظ اور صبح شام کا ورد تھا۔

مولانا کے والد حکیم گوہر علی خان صاحب بارہوی بڑے مشہور طبیب تھے۔ مولانا ذاکر حسین صاحب بہیرسر میں پیدا ہوئے کہ گوہر علی صاحب وہیں رہتے تھے۔ ذاکر حسین صاحب نے وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ علوم جدیدہ و قدیمہ و طب کے بعد خدمتِ خلق و خدمتِ دین میں مصروف ہو گئے۔ انتہائی قوی الحافظہ اور حدید الذہن تھے ، بڑے خوش خط اور نکتہ شناس ، فارسی نظم برجستہ لکھتے تھے ، قرآن و تفسیر کا وسیع مطالعہ تھا۔ قرآن مجید کا عربی حاشیہ لکھا تھا ، باقی تصانیف و تعلیقات ضائع ہو گئے۔ مثنوی درمکنون شائع ہو چکی ہے۔ انگریزی میں بھی کام کیا۔ اور صحیفۂ کاملہ کے ترجمے میں امداد کی۔

مولانا آخر عمر میں لکھنؤ آ کر رہے اور نذر باغ میں تقریباً پینسٹھ سال کی عمر میں رحلت فرمائی اور اپنے مکانِ مسکونہ میں محوِ آرام ہوئے۔ تاریخ وفات یکم رجب ۱۳۴۹ھ ہے۔

اولاد : • محمد ذکی صاحب مرحوم و آغائے بارہوی زاہد حسین صاحب مرحوم۔ • ایک دختر مکرمہ۔
(تکملہ ج ۳)

ذاکر علی ، جون پوری :
۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء

جون پور کے خاندان مفتی ابوالبقاء کے نامور عالم بزرگ مولانا ذاکر علی جون پور میں پیدا ہوئے اور اسی شہرِ علم کے اساتذہ مولانا سید محمد عسکری اور مولانا عبدالعلی بن علی عظیم سے علوم دین و ادب عربی و فارسی میں سندِ کمال حاصل کی۔ مدت تک لکھنؤ رہے۔ کرنل بیلی ریذیڈنٹ لکھنؤ نے ان سے تعلیم حاصل کی۔ آخر عمر میں جون پور آ گئے اور سہ شنبہ ۲۳ محرم ۱۲۱۱ھ کو انتقال فرمایا مفتی محلے کے قبرستان میں دفن ہیں۔

تصانیف : تفسیر بعض آیات قرآنِ کریم بنام ذریعۃ المغفرت۔ • ترجمۂ شرائع الاسلام (فارسی)
(تکملہ نجوم السماء ج ۲ ، ص ۴۶ ، نزہتہ ج ۷ ، ص ۱۷۰)

ذاکر علی ، سندیلوی :
حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

مولانا ذاکر علی بن اکبر علی بن حمد اللہ سندیلے میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور چچا سے تعلیم حاصل کی۔ جوانی میں غرقِ آب ہو کر جاں بحق ہوئے۔ (نزہتہ ۷ / ۱۷۰)

ذکی ، محمد ذکی :
حدود ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء
۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء

مولانا مرزا محمد ذکی صاحب محلہ توپ دروازہ لکھنؤ کے رہنے والے ، سلطان المدارس کے فاضل تھے۔

صدرالافاضل کے بعد حسین آباد گورنمنٹ اسکول میں شیعہ دینیات کے مدرس مقرر ہوگئے۔ بڑے نیک عمدہ خطیب اور بڑے دوست نواز بزرگ تھے۔ تقریباً ساٹھ برس کی عمر میں رحلت کی تاریخ وفات شعبان ۱۳۹۷ھ ہے۔
(مولانا محمد محسن صاحب تعمیر و سرکار نجم العلماء)

ذوالفقار حسنین :
۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء
۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۶ء

مولانا سید ذوالفقار حسنین صاحب زیدی بارہوی، جناب مولانا سید ظہور حسین صاحب قبلہ کے شاگرد خاص اور علوم معقول و منقول کے فاضل، زاہد و مقدس، خاموش اور گوشہ نشین بزرگ تھے۔ کتب خانہ رام پور (یوپی) ہسپتالیہ مہتمم تالیفات کے عہدے پر فائز تھے۔ جامع حامدیہ کی تالیف میں استاد کا ساتھ دیا، خود بھی کچھ نہ کچھ لکھا کرتے تھے: "معارف الاخبار" ۱۹۵۷ء اور "علامہ کلینی" اس کے بعد چھپی۔ ~~[illegible]~~ جناب خورشید صاحب نے لکھا ہے کہ مولانا کی تاریخ ولادت ۲۰ مارچ ۱۸۹۴ء رمضان ۱۳۱۱ھ اور تاریخ وفات ۱۱ جنوری ۱۹۶۶ء۔ ۱۸ رمضان ۱۳۸۵ھ ہے۔

مولانا ممتاز الافاضل اور طبیب حاذق و استاد تھے۔ ریاست کے شہزادے اور امراء و عوام آپکے علاج سے شفایاب اور مدرسہ عالیہ رامپور کے طلبہ آپکے درس سے مستفید ہے۔ آپنے مومنین کو نماز جماعت کی عادت ڈالی۔

(ر) راجو بن حامد بخاری : (راجن شاہ)
حدود ۹۵۰ھ / ۱۵۴۴ء
حدود ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۱ء

راجن پور صدیوں سے شیعہ تعلیم و تربیت کا مرکز ہے۔ سید جلال شاہ بخاری کی اولاد سے ایک نامور فرزند سید محمد راجو ابن حامد حسینی بڑے مجاہد بزرگ تھے۔ موصوف نے ملتان اور سندھ میں اسلام کی تبلیغ اور تشیع کی حمایت کی۔ راجو شاہ نے کھلم کھلا لوگوں کو دین محمدؐ و آل محمدؐ کی دعوت دی اور علوم اسلام کو پھیلایا، عقائد و اعمال کو درست کیا اور خاندان میں علم دین کو لازم کر دیا۔ ان کی اولاد میں سید محمد باقر صاحب نے ماضی قریب میں پورے پنجاب کو علوم جعفری کے چرچے سے بلند آہنگ بنایا، تزکیہ نفس و تقویٰ کا گرویدہ کیا۔

سید محمد راجو نیک نہاد، پاک ذات، سخی، ولی اور صاحب کرامات تھے۔ موصوف نے بلوچ قبائل کو تعلیم و تربیت دی اور انہیں مذہب شیعہ کا حلقہ بگوش کیا۔ دور دور تک انکی روحانیت و اخلاق کا چرچا تھا۔ اسی وقت ہمایوں تخت دہلی پر جلوہ فگن تھا، مذہبی یگانگت یا کسی اور سبب سے راجو صاحب نے بادشاہ سے ملاقات کرنا چاہی، بادشاہ کو شاہ صاحب کی خبر آمد ملی تو استقبال کے لیے تیار ہوئے سواری طلب کی مگر مخدوم الملک ملا عبداللہ نے روکا، اور سید صاحب کے خلاف تقریر کرتے ہوئے رافضی

و بدعتی قرار دیا نیز توجہ دلائی کہ ان کی تعظیم و استقبال سے حضورؐ کی وجاہت کو نقصان پہنچے گا۔ امراء آپ سے بدظن ہوجائیں گے۔ ہمایوں نے کوئی جواب نہ دیا اور دوسرے دن سواری منگائی۔ آج پھر مخدوم الملک نے روکا اور کہا کہ ان کی پیشوائی کو جانا دین سے جدائی اور حکومت میں انتشار کا باعث ہے۔ ہمایوں نے ابھی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی اس لیے رُک گیا اور ملا صاحب سے کہا: میں تو فقط دینی احترامات اور اُن کے اولادِ سید المرسلینؐ ہونے کی وجہ سے استقبال کرنا چاہتا تھا۔ اب آپ اسے دین کے خلاف فرماتے ہیں لہذا میں استقبال کو نہیں جاؤں گا، پھر خانخاناں اور شہزادہ اکبر کو استقبال کے لیے بھیجا جب سید صاحب ملے تو عذر کیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر حاجی سیستانی لاہور کا حاکم تھا اس نے ملا صاحب کو خارجیوں کے ساتھ سازش کے جرم میں گرفتار کر لیا اور موصوف کو جیل جانا پڑا، موصوف نے اپنے دوست عزیز اللہ علیائی ملتانی ساکن سلطان پور کو صورت حالات لکھی اور رہائی کے لیے امداد و دعا چاہی، شیخ عزیز اللہ صاحب کرامات بزرگ تھے، کہتے ہیں کہ سرودِ دو عالم نے ان کے سر پر دستِ مبارک رکھا تھا۔ عزیز اللہ صاحب نے خط پڑھا۔ حالات سے مطلع ہوئے۔

ایک دن خواب میں دیکھا، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجمع اصحاب میں جلوہ فرما ہیں اور سید راجو آپؐ کے زانو پر ہیں۔ عزیز اللہ نے بڑھ کر سلام کے بعد عرض کیا: یا رسول اللہؐ ملا عبداللہ آپ کا ثنا خواں ہے، بیچارہ جیل میں بند ہے۔ اشارہ کیا اور فرمایا، میرا یہ فرزند اس کے ہاتھوں خون کے آنسو روتا ہے۔ شیخ عزیز اللہ نے یہ خواب ملا عبداللہ کو لکھا اور توبہ و انابت کا مشورہ دیا۔

سید راجو نے بڑی دلیری سے عوام کا مقابلہ کیا، اور کبھی اپنے مسلک کو نہ چھپایا، لوگ تقیے کا مشورہ دیتے تھے تو ان سے کہتے تھے کہ میرا تقیہ میری اولاد کے خارج از دین ہونے کا سبب بھی ہو سکتا ہے لہذا مشکلات گوارا ہیں۔ اس پامردی کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے پوتے سید حسن علم و کمال میں شہرۂ آفاق ہوئے۔
سال وفات ہمایوں ۹۶۳ھ ہے گویا اس وقت راجن شاہ جوان تھے۔

اولاد : ۰ سید محمد راجو شاہ کی اولاد میں ایک فرزند سید زین العابدین تھے جن کے بیٹے سید حسن بڑے عالم و فاضل گذرے ہیں۔ (ان کے حالات دیکھیئے "ح" میں۔) (مجالس المومنین۔ تذکرہ بے بہا)

مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ راجن پور کے متعدد سجادہ نشین راجو شاہ کہلائے ان حضرات میں عموماً مخدوم ایسے گذرے ہیں جو درس علوم و ظیفہ بھی دیتے رہے۔

راجن پور میں حضرت شاہ صاحب کے زمانے سے ایک مجلس ۹ ذی الحجہ کو ہوتی چلی آرہی ہے

اور دوسرا جلسہ عید نوروز پر ہوتا ہے اور واقعہ غدیر کا تذکرہ فرحت و مسرت کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ محرم کی عزاداری بھی مدتوں سے ہو رہی ہے۔

مجالس المؤمنین۔ • تذکرہ بے بہا۔ • نادرۃ الزمن در احوال۔ سید محمد راجن تالیف وصی حیدر خان، طبع لاہور ۱۹۷۵ء۔ • نیز دیکھیے احوال حسن ابن زین العابدین۔

راحت حسین، بھیک پوری:

۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء
۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

ابوالخلیل مولانا سید راحت حسین رضوی ابن مولوی سید محمد ابراہیم صاحب متوفی صفر ۱۳۰۹ھ علی نگر بھیک پور ضلع سارن کے زمیندار تھے، مولانا راحت حسین صاحب یکم محرم ۱۳۰۶ھ کو اپنے وطن میں پیدا ہوئے، اور غلام زین العابدین تاریخی نام رکھا گیا۔ تین سال بعد یتیم ہو گئے، لیکن مولوی سید بشارت علی صاحب نے ابتدائی تعلیم دی۔ آپ کے خالو سید محمد مہدی صاحب بھیک پوری نے عربی تعلیم دی۔ اس کے بعد مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ میں مولانا حافظ فرمان علی صاحب سے درس لیا۔ ۱۳۲۲ھ میں سلطان المدارس لکھنؤ آ گئے، معالم، شرائع، شرح لمعہ، سلم العلوم نہج البلاغہ وغیرہ مولانا ظہور حسین صاحب، مولانا ناصر حسین صاحب، مفتی سید محمد علی صاحب اور اپنے برادر نسبتی مولانا عابد حسین صاحب سے درس اور ۱۳۳۴ھ میں اجازہ لے کر تبلیغ کے شوق میں نکلے۔ "آل انڈیا شیعہ گزٹ" کے مدیر ہوئے، زیارات عراق و ایران کو تشریف لے گئے، مولانا مقبول احمد صاحب کے ساتھ رام پور میں رہ کر مولوی فاضل کا نصاب پورا کیا، مجلسیں پڑھیں، مضمون لکھے۔

۱۳۳۶ھ دہلی میں اخبار اثنا عشری کے مدیر ہوئے۔

۱۳۴۰ھ میں وطن واپس آ گئے۔ کچھ مدت بعد افریقہ چلے گئے اور وہاں تبلیغ فرمائی۔ بھاؤنگر کاٹھیاواڑ میں امام جمعہ و جماعت رہے۔ جولائی ۱۹۵۸ء، محرم ۱۳۷۸ھ میں رحلت ہوئی۔

اولاد: • مولوی سید خلیل عباس صاحب، صدر الافاضل مبلغ افریقہ۔ (انجمن وظیفہ...)

راحت حسین، گوپالپوری:

۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء
۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۶ء

حجۃ الاسلام مولانا سید راحت حسین ابن طاہر حسین رضوی گوپالپور میں بتاریخ ۵ رجب ۱۲۹۷ھ پیدا ہوئے، سید حیدر رضا تاریخی نام تھا، ابتدائی تعلیم کے بعد سید احمد، مولانا سید حسن اور سید عابد حسین اور مولانا سید محمد مہدی صاحب اور مولانا نظیر حسین صاحب سے قطبی و میبذی، حریری و شرائع الاسلام کا درس لیا۔ لکھنؤ آ کر چھ سال تک

درس و تدریس کے بعد اپنے خسر مولانا نثار حسین کی تحریک سے عراق تشریف لے گئے، نجف میں آقای شیخ علی گنا آبادی، آقا ملا رضا اور آقای سید کاظم خراسانی، آقای شیخ سید کاظم یزدی کے درس میں حاضر ہوئے۔ نو سال تک اساطین سے فقہ و اصول میں کمال کی سند لی۔ ۱۹۱۴ء میں عراق جنگ کی زد میں آ گیا تو مولانا راحت حسین صاحب اہل و عیال کے ساتھ بہزار دقت وطن واپس آئے۔ پندرہ بیس سال کے بعد دوبارہ عراق و ایران کا سفر کیا۔

بہار میں علما کی ایک روایت قدیم زمانے سے چلی آ رہی تھی، روٴسا کے بڑے بڑے کتب خانے نوادر کتب سے لبریز تھے، ان میں مونگیر کے ضلع میں حیدرآباد نامی ایک قصبے میں بڑے تعلقہ دار کا بہت عمدہ کتب خانہ تھا۔ مولانا راحت حسین صاحب اس ریاست میں قیام فرما ہوئے اور یکسوئی سے مطالعہ و تحقیق میں مصروف رہے۔ علاقے میں تبلیغ فرمائی، جمعہ و جماعت کا سلسلہ قائم کیا، ایک عرصے کے بعد صوبے کے دوسرے مقامات سے طلب ہوئی اور متعدد مدرسوں میں صدارت کے آخر میں مدرسۃ الواعظین کے صدر مدرس نامزد ہوئے۔ لیکن ضعف و علالت کی بنا پر وطن چلے گئے اور ۲۶ رمضان ۱۳۷۴ھ کو وفات پائی۔

مولانا راحت حسین صاحب فقہ و اصول، رجال و درایت میں فخر روزگار تھے۔ ایک عرصے تک تفسیر پر کام کیا اور بڑی تفسیر قلم بند کی۔

تصانیف: • قاطع لجاج (میراث ازواج، فقہ، مطبوعہ) • تعدیۃ النکاح (عربی، مطبوعہ)۔ • الاستنصار فی حرمۃ الاستنہ بار (فقہ، مطبوعہ) • منازل آلام (منازل سفر امام حسینؑ مطبوعہ، اردو) • رافع الالتباس از سند زیارت ناحیہ (اردو، مطبوعہ ۱۳۷۱ھ) • تفسیر انوار القرآن۔ (اردو، مقدمہ و سورہ آل عمران تک چھپ چکی) • رسالۂ سبطیین۔ اولاد: • مولانا سید علی صاحب صدر الافاضل۔ • مولانا محمد صاحب • مولوی محمد محسن۔ • مولوی نور اللہ۔ (بے بہا ص ۱۹۲، اصلاح ماہ شوال ۱۳۷۴ھ)

رتن سنگھ، زخمی:

حدود ۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء
۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء

راجا رتن سنگھ ابن بالک رام بریلوی لکھنوی، ہندو مذہب کے پرستار تھے۔ اسی مذہب کے علوم حاصل کیے، پھر عربی، فارسی، ترکی اور انگریزی سیکھی، فن حساب و نجوم میں یکتا اور فارسی ادب و لغت میں استاد تھے۔ بادشاہ اودھ نے فخر الدولہ دبیر الملک راجا رتن سنگھ بہادر ہوشیار جنگ خطاب دیا۔

غازی الدین (قدر دان سائنس) نے انھیں امیر الانشا مقرر کیا اور منشی الممالک کہا اور محمد علی شاہ نے دیوان و بخشی کا منصب دیا۔

مصحفی نے ۱۲۳۶ھ سے پہلے پھوزخمی کا سن چالیس سال بتایا ہے۔ وہ مرزا قتیل کے شاگرد تھے۔ استاد شاگرد دونوں فارسی ادب کے علاوہ فلسفے میں بھی مشہور تھے۔ مرزا قتیل ہندو سے مسلمان ہو چکے تھے، رتن سنگھ بھی ۱۲۶۴ھ میں کھلم کھلا شیعہ ہوگئے اور ۱۲۶۷ھ میں رحلت کرگئے۔

تصانیف: شرحِ گل کشتی، فارسی قلمی موجود در کتب خانہ پروفیسر مسعود حسن۔ • سلطان التواریخ، فارسی قلمی (۱۲۴۵ھ) موجود در کتب خانہ دانشگاہ پنجاب لاہور اور لکھنؤ یونیورسٹی۔ • حدائق النجوم، فارسی قلمی ضخیم موجود در کتب خانہ پروفیسر مسعود حسن لکھنؤ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے بقول یہ کتاب محمد علی شاہ اودھ کی فرمائش سے ۱۲۵۲ھ میں لکھی، اس کے چھیں اجزا ہیں یہ اس فن کی بہترین کتاب شمار کی جاتی ہے، انگریزی کتابوں سے بھی فائدہ اٹھایا۔

• دیوان فارسی طبع لکھنؤ ۱۲۵۲ھ۔ (نزہتہ الخواطر، ۷، ص ۱۷۲، صبح گلشن، ریاض الفصحا، پروفیسر مسعود حسن: شاہانِ اودھ کا علمی و ادبی ذوق)

رجب علی، ارسطو جاہ:

۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء
۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء

مولانا سید رجب علی ابن سید علی بخش نقوی پنجگرائیں ساداتِ سے تعلق رکھتے تھے، مولانا کی ولادت ۱۸۰۶ء/۱۲۲۱ھ تلونڈی میں ہوئی جو آپ کے اجداد کی جاگیر تھی۔ ۱۸۰۷ء میں دیوان حکم چند نے یہ جائداد ضبط کرکے ان سیدوں کو جلاوطن کردیا اور یہ لوگ جگراؤں آگئے۔ رجب علی کی عمر بارہ سال تھی جب انھوں نے تحصیلِ علم کے لیے لاہور کا رُخ کیا۔ لاہور میں جناب ملا مہدی خطا تلمیذ ملا محمد مقیم تلمیذ شیخ حر عاملی علیہ الرحمہ سے کتبِ امامیہ کا درس لیا اور سید خیر شاہ سے طب پڑھی۔ اس روایت سے یہ انکشاف بھی ہوا کہ ۱۲۳۳ھ میں ملا مہدی صاحب لاہور کے شیعہ عالم تھے اور ان کا سلسلۂ تلمذ علامہ حر عاملی سے ملتا تھا یعنی رجب علی شاہ کی ابتدائی دینی تعلیم دبستانِ حر عاملی علیہ الغفران سے ہوئی۔

۱۸۲۵ء میں دلی مدرسے میں داخل ہوگئے اور اساتذہ دہلی میں مفتی صدر الدین سے پڑھا، اور مدرسے میں ریاضی کی معلمی مل گئی، ان دنوں ان کے روابط ملا محمد باقر صاحب دہلوی اور مرزا غالب سے ہوگئے۔ ۱۸۳۰ء میں دہلی مدرسے کو چھوڑ دیا، ہوسکتا ہے ان کی مذہبی قابلیت اور دینی مباحثے آڑے ہوئے ہوں۔ اس کے بعد وہ اِدھر اُدھر علم کی جستجو میں پھرے۔ شاید ان کی ملاقات میرٹھ کے صدر الصدور مفتی محمد قلی صاحب سے ہوئی ہو اور ان سے استفادہ کیا ہو کیونکہ آگے بڑھ کر مولانا حامد حسین صاحب سے ان کے بہت گہرے مراسم ہوگئے تھے۔ آگرہ، گوالیار، ہوشنگ آباد ہوتے ہوئے بھوپال پہنچے وہاں کرم محمد خان مختارِ ریاست نے شرعی فتوے لکھنے پر مامور کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا سنی فقہ کے بھی

عالم تھے۔ تین سال بھوپال میں رہے مگر تبلیغ کا سلسلہ نہ چھوڑا، آخر بیگم صاحبہ بھوپال کے مرشد عبداللہ بغدادی سے مباحثہ شروع کردیا۔ ملا عبداللہ بغدادی جامعیت کے دعوے دار اور ایک لاکھ حدیثوں کے حفظ کا غرہ رکھتے تھے۔ مولانا رجب علی نے مباحثے شروع کیے تو شہر کے سینکڑوں آدمی اس میں شرکت کرتے تھے اور ریزیڈنٹ کو بھی رپورٹ دی جاتی تھی۔ آخر عبداللہ صاحب بغدادی اور بھوپال کے بہت سے پٹھان شیعہ ہوگئے۔ اس سے بھوپال میں ملا کی مخالفت ہونے لگی۔ مگر نواب سکندر جہاں کی والدہ ملا کی مرید تھیں اس لیے وہ تو بھوپال میں رہے اور مولانا رجب علی ۱۸۳۳ء میں بھوپال سے جگراؤں آگئے۔ سردار فتح سنگھ والیٔ کپورتھلہ کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے ریاست میں طلب کرکے نہری انتظام کے لیے رجب علی شاہ کو انجینیر مقرر کیا۔ موصوف نے "نقشہ بعد مساحت ارتفاع و انخفاض زمین کا درست کردیا" اسی نقشے کے مطابق نہر تیار ہوگی، چار ماہ کے بعد بھوپال کے ارادے سے نکلے تو انبالے میں سر جارج رسل کلارک سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے یکم فروری ۱۸۳۴ء کو جمنا و ستلج کے دوآبے کی منشی گری دی جس سے ترقی پاکر منشی ممالک پنجاب ہوگئے۔ ۱۸۵۳ء میں خلعت و سند و جاگیر جگراؤں ہوکر ریٹائرڈ ہوئے۔ اب وہ رئیس اور انگریزوں کے معاون سیاستدان تھے اسی لیے ہنری لارنس نے راجپوتانے کی جنگ میں انھیں طلب کیا اور انھوں نے انگریزی فوج کی کمک کی۔ واپسی میں دہلی ٹھہرے تو وہاں مولوی حیدر علی مصنف منتہی الکلام سے مباحثہ اور مباہلہ ہوا جس کے ثالث مفتی صدر الدین تھے، حیدر علی صاحب سے طے ہوا کہ جامع مسجد کے مینار سے چھلانگ ماریں گے جو حق پر ہوگا وہ زندہ بچے گا، مگر مولوی حیدر علی موقع اور وقت پر نہ آئے۔ شہر میں اس کا چرچا ہوا اور رجب علی شاہ کامیاب قرار دیے گئے۔ جس کی کاروائی اخباروں میں چھپی۔

۱۸۵۷ء میں غدر کا واقعہ ہوا تو انگریزوں نے پھر یاد کیا اور جنرل نیپیر کے ساتھ میر منشی کے طور پر کام کیا۔ غدر کے بعد لارڈ کیننگ نے خلعت، پانچ ہزار روپے، ارسطو جاہ۔ خان بہادر کا خطاب اور جاگیر بھی دی۔

۱۸۶۱ء میں سکھر، کراچی، بمبئی، عدن ہوتے ہوئے حج سے شرف یاب ہوئے، اس حج میں ان کے ساتھ بہت سے لوگ تھے جن میں تقدس مآب سید عوض علی صاحب نوگانوی خود ارسطو جاہ کے دونوں فرزند سید شریف حسین اور سید شریف حسین بھی تھے۔ یہ سفر با اطمینان ہوا اور دو سال صرف ہوئے میں نے جھنگ میں مولوی رضی الدین حیدر صاحب کے پاس جگراؤں کی بچی کھچی کتابوں میں سے تفسیر در منثور سیوطی" کا ایک عربی قلمی نسخہ دیکھا ہے جو موصوف نے بحرین میں خریدا تھا۔

اس سفر میں وہ علما سے ملے، کتابیں خریدتے پورے اطمینان سے ۱۲۷۸ھ میں مدینہ منورہ میں

حاضری دی، رمضان المبارک مدینے میں رہے۔ رمضان کے بعد مکۂ مکرمہ حاضر ہوئے۔ اس سال نامور علما میں آیۃ اللہ مرزا نصراللہ مجتہد (امام جمعہ و جماعت مسجد گوہر شاد مشہد مقدس) حج کے لیے تشریف لائے تھے۔ مولانا رجب علی نے انھیں کے ساتھ مناسک انجام دیئے۔

محرم میں جدہ آکر مراسم عزا بجا لائے اور بہت بڑی بڑی مجلسیں کیں، جن میں علما عرب و عجم شرکت کرتے تھے۔ بعد محرم بمبئی ہوتے ہوئے وطن واپس آئے۔

مولانا رجب علی فارسی و عربی کے ادیب و شاعر، خطیب و مناظر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی سوجھ بوجھ اور سیاسی بصیرت کے مالک تھے، وہ برصغیر کے مسلمان سیاستدانوں میں شمالی ہند کے سب سے بڑے مدبر ہونے کے ساتھ مذہبی معاملات میں کسی سے دبتے نہ تھے، سیاست کی خاطر مذہب کو پس پشت ڈالنا گوارا نہ کیا۔ نتیجہ میں ان کے حریفوں نے مل کر ان کے خلاف بہت سخت پروپیگنڈا کیا اور ان کے اسلامی خدمات پر خصوصاً پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں کی بالادستی سے نجات دلانے پر پردہ ڈال دیا۔

رجب علی شاہ نے پنجاب میں شیعوں کے خلاف تباہ کن دشمنی کو ختم کیا اور شیعہ تبلیغات کے لیے مجمع البحرین پریس اور اس سے اخبار، رسالہ اور کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ قائم کیا۔ اس پریس سے بے شمار کتابیں چھپیں جن میں صحیفۂ علویہ کی پہلی اشاعت اور تحفۂ اثنا عشریہ کا جواب تشئید المطاعن (طبع ۱۲۸۴ھ) کا نام بھی ہے۔ اور بہت سی کتابیں۔

۱۲۸۴ھ میں جناب فردوس مآب مولانا حامد حسین صاحب قبلہ لودھیانے آئے اور رجب علی شاہ کے مہمان رہے۔

مولانا رجب علی صاحب نے بڑی عزت و آبرو کے ساتھ پینسٹھ سال کی عمر پا کر ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ کو جگراؤں میں رحلت کی۔

اولاد: مولانا شریف الحسن۔ • مولانا شریف الحسین۔

تصانیف: • کشف الغطا فی تفسیر سورۃ ھل اتی۔ • سرّ اکبر فی تفسیر سورۃ والفجر۔ • افادات علیہ قصائد مدحیہ ائمہؑ فارسی مطبوعہ (خود نوشت سوانح، مشمولہ تحقیقات چشتیہ و بے بہا)

رحم علی :

حدود ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۹ء

مولانا سید رحم علی سونی پتی علوم دینیہ و عقلیہ کے عالم کامل تھے، دہلی میں شیعوں کے ملجا و ماویٰ

حکیم مرزا محمد کامل شہید رابع (در ۱۲۲۵ھ) اور محمد شاہ بادشاہ دہلی کے بھائی اچھے میاں کے استاد تھے۔

سید مطیع احمد جعفری ساکن خانیوال نے مجھے بتایا کہ مولانا رحم علی صاحب نے مؤلف تحفۂ اثنا عشریہ، عبدالعزیز صاحب کو معاصر اور ننھیالی رشتے دار ہونے کی وجہ سے تحفہ لکھتے وقت بہت روکا مگر وہ نہ مانے تو اسی زمانے میں حکیم محمد صاحب سے اس کا جواب لکھوایا اور خود بھی اپنے شاگرد کی مدد کی۔ جواب تحفہ کے بعد مولانا رحم علی صاحب نے شاہ صاحب کو بہت سے معاملات میں قائل کر لیا چنانچہ تحریر الشہادتین اور فضائل اہل بیت پر عبدالعزیز صاحب کی کتابیں اسی اثر کا نتیجہ ہیں۔

مولانا نے ۱۲۲۵ھ کے حدود میں رحلت کی۔ (تکملہ نجوم ج ۲ ص ۲۲۲)

تصانیف: • بدر الدجیٰ ۔ مطبوعہ۔

رستم علی، عظیم آبادی :

۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء

مولانا رستم علی بن مولوی محمد حلیم کشمیری، عظیم آبادی پٹنے کے عالم اور معقولات میں ماہر تھے۔ مؤلف تاریخ جہاں نما میں ۱۲۲۳ھ کے ارد گرد ان کی تعریف کی ہے اور اپنے شاگردوں میں لکھا ہے۔ مؤلف سیر المتاخرین، غلام حسین طباطبائی کے بقول سید رستم علی، مرد مستغنی، گوشہ گزیں، اور علوم ظاہری سے بہرہ ور تھے۔ ان کے کرامات لوگوں میں مشہور ہیں۔

رام نرائن صوبیدار (آغاز عہدہ ۱۱۷۲ھ) کے زمانے میں میر افضل سوداگر کشمیری کے مقبرہ میں سپرد لحد ہوئے۔ میر افضل سوداگر آپ کے معتقد تھے، رستم علی کا مقبرہ مشہور ہے۔

جہاں نما میں میرزا اور سیر المتاخرین میں سید درج ہے۔ (بے بہا، ص ۱۵۷)

رشید، ترابی :

۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء
۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

برصغیر میں جن خطبائے اقتدار و عظمت کا نقطۂ آخر حاصل کیا ان میں حکیم مقبول احمد صاحب کے بعد مولانا سبط حسن صاحب مولانا کلب حسین صاحب، مولانا سید محمد صاحب دہلوی اور مولانا رشید ترابی رضا حسین کا نام خاص اہمیت رکھتا، علامہ رشید ترابی کے بقول:

والد، شرف حسین صاحب حیدرآباد دکن کے بڑے متدین بزرگ تھے۔ ان کے یہاں ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء ترابی صاحب پیدا ہوئے، بچپنے ہی سے ذہین، ہونہار اور دینی رجحان رکھتے تھے تعلیم تو سرکاری اسکولوں میں پائی اور ۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۰ء تک اسمبلی کی ممبری سے سرکاری ملازمت تک مصروفیت

رہی، سیاست سے دل چسپی تھی اور تحریک پاکستان سے وابستگی، بہادر یار جنگ اور قائد اعظم کے ساتھ کام کیا۔

مذہبی رجحان اور خطابت کا شوق منبر پر لایا، اور بہت جلد شہرت و مقبولیت حاصل کی۔ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۸ء تک بمبئی محفل شاہ خراسان کی مجلسوں نے مولانا رضا حسین 'ترابی' کی فکر کو آگے بڑھایا اور پاکستان میں تو وہ منفرد خطیب و مفکر بن کر ابھرے، آخری تین چار سال تو یہ عالم رہا تھا کر ریڈیو ٹیلیویژن کے علاوہ ان کی مجالس محرم میں سو سو ٹیپ اور ان کی تقریریں کراچی کے شہر لاہور، ملتان، حیدرآباد اور خدا جانے کہاں کہاں ریلے ہوتی تھیں، ٹیلیفون کے ذریعے شہر شہر میں اسی وقت ازدحام ہوتا تھا جس وقت وہ نشتر پارک، خالق دینا ہال یا کسی امام بارگاہ میں مجلس پڑھتے تھے۔ ہر جگہ وہی آواز سننے والے جمع ہوتے تھے۔ یہ بات دنیا میں شاید ہی کسی بولنے والے کے حصے میں آئی ہو۔

مرحوم نے لاہور کے آخری سفر میں ۱۳ اپریل ۱۹۷۲ء پنجشنبہ کے روز اپنے حالات بیان کرتے ہوئے ان حضرات کا نام بڑی خصوصیت سے لکھوایا جن سے انھوں نے فیض اٹھایا۔ سید ابوبکر بن شہاب مرعشی تلمیذ زینی دحلان (حیدرآباد دکن)، مولانا علی حیدر نظم طباطبائی، ضامن کنتوری، مولانا سبط حسن لکھنوی، مرزا محمد ہادی رسوا، نجف میں آقائی نائینی، آقائی میرزا علی شیرازی، آقائی اصطہباناتی، آقائی بزرگ تہرانی، آقائی ہبۃ الدین شہرستانی، ہندوستان و پاکستان میں بھی تمام اکابر علماء سے ملاقات تھی، یہی نے ان کو حدیث و رجال و تفسیر، ادب و تاریخ میں حافظہ و نظر کے اعتبار سے کامل تر پایا۔ آپ نے ایران و عراق کے متعدد سفر اور پورے جنوبی ہند کا دورہ کیا۔ آخر ۶۵ برس عمر پاکر دوشنبہ ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ / ۱۹ دسمبر ۱۹۷۳ء رات گیارہ بجے رحلت فرمائی۔ دوسرے دن ان کا جنازہ بے مثال مجمع سے اٹھا اور امام بارہ سجادیہ میں آسودۂ لحد ہوئے۔

جہاں ان کی قبر انتہائی شاندار طرز پر موجود ہے۔

تصانیف: • کنز مخفی، طبع لکھنؤ ۱۹۲۴ء۔ • طب معصومین۔ طبع حیدرآباد، ۱۹۲۶ء۔ • حیدرآباد کے جنگلات، طبع ۱۹۴۴ء۔ • دستور علمی و اخلاقی مسائل، طبع حیدرآباد و کراچی۔ • ترجمہ انگریزی مطبوعات بنام ماہنامہ اختر۔ • روزنامہ المنتظر کراچی۔ • بے شمار اشعار و حواشی اور اقتباسات۔ غیر مطبوعہ۔

رضا بن زین العابدین شہیدی:

۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء

الشیخ رضا بن زین العابدین ہندی، عاملی الشہیدی (بہاء الدین) فقیہ و اصولی، جناب شہید کے

احفاد میں تھے۔

صاحب اعیان الشیعہ (۲۳۱) کے بقول ۱۲۸۹ھ مدراس میں رحلت فرمائی گویا مدراس کے مجتہدین کے اساس گذار اور جناب شہید کی سند روایت کے مروج تھے۔

تصانیف: • شرح شرائع الاسلام (عربی) (اعیان الشیعہ ج ۳۲، معجم المؤلفین ج ۴ ص ۱۶۶)

رضا حسین نونہروی:

۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء

سید رضا حسین ابن حسین ابن رمضان علی حسینی نونہرہ ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد سفر لکھنؤ کیا۔ لکھنؤ میں مولانا سید محمد تقی صاحب قبلہ سے علوم دین میں کمال کی سند لی، اور تدریس میں عمر گذار دی۔

۱۲۹۱ھ میں رحلت کی۔ (نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۱۷۹)

رضا حسین، کمبوہ:

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء
حدود ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

مولانا رضا حسین خان کمبوہ ابن سبحان علی خان صاحب (متوفی ۱۲۶۴ھ) سبحان علی خان صاحب عالم و فاضل، فقیہ و ادیب مدبر و امیر آدمی تھے۔ بریلی روہیل کھنڈ میں املاک تھی۔

رضا حسین صاحب لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم حاصل کی اور حدیث خواں کی حیثیت سے شہرت پائی، حدود ۱۳۲۵ھ میں وفات پائی۔

رضا حسین: (دیکھیے رشید ترابی)

نیز رضا حسین بھل کے رہنے والے مولوی و ادیب و ذاکر پنجاب متوفی ۲۰ فروری ۱۹۵۶ء / ۱۳۷۵ھ

رضا حیدر:

حدود ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء

مولانا رضا حیدر صاحب لکھنؤ کے افاضل و مشاہیر میں تھے۔ (ہم نے ان کے احوال مفصل لکھے تھے لیکن ضائع ہو گئے)

رسول احمد (متوفی ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء) ممتاز الافاضل جناب مفتی احمد علی صاحب کے ارشد تلامذہ میں اور مدرسہ ناظمیہ کے مدرس معقول و منقول تھے ۱۳۸۹ھ میں سفر عراق کیا تھا۔ غالباً فروری ۱۹۷۹ء لکھنؤ میں رحلت کی عمر تقریباً ۵۵ برس تھی۔

رضا علی، مرزا :

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۵ء
۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء

مولانا مرزا رضا علی صاحب مرحوم ساکن محلہ مفتی گنج لکھنؤ خاندانِ صلحا میں سے تھے۔ بہت، بڑے فاضل، جید عالم اور مناظر تھے۔ آخری دنوں میں اپنے گھر پر سالانہ مجلس پڑھا کرتے تھے اور تین چار گھنٹے کی تقریر میں مناظرانہ نکات بیان فرماتے، اندازِ بیان باوقار، مہذب اور بہت نفیس تھا۔

ریاست محمود آباد میں دینی خدمات پر مامور تھے اور ریاست بڑی عزت کرتی تھی۔ مولانا کی ذاتی فٹن تھی اور بڑی شان سے رہتے تھے۔

مولانا کے بہنوئی مولوی غلام رضا صاحب بھی بڑے فاضل اور واعظ تھے، مقدس اور منکسر مزاج ایسے کہ جب کسی نے مجلس کے لیے کہا بلا تکلف وعدہ فرما لیتے تھے، گریہ بلند آواز سے کرتے۔ ان کے فرزند تھے، بندہ رضا صاحب اور بندہ رضا صاحب کے فرزند مرزا ہادی حسین ہدو صاحب۔

مولانا مرزا رضا علی صاحب نے تقریباً ۸۵ سال کی عمر پا کر ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ لکھنؤ میں رحلت کی۔

اولاد : مولوی غلام حیدر صاحب اور قاری حبیب حیدر صاحب مولانا بندہ حیدر صاحب صدر الافاضل بھی اسی خاندان سے ہیں۔

رضی بن نور الدّین :

۱۱۲۸ھ / ۱۷۱۵ء
۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء

مولانا سید رضی بن شیخ الاسلام نور الدین موسوی، جزائری، شوشتری جناب نعمت اللہ شوشتری کی دختر کے بطن سے ۱۱۲۸ھ کو شوشتر میں پیدا ہوئے چونکہ والد علام شیخ الاسلام شوشتر تھے اس لیے عزت و اقتدار اور دینی وقار کے مالک ہوئے، شہر علما و مدارس سے آباد تھا، سید رضی نے اپنے بڑے بھائی مولانا سید حسین اور والد علام سے بھی پڑھا اور اکابر علما سے بھی فیض اٹھایا۔ تفسیر و حدیث، عقائد و فقہ میں درجۂ اجتہاد کو پہنچے۔ اصفہان و کاشان، مشہد و قم، نجف و کربلا، کاظمین و سامرا گئے اور زیارات کے ساتھ ساتھ شیوخِ علم سے اجازات حاصل کیے۔

ابھی جوانی کا عالم تھا اور وطن میں بفراغت دن گذار رہے تھے کہ افغانوں سے ایران کی جنگ چھڑ گئی وہ ختم نہ ہوئی تھی کہ ترکوں نے حملہ کر دیا۔ عراق و ایران تباہی سے دوچار ہوا، شہر ویران اور عوام و خواص کا قتلِ عام ہو گیا۔ اسی افراتفری میں شیخ علی حزیں کی طرح مولانا بصرے سے سورت میں اترے یہ واقعہ ۱۱۴۹ھ کا بتایا گیا۔ مولانا سید حسین تو کچھ عرصے بعد وطن واپس چلے گئے مگر سید رضی سورت سے دہلی آئے۔ یہاں ابو المنصور خان

قزلباش وزیر نے بڑی پذیرائی کی لیکن مولانا کا دل نہ لگا اور وطن جانے کا فیصلہ کر لیا، لیکن کابل و قندھار کے راستے بند تھے۔ دونوں بھائی بنگال اور وہاں سے بذریعۂ جہاز، ایران جانے کے لیے بنگال پہنچے۔ شجاع الدولہ ناظم بنگالہ نے انھیں اپنا درباری بنا لیا۔ شجاع الدولہ کے بعد مرشد قلی خان صوبہ دار اڑیسہ نے ان کی خاطرداری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا اپنی علمی عظمت اور نفسیاتی خودداری کے ساتھ مرشد قلی خان کے یہاں رہے، مرشد قلی دکن گئے تو مولانا ساتھ تھے، وہاں آصف جاہ کو فکر ہوئی کہ مولانا کو اپنے ساتھ رکھیں، چنانچہ سید رضی حیدر آباد آ گئے۔ غلام علی آزاد بلگرامی ۱۱۶۰ھ میں پہلی مرتبہ اور ۱۱۶۵ھ میں دوسری مرتبہ ملے۔ اس سے پہلے آزاد بلگرامی ۱۱۴۷ھ کے لگ بھگ حزیں سے مل چکے تھے۔ مولانا رضی نے دار الانشا میں منصب اور دکن میں جاگیر پائی۔ ایک تفریشی سید گھرانے میں شادی کی جن سے
۱۱۶۶ھ میں ابو القاسم پیدا ہوئے۔ ابو القاسم جوان ہوئے تو مولانا ترکِ دنیا کر کے دائرہ میر مومن میں بیٹھ گئے اور زندگی بھر عبادت و ریاضت میں مصروف رہے اور ۱۱۹۴ھ شب بست و چہارم جمادی الاولیٰ کو رحلت کی۔

مولانا رضی فقیہ و ادیب تھے اقدس تخلص تھا۔ حواشی و تالیفات ترکِ وطن کی نذر ہو گئے۔

اولاد : ● ابو القاسم (میر عالم متوفی ۱۲۲۳ھ دیکھیے احوال) و سید زین العابدین۔

(نزہۃ ج ۶، ص ۸۷، نجوم السما، ص ۲۶۱، تذکرۂ بے بہا ۱۵۵، مرقع دکن ص ۹۳)

رضی الدّین، امروہوی :

۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء

مولوی سید رضی الدین امروہوی فاضل و پرہیزگار آدمی تھے۔
۱۲۳۳ھ میں وفات پائی (احوال تلف ہو گئے)

رمضان علی :

۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء

سید رمضان علی ابن نجف علی حسینی، نونہرہ ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے۔ معاصر اساتذہ سے تعلیم پائی اور طلبِ علم کے لیے سفر کیے۔ علما سے اسناد و اجازات پائے۔ مولانا رمضان علی ہر وقت لا الٰہ الا اللہ برزبان رہتے تھے۔ زاہد ایسے کہ اکثر دال ساگ میں زائد پانی ڈال کر بے لذت کر لیتے اور کہتے تھے کہ نفس لذیذ کھانے کا متقاضی ہے۔ عرفان و اخلاق و ایثار و تقویٰ کے واقعات مشہور تھے۔ لکھنؤ، عظیم آباد، بنارس وغیرہ میں قیام رہا، سب کہتے تھے کہ بشر کے جامہ میں ملک ہیں۔ ستر سال سے زیادہ عمر پا کر یکم محرم ۱۲۷۴ھ نونہرے میں وفات ہوئی (دیکھیے نجوم السما ج ۲ ص ۱۵۵، نزہۃ ج ۷ ص ۱۹۶)

فرزند : ● بحر العلوم مولانا سید حسین صاحب۔ متوفی ۱۲۷۱ھ۔

ریاض، بنارسی : ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

جناب سید ریاض علی بنارسی علما میں تو نہ تھے لیکن مورخ وسیع النظر اور مصنف نکتہ سنج ضرور تھے انگریزی پر عبور رکھتا اور اسی رنگ میں انھوں نے بہت اچھی اچھی کتابیں اردو میں لکھیں۔ میں نے ان پر ایک مفصل مقدمہ "الکرار" پر لکھا ہے جو مطبع لاہور میں چھپ چکا ہے۔ ریاض صاحب خطیب و شاعر ہونے کے علاوہ بنارس میں اسلام کے بہت بڑے مبلغ تھے۔ ہندوؤں سے مناظرہ میں لاجواب کامیابیاں حاصل کیں۔

موصوف نے رمضان ۱۳۶۱ھ ۲ ستمبر ۱۹۴۲ء پانچ بجے صبح لاہور میں رحلت کی۔

تصانیف : • الکرار (مطبوعہ)۔ • ذبح عظیم دو جلدیں (مطبوعہ)۔ • سوانح فاطمہ زہرا (مطبوعہ)
• خصوصیاتِ اسلام (مطبوعہ)

(ز) زائر : دیکھیے محمد خلیل

زکی حسین / گدا حسین : ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء — ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۶ء

مولانا سید زکی حسین عرف گدا حسین ۱۵ رمضان ۱۲۵۶ھ کو بمقام زنگی پور میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کے تھے (۱۲۶۱ھ) جب آپ کے والد مولانا کرم حسین صاحب نے وفات پائی۔ اور زکی حسین اپنے عالم و فاضل و مقدس بھائی سید احمد حسین صاحب کی نگرانی میں آگئے اور مولانا محمد علی و علی حسین صاحب سے پڑھتے رہے طلب علم کے لیے لکھنو بھی گئے۔ جہاں بڑے بھائی اور دوسرے اساتذہ سے فیض اٹھا کے وطن اور وطن سے پٹنے گئے، وہاں مولوی حسین اصغر صاحب چوردی پاردی، مولوی گلزار علی حنفی سے علوم عربیہ اور منشی منوہر لال سے ریاضی خلاصۃ الحساب و تحریر اقلیدس جیسی کتابیں پڑھ کر کلکتے گئے اور وہاں کے عظیم عالم مولانا قائمۃ الدین مرزا محمد علی صاحب قبلہ سے فقہ و اصول پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔ طلب علم کے عاشق اور اس راہ میں کثیر السفر تھے۔

حاجی فرحت حسین صاحب رئیس عظیم آباد نے اپنے فرزندوں کی تعلیم کے لیے بلالیا، آپ نے عظیم آباد پہنچ کر درس و تدریس کا ایسا سلسلہ شروع کیا جس میں نماز و وظائف کے علاوہ کوئی وقت فارغ نہ تھا۔ عام درسیات کے علاوہ علوم ریاضی و اقلیدس میں حکیم تھے۔ خلاصۃ الحساب و تشریح الافلاک و شرح چغمینی و شرح تذکرہ مجسطی اور مقالات اقلیدس پڑھانے میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز تھے۔ اسی کے ساتھ فقہ و اصول میں درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ بعض مسائل میں تقلید اور بعض میں احتیاط

پر عمل کرتے تھے۔ زہد و تقدس کا عالم یہ تھا کہ نماز پڑھانے سے گریز کرتے رہے۔ ایک روز موقعہ دیکھ کر حاجی فرحت حسین اور میر عطا علی صاحب نے اقتدا میں نماز پڑھ لی۔ اس لیے امامت جماعت شروع کی مگر پہلے علما سے اجازت طلب کی۔ جس کے جواب میں جناب تاج العلما اور مولانا علی جواد صاحب زنگی پوری بنارسی نے لکھا :

"بلی، شکی نیست درین کہ عالی جناب مستطاب مولانا سید گدا حسین صاحب قبلہ زنگی پوری، دامت افاداتہ جامع شرائط او صاف عدالت و احق و احری با مامت جمعہ و جماعت و مستجمع کمالات علمیہ و عملیہ و حاوی ملکات نفسیات البتہ می باشند۔ وکفیٰ باللہ شہیدا"

آیۃ اللہ حاج شیخ حسین نے لکھا تھا :

"واخذ بعضی از وجوہات و ایصال آن بفقرا و سادات قیام و اقدام نمایند و عموم مومنین ہم چنانچہ شائستہ است البتہ در احترام و رعایت اکرام و اعظام آن جناب کوتاہی و مسامحہ نخواہند فرمود۔"

مولانا سید علی حسین صاحب ابراہیم آبادی ضلع بارہ بنکی نے آپ کو اجازۂ اجتہاد عطا کیا تھا۔ مولانا نے مرجعیت و احترام کا کمال پایا۔

حاجی میر فرحت حسین صاحب نے اپنی ثلث جائداد کا مالک اور وقف کا متولی بنایا۔ مگر حاجی صاحب کے بعد ان کی اولاد نے مولانا کو پریشان کرنا چاہا۔ مولانا نے استغنا کی بنا پر سب کچھ چھوڑ دیا پٹنہ کے عوام آپ کے گرویدہ تھے، مولانا زہد و عبادت و گوشہ نشینی صوم و صلوٰۃ، تہجد و نوافل، اوراد و وظائف، تلاوتِ قرآن کے عاشق آخری عمر میں ضعف بصارت کی بنا پر درس چھوڑ دیا تھا اور تمام وقت عبادت میں صرف کرتے رہے اور مسجد باولی میں جمعہ و جماعت و تبلیغ احکام مسائل کے فرائض انجام دیتے رہے۔

تاریخ وفات یکم ذی الحجہ روز دوشنبہ ۱۳۳۳ھ ہے۔ مقبرۂ تلسی منڈی پٹنہ میں مزار بنا۔

اولاد : حاجی مولانا محمد لطیف صاحب عالم و فاضل و متقی اور اپنے والد کے قائم مقام ہوئے۔

شاگرد : • مولوی حسن عسکری صاحب۔ • مولوی علی رضا صاحب۔ • مولوی محمد صالح صاحب۔ کے علاوہ بہت سے شاگردوں کے نام تاریخ نے چھوڑ دیئے۔

مولانا محمد لطیف صاحب کا قطعۂ تاریخ لوح قبر پر یوں کندہ ہے :

جناب مولوی سید گدا حسین زکی   کہ ہم چو او خلفی مادر زمانہ نہ زاد

وجود آں مردِ دیں بود فخرِ زنگی پور — مگر بخدمتِ دیں بود در عظیم آباد
بزہد و طاعتِ معبود عمر صرف نمود — مدام گرم روی داشت در رہِ ارشاد
قوی بضعفِ مرض ہم و تش بیادِ خدا — لب و زباں او فخر وظائف و اوراد
چو آمد اوّل ذیحجہ یوم دو شنبہ — ازیں جہاں سوئے جنّت شداں خجستہ نہاد
برائے سالِ وصالش چو فکر کرد لطیف — فلک بگفت بصد غم چہ رکن شرع فتاد

(۱۳۳۳ھ) (بے بہا)

. . . .

زندہ علی :

۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

قصبۂ جلالی ضلع علی گڑھ (ہند) امرا و علمائے شیعہ کا قصبہ ہے۔ بڑے بڑے کتب خانے اور اچھے اچھے صاحبانِ علم و فضل گذرے ہیں۔ خود میرے ساتھیوں میں مولانا اکرم حسین صاحب (متوفی ۱۹۷۰ء) اور مولانا سید راحت حسین صاحب صدرالافاضل (حی) سلطان المدارس میں پڑھتے تھے۔ مدرسۂ ناظمیہ میں مولوی سید عنایت حسین صاحب (کراچی) اور مولوی حسین اصغر صاحب مرحوم، (۱۹۷۵ء) پڑھتے تھے۔ ایک نے فاضلِ ادب لکھنؤ یونیورسٹی کا نصاب عربی جدید مجھ سے پڑھا دوسرے نے شرایع الاسلام و معالم پڑھی تھی۔

اسی دور کے اہلِ فضل میں ایک بزرگ مولانا محمد رفیع صاحب تھے جن کی وفات غالباً ۱۹۴۷ء میں ہوئی۔ دوسرے صاحب علم مولانا زندہ علی صاحب تھے جو ۱۹۴۷ء میں فوت ہوگئے۔

(نیز دیکھیے مکرم حسین، مجتہد)

زوار حسین، نوگانوی :

حدود ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء
۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء

مولانا سید زوار حسین صاحب صدرالافاضل ابن استاذی مولانا سید کاظم حسین مدرس مدرسۂ عابدیہ کٹرہ ابوتراب خان لکھنؤ نوگانواں ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے، لکھنؤ میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ سرکار محمد باقر صاحب اور مولانا سید محمد ہادی صاحب قبلہ مولانا عبدالحسین صاحب، مولانا عالم حسین صاحب قبلہ سے فیض یاب ہوئے۔ سلطان المدارس سے تکمیل دورۂ نصاب کے علاوہ لکھنؤ یونیورسٹی اور الٰہ آباد بورڈ کے امتحانات پاس کیے۔

بڑے پرہیزگار، متقی، عابد، منکسر مزاج، شگفتہ طبع، حاضر جواب، بدیہہ گو عربی و فارسی و اردو

کے قادر الکلام شاعر، ایک مدت تک افریقہ میں تبلیغ کی۔ اور کئی مرتبہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔

۱۹۶۰ء کے قریب ممباسہ سے لاہور آئے اور تین دن تک میرے یہاں مقیم رہے، بہت محبت فرماتے تھے۔ آنے کا سبب ملاقات اور میری تالیفات کی داد دینا تھا۔

افریقہ سے واپس آن کر لکھنؤ میں مکان بنا لیا تھا۔ تقریباً ساٹھ باسٹھ سال کی عمر پا کر جولائی ۱۹۷۷ء اپنے وطن نوگانواں میں رحلت کی اور مزار شہید ثالث آگرے میں دفن ہوگئے۔

اولاد : متعدد دختری و فرزندی اولاد میں مولوی متقی عباس صاحب اور مبارک حسین کے نام معلوم ہوسکے۔ (ذاتی اطلاعات نیز، محمد محسن صاحب نبیرۂ نجم العلما۔ ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ۔ لاہور)

زوّار علی خان :

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء
۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

نواب زوار علی خان رئیس حسین آباد ضلع مونگیر (بہار، ہند) تاج العلما مولانا علی محمد صاحب کے شاگرد تھے۔ علوم دینیہ سے پوری طرح واقف اور عربی ادب کے ماہر، متعدد عربی قصائد لکھے۔ اور آخر میں شرح نہج البلاغہ تالیف کی جس میں ابن ابی الحدید کے اغلاط پر تفصیلی بحث ہے۔

۱۵ جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ کو رحلت فرمائی۔

تصانیف : دیوان اشعار عربی و فارسی۔ • شرح نہج البلاغہ (بے بہا، ص ۱۹۴)

زیرک حسین :

۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء
حدود ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء

سید زیرک حسین امروہوی بہت ذہین و جید الحافظہ بزرگ تھے۔ مذہبیات کے مطالعے اور شوقِ مناظرہ نے وسعتِ نظر پیدا کردی، عراق جا کر زیارت مشاہد مشرفہ کے ساتھ ساتھ عربی کی مشق فرمائی۔ مولانا مقبول احمد صاحب اور اعجاز حسین صاحب کے ساتھ رہے اور ہومیوپیتھک کے ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کہلائے۔ امروہے کے محلہ غلام علی میں رہتے تھے۔ ۱۲۸۸ھ میں ولادت اور مولانا محمد محسن صاحب نبیرۂ نجم العلماء کے اندازے کے مطابق ۱۹۲۶ء میں وفات ہوئی۔

تصانیف : اردو ترجمہ و حواشی قرآن مجید (طبع شدہ) الخلفا (اردو مطبوعہ)۔ • المذاہب (اردو، طبع شدہ) میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔

.. ..

زین الدّین، عاملی :

حدود ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۸ء

زین الدین علی، جبل عاملی (لبنان) کے رہنے والے تھے، معاصر اساتذۂ عرب و عجم سے علم حاصل کیا، حجاز و عراق و ایران کا سفر کرکے وارد ہند ہوئے اور دکن میں رحلت کی۔

(نام و احوال کے لیے مراجعہ ضروری ہے، احوال کا مسودہ گم ہوگیا اور حوالہ محفوظ نہیں صرف فہرست پر بنا کی ہے۔ مرتضیٰ)

.. ..

زین الدین، مرزا محسن :

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء

مولانا سید احمد نے ورثۃ الانبیا میں شاگردانِ غفران مآب کے ذیل میں تذکرۃ العلما سے نقل کیا ہے سلالۂ امرائے کرام، نخبۂ ازکیائے فخام، ذوالمفاخر والمناصب جلیل المآثر والمناقب یعنی سادۂ جاہ و جلال، یکتا گوہر دریائے علم و کمال منبع فصاحت و بلاغت، معدنِ رشادت و براعت، غواص قاموس فنون ادبیہ، مصحح صحاح علوم لغویہ زبدۃ الاعیان فخر الاماثل والاقران، جناب مستطاب میرزا زین العابدین احمد خان بہادر المعروف بمیرزا محسن دام الطافہ فنون ادب، خصوصاً عروض و قوافی میں یکتا تھے۔

زین العابدین، موسوی :

۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء
۱۳۱۷ھ / ۱۹۰۰ء

مولانا سید زین العابدین بن مولانا سید محمد صاحب وزیر بن مفتی محمد عباس صاحب جن کی ولادت پر جناب مفتی صاحب قبلہ بے حد خوش ہوئے اور یہ قطعہ نظم فرمایا :

بمیلادِ فرزندِ فرزند ناظم — کہ او ہست چشم و چراغ محمد
بر آمد ز تاریخ یک طرح رنگین — دمیدہ گلے نو ز باغ محمد (۱۲۸۱-۱=۱۲۸۰ھ)

مولانا سید محمد صاحب اور تاج العلما مولانا علی محمد صاحب سے تلمذ تھا۔ فقہ استدلالی میں ایک رسالہ لکھا تھا، ایک اسکول میں دینیات کے مدرس تھے۔

بڑے مقدس و محترم اور خاص و عام کی نظر میں موقر و مکرم تھے۔ پٹنہ میں قیام رہا اور وہاں کی علمی انجمن میں عزت پائی، برجستہ شعرگوئی میراث میں ملی تھی۔

والد کے بعد عین جوانی میں رحلت کی تاریخ وفات تکملۂ نجوم السماء میں شوال ۱۳۱۷ھ درج ہے۔

اجازہ تاج العلما میں مولانا زین العابدین کو مجتہد لکھا گیا ہے۔

تالیفات : متعدد رسائل میں سے منابع الافاضات فی الجہر والاخفات فقہ استدلالی میں ہے، اور نواب ولایت علی خان نے چھپوائی تھی۔ (بے بہا)

زین العابدین، بٹالوی :

۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۶ء
۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

سید زین العابدین بخاری بن فضل علی بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب کے مناظر و خطیب تھے۔ دُور دُور تبلیغی دورے اور اشاعتِ دین میں مخالفین سے مناظرے کیے۔ کشمیر تک گئے۔ منقولات میں باخبر تھے۔

تاریخ ولادت ۱۸۳۶ء اور تاریخ وفات ۱۹۰۶ء ہے۔

تصانیف : براہین الانصاف (اُردو) اعانت السادات (اُردو)

اولاد : سید کلب حسین بخاری (مضمون، بشیر حسین بخاری، رضا کار، اکتوبر ۱۹۷۹ء لاہور)

زین العابدین بن حسین بخش :

۱۲۲۸ھ / ۱۸۱۳ء
۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۳ء

مولانا زین العابدین بن حسین صاحب (ان کے احوال گم ہوگئے صرف تاریخ ولادت و وفات فہرست میں تھی جو لکھ دی ہے)

زین العابدین، حیدرآبادی :

حدود ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء
حدود ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء

مولانا زین العابدین ابن مولانا نثار حسین صاحب عظیم آبادی ثم حیدرآبادی ۱۳۰۴ھ کے حدود میں پیدا ہوئے۔ حسام الاسلام مولانا سید نثار حسین صاحب (دیکھیے نثار حسین) عالم جلیل القدر تھے۔ اس لیے صرف و نحو، منطق و فلسفہ، اقلیدس و جغرافیہ، ہیئت و طب، فقہ و اصول، ادب وغیرہ کے متوسطات خود پڑھائے مثلاً، قوانین الاصول، شرح لمعہ، مختصر معانی و شمس بازغہ، نفیسی شرح اسباب، قانون شیخ بوعلی سینا۔

متوسطات پڑھ کر مولانا زین العابدین نجف گئے۔ وہاں کے اساتذہ سے درس سطح اور درس خارج میں تین سال گذارے۔

حسام الاسلام نے لکھا ہے۔ زین العابدین صدر او معالم پڑھ رہے تھے کہ انھوں نے خواب دیکھا۔ زین العابدین خود اور میر رستم علی تاجر کتب سیر کرتے ہوئے ایک صحرا میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک باغ باغ کے اندر پختہ اور عمدہ دیکھ کسی سے دریافت کیا معلوم ہوا تو یہ باغ حضرت صاحب عجل اللہ ظہورہ کا ہے، حضور اس مکان کے ایوان میں فرش کے بغیر بیٹھ گئے۔ دریافت فرمایا : کیوں آئے ہو؟

عرض کی: مجھے علم حاصل ہوگا؟

حضور نے سبابہ دہن مبارک میں ڈال کر دانت اور ڈاڑھوں کو مس فرمایا اور ارشاد کیا:

مطلب حاصل ہے۔

عرض کی:

میری عمر کتنی ہے؟

فرمایا: مشکوک ہے!

میر رستم علی صاحب نے کچھ عرض کیا، یہی جواب پایا، گفتگو صاف تھی مگر میں سمجھ نہ رہا تھا، صبح بیدار ہوا تو اپنے والد سے بیان کیا، اس وقت سید حسن صاحب حشمت بلگرامی حاضر تھے، انھوں نے فرمایا: مولوی زین العابدین کربلائے معلی جاؤ۔ اور تین سو روپے مرحمت فرمائے۔ چنانچہ والد کے حکم سے دوسرے دن عراق روانہ ہوگئے عراق کی زیارتیں کرتے ہوئے سامرہ گئے، وہاں سے ایک فرسخ دور جاکر قید خانۂ امام علی نقی دیکھنے پہنچے۔ یہاں ایک ڈاکو نے بندوق کی نالی سے مار کر زخمی کر دیا اور کپڑے، قرآن اور روپیہ لوٹ لیا۔ مجبوراً آپ وطن لوٹ آئے۔ بعد صحت و مدت دوبارہ عراق گئے اور بعد تعلیم واپس آئے۔ موصوف نے حیدرآباد میں بڑی شہرت و عظمت حاصل کی۔ آپ کو اشرف الواعظین، شریعت مدار جانشین قبلہ و کعبہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

میرے پاس موصوف کی جوانی کا عکس موجود ہے۔

تالیفات: • اصل الاصول (عربی)، • اصل المیزان (عربی) • رسالۃ التوحید (اردو)

(بے بہا: ۱۶۸)

زین العابدین، ملتانی:

۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء

۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء

جناب مولانا سید زین العابدین صاحب بن ممتاز علی اپنے تقدس اور کردار سازی میں بڑی شہرت رکھتے تھے موصوف نے ملتان کے رؤسا میں دینی تہذیب اور مذہبی شوق کی لہر دوڑا دی۔ ملتان کے عوام و خاص آپ کے جاں نثار اور اطاعت گزار تھے۔

مولانا سید زین العابدین صاحب کے جد اعلیٰ سید شمس الدین نقوی گردیزی غزنوی تھے جناب سید شمس الدین کو سلطان علاؤ الدین غوری اپنے ہمراہ دہلی لائے تھے (۶۰۵ھ) اور اپنی دختر سے عقد کر کے حکومت کے معزز عہدے پر فائز کیا تھا۔ سید شمس الدین کی قبر حوض شمسی دہلی کے نام سے مشہور ہے۔ سید شمس الدین شاہ محمد یوسف گردیزی ملتان در ملتان سے بھانجے تھے۔ موصوف کی اولاد عرصۂ دراز تک جنگی فتوحات اور فوجی خدمات میں مصروف رہی منصب

حاصل کیے، جاگیریں ملیں۔ اور مضافات دہلی میں ان کی بستیاں قائم ہوئیں۔

مولانا زین العابدین کے والد سید ممتاز علی موہنہ ضلع گوڑگانواں میں رہتے تھے۔ اسی بستی میں مولانا پیدا ہوئے ۱۲ر صفر ۱۳۰۵ھ آپ کی تاریخ ولادت اور تاریخی نام جواد اصغر ہے۔ مذہبی گھرانے میں بچپنا گزارا، ہوش سنبھالا تو نیک طبع، عبادت دوست تھے۔ مولانا مظفر علی خان اور مولانا سید محمد ہارون صاحب سے کچھ تعلیم حاصل کر کے مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ میں داخلہ لیا اور سند الافاضل تک تعلیم حاصل کی۔ آپ جناب مولانا محمد رضا صاحب، مولانا سید محمد ہادی صاحب قبلہ جیسے اکابر کے شاگرد اور عمدۃ العلما مولانا کلب حسین صاحب اور استاذ معقولات مولانا عبد الحسین کے محبوب تھے۔ جناب سرکار باقر العلوم نے آپ کو ملتان کے لئے منتخب فرمایا۔ ملتان کے عالم و فاضل و متدین رئیس جناب خان بہادر سید حسین بخش نے آپ کی پذیرائی کی۔ جمعہ و جماعت، اصلاح اخلاق و تعلیم عقائد و احکام دین امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور قیام مدرسہ باب العلوم میں آپ کی سعی نے ملتان کے شیعوں کی حالت بدل دی۔ رؤسا پابند صوم و صلوٰۃ و خمس و زکوٰۃ ہو گئے۔ مسائل کا چرچا ہونے لگا۔ دور دور سے طلبا آنے اور تعلیم حاصل کر کے لکھنؤ جانے لگے۔ لکھنؤ کے بڑے تعلیمی مرکزوں اور حوزۂ علمیہ نجف و کربلا و مشہد کے طلباء کی امداد اور وظیفے مقرر کروائے۔ ملتان میں ہر شخص کی خبر گیری اور اہل علم کی امداد و عزت افزائی عموماً، کا احترام طلبا کی عزت، غربا سے محبت، اہل ریاست سے دینی مطالبات کی تعمیل آپ کی سیرت کے نمایاں پہلو تھے۔ نورانی صورت، دلکش شخصیت باعمل عالم ہونے کی بنا پر ملتان کے تمام باشندے بلا امتیاز مذہب و ملت آپ کے گرویدہ تھے۔ فقہ میں مہارت اور میراث میں کمال حاصل تھا۔ سینکڑوں طلبا آپ سے فیض یاب ہوئے اور تمام مومنین آپ کے احسانمند ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی خدمت گزاری آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

مولانا نے آخری عمر میں بلڈ پریشر کی شدید تکلیف اٹھائی مگر کبھی شکوہ نہ کیا۔ آخر ۲۵ر جولائی ۱۹۶۴ء ۱۷ر ربیع الاول ۱۳۸۴ھ کو اناسی برس کی عمر (یہی آپ کے والد کا سن تھا) میں رحلت فرمائی۔ اور ہزاروں عقیدت مندوں کی اشکبار آنکھوں اور آہوں کے سائے میں خاک گردیز میں محو آرام ہوئے۔

زین العابدین خان:

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

علامہ آقا زین العابدین خان لکھنوی افاضل و علماء لکھنؤ میں شمار ہوئے ہیں۔ مولانا موصوف جناب غفران مآب کے شاگرد تھے اور مولانا کی تالیف " اساس الاصول " اصول و اخبار پر ایک کتاب مرتب کی تھی۔

(کشف الحجب والاستار و تکملہ نجوم السماء، ج ۲، ص ۴۲۱)

(س) ساطع، ملا عبدالحکیم :

۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۱ء

ملا عبدالحکیم ساطع بن ملا غالب کشمیری، شاگرد مرزا داراب جویا اور ملا محمد سعید اشرف مازندرانی شاہ عالم کے وابستگان دولت میں سے تھے۔ کشمیر وطن تھا، پشاور میں بھی رہے۔ ۲۱ رمضان ۱۱۴۳ھ کو کشمیر میں فوت ہوئے۔ (تاریخ کشمیر اعظمی ص ۲۴۸، ۲۸۷) ملا ساطع کے نام سے دوسرے فاضل ملا ابوالحسن بن ملا علی کشمیری (م ۱۱۵۴ھ/ ۱۷۴۳ء) ہیں۔ مخزن الغرائب و روز روشن میں مرزا جویا کا شاگرد اور صمصام الدولہ کا مداح لکھا ہے ان کی کتاب "حجت ساطع برہان قاطع" کا خلاصہ ہے۔ دونوں شاعر، مذہبی علوم اور فقہ سے بھی اچھی طرح باخبر تھے جیسا کہ ملا کے لقب سے واضح ہے۔

سبط الحسن، ہنسوی :

حدود ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء
۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

مولانا سید سبط الحسن بن السید فیض الحسن رضوی (الہ آباد کے قریب) فتح پور ہنسوہ میں پیدا ہوئے۔ موصوف ہمارے عہد کے فاضل محقق کتاب شناس اور رجالی و مؤرخ بزرگ تھے، چھان بین اور تحقیق ان کا مشغلہ تھا۔ کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد اور کتب خانہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مخطوطات کے عمید تھے، حج و زیارات کے سفر اور تبلیغی دوروں میں ان کا محبوب مشغلہ کتب خانے دیکھنا تھا۔ وہ فقط فہرست نگار ہی نہیں تھے بلکہ اہم اور نادر موضوعات پر کام کرنے کی لگن بھی رکھتے تھے۔ منتدی النشر نجف۔ انجمن تبلیغات اسلامی طہران۔ اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی اور دوسرے علمی اداروں کے رکن تھے۔

مولانا سبط الحسن صاحب خاموش، گوشہ نشین اور متقی آدمی تھے۔ موصوف نے تقریباً ساٹھ پینسٹھ سال کی عمر میں علی گڑھ میں وفات پائی۔ ۸ر اپریل ۱۹۷۸ء تاریخ رحلت ہے۔

تصانیف : • تذکرہ مجیدہ احوال شہید نور اللہ (طبع ۳، ۱۹۷۹ء) • اثبات عزاداری (اردو) مطبوع۔ • عزاداری کی تاریخ (اردو) مطبوع • فلسفۂ نماز (اردو) مطبوع۔ • اظہار حقیقت رد کتاب شہید انسانیت (اردو) مطبوع۔ کشف الدواعیہ (اردو) مطبوع۔ • ازاحۃ الوسوسہ (اردو) مطبوع۔ • امام جعفر صادقؑ و اشاعت علوم (اردو) مطبوع۔ • عربی مرثیے کی تاریخ (اردو) مطبوع۔ • منہاج نہج البلاغہ (اردو) مطبوع۔ • متعدد علمی مقالات و رسائل مطبوعہ

مخطوطات : • الکتب والمکتبات قبل الاسلام (عربی) مخطوط۔ • الکتب والمکتبات فی ادوار التشیع (عربی) • شہاب ثاقب شرح دیوان حضرت ابوطالب (اردو) • الدر المنظوم من کلام المعصوم۔ • لسان الصدق در تحقیق فارقلیط و ایلیا۔ • قول سدید رد اہل سنت۔ • ابوذر غفاری۔ • رسالۃ الحقوق للامام علی بن الحسینؑ با ترجمہ اردو و حواشی و توضیحات۔ • مسالک المشاہد و تقویم المقابر۔ • مجموعہ مضامین علمیہ

سبحان علی خان :

حدود ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء
۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۷ء

سبحان علی خان بہادر بن علی حسین کنبوہ بانس بریلی کے رئیس تھے۔ عبدالحی صاحب نزہۃ الخواطر کے بقول ان کے اجداد قائن سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا سبحان علی خان، منطق و فلسفہ، ادب کے علاوہ تفسیر و حدیث و فقہ کے بھی عالم جلیل تھے، شیخ علی حزیں اور خان علامہ تفضل حسین خان سے ان کے قریبی تعلقات تھے۔ غفران مآب مولانا دلدار علی ان کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے۔ مفتی محمد قلی صاحب، مفتی محمد عباس صاحب اور سلطان العلماء سید محمد صاحب کے نام جو خطوط ملتے ہیں ان سے سبحان علی خان کی قابلیت، تقدس، اور شخصیت پر پر روشنی پڑتی ہے۔ حصن المتین میں انھیں فاضل کامل فصیح و ادیب حاضر جواب، طب و ریاضی و علم کلام میں ماہر تھے، عابد و تہجد گزار و کثیر البکا تھے۔

علم و تقدس کے ساتھ ساتھ ان کے تعلقات دربار سے عوام تک اور علماء و ادباء سے لے کر بادشاہ اور گورنر جنرل تک سے تھے۔ کلیات نثر غالب میں سبحان علی خان کے نام تین خط ہیں۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب نے ان کی مدح میں قصیدۂ عربیہ[1] لکھا ہے۔ خود مولانا سبحان علی خان کے عربی و فارسی خطوط میری نظر سے گزر چکے ہیں، خیال ہوتا ہے کہ وہ عربی و فارسی میں اعلیٰ درجے کے انشا پرداز ہونے کے ساتھ ساتھ انگریزی و عبرانی سے بھی باخبر تھے۔ وہ پہلے غازی الدین حیدر کے اتالیق تھے، پھر نصیر الدین حیدر کے زمانے میں نیابت وزارت اور کمپنی و حکومت کے درمیان سیاسی تعلقات کے نگران تھے۔ اس سلسلے میں انھیں پچاس ہزار روپیہ انعام بھی ملا تھا۔ علما و ارباب ریاست و سیاست ان سے مشورے لیتے تھے اور وہ انتہائی احتیاط و دور اندیشی سے یہ فرائض انجام دیتے تھے۔ ۱۲۴۳ھ میں آغا میر کو سیاسی زوال ہوا تو سبحان علی خان کے خلاف بھی انکوائری ہوئی مگر وہ بری ہوئے اور رپورٹ میں انھیں مخلص بتایا گیا لہٰذا وہ دوبارہ مشیر حکومت بنائے گئے۔

---

[1] دیوان رطب العرب ص ۲۳۸ پر قصیدہ ہے :

سجع العنادل سحرۃ اشجانی	لولا الھوی زالت بہ احجانی

ایک سو سات شعروں میں سے تین شعر یہ ہیں :

متنزہ، عال کما ان اسمہ	متضمن للعلو والسبحان
ھذا رصین المجد فرد زمانہ	علامۃ حبر عظیم الشان
متوقد، متکلم، متفقہ	متبحر، متفرد الازمان

مولانا سبحان علی خان کی شخصیت کے بارے میں منیر شکوہ آبادی کے قطعۂ تاریخ سے کچھ روشنی ملتی ہے اور ان کی علمی وعملی زندگی کے کچھ پہلو سامنے آتے ہیں۔

مرجعِ روح و ملک، ثانیِ عقلِ اول	زائرِ حضرت شاہ شہدا تھے ہائے
زاہد و عابد و استادِ حکیمانِ جہان	قطبِ اسلام و امام العلما تھے وائے
منطق و علمِ کلام و ادب و فقہ و حدیث	کہتے ہیں ہو گئے ہم بے سروپا تھے ہائے
حکمت و علمِ ریاضی ہیں بغیر ان کے یتیم	ہو گئے خاک بسر مجتہد علما تھے وائے
مسندِ دولت و دین ہو گئی خالی افسوس	آج بے کس ہیں ملوک و امرا تھے وائے

یعنی مولانا سفرِ زیارت اور شاید حج بھی کر چکے تھے، علما کے زمرے میں وہ صدر نشین تھے۔ منطق و کلام، ادب و فقہ وحدیث، فلسفہ و ریاضی وطب میں کمال رکھتے تھے اور تدبیر و انتظام، مشورہ و رائے میں ارسطو تھے۔

عبادت گزار و پابندِ شرع تھے، مدرس بھی تھے اور مدبر بھی، مخالفینِ مذہب سے مناظرہ بھی کرتے تھے اور مختلف علوم پر کتابیں بھی لکھتے تھے۔ ان کی کتابیں کچھ تو غدر میں ضائع ہو گئیں، کچھ ان کے خاندان کے نقل و انتقال نے تلف کر دیں۔ **اولاد**: ان کی اولاد بھی عالم و فاضل تھی۔ • احسان حسین۔ • مظفر حسین۔ • فدا حسین۔ • پیارے صاحب۔ رضا حسین۔ ان میں سے کچھ حضرات اور ان کی اولاد کربلا، عراق ہجرت کر گئی تھی۔

مولانا سبحان علی خان نے ۱۲۶۴ھ میں رحلت کی۔ اور حسبِ وصیت لاش کربلائے معلےٰ میں دفن ہوئی۔ منیر نے تاریخ لکھی:

مجھ سے رضوان نے کہا مصرعِ تاریخِ منیر۔ قبلۂ دہر ملاذ الحکما ہے ہے، وائے (۱۲۶۴ھ)

تصانیف: • شمس الضحیٰ (کلام، فارسی، مطبوعہ) • الوجیزہ۔ • رسالہ در حدیث الاثر۔ • رسالہ در حدیث ثقلین۔ • رسالہ در حدیث حوض۔ • رسالہ لطافۃ المقال • جواب رسالہ مکاتیب حیدر علی (بحوالہ نجوم السماء)
(تذکرۂ بے بہا ص ۱۷۰ ۔ نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۱۹۱ ۔ بزم غالب ص ۱۸۳)

بعض اہم خدمات: ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں نے برصغیر کے بے شمار علما کی زندگی اور ان کی خدمات کو نقصان پہنچایا، مولانا سبحان علی خان کی سوانح حیات بھی انقلابات کی زد میں آئی مگر کام کرنے والوں کے تمام بڑی مشکل سے مٹتے ہیں۔ ان کارناموں میں ایک ناقابلِ فراموش کام وہ ہے جس کو خیریۂ اودھ کہا جاتا ہے۔

اودھ کی حکومت بہت کم عمر رہی، لیکن وہاں کے عوام اور حکمرانوں نے خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ شفاخانے اور اسپتال بنوائے، مدرسے، اسکول اور کالج قائم کیے، پریس اور سائنسی تحقیقات کے مرکز کھولے غربا کے رہنے کے لیے بڑے بڑے مکان بنوائے۔ تصنیف و تالیف کے بورڈ بنائے۔ امام باڑے

مسجدیں، تالاب، کنویں، باغ و عمارات بنوائے، سب کے لئے وقف کیے۔ ان اوقاف سے آج تک حاجی حج کرتے اور زائرین زیارت کو جاتے ہیں۔ علم و اہلِ علم کی اندرونِ ملک مدد کی، وظیفے مقرر کیے جو آج تک مل رہے ہیں، بیرونِ ملک مستقل امداد کے لیے جو کچھ کیا اس میں سے ایک کام "خیریۂ اودھ" ہے۔

خیریۂ اودھ: سے مراد وہ خطیر رقم ہے جو غازی الدین حیدر بادشاہ کی طرف سے نجف و کربلا جاتی ہے۔ بات یہ ہوئی کہ

۱۸ ذی الحجہ ۱۲۳۴ھ ۹ اکتوبر ۱۸۱۹ء روز شنبہ نواب غازی الدین حیدر نے شاہی کا اعلان کیا تو علامہ سبحان علی خاں ان کے مشیر اعلیٰ تھے۔ بادشاہ کا سکہ، سبحان علی خاں نے لکھا:

سکہ زد بر سیم و زر، از فضلِ ربِّ ذوالمنن غازی الدین حیدر عالی نسب شاہِ زمن

سبحان علی خان نے اس دور میں ایک علمی و سیاسی کارنامہ یہ انجام دیا کہ لارڈ ایمہرسٹ گورنر جنرل ہندوستان نے حکومت اودھ کی اقتصادی خوش حالی کو دھچکا لگانے اور اس کی ترقی روکنے کے لیے اسکیم بنائی۔ اس وقت برصغیر کی حکومتیں انگریزوں کے تسلط کی بنا پر بے بس تھیں جیسے آج کل امریکہ و روس جو چاہے وہ کرے دوسری حکومتیں ان کے مہرے ہیں۔ وہ ترقی یافتہ ممالک ہیں باقی ہمارے جیسے ممالک ترقی پذیر، وہ ہمیں فوجی امداد دیتے ہیں اور وہ ہمارے محافظ ہیں۔ اگر ہم ذرہ برابر بھی ان کی رائے سے مخالفت کریں تو وہ ہمیں کچل دیں، جیسے ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے ساتھ ہوا۔

اودھ کے حکمران یمین الدولہ سعادت خان نے منصوبہ بنایا تھا کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہر قسم کے ہرجانے تاوان، ٹھیکہ وغیرہ کی تمام رقم ادا کر کے ملک خالی کرالیں گے، لیکن ۲۱ رجب ۱۲۲۹ھ/ ۱۱ جولائی ۱۸۱۴ء کو نواب رحلت کر گئے۔ اس وقت خزانے میں تقریباً تیرہ کروڑ روپیہ تھا۔

انگریزوں نے اس روپے کو تاکا اور چند برسوں میں خزانہ خالی کرا دیا۔ نواب غازی الدین حیدر کو مجبور کر کے ایک مرتبہ ایک کروڑ آٹھ لاکھ پچاس ہزار روپیہ لیا۔ ۱۸۱۵ء میں ایک کروڑ روپیہ لیا، ۱۸۲۵ء میں پھر ایک کروڑ قرض لیا۔ ہم اور قرضوں کی تفصیل چھوڑتے ہیں۔ ۱۸۲۵ء میں مولانا سبحان علی خان اور معتمد الدولہ آغا میر صاحب نے اس ایک کروڑ روپے کے لیے جو منصوبہ بنایا وہ ان حضرات کی علم دوستی اور ایمان کی دلیل ہے۔

غازی الدین حیدر بادشاہ نے طے کیا کہ حکومت جو روپیہ قرض ناقابلِ واپسی دے رہی ہے، اس کا سالانہ منافع شروع شروع میں کچھ افراد پر خرچ کیا جائے گا، کیونکہ سردست عراق کے لیے بادشاہ و امرا وظائف و امداد بھیجتے رہتے ہیں، مستقبل کے لیے ایک بہت بڑی رقم کا جو انتظام کیا گیا۔ اس کی تفصیل تاریخ میں موجود نہیں، کیونکہ یہ معاہدے حکومتِ انگلیشیہ سے تھے۔ انھوں نے ان دستاویزات کو تاریخ میں نہ آنے دیا۔ تاریخ علما

میں یہ دستاویز اس وجہ سے درج کر رہا ہوں کہ علما نے علوم دین اور عوام کے لیے کتنے دور رس اقدامات کیے۔ عام لوگوں کے علم میں آسکیں۔

"شیعہ اودھ کی اصل دستاویز"

وثیقۂ عہد و قرار نامۂ ہذا مابین سرکار عظمت آثار ظل سبحانی ابو المظفر شاہ زمن غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ و سرکار دولت مدار کمپنی انگریز بہادر خلد اللہ ملکہما در باب مبلغی کہ جناب بادشاہ ذی جاہ ممدوح بطریق قرض بہ سرکار کمپنی انگریز بہادر سپردہ اند از دست خود جناب بادشاہ والاجاہ معزے الیہ معرفت مارونٹ رکیٹس صاحب بہادر جانشین دربار عالی مقدار جناب محتشم الیہ از طرف کمپنی بہادر بموجب اختیاری کہ از جانب سنی الجوانب نواب مستطاب معلی القاب زبدۂ نوئینان عظیم الشان مشیر خاص حضور فیض معمور بادشاہ کیوان بارگاہ انگلستان اشرف الامراء ولیم پیٹ لارڈ امہرسٹ گورنر جنرل بہادر ناظم اعظم ممالک محروسہ سرکار کمپنی بہادر متعلق کشور ہند بہ حساب معزی الیہ در اجلاس کونسل مفوض است زیب ترقیم یافتہ:

دفعۂ اول: کرور روپیہ کہ یکمشت زر بسرکار کمپنی انگریز بہادر بطریق قرض سپرد شدہ منافع آن بحساب پنج روپیہ فی صد سالانہ از تاریخ غرۂ محرم ۱۲۴۱ھ مطابق ہفدہم ماہ اگست ۱۸۲۵ء سرکار موصوف راداون خواہد شد۔ و اگر در سرکار موصوف نرخ منافع از پنج روپیہ فی صد سالانہ کم یا زیادہ شود۔ از مقدار منافع این کرور روپیہ قرض کہ پنج لک روپیہ سالانہ می شود کم و بیش نہ خواہد گشت۔

دفعۂ دوم: از این زر برای دوام بسرکار موصوف سپردہ شد فی وقت من الاوقات و بوجہ من الوجوہ والیان سلطنت اودھ را اختیار استرداد این مبلغ و بنوعی مداخلت در منافع آن نخواہد بود۔

دفعۂ سوم: از منافع مزبور در ماہہ علاقہ داران ذات خاص خود بموجب تفصیل ماتحت و عنوان مفصلۃ الذیل مقرر کردہ شد، آن را سرکار موصوف بذمۂ خود گیرد کہ ابداً مؤبداً نسلاً بعد نسل بآنہا دادہ باشند و ہیچ نوع در آن تغیر و تبدل راہ نیابد۔

دفعۂ چہارم: کفالت عزت و آبروی جملہ مشاہرہ داران این منافع و حفاظت اموال منقولہ و غیر منقولۂ آنہا از قسم مکانات و باغات بخشیدہ این جانب خواہ خریدہ و تعمیر کردہ آنہا از دست حکام و دیگر متعدیان بذمۂ سرکار کمپنی انگریز بہادر خواہد بود، ہر شہر و دیار کہ باشند ہماں جا در ماہہ آنہا بہر طوری کہ تواند رسید می رسانیدہ باشند۔

دفعۂ پنجم: مطابق وثیقۂ ہذا صاحب ریذیڈنٹ مسٹر مارونٹ رکیٹس صاحب بہادر وثیقہ نوشتہ دادہ اند، در حقیقت بجائی نوشتہ نواب مستطاب گورنر جنرل بہادر است، ہرگاہ وثیقۂ دیگر مطابق وثیقۂ خود مہر و دستخط نواب معزی الیہ طلبیدہ دہند وثیقۂ خود واپس گیرند۔

پنج لک منافع فی سال بحساب سنۂ شمسی دوازدہ شہر فی شہر چہل و یک ہزار و شش صد و شصت روپیہ دہ آنہ ہشت پائی ہر ماہ در ماہہ خادمان امام باڑہ جدید مشہور بہ امام باڑہ شاہ نجف بموجب تفصیل اسامی مندرجہ سند علیحدہ ماہانہ ۸ - ۱۰ - ۱۱۳۷ جمع سالانہ × × × ۱۳۶۵۲ روپیہ ابداً لآباد این مشاہرہ می دادہ باشند و اختیار عزل و نصب آنہا کسی کہ تولیت امام باڑہ مزبور از حضور مفوض خواہد شد خواہد بود۔

نواب مبارک محل صاحبہ ماہواری دہ ہزار روپیہ۔ جمع سالانہ یک لک و بست ہزار روپیہ تا حین حیات این مشاہرہ بہ بیگم مزبور می رسانیدہ باشند و برای ما بعد خود برای ہر کس و ہر امر کہ وصیت نمایند تا مقدار یک ثلث مشاہرہ قبول فرمایند و دو ثلث مشاہرہ کہ باقی ماندہ یا بسبب نہ کردن وصیت مطلقاً ہماں مشاہرہ باقی ماند باقی مزبور دو حصہ کردہ نصف بنجف اشرف و نصف کربلای معلیٰ نزد مجتہدان مجاوران آستان ملائک پاسبان رسانیدہ باشند کہ مشار الیہم از طرف اینجانب بنا بر کسب ثواب بارباب استحقاق تقسیم کردہ باشند۔

نواب سلطان مریم بیگم ماہواری دو ہزار و پانصد روپیہ، جمع سالانہ سی ہزار روپیہ بشرح عنوان مفصلہ مشاہرہ نواب مبارک محل صاحبہ در بارہ مشاہرہ ایشان ہم بعمل آید۔

نواب ممتاز محل صاحبہ، ماہواری یازدہ صد روپیہ، جمع سالانہ یک لک وسی و دو ہزار روپیہ بشرح صدر۔

نواب سرفراز محل، ماہواری یک ہزار روپیہ، جمع سالانہ دوازدہ ہزار روپیہ بشرح صدر۔

اسامیاں نوکران سرفراز محل صاحبہ ماہواری نہ صد و بست و نہ روپیہ، جمع سالانہ یک ہزار و یکصد و سی و ہشت روپیہ بموجب تفصیل علیحدہ نسلاً بعد نسل می دادہ باشند و مشاہرۂ فوتیاں بصورت شامل مبلغ نذر عتبات مذکور الصدر سازند۔

نواب معتمد الدولہ بہادر ماہوار بست ہزار روپیہ جمع سالانہ دو لک چہل ہزار روپیہ . . . . . .

نواب مبارک محل کی وفات کے بعد ان کی تنخواہ دس ہزار روپے ماہوار عراق منتقل ہو گئی، ایک لاکھ بیس ہزار روپے پہلی مرتبہ ۱۲۶۵ھ میں تقسیم کیے گئے لیکن معاہدہ کے مطابق تخمیناً چھیاسٹھ ہزار سالانہ گورنمنٹ برطانیہ نے خورد برد کر دیے۔ دس ہزار روپے ماہانہ کا حال سید محمد حسنین صاحب کی رپورٹ کے مطابق یہ ہے:۔

تیس سال تک مولانا سید کلب باقر صاحب اور ان کے بڑے صاحبزادے کلب مہدی صاحب اس رقم کے منتظم رہے یہ روپیہ پہلے پہل ۱۲۶۵ھ میں آیا اور کربلا کے مجتہد آقای حاج میرزا علی نقی طباطبائی کے سپرد کیا گیا۔ اس وقت تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ عام باشندوں کے گھروں پر جا کر ان کو حسب تعداد افراد روپیہ دیا جاتا تھا، اور سادات کو شادی کے لئے الگ رقم ملتی تھی، ۱۲۸۹ھ میں آقای علی نقی نے رحلت فرمائی تو شاہزادہ اقبال الدولہ بہادر فرزند امجد علی شاہ کی سفارش پر کربلا کی رقم آقای حاج میرزا ابو القاسم طباطبائی مجتہد کے سپرد کی جانے لگی۔

شاہ زادہ اقبال الدولہ کی تجویز ہوئی کہ اس رقم کا ایک تہائی ہندیوں کو دیا جائے۔ باقی عام تقسیم ہو، اسی زمانے میں یہ روپیہ ماہانہ کے بجائے سہ ماہی ہو گیا مگر طریقہ یہی رہا کہ گھروں پر جاکر روپیہ دیا جاتا تھا۔

۱۳۰۲ھ نجف و کربلا کے دونوں مجتہدوں کے دو، دو معاون مقرر ہوئے۔ پھر حکومت برطانیہ کا ناظر ہی رہ گیا۔

۱۳۰۸ھ میں آیۃ اللہ میرزا ابوالقاسم طباطبائی نے رحلت کی اور ان کی جگہ ان کے فرزند اکبر حجۃ الاسلام سید محمد باقر طباطبائی مقسم معین ہوئے، کچھ عرصے بعد دس دس علماء کا بورڈ نجف و کربلا کے لیے نامزد ہوا۔ بورڈ کے بعد ناظر کا عہدہ ختم کر دیا گیا۔

مسٹر لا ریمر قونسل جنرل بغداد نے کچھ شکایتوں کے بعد ایک ایسی کمیٹی بنائی جس میں مقسمین کے علاوہ چند زائد ممبر بھی داخل کیے گئے۔ یہ لوگ مستحقین کی تشخیص کر کے ٹکٹ دیتے تھے۔ ہر ممبر کی تنخواہ تیس روپے ماہانہ اور مقسمین کو دو سو روپے ماہانہ اور آقای سید محمد باقر طباطبائی کو چار سو روپے ماہوار بقیہ رقم مستحقین پر تقسیم ہوتی تھی۔ ہندی طلباء (بشمول پاکستان موجودہ) دوگنی رقم کے مستحق قرار دیئے گئے اور عرب و عجم کے طلباء کو ان سے کم۔

مارچ ۱۹۱۰ء سے طاہر حسین قریشی خیریۂ اودھ کی تقسیم کے ناظر مقرر ہوئے۔ انھوں نے حکومت برطانیہ کے سیاسی مفادات کو مقدم کر دیا اور علماء کا فیصلہ کم وزن قرار دیا۔

۱۹۲۰ء میں مولانا کلب مہدی صاحب نے رحلت کی اور سید مصطفےٰ کشمیری کو ان کی جگہ نامزد کیا گیا۔

(خلاصۂ بیان مولانا محمد مہدی بتاریخ ۱۰ر شعبان ۱۳۵۷ھ / ۷ر اکتوبر ۱۹۳۸ء)

ان تبدیلیوں میں رقم خرد برد ہوتی گئی اور طلباء و علماء کربلا و نجف کو کم سے کم رقم ملنے لگی اور خیریۂ اودھ امداد علم و علماء کے بجائے حکومت ہند کی پبلسٹی کا مصرف بن گیا۔

شیخ شمشاد حسین کی روایت کے مطابق:

خیریۂ اودھ کا روپیہ پہلی مرتبہ نجف آیا تو سید مہدی بحر العلوم کو پانچ ہزار اور کربلا میں ابراہیم بن باقر صاحب ضوابط الاصول کو پانچ ہزار دینا طے پایا۔ لیکن روپیہ نجف پہنچا تو سید مہدی کا انتقال ہو چکا تھا۔ لہٰذا آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ مرتضیٰ الانصاری کو روپیہ دے دیا گیا۔ کچھ عرصے بعد حضرت انصاری نے معذرت فرمائی اور فرزند آیۃ اللہ سید مہدی مقسم معین ہوئے۔

آیۃ اللہ ملا محمد کاظم خراسانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس رقم سے طلبہ کے لیے روٹی کی دو دکان کھلوا دی تاکہ طلباء وہاں سے قیمت کے بغیر روٹی حاصل کر لیا کریں۔

اس تفتیش کے سلسلے میں ۷ر اکتوبر ۱۹۳۸ء پنجشنبہ کے دن جناب محمد شاہ کمبوہ نے بھی بیان دیا

اور کہا:

"میں عرصۂ دراز سے کربلا میں رہتا ہوں جہاں میری املاک ہے۔ میں نواب سبحان علی خان کا پوتا ہوں جنہوں نے بادشاہ غازی الدین حیدر مرحوم سے یہ روپیہ خیریہ کا وقت کرایا تھا اور شہر الٰہ آباد کا قدیم رہنے والا ہوں"

(رپورٹ مع ضروری اسناد و کاغذات متعلق کمیٹی تقسیم خیریۂ اودھ معینہ کربلائے معلیٰ و نجف اشرف، مرتبہ سید محمد حسین رضوی ردولوی طبع سرفراز پریس لکھنؤ ۱۹۲۰ء)

خیریۂ اودھ کے علاوہ متعدد امراء، نوابین و راجگان برصغیر کی طرف سے ہزاروں روپے ماہانہ حوزۂ علمیہ نجف و کربلا و سامرا کے لئے وقف تھے۔ اور زیارت کے لیے جانے والے حضرات کے ہدایا ان پر مستزاد تھے۔ اسی طرح علما لکھنؤ اور شیعہ عوام کے ان روابط کا پتہ ملتا ہے۔ جو نجف و کربلا سے قائم ہیں۔

سبط حسن جائسی (خطیب اعظم)

۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء
۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

سید سبط حسن بن وارث حسین النقوی ۱۲۹۶ھ جائس ضلع رائے بریلی ہند میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی پھر لکھنؤ آئے اور مدرسۂ ناظمیہ میں نام لکھوایا، جناب نجم الحسن صاحب قبلہ کی نگرانی میں ممتاز الافاضل کیا۔ اس کے بعد سید باقر صاحب قبلہ سے درس لے کر صدر الافاضل کی سند لی، پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کیا۔

ذہن خداداد، اعلیٰ درجے کے ساتھی، توفیق الٰہی محنت اور شفیق اساتذہ نے سونے کو کندن بنا دیا۔ جو دن گزرتا تھا، طالع چمکتا تھا، جو کام کرتے عزت بڑھتی تھی، درس دیا تو طلباء نے فخر کیا، لکھا تو پڑھنے والے پھڑک گئے۔

عربی و فارسی میں ادیبانہ مہارت اور اسالیب بیان میں اہل زبان کا تیور تھا۔ اردو کی نظم و نثر تقریر و تحریر ہر میدان میں لوہا منوایا۔

ذاکری یعنی بیان فضائل و مصائب محمدؐ و آل محمدؐ کی سینکڑوں سال پرانی روایت میں ایسا ڈھنگ اختیار کیا کہ اہل دانش ربنیش گرویدہ ہو گئے، ادب و علم و نکتہ آفرینی کا وہ رنگ ایجاد کیا کہ علماء دنگ رہ گئے۔ تفسیر و حدیث کی بات ہو یا کلام و فلسفہ کا موضوع عام مسئلہ ہو یا خاص نکتہ جب چاہتے تھے اور جس طرح چاہتے تھے لکھتے، اور بولتے تھے۔

۱۹۲۵ء میں حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا اور اہل علم "خطیب آل محمدؐ" کے نام سے یاد کرنے لگے "بلبل بوستان خطابت" اور عالم شیوا بیان ان کے صفاتی نام تھے۔

آپ نے ۲۸ محرم ۱۳۵۴ھ / ۲ مئی ۱۹۳۵ء کو لکھنؤ میں وفات پائی۔ خبرِ وفات پورے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی، تمام ملک کے اخبارات نے خاص شمارے اور الاعلانیے نکالے۔ پورے ملک کے دانشوروں نے سوگ منایا۔ آپ کا جنازہ شیعہ، سُنّی، ہندو اور عیسائیوں کے اجتماع سے اٹھا۔ جس کی مثال اس سے پہلے بزرگوں نے نہیں دیکھی تھی۔ دریائے گومتی پر غسل ہوا۔ وکٹوریہ پارک میں باقتداء نجم العلما نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور امام باڑہ غفران مآب میں دروازۂ مسجد کے سامنے صحنچی میں سپردِ لحد ہوئے۔

مولانا کے اردو، فارسی، عربی دیوان کی ترتیب و اشاعت نہ ہو سکی۔ ورنہ ادب میں ایک قیمتی اضافہ ہوتا۔ مجھے اس وقت دو عربی شعر ملے ہیں۔ دیکھیے کیا خیال ہے، کیا ترکیب و زبان ہے۔

يهاب زئير الليث والليث باعد	فكيف اذا الليث المهيج اطلقا
وقرطان جاداني كالقلب خافقا	كنجمين بالبدر التمام تعلقا

تعمیری کارنامے:

شیعہ کالج لکھنؤ کی تاسیس جس میں رؤسا و راجگان کے پہلو بہ پہلو آپ نے خود اپنی آمدنی کا معتد بہ روپیہ دیا۔ میرے نزدیک اس عظیم ادارے کے بانی تین ہیں: مولانا سبط حسن صاحب قبلہ، نواب فتح علی خان قزلباش اور نواب حامد علی خان آف رامپور رحمۃ اللہ علیہم۔

۱۳۲۷ھ میں مدرسۃ الواعظین لکھنؤ قائم ہوا، تو مولانا پہلے صدر مدرس معین ہوئے۔

کتب خانہ: مرحوم کو کتابوں سے عشق تھا۔ آپ کا انتہائی قیمتی کتب خانہ جناب راجہ صاحب محمود آباد نے محفوظ فرما لیا تھا۔

تصانیف: • ترجمہ محیط الدائرہ (عروض) طبع شد۔ • الحجر الدامغ المعروف بالعذاب الواقع، واقعہ فدک طبع شد۔ • جواہر الکلام دس مجلسیں۔ طبع شد • خطاب فاصل ترجمہ میزان عادل۔ طبع شد۔ • تقریر اردو فی ولادۃ العصر عربی۔ طبع شد۔ • الکلام (سوانح امام ہشتم) طبع شد۔ • فریاد، مجموعہ نوحہ جات۔ طبع شد۔ • ہدم الاساس فی حدوث قرطاس (اردو)۔ سچا موتی ترجمہ در ثمین محسن امین عاملی در عقائد (طبع شد)

سہیل یمن: علمی اور مذہبی ماہنامہ بھی عرصہ تک جاری رہا۔ جس میں اعلیٰ درجے کے علمی مسائل پر بہت عمدہ مضامین چھپا کرتے تھے۔

اولاد: متعدد فرزند یادگار تھے۔ جن میں منظور اور محمود مرحوم میرے ہم درس تھے۔ آخر الذکر فرزند بڑے صاحب ہمت و ذکاوت تھے۔ مجھے بھی مرحوم نے مقابلے میں آگے نہ بڑھنے دیا۔ افسوس صد ہزار افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور بیس برس کے قریب عمر پاکر ۱۹۲۵ء میں رحلت فرمائی۔

جناب سالک لکھنوی، لکھنؤ کے پختہ گو صاحب طرز شاعر تھے۔

جناب وارث حسن صاحب ماشاء اللہ سب سے چھوٹے فرزند مگر سب سے بڑے سعادت مند ہیں۔ ماشاء اللہ صدر الافاضل بھی ہیں اور یورپ سے کسی موضوع پر اعلیٰ سند بھی رکھتے ہیں۔

• الرضوان لکھنؤ، ربیع الاول ۱۹۵۴ء۔ • خطیب اعظم۔

سبط حسین، (مجتہد)

۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء
۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء

سید سبط حسین ابن سید رمضان علی جائسی لکھنوی جناب غلام حسین صاحب کی دختر جناب امۃ المہدی کے فرزند تھے۔ موصوف کی ولادت جناب سلطان العلما کی وفات کے بعد بقول شمس صاحب ۱۵ شعبان ۱۲۸۴ھ کو ہوئی۔ کسی نے قطعۂ تاریخ کہا:

قبلہ و کعبہ چو برخاست ازیں دار فنا[1]	ای کہ گردید او افسر تارک باشد
پسر دختر فرزند وی آمد بوجود	ای کہ در مولد او ماہ چو صحنک باشد
سال تاریخ وی از چرخ کہن پرسیدم	گفت نو سبط حسین است مبارک باشد

حسنِ اتفاق یہ بھی ہے کہ حضرت صاحب الزمان کے ہم عدد نام ہے۔ اس خصوصیت کے علاوہ ماحول بھی یہ تھا کہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے، سلطان العلما کے گھر اور علما و اکابر کی گودیوں میں پلے بڑھے۔ ابتدائی استاد مولانا حبیب حیدر صاحب۔ اور اعلیٰ اساتذہ مولانا محمد حسین صاحب بحر العلوم، ملاذ العلما سید بچھن صاحب، تاج العلما سید علی محمد صاحب سے قرآن، حدیث، تفسیر و فقہ، منقولات و معقولات کا درس لیا۔ طب میں حکیم محمد حسن سے فیض اٹھایا۔

ذہانت و قابلیت کے جوہر میں محنت نے چار چاند لگا دیے۔ اساتذہ سے جو کچھ حاصل کرتے طلباء کو درس دے کر اسے اور جلا دیتے تھے۔ اصولِ فقہ و فقہ سے بہت شغف تھا۔ اہل سنت کے کتب فقہ و اصول پڑھتے بھی تھے اور پڑھاتے بھی تھے۔ اس طرح ابتدا ہی سے تقابلی مطالعہ شروع کر دیا تھا۔

۱۹۰۱ء میں لکھنؤ سے تعلیم مکمل کر کے باب مدینۃ العلم کا رخ کیا۔ نجف اشرف پہونچ کر مدرسے سامرے گئے جہاں آقای بزرگ میرزا محمد حسین شیرازی، نجف میں میرزا حبیب اللہ رشتی اور شیخ علی یزدی کربلا میں میرزا محمد حسین شہرستانی جیسے اہم ترین اشخاص مسندِ اجتہاد کی زینت تھے۔ جناب سبط حسین نے سب سے فیض اٹھایا۔ لیکن خصوصیت سے آقای شہرستانی اور آقای شیرازی کے درس میں تیرہ سال صرف کر کے وہ مکمل درسے ...

---

[1] قبلہ و کعبہ سے مراد ہیں سلطان العلما سید محمد ابن غفران مآب دلدار علی جن کی وفات صفر ۱۲۸۴ھ کو ہوئی۔ قبلہ و کعبہ جناب مولانا غلام حسین صاحب کے والد تھے۔

تیسرے دورے میں نصف دورے سے زیادہ میں حاضری دی۔ اور فقہ و اصول میں کمال اجتہاد تک پہنچے۔
آقای محمد حسین شہرستانی کے درس کی یاد ہمیشہ رہی اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر آقای شہرستانی اور زندہ رہتے تو میں زندگی بھر ان کے درس میں پڑھنے جایا کرتا۔
آقای شہرستانی بھی بہت قدر و عزت کرتے اور درس خارج کہنے کی فرمائش کرتے تھے، مگر مولانا نے احتراماً درس شروع نہ کیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے ارشاد کی تعمیل میں درس خارج دینا شروع کیا۔ یہ درس کربلا میں دیا کرتے تھے۔
۱۳۱۹ھ سے ۱۳۲۳ھ تک عراق و ایران کے شیوخ و اکابر سے اجازات لے کر وطن واپس آئے۔
لکھنؤ کے علما نے آپ کا زبردست خیر مقدم کیا اور آپ کی علمی عظمت سب نے مانی۔ جناب علن صاحب قبلہ کے بعد مولانا سبط حسین صاحب برصغیر کے مرجع مان لیے گئے۔
مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ اور مدرسہ منصبیہ میرٹھ میں صدر مدرس رہے۔ اپنے عہد کے سب سے بڑے اصولی ہونے کی وجہ سے علماء و طلبا نے استفادہ کیا۔ درس کے علاوہ آپ نے بڑی اہم کتابیں بھی تالیف فرمائیں۔
اصول و فقہ، عقائد و کلام کے علاوہ عربی و فارسی و اردو ادب و شعر میں غیر معمولی اقتدار حاصل تھا۔
طب میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، فن میں درجۂ اجتہاد اور علاج میں دستِ شفا تھا، حیرت انگیز علاج کیے اور حیران کن تشخیص و تجویز فرمائی۔
آخر عمر میں جون پور چلے گئے تھے اور وہیں ۴ مارچ ۱۹۵۲ء جمادی الثانیہ ۱۳۷۲ھ کو راہیٔ جنت ہوئے۔

اولاد: آپ کے متعدد فرزند تھے اور ہیں ان میں جناب محمد باقر صاحب شمسؔ تاریخ و ادب میں مشہور ہیں۔

تصانیف:
- زواھر الدُّرَر، احوال حضرت حجت (اردو) مطبوعہ
- ھات الغدیر عن خبر الغدیر (اردو) مطبوعہ
- صفائح العقیان فی بحث تحریف القرآن (اردو) مطبوعہ
- مشارع الشرائع اصول فقہ (عربی) خطی
- فرائد الافکار، بحث در نظریہ (عربی) خطی
- عرائس الافکار (عربی) فقہ استدلالی (مطبوعہ) ۔ تحفۃ العوام جدید (اردو) مطبوعہ مشرح صومیہ اثنا
- حواشی نخبۃ الاحکام (اردو) مطبوعہ۔ ۔ حواشی جامع عباسی (اردو) مطبوعہ و عشریہ بہائی استدلالی عربی
- تکملہ منتہی الافکار غفران مآب (عربی) غیر مطبوعہ۔ ۔ مناھج الاصول ۔ تحقیق الاصول ۔
- معارج الفقہ ۔ استدلالی۔ ۔ معجزات مریض۔ مطبوعہ۔ ۔ تاج العلما نے اس رسالے پر اجازہ مرحمت فرمایا۔
- رسالہ مفردہ در ولایت بالغۂ رشیدہ ۔ غیر مطبوعہ۔ ۔ تاج الکرامہ فی اثبات الامامہ۔ غیر مطبوعہ

(اکثر تالیفات خصوصاً قلمی و غیر مطبوعہ مؤلفات ۔ جناب مولانا علی نقی صاحب کے پاس محفوظ ہیں)
• مولانا محمد باقر صاحب شمسؔ۔ مطلع انوار ۔ ۱۷۶، سرفراز لکھنؤ۔ نزہتہ ج ۸ ص ۱۵۷ تکملہ نجوم السماء)

سبط محمد : حدود ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

مولانا سبط محمد صاحب خلاصۃ العلما مولانا سید مرتضےٰ بن سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب کے فرزند جناب مولانا سبط محمد صاحب لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ مقدس ماحول اور طبعی رجحان کی وجہ سے بڑے مقدس عالم باعمل تھے عرصے تک ریاست محمود آباد میں امام جمعہ و جماعت رہے۔ ۱۳۲۵ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔
(بے بہا ص ۳۳۵)

سبط نبی : ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء – ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۹ء

مولانا سید سبط نبی خلف سید بشیر علی صاحب نوگانوہ ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت ۲ر شعبان ۱۲۹۸ھ ہے۔ اس زمانے میں علوم دین حاصل کرنا اعزاز تھا۔ علم و خاص دین سے گرویدگی رکھتے تھے، مولانا کے والدین بھی نیک اور متقدس تھے۔ انھوں نے فرزند کو علوم دین کی تعلیم دلوائی۔
مولوی محمد حسین نوگانوی و حکیم سید ظہور الدین نوگانوی سے پڑھ کر نور المدارس امروہہ میں حاجی مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب اور محمد امین صاحب حنفی سے درس لیا۔
۱۳۲۴ھ میں مولانا یوسف حسین کے ساتھ عازم عراق ہوئے وہاں کربلا و نجف اکابر علماء و مجتہدین سے درس متوسط و درس خارج لے کر اجازہ ہائے روایت و اجتہاد سے شرفیاب ہوئے۔ ان کے شیوخ درس کی فہرست یہ ہے:
مولانا سید کلب باقر جائسی و مولانا شیخ مہدی کشمیری (کربلا)۔ مولانا سید کاظم طباطبائی۔ آخوند سید کاظم خراسانی۔ آقای سید ابوالحسن اصفہانی۔ آقا شیخ علی قوچانی۔ آقا سید محمد بن سید کاظم طباطبائی۔ آقا سید محمد فیروز آبادی۔ آقا شیخ ضیاء الدین عراقی۔ آقای شریعت فرج اللہ اصفہانی۔ آقای ابوتراب موسوی۔ آقای شیخ محمد حسین حائری مازندرانی (نجف و سامرا)۔
۱۳۳۲ھ میں وطن آئے اور ۹ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ میں باب العلم قائم کیا۔ نوگانوہ میں دینی اور فقہی زعامت اور بڑی شخصیت کے مالک ہوئے۔ اپنی املاک و زمین بڑی سیر چشمی سے منصب علی کو دے دی۔ اپنے امام باڑے میں مدرسہ جاری کیا اور اس کے اخراجات میں بھی خود کفیل ہوئے۔
کچھ عرصے بعد مسلم یونیورسٹی میں بلا لیے گئے جہاں شیعہ دینیات کے صدر کی حیثیت سے خدمات دین انجام دی اور وہیں جنوری ۱۹۳۹ء میں علیل ہوئے جمعہ کو پونے گیارہ بجے ۳ فروری ۱۹۳۹ء کو انتقال فرمایا اور علیگڑھ

میں دفن ہوئے۔

مولانا سبط نبی کی روحانی عظمت اور تقوے کے سب معترف تھے۔ ہندو، سُنّی، شیعہ سب عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔ (بے بہا ۱۷۸۔ انجمن جوبلی نمبر۔ رضاکار لاہور ۱۶ مارچ ۱۹۳۹ء)

سجاد حسین لکھنوی لندن صاحب

۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء

جناب مولانا سید سجاد حسین صاحب طب دمشق و مناظرہ کے ماہر اور کثیر الدرس تھے۔ تبلیغ دین سے غیر معمولی شغف تھا۔ عیسائیوں اور آریوں سے بے شمار مناظرے کیے۔ جاری جبر کرمیں۔ اور گرجدار آواز تھی۔ حریف کے سامنے کر جب تقریر شروع کرتے تھے تو اسے مرعوب کردیتے تھے۔ اصول مناظرہ کے پابند تھے۔ سوالوں اور برجستہ جوابوں میں لاجواب تھے۔ عام طور پر لندن صاحب مناظر کے نام سے شہرت رکھتے تھے۔ متوسطات کے درس میں شہرت تھی۔ بہت سے علما آپ کے شاگرد ہیں۔ طویل عمر پا کر لکھنؤ میں وفات پائی۔ تاریخ وفات جمادی الثانیہ ۱۳۷۵ھ ہے۔

سید سجاد حسین، جونپوری:

۱۲۹۶ھ / ۱۸۸۹ء
۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۳ء

مکرم العلما، عمدۃ الفقہا مولانا سید سجاد حسین صاحب زیدی سید اور جون پور کے متوطن اور اس شہر کی علمی تاریخ کے رکن تھے۔ آپ کے جد اعلیٰ مولوی سید منصب علی مچھلی جون پور کے صاحب علم اور تعلقہ دار تھے۔ ان کے صاحبزادے مولانا سید عابد علی مجتہد آخر عمر میں عراق چلے گئے تھے وہاں ایک معجزہ یہ ہوا کہ ضعف و کبر سن کی بنا پر آنکھوں نے جواب دے دیا لیکن دعا کی برکت سے بینائی واپس آگئی۔ مولانا عابد علی صاحب کے فرزند محمد حسن صاحب بھی عالم و مجتہد و خطیب تھے۔ جناب مولانا سجاد حسین صاحب انھیں کے فرزند ہیں۔ آپ جونپور محلہ ملا ٹولہ میں شب جمعہ ۱۷ شعبان ۱۲۹۶ھ کو پیدا ہوئے۔ ذوالفقار حسین تاریخی نام رکھا گیا۔ پانچ سال کی عمر میں مولانا ناصر حسین صاحب جون پوری نے بسم اللہ کرائی۔

کمسنی ہی میں والدین کے ہمراہ زیارت کے لیے عراق جانا ہوا وہاں اپنے دادا مولانا عابد علی صاحب قبلہ کے ساتھ کربلا میں عرصہ تک مقیم رہے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے خانوادہ علم و عمل کے افراد یعنی اپنے والد اور چچا جناب زاہد علی صاحب سے حاصل کی۔ مولانا ناصر حسین صاحب مجتہد جون پوری سے فیض حاصل کیا۔

لکھنؤ میں عماد العلما جناب میر آغا صاحب اور مولانا علی محمد صاحب تاج العلما اور مولانا ظہور حسین صاحب قبلہ

سے پڑھا اور مدرسۂ عالیہ اسلامیہ لکھنؤ میں بہت دنوں تک رہے۔

خوش نویس و فاضل جوان ہونے کی وجہ سے "مولانا آغا حسن صاحب نے عماد الاسلام کی کتابت و طباعت کی خدمت آپ کے سپرد کی۔ لکھنؤ سے فراغتِ تعلیم کے بعد عراق کے اساتذہ سے تکمیل اجتہاد کے لیے گئے اور ۱۳۲۱ھ میں اعلام کربلا و نجف سے اجازے لیے۔

مولانا سجاد حسین صاحب بڑے فعال، عالم باعمل، ذہین، ادیب اور خطیب تھے۔ آپ کے اہم خدمات میں ۱۳۱۷ھ میں انجمن صدر الصدور کی تاسیس ہے۔ یہی انجمن کچھ عرصہ بعد "شیعہ کانفرنس" ہوئی۔

معالم نامی رسالہ جاری کیا جس میں نظم و نثر کے علاوہ عماد الاسلام کی جلد اول کا ترجمہ شائع ہوتا تھا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں مولانا سبط حسن صاحب کی تقریر پر جو بحث ہوئی تو مولانا سجاد صاحب نے قوم کو جھنجوڑا اور اعلیٰ درجہ کی نظم لکھی یہ نظم "آتنا حشری" اخبار دہلی میں چھپی۔ نظم پڑھ کر قدردان علم و علماء نواب سر فتح علی خان قزلباش مرحوم ناناپارے گئے اور مولانا سے مل کر اپنے تعاون کا یقین دلایا اور مولانا نے سب سے پہلے پانچ سو روپیہ اپنی جیب سے چندہ دیا، اور مومنین ناناپارہ سے چھتیس ہزار روپیہ دلوایا۔

مولانا عربی، فارسی، اردو کے بہترین شاعر تھے۔ طور تخلص سجاد کے قصائد مدحیہ آئمہ بہت مقبول ہیں۔ ایک مدت تک ناناپارہ میں خدمت دین و امامت جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دے کر کبر سن کی بنا پر خانہ نشین ہوگئے اور مولانا کے فرزند سید محمد ابن حسن صاحب

آخر میں ۱۰ محرم ۱۳۷۳ھ کو ناناپارے ہی میں رحلت فرمائی۔

تصانیف: • شارق مشارق (عربی) • روضۃ الرضا (نکات منقطع پر) اردو۔ • صراط مستقیم
• وعظ سجاد۔ • ترجمہ عماد الاسلام کتاب التوحید۔ • الاجتہاد والتقلید (عربی) جس پر علامہ صدر کی تقریظ ہے۔
• ارشاد المسترشدین (علم عقائد اردو میں) • وظیفہ سجادیہ • تجلی طور (قصائد) • جلوہ طور (قصائد)
• منظومہ سجادیہ ترجمہ دیوان امام زین العابدین طبع لکھنؤ ۱۳۲۰ھ موجود در کتاب خانہ حقیر (انجمن جوبلی رضاکار لاہور)

سراج حسین، موسوی:

۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۲ء
۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء

مولانا مفتی محمد قلی کنتوری کے بڑے فرزند مولانا سراج حسین صاحب علم و فضل میں بڑی اہم شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے اوصاف و کمالات کے لیے جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ کے تعزیت نامہ (وفات مفتی محمد قلی) کا سر نامہ دیکھیے:

"السید الزکی، الفاضل الیلمعی، الحبر اللوذعی، الخل الوفی، الخدن الرضی، المتواضع الورعی۔

المتورع التقی"
نجوم السما میں انھیں، فاضل جلیل، حکیم عصر، وفلسفی ماہر لکھا ہے۔ تفسیر و فقہ و حدیث و علوم اسلامیہ کے بعد
جدید علوم اور انگریزی زبان سے بھی واقفیت حاصل کی۔ انھوں نے سرسید کی تاریخ میں اساسی حصہ لیا۔
جامیٹری و ہندسہ، علم مناظر و علم مرات میں حیرت انگیز مہارت رکھتے تھے۔ مثنوی روم و تصوف کے اسرار و
رموز سننے والے انہیں عرفی و ولی مانتے تھے۔ امیرانہ مزاج اور فقیرانہ لباس پسند تھا۔ کھدر کا سفید انگرکھا پہنتے تھے۔
عالمانہ لباس پہننے سے بچتے تھے۔ لکھنؤ میں آپ کے والد کی بڑی شاندار کوٹھی تھی۔ یہ کوٹھی ۱۸۵۷ء کے ہنگامے
میں مسمار ہو گئی، ان کے چھوٹے بھائی مولانا اعجاز حسین صاحب نے خبر لکھی تو بڑی بے پروائی سے کہا۔ خوب
شد اسباب خود بینی شکست۔
اپنے کھپریل کے مکان میں سادگی سے رہتے تھے، لذیذ کھانے پر سوکھی روٹی کو ترجیح دیتے تھے، مریضوں کا
علاج کرتے، غذا اور مالی امداد دیتے تھے۔ سلیمن، ریزیڈنٹ بہت قدر کرتا تھا۔
راجہ رتن سنگھ نے اپنی ریاست چرکھاری میں بلا لیا تھا۔ آپ نے سو روپے سے زیادہ تنخواہ لینے سے انکار کیا،
ریاست میں غربا، اور مریضوں کی خدمت کی موصوف نے، باغ کا ایک مرتبہ سانپ کے کاٹنے یا ہیضے سے ہوگی اتفاقاً ۲ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ
اگست ۱۸۶۵ء میں ہیضہ کا شکار ہوئے۔ آخری حالت تھی کہ ایک فقیر منش ٹھاکر دیکھنے آیا، صورت دیکھ کر
کہنے لگا "مولوی جی اپنے گرو کا نام لو! مولانا نے فرمایا" یا علی "اور چپ ہو گئے۔ چرکھاری ہی میں دفن کیے گئے،
مفتی صاحب نے تاریخ کہی ہے :

اٹھ گئے مولوی سراج حسین	جن سے پھولا پھلا تھا باغ دیں
اس مصیبت کے سال کی تاریخ	کہ رقم اب بجھا چراغ دیں

۱۲۸۲ھ

چرکھاری میں آپ کا مزار زیارت گاہ خلائق ہے۔ لوگوں کی دعائیں قبول اور کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔
کہتے ہیں، ایک مرتبہ سخت قحط پڑا، لوگ گھبرا گئے۔ انھیں دنوں ایک ہندو عقیدت مند پیتل کی کٹیا میں پانی لے
کر آیا، قبر پر پانی چھڑک کر کہنے لگا :

"مولوی بابا، مرے جلتے ہیں پانی برساؤ"

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اسی دن بارش بھی ہو گئی۔

اولاد : • مولانا عنایت حسین • مولانا کرامت حسین جج۔

(تکملہ نجوم السما، مہر بہا ص ۱۷۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۱۹۵۔ نجوم السما ج ا ص ۳۲۲ اوراق الذہب ص ۲۷،
۲۵ س ۱۵ء)

سراج الدین علی خان :

حدود ۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۹ء

قاضی القضاۃ سراج الدین علی خان ضلع اناؤ کے قصبہ موہان کے باشندے تھے۔ لکھنؤ میں تعلیم مکمل کی۔
طب و فلسفہ، ادب و علم مذہب میں کمال پایا۔ شعر بھی کہتے تھے اور مطب بھی کیا۔ مرشد آباد و کلکتہ کی سیاحت کی۔
کمپنی نے منصب قاضی القضاۃ قائم کیا تو سراج الدین صاحب اس عہدے کیلئے نامزد ہوئے اور اپنی علمی عظمت
سے ہر ایک کو متاثر رکھا۔ کثیر الدرس و کثیر المطالعہ، وسیع الظرف ہونے کی بنا پر شیعہ سنی دونوں اپنا ہی آدمی مانتے رہے
غالب سے اور سراج الدین علی خان سے مراسم تھے۔ مولوی عبد القادر رام پوری بھی ان سے ملے تھے۔
قاضی صاحب نے کلکتے میں رحلت کی۔ ان کی تاریخ وفات ۱۲۳۸ یا ۱۲۴۴ھ ہے۔ (نزہۃ الخواطر،
ص ۱۵۶ و بزم غالب ص ۹۹)۔ ان کے بھتیجے نے قبر کے لیے ایک مسجد و امام باڑہ تعمیر کروایا تھا۔
مولوی عبد الحی صاحب کے بقول نثر میں چند رسالوں کے مصنف بھی تھے۔

سعد اللہ، سلونی :

۱۱۳۸ھ / ۱۷۲۶ء

سلون ضلع رائے بریلی (ہند) کا ایک آباد و شاداب قصبہ ہے۔ مغلوں کے دور میں جہاں افاضل و زہاد
رہتے تھے، انھیں بزرگوں میں پیر محمد سلونی کے نواسے مولانا سعد اللہ تھے۔ سعد اللہ صاحب نے اپنے نانا سے اکثر
علوم و فیض حاصل کرنے اور اپنے والد سے خرقہ لینے کے بعد حرمین شریفین و عتبات عالیات کا سفر کیا۔
حج و زیارات کے لیے گئے تو بقول عبد الحی بارہ اور بقول رحمان علی چودہ سال وہاں قیام کیا۔ اس مدت میں
شیخ عبد اللہ بن سالم البصری اور شیخ احمد نخلی سے درس حدیث لیا اور خود بھی پڑھاتے رہے۔ شریف مکہ آپ کی عزت
کرتا تھا۔
آخر عمر میں سورت میں سکونت گزیں ہو گئے تھے۔
عالمگیر اورنگ زیب آپ کا بہت ادب کرتا تھا۔ ایک مکان اور دو گاؤں جاگیر میں دیے جن کی آمدنی
آٹھ ہزار ماہوار تھی۔ اپنے ہاتھ سے خط میں سیدی سندی لکھتا اور آپ کی سفارشوں کی عزت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ موصوف
نے کسی حاکم کے لیے سفارش لکھی تو بادشاہ نے جواب لکھا۔ حضور عالم ہیں۔ ظالم کی سفارش آپ کے لیے زیب نہیں دیتی۔
اس کے بعد بادشاہ نے جواب دینا چھوڑ دیا۔ مگر مولانا مسلسل خط لکھتے اور محبت ائمہ اثنا عشر کی تلقین کرتے رہے
ایک مرتبہ بادشاہ نے کہا محبت اہل بیت بلا شبہ واجب ہے مگر اہل سنت کے نزدیک امامت بارہ اماموں
میں منحصر نہیں ہے۔ (نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۹۶) تذکرۂ علماء ہند میں انھیں شیخ لکھا ہے۔ نجوم السما میں ان کا

تذکرہ میں، خانی زمان نے مختصر ذکر کیا ہے لیکن شیخ بہادر عرف شیخو میاں نے حقیقت السورت میں لکھا ہے:

"سید سعد اللہ سورتی نسبش بہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ می رسد، خرقۂ خلافت از مولانا عبد الشکور دی از مسعود اسفانی، دی از سید علی دی از سید جعفر دی از سید ابراہیم دی از سید عبد اللہ دی از سید عبد الرزاق دی از عبد القادر جیلانی یافتہ۔

در علوم ظاہری و باطنی و منطق و حکمت و نیرنجات و سیمیا و ہیمیا و کیمیا وغیرہ عدیل و نظیر خود داشتہ و از علوم انجیل و توریت باخبر بودہ و دلہا بانان آزادہ کی می فرمودند و از زنگ زیب عالمگیر آں جناب را سیری و سندی در رتحا می نوشت۔

از پورب در بندر سورت تشریف آوردہ سکونت اختیار نمودند فخر العلما عہد خود بودہ۔

تصانیف: حاشیہ بر حکمت۔ و رسالہ کشف الحق۔ و رسالہ چہل بیت مثنوی و رسالہ ثبوت، مذہب شیعہ و رسالہ تحفۃ الرسول و حاشیہ مبین الوصول در فقہ و اداب البحث در منطق و حواشی بر حاشیہ قدیم و جدید وغیرہ تصنیف ہا می داشتہ۔

بہ بست و ششم ماہ جمادی الاولیٰ ۱۱۳۸ھ رحلت نمودہ نزدیک مکان خود در محلہ سرا مدفون شدند۔ تاریخ

جناب قطب اقطاب زماں رفت	ازیں دار فنا سوئے جناں رفت
مشائخ با تفاوت در کلیں شد	چو سعد اللہ سید از میاں رفت
ز مکر و غدر کذاب فسوں گر	بحق پیوست در دار اماں رفت
ز ہجرش اہل ایماں چوں نہ نالند	کہ از دنیا پناہ مومناں رفت
نماند صبر و طاقت زیں مصیبت	قرار و صبر طیر و انس و جان رفت
صدائے گریہ و فریاد و نوحہ	ز بالائے زمیں تا آسماں رفت
ہزار افسوس زیں ماتم کہ ہر دم	دریغا بر لب کرد بیاں رفت
بہ زحمت خلق گردیدہ گرفتار	ازاں روزی کہ آں وحدت نشاں رفت
زمانِ غم چو ماشورہ قیامت	رسید و کرد قائم، ہوش ازاں رفت
مریداں سر برہنہ چوں نہ باشند	کہ از فرق سر ایشاں سایہ بار رفت
برائے فاتحہ، ہر کس برآمد	ز چشم خویشتن گوہر فشاں رفت
ز بہر سال تاریخ و صالش	بہ ہاتف التماس ایں و آں رفت
ز دل آہ کشید و آہ گفت	ز عالم نائب صاحب زماں رفت

۱۱۳۸ھ

سن تحریف در ساجد	شد تولد چو ظل سبحانی
علم آمد دار نوحہ گو شش	سیدی رفت قطب ربانی

۱۱۳۸ھ

اولاد: ازاں جناب سہ پسر عقب ماندند:

سید عبد العلی المتخلص بہ عزلت، نادرۂ زمان و مجتہد مذہب امامیہ گشتہ، احوالش در شعرا تحریر یافتہ۔

و سید عبد اللہ

و سید عبد الولی — کہ مرزا باقر پسر سید عبد الولی بودہ حد ۱۲۱۷ھ وفات نمودہ یازدہم محرم و از ایشاں سید مجبو ٔ میر فرخ علی عرف چھوٹے صاحب بودند، کہ ہر دو بر عہد سالہ رحلت نمودند و یک پسر میر مجبو ٔ از خاندان ایشاں باقی است" (در حاشیہ کتاب چاپی قلمداد کردہ اند" و پسر میر مجبو ٔ ہم مرد)

(حقیقۃ السورہ، اہم تاریخ گلدستہ صلحائے سورت ۱۳۱۵ھ۔ تالیف شیخ بہادر عرف شیخو میاں۔ طبع مطبع خیالی واقع بمبئی۔ صفحہ ۳۲، ۳۳، ۳۴ و بزم تیموریہ ص ۲۵۲ ۔ نزہۃ الخواطر)

.. ..

سعید حسن، امروہوی:

حدود ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

مولانا سید سعید حسن، بن سید یٰسین علی صاحب امروہے میں پیدا ہوئے۔ وطن سے علوم کی تحصیل کے بعد لکھنؤ گئے اور معاصر علما سے اجازات لے کر وطن آئے آپ حج و زیارات کے لیے حرمین و عراق و ایران بھی گئے۔ عالم باعمل چشم نماز امروہہ تھے۔

جوانی میں رحلت کی۔

(تواریخ واسطیہ ص ۱۸۹)

سعید الدین:

حدود ۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۵ء
۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء

سید سعید الدین خلف رفیع الدین غریب، اصل وطن کنواں کھیڑا ضلع فرخ آباد تھا۔ لیکن رفیع الدین صاحب کی زمینداری شاہ جہان پور ضلع میرٹھ میں تھی۔ اس لیے وہیں آباد ہو گئے تھے۔ سعید الدین یہیں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کر کے رام پور میں مولوی فضل حق اور مولوی عبد الحق و مولوی عبد العلی و حکیم وارث علی خاں سے منطق و فلسفہ و ریاضی و طب اور شیعہ علما سے فقہ و کلام کا درس لیا، غدر سے پہلے سر رشتہ میں تحصیلدار اور اگرے میں منصفی پر فائز ہوئے۔ کچھ عرصے تک ہائی کورٹ میں وکالت بھی کی۔

آخر عمر میں مذہبی تبلیغ اور دعا تعویذ میں شہرت ہو گئی تھی اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے محبوب خاص و عام تھے۔

شاہجہان پور کے قصبہ میں جمعہ ۳ رجب ۱۳۱۶ھ کو وفات پائی اور عبداللہ پور سادات ضلع میرٹھ میں سپرد لحد کیے گئے۔

اولاد: حکیم عبدالعباس

تصانیف: • حدیقۃ المنطق (اردو) • ریاضی میں رسالہ (اردو) • رسالہ موسیقی (اردو) • حواشی حمداللہ و قاضی

(بے بہا ص ۱۷۵)

سلامت علی مرزا، دیکھیے دبیر:
۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء
۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء

سکندر حسین :
حدود ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء
۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

مولانا سید سکندر حسین ابن مولانا سید محمد حسین صاحب مفتی ہندی رکاب گنج میں رہتے تھے۔ بڑے صاحب ذوق، خوش پوشاک، نازک مزاج تھے، لکھنؤ یونیورسٹی کے فاضل ادب کا امتحان پاس کیا۔ ۴۵، ۱۹۴۶ء کی بات ہے، کتب خانہ سرکار ناصر الملت میں مولانا محمد سعید صاحب، مولانا محسن نواب صاحب، مولانا سعادت حسین ملا طاہر صاحب مرحوم جمع ہوا کرتے تھے۔ مولانا سکندر حسین صاحب بھی اس حلقے کے ممبر تھے۔ تقریر کرتے اور مجلسیں پڑھتے تھے۔ ۱۹۵۰ء سے تنگ بجگ افریقہ چلے گئے تھے۔ وہاں خوجہ اثنا عشری جماعت کی سرگرمیوں کے رکن قرار پائے۔ بمبئی میں موصوف کی بڑی قدر و عزت تھی۔

ایک مرتبہ لاہور آئے تھے، اور میرے کتب خانے میں اپنے والد کی تالیف "القول المفید فی مسائل الاجتہاد والتقلید" دیکھتے رہے۔ یہ رسالہ عربی زبان اور اصولِ فقہ کے موضوع پر ۱۵۶ صفحات میں ہے اور مطبع یا نامی ارضنا لکھنؤ سے ۱۳۱۶ھ میں شائع ہوا تھا۔

میرے کتب خانے میں دو اور ہندی علما شیعہ کی مطبوعہ کتابیں ہیں: • منتہی الافکار، تالیف غفران مآب دلدار علی۔ طبع لکھنؤ ۱۳۳۰ھ۔ • القول الصواب فی جواز التسامح فی ادلۃ السنن والآداب طبع لکھنؤ۔ بقول مولانا محمد محسن صاحب مولانا سید سکندر حسین صاحب واسطی لکھنوی نے ۲۸ صفر ۱۳۹۵ھ لکھنؤ میں وفات پائی۔

سلام اللہ خاں :
حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۵ء

تفضل حسین خان علامہ کے چھوٹے بھائی اور اسد اللہ خان ابن کرم اللہ خان کشمیری کے فرزند تھے، اپنے عہد

کے افاضل سے پڑھا اور بھائی سے فیض پایا۔ (بے بہا، تحفۃ العالم، نجوم السماء)

سلطان حسین :
حدود ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۶ء

مولانا سلطان حسین صاحب برستی، افاضل و متقین میں تھے۔ خواتین کی اصلاح و تعلیم و پابندی صوم و صلوٰۃ کے لیے بہت بڑی خدمت کی، اسّی برس سے زیادہ عمر تھی۔ خاندان کی سیدانیوں کو بیٹی سمجھتے تھے اور ان کو حقوق مادری اور حقوقِ دین کی طرف متوجہ کرانے سے دینی شغف بڑھاتے تھے۔

بہت بڑے مناظر تھے اور برست سے پنجاب تک بڑی تبلیغ کی۔

سلطان حسین :
حدود ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

مولانا سلطان حسین مدرسۂ ناظمیہ میں شرح لمعہ تک تعلیم حاصل کی، پھر عراق تشریف لے گئے اور وہاں درس حاصل کرتے تھے۔ مقدس و پرہیزگار بزرگ تھے، عراق میں وفات پائی۔

سلطان علی :
حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء
۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۲ء

جناب مولانا سلطان علی صاحب صدر الافاضل سیتاپور کے باشندے تھے۔ مدرسۂ سلطان المدارس سے صدر الافاضل کی سند لی، پندرہ سولہ سال تک علوم دینیہ حاصل کر کے تبلیغ و تعلیم دین میں مصروف ہو گئے اور اپنے اخلاق و تقدس و پاکیزہ نفسی سے ایک دنیا کو گرویدہ بنا لیا۔ آپ ایک مدت تک خوجہ مسجد کھارادر کراچی میں خطیب و امام جمعہ و جماعت رہ کر یکم محرم الحرام ۱۳۹۲ھ کو راہی ملک بقا ہوئے۔

سیف اللہ خاں، ٹھٹھوی:
۱۱۴۲ھ / ۱۷۳۰ء

سیف اللہ خان صاحب، نواب ابراہیم خان بن علی مردان خان کے یساول تھے۔ ۱۱۲۷ھ میں بخشی چہارم ہوئے اور ذی حجہ ۱۱۲۷ھ میں ٹھٹھے گئے۔ ٹھٹھے میں ان کی آمد برکت تھی، انھوں نے پاکیزہ اخلاق اور اعلیٰ درجے کے ضبط و نظم سے شہر اور صوبے کو چار چاند لگا دیے۔ علوم عقلی و نقلی میں ماہر اور اوامر و نواہی کے رواج اور تشیع کے فروغ کا باعث تھے۔ انھوں نے مکلی میں "جلوہ گاہ امامین" کی تعمیر کروائی اور اس میں دفن ہوئے ان کی تاریخ وفات ۱۱۴۲ھ ہے۔

تحفۃ الکرام ص ۳۷۳

ان کی قبر پر یہ عبارت ہے:-

یا اللہ اللھم صل علی محمد المصطفیٰ وعلی المرتضیٰ وفاطمۃ الزہراء والحسن والحسین وعلی بن الحسین زین العابدین ومحمد الباقر وجعفر الصادق وموسیٰ الکاظم وعلی الرضا ومحمد التقی و علی النقی والحسن العسکری ومحمد المہدی صاحب الزمان صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔

سیف جنگ خان منزل از دلی	کرد وفاتش خلق مشتاق نجات
از برائے جستن تاریخ او	تحفہ سنبال داز فکرش جان بکاست
بلبل طبع نغم نالید و گفت	دستگیری باد من آل عباست

۱۱۴۳ھ نجم ذی قعدۃ

فرزند: • صادق علی خان • محمد تقی خان • محمد محسن شاہ مشخوص مختلف عقائد شیعہ

(ش) شاکر حسین امروہوی:

حدود ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۵ء
۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

مولانا سید شاکر حسین صاحب مولوی فاضل، گورنمنٹ ہائی اسکول غازی آباد میں عربی فارسی کے استاد تھے۔ بہت بڑا خطیب و مقرر تھے۔ امروہے میں وطن اور گھر تھا۔ عموماً وطن ہی میں رہتے۔ ۲۰ مارچ ۱۹۷۸ء کو رحلت فرمائی اور محلہ دانشمندان کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔

(بروایت مولانا سید محمد محسن صاحب نبیرۂ سرکار نجم العلما۔ موصوف نے جون ۱۹۷۸ء اور اس سے پہلے بہت سے معلومات مہیا فرمائے۔)

شاکر علی:

حدود ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء

مولانا سید شاکر علی صاحب بکتب عقلیہ و نقلیہ پڑھنے کے بعد بڑھاپے میں ایک خواب دیکھ کر حاضر خدمت غفران مآب ہوئے اور معالم الاصول پڑھتے رہے۔ مؤلف انیس حق نما کے زمانے میں رحلت فرمائی۔ (نجوم السماء ص ۳۲۵ و نزہتہ الخواطر ج ۷، ص ۲۰۵)

۱۔ مندرجہ بالا عبارت خیر مکلی نامہ ص ۲۲۴ سے نقل کی۔ نزہتہ تحفۃ الکرام میں ۱۱۴۳ھ تحریر ہے اور لکھا ہے کہ سیف الدولہ نے سندھ میں علوم و علماء شیعی کی ترویج کی۔ وہ خود متقی، عالم اور باشریعت تھا۔ اپنے بیگمات پر پابندی لگائی۔ وہ نواب ابراہیم خان اور شیخ علی کی تربیت سے مستفید ہوا تھا۔ (دیکھیے: ابراہیم خان و شریف آملی)

شاہ عالم اوّل: دیکھیے بہادر شاہ اوّل، متوفی ۲۱ محرم ۱۱۲۴ھ

شاہ مرزا، لکھنوی:

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۰ء

جناب مولانا شاہ مرزا صاحب کے والد جناب حسن مرزا صاحب صوبہ بہار ہند کے علماء میں تھے۔ شاہ مرزا صاحب نے اپنے والد سے شیخوپور (بہار) میں شرائع الاسلام شرح سلم ملا حسن مختصر المعانی مکمل کی۔ مولانا حسن مرزا صاحب لکھنؤ آئے تو فرزند کو ساتھ لائے۔ موصوف نے مولانا فضل اللہ حنفی کے علاوہ شیعہ علماء میں مولانا کمال الدین، مولانا رضا علی اور دوسرے اکابر سے فقہ و حدیث عقائد و ادب وغیرہ کا درس لے کر کمال حاصل کیا۔ اور اجتہاد کے درجہ پر فائز ہوئے۔

لکھنؤ میں درس دیتے تھے اور عزت کے مالک تھے، انقلاب کے بعد حیدرآباد، سلہٹ اور کلکتہ و بہار کے سفر کیے۔ آخری عمر لکھنؤ میں گزاری اور وہیں محو خواب ہو گئے۔

اندازہ ہے کہ تاریخ وفات ۱۳۱۰ھ کے لگ بھگ ہوگی۔ (بے بہا ص ۱۸۸)

اولاد: • محمد حیدر

شاہ نجف:

۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۰ء

آگرہ میں محلہ نئی بستی کی گلی عمر دراز خان میں ایک مزار "شاہ نجف" کے نام سے مشہور ہے۔ لوگ بکثرت یہاں آتے ہیں۔ مزار پر لوح ہے۔ لوح پر "ناد علی" کندہ ہے اور اس کے نیچے "شاہ نجف دستگیر ۱۱۴۳ھ" درج ہے۔ لوگ کہتے ہیں یہ ایک شیعہ عالم و عارف باللہ کی قبر ہے۔ (بوستان اخبار ص ۲۲۴)

شبیر حسین، جون پوری:

حدود ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء
۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

مولانا سید شبیر حسین زیدی جون پور کے خاندان علماء و فقہاء کی فرد تھے۔ آپ کے دادا کے بھائی جناب مولانا ناصر حسین جون پوری (متوفی ۱۳۱۲ھ) نے سرپرستی کی۔ ماں کی طرح پالا اور باپ کی طرح پرورش کی۔ ان کی

۱۔ حاجی جلال الدین حیدر صاحب نے مولانا شبیر حسین صاحب مرحوم کو اپنا چچا زاد بھائی اور مولانا کے والد کا نام میر محمد مجتبیٰ صاحب لکھا ہے۔ (خود نوشت سوانح عمری و شجرہ نامہ، طبع لکھنؤ ۱۹۴۷ء)

تربیت کا اثر تھا کہ زہد و تقویٰ، ریاضت و علم دوستی، ذہانت و ذوق سب کمالات موجود تھے، لکھنؤ آئے تو یہاں عہد شباب علمی اور دور شباب تھا، انقلاب ۱۸۵۷ء کے اثرات ختم ہو چکے تھے۔ نئے دور کا عروج جناب ناصر الملت کا اقتدار تھا، مولانا شبیر حسن صاحب نے سرکار ناصر الملت سے تلمذ کا شرف حاصل کیا۔ مدرسۂ ناظمیہ میں سرکار نجم الملت نے سرپرستی کی اور مولانا شبیر حسین صاحب نے ممتاز الافاضل کیا۔ مدرسۂ سلطان المدارس میں سرکار باقر العلوم کے حضور میں حاضر ہوئے اور صدر الافاضل کی سند لی۔ اساتذہ و اکابر لکھنؤ سے خوشہ چینی کے بعد ۱۳۱۹ھ میں نجف اشرف کا سفر کیا۔ نجف و کربلا و سامرہ کے شیوخ کے درس میں حاضر ہوئے، اور بڑی محبوبیت و اعزاز کے ساتھ اسناد و اجازات سے مفتخر ہوئے۔ آقای سید کاظم خراسانی، آقای سید حیدر، آقای سید کاظم یزدی اور آقای شریعت جیسے اساطین فقہ سے سلسلۂ حدیث و اجتہاد کا حاصل کرنا بہت بڑا شرف تھا۔

وطن واپس آکر درس و تدریس، تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے۔ آخری دنوں میں وثیقہ اسکول فیض آباد میں فقہ و اصول کا درس خالی دیتے تھے کہ دماغی امراض میں مبتلا ہو گئے اور ۹ نومبر ۱۹۴۷ء، ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ کو رحلت کی۔

مولانا شبیر حسین صاحب عربی کے عظیم شاعر تھے۔ میں نے آپ کے قصائد کا ایک مجموعہ مختلف رسائل سے مرتب کیا ہے۔ مجلہ عربیہ لکھنؤ الرضوان میں مولانا کے پندرہ بیس قصائد شائع ہو چکے ہیں۔

سر دست آپ کے ایک قصیدہ مطبوعہ اخبار شیعہ لاہور، یکم مارچ ۱۹۲۷ء سے چند عربی اشعار نقل کرتا ہوں:

حُبُّ آل النبی لی خیر زاد	عند عرض الاعمال یوم المعاد	(مولانا سعادت حسین صاحب
انا عبدلهم وحاشا لعبد	ان یضل الهدی ومولاه هاد	نے فرمایا کہ شبیر حسین کا
خصّهم ربهم بکل جمیل	سیما بالصلوٰة فی کل ناد	عربی دیوان مولانا مظفر حسین
سادة اقیال بیض کرام	هم حماة الوری هداة العباد	ایم اے کراچی یونیورسٹی کے
منهل سائغ و روض خصیب	عندکم للورود والرواد	پاس موجود ہے)
ولکم اوجهٌ حسان وسام	وعلیها نور النبوة باد	
انتم الکتاب مشوان حقا	سقیا من منابع الارشاد	
سادتی هذه هدیة عبد	مخلص فی ولائه واعتقاد	
فاقبلوها فذاك جهد مقل	لا یرد الکریم رجل الجراد	(کل ۳۲ شعر ہیں)

مولانا جعفر حسین صاحب گوجرانوالہ فرماتے ہیں کہ ایک مقاصدے میں مولانا شبیر حسین صاحب کا قصیدہ بے حد کامیاب ہوا تھا، مطلع تھا: ولی شاهد اصدق وفؤاد مقید – ودمع طلیق، للعبابة اطلقا (بے بہا ص ۱۹۰)

شریف آملی، ملا :

حدود ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء

ملا شریف آملی، سید شریف عالم و حکیم و طبیب و شاعر تھے۔ نواب علی ابراہیم خان بن علی مردان کے دربار میں معزز تھے۔ قصبۂ موہان ضلع لکھنؤ (یوپی) میں جاگیر تھی، موہان ہی میں رحلت فرمائی۔ (صبح گلشن ص ۲۲۲)

شریف حسن :

حدود ۱۲۴۵ھ / ۱۸۲۹ء

حدود ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

جواد العلما مولانا سید شریف حسن صاحب ابن ارسطو جاہ سید رجب علی شاہ جگراؤں ضلع لدھیانہ کے امیر کبیر و عالم جلیل، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ مولانا خواجہ محمد ابراہیم حسین صاحب اور اپنے والد سے انتہائی کتابیں پڑھیں، پھر لکھنؤ اور عراق سے تکمیل تحصیل کی۔ ان کے والد کا بہت کا بہت بڑا کتب خانہ تھا، مجمع البحرین نامی پریس بھی گھر کا تھا، علما کا مجمع رہتا تھا، علم و عمل، صلاح و تقویٰ، جود و سخا میں شہرت تھی۔ ان کے چھوٹے بھائی شریف العلما شریف حسین اور بھانجے مقرب علی صاحب بھی عالم تھے۔ اس لیے دینی خدمات اور تبلیغ اسلام میں پورے گھر کی سربراہی کی، پنجاب میں تشیع کی اشاعت اور علوم دین کے عام کرنے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ افسوس ہے کہ ان کے اخلاف نے احوال سے مطلع کرنے میں کوئی دلچسپی نہ لی۔

شریف حسین :

حدود ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۲ء

جاہ ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء

مولانا سید شریف حسین خان صاحب خلف سید رجب علی ارسطو جاہ جگراؤں ضلع لودھیانے میں پیدا ہوئے گھر پر تعلیم حاصل کی۔ اساتذہ میں خواجہ ابراہیم حسین صاحب پانی پتی کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ گھر کی تعلیم مکمل کر کے لکھنؤ گئے جہاں مولانا سید حامد حسین صاحب صاحب عبقات الانوار سے فقہ و حدیث و علم کلام پڑھا اور شریف العلما لقب پایا۔ لکھنؤ کے بعد عراق میں آیۃ اللہ سید حسین بہبہانی اور جناب شیخ جعفر شوشتری سے اجازات لیے۔

شریف العلما شریف حسین صاحب امیر و دولت مند ہونے کے ساتھ بڑے مقدس، محتاط اور متقی تھے۔ جناب فردوس مآب کے اوصاف کمالات اور جناب شیخ جعفر شوشتری کے اخلاق و تقویٰ کی تصویر تھے۔ تقریر میں وعظ و نصیحت اور روزمرہ میں احتیاط و خوف خدا ان کا وتیرہ تھا۔ حدیث و رجال، درایت و تفسیر سے خاص شغف تھا، عربی، فارسی و اردو میں شعر بھی کہے، جناب انیس سے تلمذ تھا۔ محبت محمد و آل محمد میں سرشار اور خوف خدا کے آثار سراپا سے نمایاں۔

رئیس ہونے کے باوجود علما کا احترام یوں کرتے تھے جیسے ادنیٰ خادم ہو، صفائے باطن کی یہ حالت تھی کہ علامہ کنتوری مولانا غلام حسنین صاحب کی روایت ہے۔

شب پنجشنبہ ۲۴ رمضان ۱۲۸۹ھ کو شریف العلما نے خواب میں ممتاز العلما سید تقی صاحب کو دیکھا، خواب سے بیدار ہوئے تو علامہ کنتوری کو خیریت طلبی کا خط لکھا۔ اسی شب میں یہاں مولانا محمد تقی صاحب رحلت فرما چکے تھے۔

۱۸۷۱ء میں مولانا شریف حسین صاحب نے حیدر آباد دکن میں اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر انیس کو حیدر آباد بلوایا۔

۱۹۰۸ء میں حکومت ترکیہ نے حجاز میں ریلوے لائن بچھانے کا کام شروع کیا تو سب سے پہلے مولانا شریف حسین نے یہ آواز بلند کی کہ مقام غدیر خم پر ایک اسٹیشن بنوایا جائے۔ حکومت ترکیہ نے کہا ہے کہ جو شخص کسی خاص نام سے اسٹیشن بنوانا چاہتا ہے وہ حکومت کو پانچ ہزار روپیہ دے۔ مولانا شریف حسین صاحب نے محسوس کیا کہ حجاز میں شیعوں کی واضح آبادی ہے اور غدیر خم کے شیعہ بہت خوشحال نہیں ہیں، شیعہ حاجی غدیر خم بھی جاتے ہیں اس لیے یہ اسٹیشن قومی سطح پر بنوایا جائے۔ اس سلسلے میں مولانا نے سو روپے دینے کا اعلان بھی کیا۔

مولانا شریف حسین صاحب اپنی علمی وجاہت کی بنا پر لکھنؤ میں بھی باوقار تھے۔ ان کی تاریخ وفات ہے ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ اس وقت عمر اسّی برس تھی۔

مرزا محمد ہادی عزیز نے قطعۂ تاریخ میں لکھا:

مرکز دائرۂ فضل خبیر علّام — جس نے کی نصرت اسلام میں عمر اپنی تمام
موجۂ قلزم اخبار دُرِ بحر سیر — ماہر علم رجال و سبق آموز کلام
تھی مصائب مقاتل پہ نظر ایسی بسیط — دل تھا آئینۂ حالات شہید اسلام
فیض علامۂ شیخ نجفی طاب ثراہ — ان کی گفتار سے پیدا تھا دم ذکر امام
اثر قوت روحانی فردوس مآب — ان کی رگ رگ میں رہا خون بکا جس کا مدام
وہ کیے مجمع بحرین سے موتی پیدا — جن سے پھیلی ہے ضیا دین کی ہیں اس کا نام
سعی وافر سے زمانے میں کیا نشر علوم — جن کے محتاج تھے ہم کام دیے وہ انجام

فارسی قطعے کے چند شعر ہیں:

آہ صد آہ، شریف العلما — جوہر آئینۂ صدق و صفا
گوہر قلزم زخار شرف — دُرّۃ التاج سر مجد و علا

بست و ہفتم زمہ ذیقعدہ — رخت بربست ازیں دار فنا
نعمتی بود ز انعام کریم — آیتے بود ز آیات خدا
مشعلی بود براہ ظلمت — جلوۂ بود بہ طور فقہا
زد رقم مصرع تاریخ عزیزؔ — بجناں است شریف العلما (۱۳۲۹ھ)

قطعے میں شیخ نجفی سے مراد ہیں "شیخ جعفر نجفی مصنف خصائص حسینیہ" اور فردوس مآب سید حامد حسین صاحب عبقات الانوار کا لقب ہے۔ "مجمع البحرین" لدھیانہ کا وہ پریس ہے جس سے بہت بڑی بڑی کتابیں شائع ہوئیں۔

تصانیف: مقالات و مضامین جو معاصر اخبارات میں شائع ہوئے۔ باقی ذخیرہ ہنگامہ ۱۹۴۷ء میں ضائع ہوگیا۔

اولاد: • سید مصطفےٰ حسین • مولانا مرتضےٰ حسین۔ (بے بہا ص ۱۸۸، قومی زبان کراچی۔ جنوری ۱۹۷۶ء)

شریف حسین بھریلوی:

۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء
۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

بھریلی ضلع انبالہ مشرقی پنجاب (ہند) میں سید امام علی سبزواری صاحب کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوا۔ خوش نصیب والدین نے شریف حسین نام رکھا۔ ابتدائی تعلیم بھریلی میں، مڈل تک منی ماجرہ تحصیل کھرڑ ضلع انبالہ میں پڑھنے کے بعد لاہور آئے۔ شریف حسین کو مذہبی تعلیم اور دینی تبلیغ کا شوق تھا۔ لاہور میں انھیں کوئی باقاعدہ دینی مدرسہ تو نہ ملا مگر اہل علم کا ماحول ضرور مل گیا۔ شریف صاحب نے پنجاب یونیورسٹی سے فارسی و عربی کی اعلےٰ ڈگریاں (منشی فاضل و مولوی فاضل) حاصل کیں۔

گورنمنٹ سنٹرل ماڈل اسکول، لاہور کا سب سے بڑا معیاری ہائی اسکول تھا۔ مولانا شریف حسین صاحب عربی و فارسی کے استاد مقرر ہوگئے اور تیئیس برس تک اسی ادارہ سے وابستہ رہے۔

لاہور میں مولانا ابوالقاسم حائری، مولانا عبدالعلی الہروی الطہرانی کی صحبت سے تفسیر، حدیث و فقہ میں استفادہ کیا، قابلیت و ذہانت کے ساتھ محنت خدا کا بڑا انعام ہے۔ شریف حسین صاحب ان انعامات سے مالا مال تھے، اس لیے مولانا عبدالعلی ہروی نے موصوف کو اپنے معتمدین میں شریک کیا۔ مولانا سید احمد کبیر، مولانا محمد سبطین سرسوی ہروی صاحب کے اُردو ترجمان اور مولانا محمد ذکی ٹاٹا پوری ملتانی زبان کے ترجمان تھے۔ علامہ ہروی قرآن مجید پر حیرت انگیز عبور رکھتے تھے۔ وہ جہاں جاتے فلاسفہ، علماء، پادری اور پنڈت ان کو گھیر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ راولپنڈی میں آریہ سماج کے مناظر نے ان سے ۱۴۷ سوال کیے، اور علامہ نے ستاون منٹ میں ہر سوال کا جواب دیا۔

مولانا شریف حسین اس تیز رفتار ایرانی عالم کی تقریر کا رواں صاف اور معنی خیز ترجمہ فرماتے تھے۔

علمائے لکھنؤ اور علامہ ہروی سے "امتی" کے لفظ و معنی پر بحث ہوگئی۔ مولانا شریف حسین صاحب علامہ ہروی کی طرف سے جواب لکھتے رہے۔

مولانا شریف حسین، زاہد، عابد، سخی اور غریب پرور بزرگ تھے، بھائیوں کی امداد اور عزیز و اقارب کی خبر گیری، طلبا کی کمک ان کی عادت تھی۔

امام باڑوں اور مسجدوں کی تعمیر، دینی مدارس کی تعمیر میں غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے۔ بڑی چھٹیوں میں تبلیغ دین کے فرائض انجام دیتے۔ مسجد میں جاکر مسائل فقہ سمجھاتے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے۔ گھر گھر جاکر بچوں، بڑھوں کو قرآن مجید پڑھاتے اور تلاوت قرآن مجید کی ترغیب دلاتے تھے۔ انھیں قرآن مجید سے عشق تھا۔ اس کے نتیجے میں ان کی تقریب سوم کے موقع پر ان کے شاگردوں نے آٹھ قرآن مجید تمام کیے۔

۲۹ ذی حجہ سے ۸ ربیع الاول تک مسلسل مجلسیں کرتے تھے۔

۱۹۲۹ء میں بھر بلی بھر میں طاعون پھیل گیا۔ مولانا شریف حسین اکیلے بزرگ تھے جو ہندو مسلم کا امتیاز کیے بغیر ہر شخص کی عیادت کے لیے گئے۔

۲۴، ۱۹۲۵ء کے قحط میں راتوں کو گھر گھر کھانا پہنچایا، چودہ پندرہ غریب بچیوں کی شادیاں کرائیں۔

۱۹۲۴ء میں ایران و عراق و شام کی زیارت کی۔ ۱۹۳۶ء میں دوبارہ یہ سعادت حاصل ہوئی۔ ۱۹۴۸ء کو حج کے لیے کمر بستہ ہوئے۔ ۷ جنوری کو درد قولنج کی شدت نے نڈھال کر دیا، آپ نے وصیت کی مجھ پر حج واجب ہوچکا ہے جس طرح ممکن ہو مجھے حج کے لیے سوار کر دینا اور اگر میں مرجاؤں تو حج بدل کرا دینا۔ گیارہ بجے رات کو حالت غیر ہوئی۔ لوگوں نے یٰس پڑھنا شروع کی، کچھ دیر بعد حالت سنبھلی اور صبح کو مولانا مع اہلیہ حج کے لیے روانہ ہوگئے۔

مرنے سے پہلے آخری خمس کا روپیہ آقای ابوالحسن اصفہانی کو نہ بھیج سکے۔ عراق و برطانیہ کے معاملات کشیدہ تھے، حکم دیا کہ یہ روپیہ لکھنؤ بھیج دیا جائے۔

نماز شب پابندی سے ادا کرتے رہے۔ یعنی امور واجبہ میں شدت سے اہتمام کیا۔

تصانیف: • آثار حیدری ترجمہ تفسیر عسکری طبع شد • ترجمہ مودۃ القربیٰ مطبوعہ • ترجمہ کوکب دری مطبوعہ • ترجمہ نوحہ اثنا عشریہ از مرزا محمد کامل شہید رابع • ترجمہ تحفہ رضویہ (مطبوعہ) اور بہت سے تالیفات ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے وقت پورے کتب خانے کے ساتھ ضائع ہوگئیں۔

اولاد: • مصطفٰے اطہر (تقسیم ہند کے وقت ہندوؤں کے ہاتھوں شہید ہوگئے) سید محمد مہدی (م ۱۹۷۰ء) طاہر حسین اور چار صاحبزادیاں جن میں سے ایک دختر کے شوہر سید شمشاد علی زیدی صاحب کی توجہ سے یہ حالات دستیاب ہوئے۔

شرف حسین، آغا، بھکری:

حدود ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء
حدود ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء

مولانا آغا شرف حسین شاہ صاحب بھکر (میانوالی) کے سادات رفیع الدرجات میں بڑے فاضل، زاہد، متواضع، حق گو، عابد و متقی بزرگ تھے۔ موصوف نے عالمانہ تقریروں اور بے داغ کردار سے لوگوں کو مذہب حق کا شیفتہ بنایا۔ فقہ کی ترویج کی، مناظرے کیے اور بستیاں کی بستیاں شیعہ بنائیں۔

مولانا نے بہت سے افاضل کی تعلیم و تربیت بھی فرمائی جن میں مولانا خادم علی خان (بستی شاہ و خان مظفر گڑھ) مولانا سید کرم حسین شاہ (معشوق پورہ مظفر گڑھ) اور رضائی شاہ بھکر کے کرم حسین شاہ صاحب مشہور ہیں۔

اولاد: آغا حسن۔ آغا حسین (مشہور ذاکر) آغا عباس بی اے۔ آغا رضا۔ (از مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ)

شفیق حسن، ایلیا:

۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء
حدود ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰ء

مولوی سید شفیق حسن صاحب ۱۴ جولائی ۱۸۸۵ء کو امروہے میں پیدا ہوئے اور اپنے دادا امیر حسن صاحب سے قرآن مجید پڑھا۔ اپنے والد سید نصیر حسن اور مولوی اولاد حسین صاحب سے فارسی و عربی پڑھی۔ ذہن رسا اور طبع سلیم کے سہارے انگریزی اور سنسکرت میں درک پایا۔ اختر تخلص ہے۔

مذہبی شغف زیادہ تھا۔ لکھنے کا بہت شوق تھا، مسلسل مضمون لکھتے تھے۔

تصانیف: • اصل الاصول در بیان حقیقت تولا و تبرا • حقیقۃ المسیح • رئیس العالمین • شہید ازل • صاحب الزمانؑ • تصدیق من تحقیق السراج (علم ہیئت)

۱۹۶۰ء کے حدود میں رحلت کی۔ (انجمن جوبلی نمبر)

شفیعا، ملا:

دیکھیے دانشمند خان

شمس الدین، ابو المعالی:

دیکھیے محمد بن علی بن خاتون

شمس الدین، عراقی، میر:

۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء

میر شمس الدین عراق سے خراسان آئے، خراسان سے ۸۷۲ھ میں کشمیر پہنچے۔ کشمیر سے سلطان حسین مرزا کی سفارت کے فرائض انجام دے کر خراسان واپس گئے لیکن سیاسی وجوہ کی بنا پر کچھ دنوں بعد دوبارہ کشمیر آئے اور اسماعیل کشمیری کی ہم نشینی اختیار کی اور تشیع کی تبلیغ میں سرگرمی دکھائی۔

کچھ لوگ انھیں نوربخشی شیعہ بتلاتے ہیں جیسا کہ انکی طرف منسوب تالیف سے کتاب الاحوط سے واضح ہوتا ہے شمس عراقی کے متعدد نبال نے اسکو ذکر شیعہ کیا وہ ۹۵۵ھ میں قتل ہوئے۔ (تاریخ کشمیر اعظمی ص ۷۶، نزہۃ ج ۴)

شمسُ الدّین، فقیر :

۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء
۱۱۸۳ھ / ۱۷۶۹ء

جناب شمس الدین فقیر دلی کے باشندے تھے۔ باپ کی طرف سے عباسی اور ماں کی طرف سے سید تھے۔ شعروادب میں مشہور تھے نسبی طور پر عباسی اور مادری رشتے سے علوی تھے، فقہ و کلام و حدیث و تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۱۴۰ھ میں ترکِ دنیا کرکے اورنگ آباد دکن چلے گئے، پانچ سال بعد قزلباش خان امید کے ساتھ دہلی واپس آئے۔ نادرشاہی غارت گری کے بعد لکھنؤ ہی گئے اور ایک سال قیام کیا۔

دہلی والے بڑا ادب کرتے تھے، علی قلی خان، ظفر جنگ داغستانی سے بڑے اچھے تعلقات تھے، کچھ دن عماد الملک بن امیر الامراء فیروز جنگ آصف جاہ کی رفاقت میں رہے۔ لیکن پھر گوشہ نشین ہوکر آگرہ چلے گئے۔ آخر عمر میں زیارت مقاماتِ مقدسہ کے لیے دکن وہاں سے سورت کے راستے روانہ ہوئے۔

درِّ مکنون، مثنوی قلمی ہیں ہے۔ ۱۱۷۵ھ میں دلی سے لکھنؤ اور ۱۱۸۰ھ میں نجف روانہ ہوگئے کے بعد زیارات کرکے واپس آرہے تھے کہ مسقط میں کشتی ٹوٹی اور آپ غریقِ رحمتِ الٰہی ہوئے۔

مثنوی درِّ مکنون میں وہ رباعی بھی ہے جو آپ نے روضۂ حضرت عباسؑ پر لکھی تھی۔

بر شطِ فرات حملہ آور گشتی — وز یادِ حسینؑ تشنہ لب برگشتی
عباس دل دو دست یافتی ور دیں — ہمدست بہ عم خویش جعفر گشتی

ایک خط شاہ نصیر کو لکھا تھا جس کا اقتباس یہ ہے :

"در مسقط سہ معجزہ حضرت امیر المومنینؑ ظاہر و باہر دیدم۔ اول آنکہ دور از دہ کروہ در مسقط چشمۂ آب گرم از کوہ می جوشد و ہمہ می گویند کہ در اینجا جنابِ مولا علیہ السلام بن نیزہ در کوہ زدہ اند از آں وقت این چشمہ ظاہر شدہ و اقسام مرضا از مسقط می روند و در آن آب غسل می کنند و شفا می یابند حتی خوارج ہم۔ دوم آنکہ در مسقط شیعہ تقیہ نمی کنند و کسی بکسی کار ندارد و مثل لکھنؤ۔ سیم آنکہ خوارج کہ دریں جا معدودے بیش نیستند تقیہ می کنند و نماز جمعہ در مسقط می کنند۔"

شمس الدین فقیر ان اساتذہ میں ہیں جن کی علمی خدمتیں ناقابلِ فراموش ہیں۔ حدائق البلاغہ اس وقت سے اب

تک معانی و بیان و بلاغت میں منفرد کتاب ہے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف علوم عربیہ کے مدرس تھے۔ عبدالحی نے مہر جہاں تاب سے سنہ وفات ۱۱۷۰ھ نقل کیا ہے لیکن صحیح ۱۱۸۳ھ ہے۔

تصانیف : • حدائق البلاغہ • دیوانِ اشعار • مثنوی شمس الضحیٰ
• الوافیہ فی العروض والقافیہ • مثنوی درِّ مکنون۔
• خلاصۃ البدیع • حسن و عشق

تلامذہ : قمر الدین منت وغیرہ (نجوم السماء ص ۳۲۱-۳۲۲، سید جعفر ۱۸۸، نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۹۸، دیباچہ دستور الفصاحت اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی میں دیکھیے میر امتیاز تعلیقہ تذکرہ سفینۂ ہندی بھگوان داس، آتشکدہ آذر)

شریف الدّین بن شہید ثالثؒ :

۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء
۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء

سید نور اللہ شوستری اکبر آبادی کے بڑے فرزند سید شریف موسوی یکشنبہ ۱۹ ربیع الاول ۹۹۰ھ اور بقول نسابہ علامہ شہاب الدین مرعشی ۹۹۲ھ کو پیدا ہوئے، ان کے والد وطن سے ہجرت کرکے ہندوستان آگئے، سید شریف الدین عرصے تک ایران میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ موصوف نے والد بزرگوار کے علاوہ، مولانا عبداللہ تستری سید تقی الدین شیرازی سے شیراز میں فقہ و اصول اور بہاء الدین عاملی سے حدیث و تفسیر اور میرزا ابراہیم ہمدانی سے معقولات و عرفان سے پڑھنے کے بعد اجازت حاصل کیے اور بائیس برس کی عمر میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ جناب شہید ثالث کے خطوط کا ایک مجموعہ نواب عنایت خاں راسخ کی بیاض میں ہے۔ ان خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سید شریف سے حضرت قاضی صاحب کو والہانہ محبت تھی، وہ انھیں تحصیل کمال و علم کا شوق دلاتے تھے، پھر حصول فراغت کے بعد اپنے پاس بلاتے تھے، خواجہ شرف بیگ شوستری نے حضرت شہید سے لاہور میں ملاقات کی اور خبر سنائی کہ شاہ ایران نے ان سے ملاقات کی تو خوش ہوئے اور بیٹے کو خط لکھا۔ ایک مرتبہ نظم و نثر میں اپنی شدتِ آلام ہجر فرزند ارجمند شریف شرف اللہ لطاعۃ کے بغیر زندگی کو حرام بلکہ موت تحریر فرمایا۔ آخر سید شریف حاضرِ خدمت ہوئے لیکن ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۰۱۹ھ کو قاضی صاحب شہید ہوگئے اس کے بعد مولانا سید شریف گیارہ ماہ زندہ رہ کر جمعہ ۵ ربیع الثانی ۱۰۲۰ھ کو آگرے میں فوت ہوئے اور والد کے پاس لحد ملی۔

تصانیف : حاشیہ تفسیر بیضاوی۔ حاشیہ مبحث جواہر۔ حاشیہ قدیم۔ حاشیہ شرح مختصر عضدی۔ حاشیہ بر شرح مطالع الانوار۔ رسالہ فی عویصات العلوم و متعدد رسائل۔ محفل فردوس میں اشعار فارسی بھی نقل ہیں۔ (مقدمہ، احقاق الحق از شہاب الدین مرعشی طبع تہران۔
• تذکرۂ مجید از سبط الحسن ہنسوی)

(ص) صابر حسین :

حدود ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء
۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۳ء

مولانا سید صابر حسین صاحب بن سید تقی حسین قصبہ دیتیمل ضلع بریلی کے اشراف و سادات سے تھے ۱۹۴۲ء میں لکھنؤ مدرسۂ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کرکے مدرسۃ الواعظین میں داخلہ لے لیا اور فراغت کے بعد تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نہایت متدین، با اخلاق اور با اثر بزرگ تھے۔

مولانا کی تاریخ ولادت حدود ۱۳۴۰ھ اور سنہ وفات ۱۳۹۲ھ ہے۔

صادق، اُردو بادی :

۹۹۷ھ / ۱۵۸۹ء

فاضل کبیر مرزا صادق، علما کے خانوادے سے تھے؛ اردوباد، آذربائیجان میں پیدا ہوئے۔ اکابر اساتذہ سے علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کیے۔

احمد نگر گئے اور دس سال نظام کے زمانے میں صلابت خان کی وزارت سے سرفراز ہوئے۔

جمادی الاولی، ۹۹ھ احمد نگر میں قتل کیے گئے۔ (نزہتہ ج ۲)

صادق لکھنوی، سیّد :

۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء

مولانا سید محمد صادق صاحب سلطان العلما مولانا سید محمد بن غفران مآب مولانا دلدار علی کے ہونہار فرزند، جوان، عابد، واعظ و مبلغ تھے۔ وعظ میں تاثیر و کشش تھی۔ عیسائیوں کے عقائد کی تردید میں یگانہ تھے۔

جوانی کے عالم میں دو کم سن صاحبزادیاں چھوڑ کر ۴ر رجب ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۲ر اگست ۱۸۴۲ء کو دنیا سے رخصت ہوئے اور اپنے والد کے بناکردہ امام باڑے میں دفن کیے گئے۔

تصانیف : • تائید المسلمین فی اثبات خاتم النبیین والرد علی المسیحیین۔
• قاطع الاذناب (فارسی، مطبوعہ) • قامع النصاب (یہ تالیفات بخط مصنف کتب خانہ ممتاز العلما لکھنؤ میں محفوظ ہیں) (بے بہا ص ۱۹۴، نزہتہ ج ۷، ص ۲۱۷، تاریخ سلطان العلما ص ۹۹)

صادق بن عباس :

۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء

مولانا صادق بن عباس کشمیری جناب مولانا سید علی کشمیری اور جناب سید العلما سید حسین صاحب کے شاگرد اور علوم دین کے ماہر تھے۔ ۱۲۹۰ھ میں رحلت کی۔ (نزہتہ ج ۷، ص ۲۱۷)

صدرا شیرازی لاہوری :

حدود ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء
۱۰۶۱ھ / ۱۵۵۰ء

حکیم صدرا جناب حکیم فخر الدین شیرازی کے فرزند فخر الدین شیرازی کے اجداد عرب جاہلیت کے مشہور طبیب حارث بن کلدہ کی اولاد سے تھے۔ حکیم صدرا نے لاہور و دہلی و کشمیر میں معقولات کا درس دیا اور فلسفہ و منطق کو فروغ بخشا۔ ۴۹ ویں جلوس اکبری میں ہندوستان آئے۔ جہانگیر نے مسیح الزمان خطاب دیا۔ کہتے ہیں کہ تین ہزاری منصب بھی پایا۔

شاہ جہان نے خصوصی توجہ کی، عرض مکرر کا عہدہ دیا، ۴ جلوس میں سفر حجاز کو گئے۔ چار سال کے بعد واپس آئے اور چالیس گھوڑے نذر دیے۔ جس کے صلے میں پہلا عہدہ ایک ہاتھی اور بیس ہزار روپیہ اور حکومت سورت بندر مع پرگنہ جات عطا ہوئی۔

کچھ دنوں بعد حکیم صاحب لاہور آگئے اور سرکار دربار سے الگ ہو کر رہنے لگے، گرمیوں میں کشمیر چلے جاتے تھے۔ جہاں آرا بیگم جلی تو حکیم صاحب نے علاج کیا۔ صحت کے بعد دس ہزار روپیہ سالانہ کا اضافہ اور سالانہ پچاس ہزار روپے کے ساتھ واپسی کی اجازت ملی۔

۱۰۶۱ھ سنہ ۲۴ جلوس کشمیر میں انتقال کیا۔

بڑے مقدس، عالم اور صاحب دستِ شفا تھے۔ امیرانہ شان یہ تھی کہ فقط محل سرا میں تین سو کنیزیں تھیں جن میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی خدمت تفویض تھی۔ فرماتے تھے کہ عورت کو ہر وقت مصروف رکھنا چاہیے تاکہ ذہن خالی نہ رہے۔

مسیح اللّٰہی تخلص تھا۔ (مآثر الامراء ج ۱ ص ۵۷۴، بے بہا، ۱۹۲)

صدر الدین محمد خان، فائز :

۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۸ء

نواب علی مردان خان شاہ جہانی کے پوتے نواب صدر الدین محمد بن نواب زبردست خان بن ابراہیم خان بن نواب علی مردان خان خاندانی نواب اور عالم و مبلغ رئیس تھے۔ وہ سرکاری اعزازات کے علاوہ مذہبی ادبی تاریخی علوم میں ماہر تھے۔ ان کے بہت سے تصانیف ہیں جن میں حدیث و فقہ، اوراد و وظائف، مناظرہ و عقائد سوانح اثر، مجالس، طب و نباتات، ہیئت و اقلیدس، انشا و شعر عربی و فارسی و اردو کی طویل فہرست ہے۔ جناب پروفیسر مسعود حسن ادیب نے ان کے دیوان اردو میں ان کی سوانح و تالیفات پر مفصل بحث کی ہے اور تصویر بھی شائع کی ہے۔

ان کے تصانیف کا معتدبہ ذخیرہ مسعود حسن صاحب ادیب اور پنجاب یونیورسٹی لاہور کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

تصانیف : • دیوان اردو (مطبوعہ دہلی ۱۹۴۶ء) • دیوان قصائد مملوکہ پروفیسر ڈاکٹر وحید قریشی صاحب لاہور
• ارشاد الوزراء خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری • زینۃ البساتین (درختوں کا بیان) مخزونہ کتاب خانہ دانشگاہ پنجاب
• تحریر الصدر، بہائی کی "خلاصۃ الحساب" کا ترجمۂ فارسی۔

جناب کلب علی خان فائق صاحب نے تاریخ محمدی ص ، اسے فائق کی تاریخ وفات ماہ صفر ۱۱۵۱ھ نقل کی ہے۔

صغیر حسن :
حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء
۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

مولانا سید صغیر حسن ابن ضمیر الحسن صاحب اور مولانا سید الطاف حیدر صاحب محمد آباد ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ خوش حال زمیں دار اور صاحب علم استاد تھے، اپنے عہد کے مشاہیر سے تلمذ تھا، سلطان المدارس سے صدر الافاضل کرکے اسی مدرسے کی جماعت نہم کو درس دیتے تھے۔ میں نے شرائع الاسلام، معالم الاصول، میبذی، مسلم العلوم، جریری وغیرہ آپ سے پڑھی۔ بہت شفیق اور خلیق استاد تھے۔ بھاری جسم اور بارعب بزرگ تھے

۲۳ مارچ ۱۹۵۸ء بلیا میں وفات پائی۔ توقیر حسنین وعلی سجاد صاحب اور تین صاحبزادیاں یادگار ہیں

.. ..

صفدر حسین، لکھنوی :
۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء

مولانا صفدر حسین صاحب حیدر گنج لکھنؤ میں رہتے تھے۔ میر عشق کے داماد تھے۔ مولوی فیض اللہ فرنگی محلی کے معقولات میں شاگرد تھے۔ علم و زہد میں یگانہ اور فن طب میں کامل تھے، طلبا آپ سے پڑھ کر فخر محسوس کرتے تھے۔ بڑے خلیق و منکسر مزاج تھے۔

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۲۷ھ میں مرحوم ہوئے۔ (بے بہا : ۱۹۶)

.. ..

صفدر شاہ :
۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء

لکھنؤ میں جن علماء کی اولاد نے علم و عمل میں شہرت پائی۔ ان میں جناب مولانا سید صفدر شاہ رضوی کشمیری کا نام بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

مولانا صفدر شاہ کشمیر میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ ایران و عراق کے متعدد سفر کیے اور علمی مراکز سے بھی فیض حاصل کیا۔ لیکن انھیں عالم ربانی فقیہ صمدانی ملا محمد مقیم کشمیری سے خاص تلمذ حاصل کیا تھا۔ اکثر سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہتے تھے۔ ملا محمد مقیم صاحب کے داماد ملا محمد قاسم نے اپنی دختر کی شادی بھی آپ سے کردی تھی۔

مولانا سید صفدر صاحب کے والد سید صالح رضوی بہت مقدس و عابد تھے، موصوف نے خراسان سے واپس آتے ہوئے کابل میں رحلت کی، کابل کے لوگ موصوف کی قبر کی زیارت کرتے تھے۔

ملا صفدر نے اپنے والد بزرگوار سے تقویٰ، عبادت، گوشہ نشینی زہد و انکساری میراث میں پائی تھی۔ مطالعہ کا شوق اور درس کا مشغلہ تھا۔

حدیث پر عبور تھا اور اسی پر عمل کرتے تھے۔ تفسیر و معانی و بیان و فقہ و تاریخ و نجوم وغیرہ پر دسترس تھی۔

ملا محمد مقیم ۱۲۲۲ھ کے قریب لکھنؤ آئے تو ملا صفدر شاہ صاحب بھی ہمراہ تھے۔ منتظم الدولہ حکیم نواب مہدی علی خاں وزیر الممالک نے پذیرائی کی۔ اور بہت احترام کیا اور جب وہ فرخ آباد گئے تو مولانا صفدر شاہ کو بھی ساتھ لے گئے اس کے بعد وہ کشمیر چلے گئے۔ مگر جب ان کے فرزند مولانا سید علی صاحب عراق سے تعلیم ختم کرکے فرخ آباد آئے تو انھوں نے والد کو بلا لیا۔ نواب صاحب جب فرخ آباد سے لکھنؤ آئے تو دونوں بزرگ ساتھ تھے۔ مولانا صفدر شاہ نے پنجشنبہ ۷ رجب ۱۲۵۵ھ کو لکھنؤ میں رحلت کی۔ ان کا دردناک مرثیہ دیوان رطب العرب میں جناب مفتی محمد عباس صاحب کا لکھا ہوا موجود ہے۔

تصانیف : • اناسی العیون، ضخیم کتاب ہے۔ • تین جلدیں کشکول کی جن میں حدیث و مشکلات حدیث و قرآن و تفسیر اور متعدد علوم و فنون پر تحقیق و مطالعہ قلم بند ہے۔

اولاد : • سید عبد اللہ جو ۱۲۴۴ھ میں آٹھ سال کے ہوکر فوت ہوئے۔ • سید علی جنہوں نے علوم کی ترویج و اشاعت دین کا کام کیا۔ (نجوم السماء ص ۳۸۸، بے بہا ص ۱۹۳ - نزہتہ ج ۷، ص ۲۲۳)

.. ..

صفدر علی، شیرازی :
بعد از ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۳ء

مولانا صفدر بن حسن بن اسماعیل شیرازی، عربی ادب کے فاضل و ماہر جناب محمد اصغر بن محمد حسین کے شاگرد۔

۱۲۵۰ھ میں زندہ تھے۔

تصنیف : • حاشیۂ شرح شافیہ (نزہتہ ج ۷، ص ۲۲۲)

صفدر علی، زنگی پوری :

۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء
۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۲ء

سید صفدر علی زنگی پور ضلع غازی پور کے مردم خیز خطے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید نوازش علی صاحب زمیندار اور خوشحال بزرگ تھے۔ فرزند کو علم دین سے آراستہ کیا۔ مولانا سید محمد صاحب قبلہ دیوکھٹوی سے منقولات و معقولات کی تکمیل کے بعد مطالعہ اور کتب نویسی میں مصروف رہے۔ شرح لمعہ اور شرائع الاسلام و زاد المعاد، جیسی کتابیں بہت خوش خط نقل کی تھیں۔

ماہ محرم میں عزاداری میں منہمک رہتے اور ایسا غم طاری ہوتا کہ لوگ آپ کو دیکھ کر گریہ کرتے تھے۔

۱۴ر رمضان ۱۲۶۷ھ کو اکاون برس کی عمر میں رحلت کی۔ تاریخ وفات ہے " از لغت الجنۃ المتقین "

اولاد : • سید محمد قاسم اور سید فرزند حسین (بے بہا ص ۱۹۵)

صفی قمی :

۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔
۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

۱۲۲۲ھ میں لکھنؤ آنے والے مورخ و سیاح نے اپنی کتاب " تاریخ جہان نما " میں لکھنؤ کے علما کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے : " عالی جناب معلی القاب نجبۃ احاب نقادۃ الاطیاب میرزا صفی " خادم آستانۂ معصومۂ قم نواب آصف الدولہ (متوفی ۱۲۱۲ھ) کے عہد میں لکھنؤ آئے۔ نواب نے شایان شان احترام کیا۔ اس وقت لکھنؤ علمائے عرب و عجم کا مرکز دائرہ تھا۔ علما یہاں آتے اور مال و منال، عزت و اقبال ان کا استقبال کرتے تھے۔ میرزا صفی قمی کی شادی نواب ظفر الدولہ کی خواہر سے ہو گئی۔

میرزا صفی عالم و فاضل شخص تھے :

میرزا جان، میرزا صفی کے بڑے صاحبزادے بھی عالم ہوئے۔ (بے بہا ص ۱۹۲)

صفی مرتضٰی :

حدود ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء
۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

مولانا سید صفی مرتضٰی امروہوی شاگرد الحاج مولانا سید مرتضٰی حسین صاحب غالباً ۱۹۱۸ء کو امروہے میں پیدا ہوئے۔ الہ آباد اور پنجاب سے عربی و فارسی کے امتحانات پاس کیے پھر امام المدارس انٹر کالج میں استاد مقرر ہو گئے۔ واعظ و زاہد و متقی بزرگ تھے۔

۱۹۷۳ء وطن میں حرکت قلب بند ہونے سے وفات ہوئی۔ (بروایت مولانا محمد محسن صاحب)

(ض) ضامن حسین مرزا لکھنوی :

۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء
۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء

جناب مولانا ضامن حسین صاحب لکھنؤ میں شنبہ ۱۰ر جمادی الثانیہ ۱۳۱۵ھ کو پیدا ہوئے، گھر کے متدین ماحول میں پرورش پائی۔ پھر مدرسہ سلطان المدارس میں داخل ہو کر صدر الافاضل کی سند لی۔ اس کے علاوہ دوسرے اداروں سے بھی فارسی و عربی کے امتحانات دے کر درس و تدریس میں مصروف رہے۔ مولانا بڑے شاندار بزرگ تھے، خطابت و شعر میں بھی مہارت تھی۔ قیام پاکستان کے بعد اپنے چھوٹے بھائی جناب مبلغ اسلام مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ مدظلہ کے پاس میانوالی میں آن کر سکونت پذیر ہو گئے تھے اور اسی شہر میں رحلت کی۔ مولانا نے قومیات و تبلیغ میں بڑے شاندار خدمات انجام دیئے۔

" تاریخ وفات ۲۵ر شعبان ۱۳۸۶ھ ۷ بجے شب ہے۔

ضامن حسین، حائری :

۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۱ء
۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۶ء

مولانا سید ضامن حسین صاحب حائری لنڈی کیمپ ضلع کوہاٹ میں ۹ جنوری ۱۸۹۱ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد عراق گئے اور بیس پچیس سال تک نجف اشرف میں علوم دین حاصل کر کے اپنے آبائی وطن میں قیام فرما ہو گئے۔ موصوف نے پورے علاقے میں فقہ کا چرچا کیا، دینی علوم کی درس و تدریس کا مدرسہ قائم کیا۔ لوگ آپ سے فقہی مسائل میں رجوع کرتے تھے اور آپ کے معتقد تھے۔ قبائل کے عوام و خواص آپ کی تبلیغ و ارشاد سے اوامر و نواہی، زکوٰۃ و خمس، روزہ و نماز کے پابند ہوئے، آپ کے مواعظ حق گوئی اور پاکیزہ نفسی و عملی زندگی نے بے حد خوشگوار نتائج پیدا کیے۔ قریے قریے اور قبیلے قبیلے میں آپ کے دورے مذہبی نشو و نما کا باعث بنے آپ بڑے عابد، منکسر مزاج، سادگی پسند اور عالم و فاضل بزرگ تھے۔

مولانا سید ضامن حسین نے ۵ر جولائی ۱۹۶۶ء / صفر ۱۳۸۷ھ کو رحلت فرمائی۔ (مکتوب لعزی بنگش)

ضامن علی :

۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔
بعد ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

جناب مولانا مفتی ضامن علی صاحب بارہہ کے سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ بڈولی ضلع مظفر نگر آپ کا وطن تھا۔ لکھنؤ میں تعلیم مکمل کر کے منصب افتا حاصل کیا۔

فروری ۱۸۵۶ء / رجب ۱۲۷۲ھ کو حکومت اودھ ضبط ہوئی تو مارچ ۱۸۵۶ء میں آپ کو لکھنؤ طلب کر کے معزولی کا حکم دیا گیا۔ جس کے بعد آپ وطن جا کر قیام فرما رہے۔

مولانا فقہ میں ماہر اور بڑے مقدس تھے۔ سلطان العلماء نے جب مفتیانِ مملکت کی فہرست لکھی تو پہلا نام حافظ انور علی صاحب کا تھا اور آخری نام ضامن علی صاحب کا تھا۔ جناب سید حسن صاحب قبلہ نے فرمایا مناسب ترتیب ہے۔ جناب علیین مکان نے فرمایا جی ہاں اول میں حفاظت موجود ہے۔ آخر میں امام ضامن کی ضمانت ہے۔

ضیاء اللہ :

۱۰۹۸ھ / ۱۶۵۶ء
۱۱۶۸ھ / ۱۷۵۴ء

ضیاء اللہ بن سید محمد فاخر حسینی زنگی پوری مولود حدود ۱۰۹۸ھ محمد شاہی دور کے بزرگ تھے، جہانگیر نگر بنگال میں جاکر فقہ و حدیث و حکمت و فلسفہ وغیرہ کی تکمیل کی، پندرہ بیس برس کے بعد وطن واپس آئے اور نہایت جرأت کے ساتھ بلاتقیہ تبلیغِ دین کی کوشش فرمائی۔ سید امجد حسین مؤلف نسب نامہ زنگی پور نے لکھا ہے کہ موصوف ہی نے اس علاقے میں مسائل اصول و فروع کو فروغ دیا۔

نواب عبداللہ بن شیخ محمد قاسم عامل غازی پور نے اپنے فرزند نواب فضل علی خان کی تعلیم و تربیت آپ کے متعلق کر دی۔ مولانا ضیاء اللہ نے ۲ محرم ۱۱۶۸ھ کو رحلت کی۔ (رجال بہا ص ۱۹۶)

تالیفات ضائع ہو گئے۔ شاگردوں میں سید عطا حسین اور سید وجاہت حسین نے شہرت حاصل کی۔

ضیاء الحسن موسوی :

حدود ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء
۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

علامہ غلام حسنین کنتوری کے پوتے اور سرکار ناصر الملت کے نواسے، استاد محترم ضیاء الحسن صاحب حیرت خیز حافظہ و ذہانت و اخلاق کے مالک تھے۔ لکھنؤ میں انھوں نے مولانا سعادت حسین صاحب مولانا غلام عباس زید پوری حکیم ساجد حسین صاحب اور مولانا محمد نصیر صاحب قبلہ سے فقہ و کلام و ادب کی تحصیل کی اور لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب پاس کیا۔ جناب موسوی صاحب مطالعہ میں یکتا تھے، میں نے ان سے جدید عربی ادب پڑھا اور لکھنا سیکھا۔ وہ حیدرآباد دکن چلے گئے جہاں ان کے والد جناب نجم الحسن ابن مولانا محمد علی صاحب رہتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی آئے اور وزارتِ اطلاعات سے وابستہ ہو گئے۔ مولانا نے عربی، فارسی، اُردو میں بہت لکھا، برجستگی ان کا فن اور محنت ان کی عادت تھی۔ امراء، سلاطین، علماء، ادبا جس سے ملے اسے اپنی شخصیت و قابلیت کا معترف بنا لیا موصوف نے اٹھاون برس کی عمر پاکر ۱۵ اکتوبر ۷۸ء کو رحلت کی، ان کے تصانیف میں وحیات امام زین العابدینؑ واقعہ کربلا کا پس منظر۔ رسالہ فقہ جعفری۔ مجموعہ نوحہ و سلام۔ مجموعۂ افسانہ۔ مجموعۂ مضامین بنام "اک نام ہے قلم کا ضیاء الحسن کا نام، ابھی چھپا ہے۔

(ط) طالب حسین :

حدود ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء
۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء

طالب حسین ابن سید گل محمد شاہ صاحب حدود ۱۲۹۲ھ میں ولادت ہوئی۔
چکڑالہ ضلع میانوالی وطن تھا، سنی مدارس میں تعلیم پائی، مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کے مدرسہ میں بھی رہے۔ پھر ہندوستان چلے گئے اور وہاں بھی سنی مدارس ہی میں پڑھتے رہے۔ بعد فراغت داؤد خیل آن کر وعظ و تبلیغ شروع کر دی۔

گھر والے ایک مدت سے بے خبر تھے کہ فرزند کہاں ہے، داؤد خیل آنے کے بعد گھر والوں کو خبر ہوئی۔ والد نے حکم بھیجا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھو تعمیل حکم میں ہاتھ کھول دیئے، پھر گھر آ گئے اور یہاں اپنے چھوٹے بھائی جناب مولوی محمد باقر صاحب سے مباحثات شروع کر دیئے۔ آخر مطمئن ہو کر تسنن سے توبہ کی۔ اور امروہہ (ہندوستان) میں جاکر علوم دینِ جعفری سے واقفیت حاصل کی، موصوف وہاں پڑھتے بھی تھے اور پڑھاتے بھی تھے۔ کچھ عرصہ بعد وطن واپس آ گئے اور تعلیم و تدریس میں مصروف رہ کر تقریباً ۷۵ برس کی عمر میں راہگرائے آخرت ہوئے۔

عتباتِ عالیات کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ علم و فضل زہد و اتقا کی ایسی مثالیں اس علاقے کے لوگوں نے آپ سے پہلے نہیں دیکھی تھیں۔

اولاد : • سید عباس حسین صاحب

تلامذہ : • سید محبوب علی شاہ صاحب • سید محمد یار شاہ صاحب • حسین بخش صاحب

طاہر شاہ دکنی :

حدود ۸۸۰ھ / ۱۴۷۵ء
۹۵۲ھ / ۱۵۴۵ء

ملا سید طاہر بن رضی الدین ہمدانی بن مومن شاہ بن رزد خان بن شاہ خور بن حالم بن محمد بن جلال الدین بن حسین بن کبار محمد بن حسن بن علی بن احمد بن نزار بن مستنصر اسماعیلی کی اولاد سے تھے۔ ملا طاہر ہمدان میں غالباً اسماعیلیوں کے داعی تھے۔ لیکن علم و فضل کے ساتھ جب سلطان بن حیدر صفوی کے دربار سے وابستہ ہوئے (۹۲۶ھ) میں اثنا عشری مذہب کے پرستار ہو گئے۔

تاریخ فرشتہ میں ان کے احوال ہیں جن کا خلاصہ مولوی محمد حسین نے تذکرہ بے بہا میں نجوم السماء، مرغوب دل اور مفتاح التواریخ کے بیانات کو سامنے رکھ کر لکھا ہے۔

ملا سید شاہ محمد طاہر بن مہدی دکنی۔

ملا صاحب کا رتبہ علوم ظاہری و باطنی، طلاقت و فصاحت، صورت و سیرت میں اپنے باپ دادا

سے برتر تھا۔ دُور دُور تک شہرت تھی کسی بات پر شاہ اسماعیل صفوی (متوفی ۹۳۰ھ) سے ناراض ہوکر ۹۲۶ھ میں گوا اور گوا سے بیجاپور پہنچے۔ ان دنوں بیجاپور میں اسماعیل عادل شاہ (متوفی ۹۴۱ھ) کی حکومت تھی۔ اسماعیل کو ارباب سیف اور سپاہیوں سے دلچسپی تھی۔ اہلِ علم و صاحبانِ فن سے محبت نہ تھی۔ ملا طاہر شاہ ملک کی صورتِ حال دیکھ کر حج و زیارات کے لیے چلے گئے۔ حج سے مشرف ہونے کے بعد دوبارہ دکن کا رُخ کیا اور قلعہ پرندہ میں اترے۔ قلعہ پرندہ ان دنوں جہان مخدوم خواجہ جہاں کی نگرانی میں تھا۔ اس نے ملا صاحب کی آمد کو نعمت جانا اور اپنے بچوں کی آتالیقی سپرد کی۔ اتفاقاً برہان شاہ نے اپنے استاد ملا پیر محمد شیروانی کو کسی پیام کے ساتھ سفارت پر بھیجا۔ ملا پیر محمد نے مولانا طاہر شاہ سے بھی ملاقات کی۔ اس ملاقات نے ملا صاحب کو بہت متاثر کیا اور باوجود اعزاز و شہرت نو وارد عالم سے مسلسل پڑھنے لگے۔

ملا صاحب کے تلمذ کی خبر نے مولانا طاہر کے علم و فضل کا شہرہ کر دیا۔ ملا صاحب سال بھر تک مولانا طاہر سے کسب فیض کرنے کے بعد دربار میں حاضر ہوئے اور مولانا کے علم و عمل کا تذکرہ کیا۔ برہان نظام شاہ نے خواجہ جہاں کو خط لکھا اور مولانا کو احمد نگر طلب کیا۔ ۹۲۸ھ کے   تک جگ مولانا احمد نگر پہنچے۔ بادشاہ نے کمیلوں آگے ارکان سلطنت کو بھیج کر مولانا کا استقبال کیا۔ اور بڑے اعزاز و احترام سے دربار میں جگہ دی۔ پھر درخواست کی کہ مسجد جامع احمد نگر میں ہفتے میں دو درس دیا کریں۔ مولانا نے درس شروع کیا۔ تمام علما، امرا   خود بادشاہ درس میں حاضر ہوتا اور ادب سے بیٹھتا تھا۔ ایک روز باوجود پیشاب کی سخت حاجت کے درس سے نہ اٹھا اور بعد اختتام درس محل میں جاکر خدام سے کہا کہ میری طبیعت ناساز ہو جائے یہ گوارا ہے لیکن مولانا کے درس سے اٹھنا ممکن نہیں۔ جناب مولانا طاہر شاہ صاحب اب تک محتاط انداز میں تھے اور عام لوگوں کو آپ کا تشیع معلوم نہ تھا۔

اتفاق سے بادشاہ کا محبوب فرزند شاہزادہ عبد القادر بیمار ہو گیا۔ اطبا نے بہت کوشش کی فائدہ نہ ہوا۔ ایک دن بادشاہ نے حکیم قاسم بیگ سے کہا حکیم اگر اس بچے کے لیے میرا جگر کام آئے تو حاضر ہے۔ کوئی تدبیر کرو۔ مندروں میں صدقہ بھیجا، مسجدوں میں دعائیں ہوئیں مگر مرض بڑھتا ہی گیا۔ مولانا طاہر شاہ نے ہمت کی اور تجویز پیش کی کہ اگر شہزادہ شفایاب ہو گیا تو زرِ کثیر ائمہ اثنا عشر کے روضوں پر بھیجیں گے اور سادات کو نذر دیں گے۔ بادشاہ نے پوچھا "ائمہ اثنا عشر" سے کیا مراد ہے؟ آپ نے ائمہ کا مختصر سا ذکر کیا اور نام بتائے بادشاہ نے کہا یہ نام ایک آدھ مرتبہ میری ماں نے لیے تھے۔ ٹھیک ہے، اگر میں مندروں کی خدمت کر سکتا ہوں تو اس نذر میں کیا حرج ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ یوں نہیں، پہلے مجھے اطمینان دلایا جائے، ورنہ میں اہل و عیال کے ساتھ نکتے چلا جاؤں۔ بادشاہ نے یقین دلایا کہ انھیں کوئی تکلیف نہ دی جائے گی۔ شاہ صاحب نے فرمایا، تو پھر آج شب جمعہ ہے۔ آپ خدا سے عرض کیجیے اور نذر مانیے کہ خداوندا اگر چہاردہ معصومین کی برکت

سے آج رات شہزادہ شفا پا جائے تو میں خطبوں میں بارہ اماموں کے نام پڑھوا کر ان کے مذہب کی ترویج کروں گا۔ بادشاہ عبد القادر کے بچنے سے مایوس تھا۔ اُس نے مولانا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مولانا کے جملے دہرائے۔ عہد و پیمان بجا لایا اور انتہائی پریشانی میں ساری رات شہزادہ عبد القادر کے سرہانے بیٹھا رہا۔ شہزادہ لحاف اتارے دیتا تھا۔ بخار تیز تھا۔ بہت کوشش کی گئی کہ کچھ اُڑھا دیا جائے مگر کامیابی نہ ہوتی۔ آخر بادشاہ نے کہا کہ بچے کو پریشان نہ کرو۔ شاید چند ساعت کا مہمان ہے۔ دنیا کی ہوا کھا لینے دو۔ پوری رات گزر گئی، صبح کے قریب بادشاہ بیمار کی پٹی پر سر رکھ کے اونگھ گیا غنودگی کی حالت میں یہ خواب دیکھا:

ایک بزرگوار بارہ حضرات کے ساتھ سامنے سے آئے۔ اُنہیں آتا دیکھ کر بادشاہ مؤدب کھڑا ہو گیا۔ کسی نے پوچھا، ان لوگوں کو پہچانتے ہو؟ یہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہیں۔ اور اُن کے دائیں بائیں بارہ امام ہیں۔ رسول اللہؐ فرما رہے ہیں: "خدا نے علیؑ و اولادِ علیؑ کی برکت سے تیرے لڑکے کو شفا بخشی خبردار میرے فرزند طاہر کے کہنے سے منہ نہ موڑنا"۔

بادشاہ بیدار ہوا تو دیکھا کہ شہزادہ عبد القادر لحاف اوڑھے پڑا ہے۔ اور اس کی ماں اور دایہ دونوں بیدار تھیں۔ بادشاہ نے پوچھا: "یہ لحاف کس نے اوڑھایا ہے"۔ کہا گیا: "کہ ہمارے سامنے یہ لحاف آہستہ آہستہ شہزادے پر آ گیا"۔ بادشاہ نے لحاف میں ہاتھ ڈال کر شہزادہ کو دیکھا تو بخار جا چکا تھا اور شہزادہ آرام کر رہا تھا۔ برہان شاہ سجدہ میں گر پڑا۔ اُس کے بعد خادم کو حکم دیا کہ فوراً مولانا طاہر کو بلائے۔ چوبدار مولانا کے دروازے پر پہنچا، زنجیر ہلائی۔ مولانا شہزادہ کے لیے دعا کر رہے تھے شاہی خادم کی آواز سن کر پریشان ہو گئے کہ یا شہزادہ مرگیا ہے، یا اچانک بادشاہ کی رائے میرے خلاف ہو گئی۔ اک لمحہ گزرا تھا کہ دوسرا خادم آیا۔ مولانا اہل و عیال کو خدا حافظ کہہ کر ضروری ہدایات دے کر تن بہ تقدیر چلے۔ حرم سرا میں داخل ہوئے تو بادشاہ نے بڑھ کر استقبال کیا۔ ہاتھ میں ہاتھ لیا اور شہزادے کے سرہانے لایا۔ بادشاہ نے مذہب شیعہ کے اصول و قواعد دریافت کیے اور کہا کہ مجھے شیعہ کیجیے۔ خود بادشاہ اور شہزادہ حسین، شہزادہ عبد القادر، اور ان کی والدہ ملکہ بی بی آمنہ اور تمام ملازمین نے مذہب حق اختیار کیا۔

بادشاہ کی رائے تھی کہ صبح کو جمعہ کا دن ہے، تمام خطیبوں کو خطبۂ جمعہ میں آئمہ اثنا عشر کا نام لینے کا حکم دیا جائے اور خلفاء کے نام نہ لیے جائیں۔ لیکن مولانا نے بادشاہ کو منع کیا، اور مشورہ دیا کہ پہلے تمام اکابر علماء کو بلایا جائے اور ان سے کہا جائے کہ میں مذہب حق کی جستجو میں ہوں۔ آپ لوگ مل کر میری رہنمائی کریں۔ چنانچہ ملا پیر محمد شاہ، اور افضل خان نوائط اور ملا داؤد دہلوی وغیرہ احمد نگر کے مدرسہ شاہ طاہر میں جمع ہوئے۔ کئی ماہ مباحثہ رہا، جن میں برہان شاہ خود بھی حاضر ہوتا تھا۔ آخر ایک دن بادشاہ نے شاہ صاحب کو دعوت دی اور

کہا کہ یہ حضرات تو کسی مذہب کو ترجیح نہ دے سکے اگر کوئی اور مذہب حق ہو تو میں اس پر غور کروں۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہاں ایک مذہب اثنا عشری ہے۔ میں اس کی کتابیں حاضر کرتا ہوں، کتابوں کے ساتھ ایک عالم شیخ احمد نجفی بھی پیش ہوئے چاروں مذاہب کے علماء سے مناظرہ شروع ہوا تو شاہ ملا طاہر بھی شیخ احمد نجفی کے مددگار ہو گئے۔ لوگ شاہ صاحب کو شیعہ جان گئے

بحث میں خلافت، واقعہ قرطاس، اور باغ فدک موضوع تھا علما کو لاجواب دیکھ کر برہان شاہ نے عبدالقادر کی بیماری اور صحت کا واقعہ بتلایا جسے سن کر کم وبیش تین ہزار آدمی شیعہ ہو گئے۔ خطبہ میں بارہ اماموں کے نام داخل ہوئے اور احمد نگر میں تشیع عام ہو گیا۔

امرا اس بات سے برافروختہ ہو کر پیر محمد کے مکان پر جمع ہوئے۔ صلاح مشورے کے بعد طے ہوا کہ پہلے بادشاہ کو معزول کر کے عبدالقادر کو اس کی جگہ بادشاہ بنایا جائے پھر ملا طاہر کو قتل کرو۔ چنانچہ بارہ ہزار پیادہ وسوار قلعے کے پاس کالے چبوترے پر جمع ہوئے اور شاہ صاحب کا مکان مع ان کے فرزندوں کے موکلوں کو سونپ دیا! برہان شاہ کو معلوم ہوا تو اس نے قلعہ کے دروازے بند کرنے کا حکم دے کر شاہ صاحب کو بلایا۔ شاہ صاحب علم جفر میں ملا شمس الدین جعفر کے شاگرد تھے، اس لیے حساب لگا کر بادشاہ کو اطمینان دلایا کہ قلعے کا دروازہ، کھلوا دیں اور خود بدولت و اقبال ان کے سامنے جائیں۔ بادشاہ مسلح ہو کر سوار ہوا، ایک ہزار پیدل اور پانچ ہاتھی مع چتر سبز و علم لیے شاہ صاحب کے ساتھ باہر آیا۔

شاہ صاحب نے ایک مٹھی خاک لے کر سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ کی آیت پڑھی اور خاک فضا میں پھینکی۔ بادشاہ نے نقیبوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے سامنے اعلان کرو کہ خیر خواہان سلطنت سبز چتر کے نیچے جمع ہو جائیں اور نمک حرام یا پیر محمد کے ساتھی مہر سلطانی کے امیدوار نہ رہیں۔ یہ اعلان سن کر امرا۔ اور سپاہی بادشاہ کی امان میں آ گئے اور پیر محمد شکست کھا کر واپس چلا گیا۔ بادشاہ نے ملک احمد تبریزی اور خواجگی محمود کو چھوٹی سی فوج دے کر ملا پیر محمد کی گرفتاری کا حکم دیا۔ ملا صاحب حاضر دربار کیے گئے۔ بادشاہ نے قتل کا اشارہ کیا۔ مگر مولانا طاہر نے بادشاہ کو روکا، اور قتل سے باز رکھا۔ بادشاہ نے قید کا حکم دیا لیکن چار سال بعد مولانا کی سفارش سے دوبارہ عزت افزائی کی گئی۔

بادشاہ نے جہاں خواب دیکھا تھا اس مقام پر ایک عالی شان عمارت بنوائی جس کا نام بغداد رکھا۔ کچھ عرصے بعد مولانا طاہر شاہ کے مدرسے کو حسین نظام شاہ نے ایک بڑی مسجد میں بدل دیا۔ آہستہ آہستہ مولانا کی تبلیغ کامیاب ہوتی گئی اور مرتضیٰ نظام شاہ نے مذہب شیعہ کی مکمل برتری تسلیم کر لی۔ اس نے سنی علما اور امرا کے وظیفے شیعہ امرا و علما کو منتقل کر دیے۔

قلعہ احمد نگر کے سامنے ایک شاہی عمارت بنوائی جس کا نام "دوازدہ امام کا لنگر" تجویز ہوا، کچھ املاک اس

کے نام وقف کی گئی۔ روزانہ مومنین کو لنگر سے کھانا دیا جاتا تھا۔ برہان شاہ نظام شاہ نے عراق و خراسان میں زر کثیر بھیج کر مشاہد مشرفہ کی آرائش و زیبائش اور سادات و علما کی خدمت انجام دی۔

احمد نگر میں جہاں تشیع خطرۂ جان و مال تھا وہاں شیعہ علما کا قابل قدر اجتماع ہو گیا۔ ان علما میں چند نامور حضرات یہ ہیں :۔ مولانا شاہ جعفر برادر ملا طاہر شاہ۔ • ملا شاہ محمد نیشاپوری۔ • ملا علی گل استرآبادی • ملا رستم جرجانی • ملا علی مازندرانی • ملا ایوب ابوالبرکت۔ • ملا عزیز اللہ گیلانی • ملا محمد امامی استرآبادی۔ ان کے علاوہ عرب و عجم سے شیعہ دانشور اور سیاسی شخصیتیں نمایاں ہونے لگیں۔

شاہ ایران نے برہان شاہ کو اپنے سفیر کے ساتھ ۹۵۰ھ میں کچھ تحفے اور ہدیے بھیجے اور ایک خط مولانا طاہر شاہ کے لیے بھیجا اور خاص اپنے ہاتھ کی انگوٹھی بھی ہدیہ کی۔ اس انگوٹھی کے نگینہ پر لکھا تھا "اَلتَّوْفِيْقُ مِنَ اللّٰه" جس کے جواب میں مولانا نے اپنے فرزند شاہ حیدر کے ساتھ تحف و ہدایا بھیجے۔

مولانا طاہر شاہ نے ۹۵۲ھ میں رحلت کی "تابع اهل البیت" سے تاریخ نکلتی ہے۔ مولوی عبدالحی نے تاریخ مرغوب دل اور مفتاح التواریخ کے حوالے سے نقل کی ہے۔ لیکن فرشتہ نے ۹۵۶ھ تاریخ وفات بتائی ہے

انتقال کے بعد بڑی شان سے جنازہ اٹھا اور بڑے اہتمام سے لاش امانت رکھی گئی۔ کچھ عرصے بعد احمد نگر سے لاش کربلائے معلی پہنچائی گئی اور قبر حضرت سید الشہداء سے ڈیڑھ گز کے فاصلے پر زیر گنبد ابدی آرامگاہ بنی

مولانا کی روحانی عظمت، پاک باطنی اور رشد و ہدایت کی تاثیر سے مشائخ و کبار ارادت کا اظہار کرتے تھے علم و دانش کی بنا پر اہل خبر زانوئے ادب تہہ کرتے تھے۔ قوت تقریر و حاضر جوابی کا واقعہ ابھی گزر چکا ہے۔ دوسرا لطیفہ یہ ہوا :

مولانا احمد آباد بیدر آئے تو بہت سے طلبا اور علما آپ کے پاس آنے جانے لگے۔ ایک مولانا صاحب ایسے بھی تھے جنہیں اپنے علم جفر پر ناز تھا۔ اس نے مولانا کو دعوت کے بہانے اپنے گھر بلانا چاہا، نوکر کو خط دیا اور خط کے نیچے یہ لکھا "قال النبی الاجابة سنة موكدة" آپ نے نیچے لکھ دیا: "كسر بارة الفلك فاذا تعارضا تساقطا"۔ فاضل موصوف، جواب دیکھ کر چکر لگے۔ حاضر خدمت ہوئے، بات کی تو معلوم ہوا کہ بحر زخار موجیں مار رہا ہے۔

اولاد : مولانا طاہر شاہ کے چار فرزند تھے۔ • ملا شاہ حیدر جو والد کے بعد ان کے جانشین قرار پائے۔ آپ بھی عالم فاضل اور متقدس زاہد تھے۔ • رفیع الدین حسین شاہ • ابوالحسن شاہ • ابو طالب اور چار صاحبزادیاں تھیں

تصانیف :۔ • (شرح) شرح باب الحادی عشر (عقائد و کلام) عربی۔ • شرح جعفریہ (فقہ) (عربی) • حاشیہ تفسیر بیضاوی (عربی) • حواشی شرح اشارات (عربی) • حاشیہ محاکمات شفا (عربی)

- حاشیہ مجسطی (عربی) • حاشیہ مطول (عربی) حواشی گلشن راز (فارسی) • شرح تحفۂ شاہی (فارسی)
- رسالۂ پالکی (یہ رسالہ پالکی میں سفر کرتے ہوئے قلم بند کیا تھا)

مولانا شعر بھی کہتے تھے۔ آپ کے چند شعر تذکروں میں محفوظ بھی ہیں۔

مطلع ایجاد، احمد، حسن مطلع بو تراب ۔۔۔ ہفت بیت اہل بیتش، شاہ فرد انتخاب
مرتضیٰ آں کز شرف مسند عالی نسبی است ۔۔۔ آفتاب بیت کز برج شرف شد روشنی جا است

(تاریخ فرشتہ طبع نول کشور مقالہ سوم روضۂ سوم ص ۱۱۰ تا ۱۱۸، تذکرہ بے بہا ص ۱۹۷، نزہتہ ج ۸ ص ۲۷۰، مجالس المومنین ج ۲ ص ۲۳۴ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ج ۱۲ ص ۳۸۱)

طاہر آغا :
حدود ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۰ء
۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء

مفتی محمد علی بن محمد عباس کے دو فرزند تھے، حبیب مکرم جناب سید طیب آغا صاحب نزیل نجف اشرف اور دوسرے فرزند جناب سید طاہر آغا صاحب۔ مولانا طاہر آغا صاحب نے اپنے والد علام کے بعد اپنے عم محترم جناب مفتی احمد علی صاحب قبلہ کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت حاصل کی اور مدرسۂ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کی سند لی لیکن عمر نے وفا نہ کی اور عالم شباب میں مارچ ۱۹۵۷ء وفات پائی اور لکھنؤ ہی میں آسودۂ قبر ہوئے، موصوف بڑے ذہین اور فاضل تھے۔ رحمہ اللہ۔

(ظ) ظفر حسن :
۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء
حدود ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء

مولانا سید ظفر حسن صاحب ۷ ربیع الاول ۱۲۹۸ھ پنجشنبہ کے دن لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محقق ہندی مولانا محمد حسین نے علمی ماحول میں تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا چنانچہ موصوف اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ عالم و فاضل تھے بلکہ دعوائے اجتہاد بھی فرماتے تھے۔

منظفر نگر، اپنے جدی وطن میں ہجرت فرما گئے تھے اور وہیں جماعت و خطابت و دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد ملتان میانی میں رہے اور یہاں ایک یتیم خانہ قائم کیا۔ کچھ عرصے موگا ضلع فیروز پور میں بھی قیام کیا، پاکستان بننے کے بعد بھکّل ضلع میانوالی میں گھر بنا لیا تھا مگر اسمٰعیل پور کر میانوالی میں اپنے فرزند کے پاس چلے گئے اور وہیں رحلت کی۔

تصانیف : • رسالہ فی اصول الفقہ (عربی) • نور آخرت، مسائل روزمرہ (فقہ) (بے بہا ۲۰۷)

ظفر حسن، خواجہ :
۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء
۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

جناب خواجہ ظفر حسن سہارن پوری، جناب خواجہ مختار احمد صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ پٹیالہ میں فارسی کے استاد تھے، متقی، عابد، فاضل اور علم دوست بزرگ ہونے کی حیثیت سے لوگ بڑی عزت کرتے تھے۔ تقریباً پچاسی برس کی عمر پا کر ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۵ء لاہور میں رحلت کی۔

ظفر مہدی، جرولی :
۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء
۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

مولانا سید ظفر مہدی کاظمی سادات اور جرول ضلع بہرائچ یوپی سے تعلق رکھتے تھے۔ علی نگر آپ کے اجداد کی جاگیر میں تھا۔ مولانا ظفر مہدی ۱۰ رجب ۱۲۳۹ھ ۱۲ مارچ ۱۸۲۴ء کو پیدا ہوئے اور تاریخی نام ظفر مہدی رکھا گیا۔ وطن میں تعلیم و تربیت کے بعد لکھنؤ گئے اور مدرسہ سلطانیہ میں علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ مولانا مفتی محمد علی اور مولانا محمد حسین جائسی اور سلطان العلما سید محمد صاحب سے درس لیا، اجازے حاصل کیے اور فقہ و عقائد و حدیث و تفسیر میں سند تکمیل پائی۔

سنسکرت کے لیے ماہر فلکیات پنڈت ملازم رکھے اور ہندو جوتش میں مہارت تامہ حاصل کی۔ موصوف نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آئمہ اثنا عشر کے زائچہ ہائے ولادت بنائے تھے اور عربی و ہندی اصول تقویم و زائچہ پر تحقیق کی تھی ان زائچوں میں سے زائچۂ مولادت سرور دو عالم ریاض الصادقین میں قابل ملاحظہ ہے۔

طب سے شغف تھا اور افاضل سے سندیں لی تھیں۔ مطب بھی کرتے تھے۔ اثیم تخلص سے مرثیہ بھی کہتے تھے۔ مرزا دبیر سے تلمذ تھا۔ تاریخ وسیرت واخلاق پر متعدد کتابیں لکھی تھیں جن کے مسودے کتب خانۂ ناصر الملۃ لکھنؤ میں محفوظ ہیں۔ کتابوں کی اشاعت کے لیے جرول ہی میں ایک پریس لگایا تھا جس سے بڑی نفیس کتابیں شائع کرکے اور بلاقیمت بانٹتے تھے۔

علم وعمل اور زہد وپرہیزگاری کے باوجود حکومت نے اسسٹنٹ کمشنر اور منصفی کا عہدہ دیا تھا۔

مولانا کی تصویر تہذیب الخصائل کے انگریزی ترجمے کے ساتھ کراچی میں چھپ چکی جس میں وہ خالص فقہا کے لباس میں ملبوس ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں مولانا نے انگریزوں کے خلاف جدوجہد آزادی میں حصہ لیا۔ انگریزوں نے مجرم قرار دیا۔ مولانا نے حضرت حجۃ عجل اللہ ظہورہ کی خدمت میں عریضہ لکھا اور مشکلات کا ذکر کیا۔ کچھ عرصے بعد فیصلہ مولانا کے حق میں ہوا مگر مولانا احسان مند ہونے سے پہلے دنیا سے سفر کر چکے تھے۔

۱۷ صفر ۱۳۲۰ھ مئی ۱۹۰۲ء میں رحلت کی۔ مرزا محمد طاہر رفیع نبیرۂ دبیر نے قطعۂ تاریخ لکھا جس کا آخری شعر تھا:

داشت دستار فضیلت چوں بسر　　　از فضیلت سال رحلت شد عیاں　(۱۳۲۰ھ)

تصانیف: • نخبۃ الاخبار (حدیث) • روض الصادقین ۷ مجلد، تاریخ ائمہ مطبوعہ وغیر مطبوعہ • تہذیب الخصائل (اخلاق، حدیث وفلسفہ) اردو مطبوعہ۔

انگریزی ترجمہ "کیرکٹر بلڈنگ" کے نام سے پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ کراچی سے ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔ اس کے مقدمے میں مولانا ظفر مہدی اور ان کے فرزند باقر مہدی کی تصویر اور احوال ہیں، اس کتاب کے لیے میں جناب حاجی حسن علی صاحب کراچی کا شکر گزار ہوں۔ • معیار الحیات • عقائد حیدریہ • ہدایت الانشا • موتیوں کا ہار • جواہر منتشرہ (قطعات تاریخ) • اشک مسلسل (منظوم واقعہ کربلا) • مرثیے، قصیدے، سلام، رباعیاں، غزل اور دوسرے اصناف سخن پر ضخیم کلیات وغیرہ۔

اولاد: • مولانا باقر مہدی صاحب • حیدر مہدی صاحب

(دبستان دبیر ص ۲۵۸، نزہتہ ج ۸ ص ۲۰۴۔ مقدمہ ترجمہ تہذیب الخصائل انگریزی نیز مکتوب مرزا علی اظہر صاحب برلاس)

ظفر مہدی، گہر جائسی:

۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۸ء

مولانا ظفر مہدی صاحب جائس ضلع رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد وارث حسن صاحب نے بڑے فرزند سبط حسن صاحب (خطیب اعظم) کی طرح ان کو بھی علوم دین کی تعلیم دلوائی۔ مولانا ظفر مہدی نے متداول

علوم کی تحصیل کے بعد تحریر وتقریر کا سلسلہ شروع کیا اور کرسچین اسکول لکھنؤ میں عربی کے استاد رہے۔ آپ کی ذہانت و ذکاوت نے ادب وشعر کے جوہر چمکائے۔ ماہ نامہ "سہیل یمن" لکھنؤ نے آپ کی ادارت میں مذہبی جرائد کو علمی وادبی اسلوب جدید عطا کیا۔ آپ کے فارسی، عربی واردو اشعار یکجا نہیں ہو سکے۔ نہ دوسرے تحقیقی اور علمی تالیفات مرتب ہوئے۔ نہج البلاغہ کی اردو شرح "سلسبیل فصاحت" کے نام سے شروع کی تھی لیکن اس کی تکمیل سے پہلے راہی جنت ہوئے۔ جناب راجہ صاحب محمود آباد نے سلسبیل فصاحت کا پہلا حصہ جس نفاست واہتمام سے چھپوایا ہے۔ اس کی نظیر میری نظر سے نہیں گزری یہ نفیس ایڈیشن میرے کتاب خانے میں موجود ہے۔ تالیفات میں متعدد رسالے تھے جن میں سے انشاء اللہ، مسئلہ توحید پر اردو ترجمہ ابوطالب از شرف الدین موسوی مطبوعہ۔

مولانا ظفر مہدی صاحب قبلہ گہر کا ایک عربی شعر جو مجھے محفوظ کر لیا تھا۔

نواعم لورمتها العین رامقۃ　　　باللحظ لانصب من ورد الخدود دموع

ظہور حسین، ظہیر الملت:

۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۴ء
۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

ہمارے عہد میں لکھنؤ کے چار بڑے عالم تھے۔ جناب مولانا سید باقر صاحب قبلہ جناب مولانا سید ناصر حسین قبلہ جناب سید نجم الحسن صاحب قبلہ جناب سید ظہور حسین صاحب قبلہ پورے برصغیر میں ان کی دھوم تھی۔ ہر ایک جامع علوم اور صاحب کمال ظاہر وباطن تھا۔ مولانا ظہور حسین صاحب قبلہ منطق وفلسفہ میں استاذ الکل سمجھے جاتے تھے۔ لیکن حدیث وکلام، اصول وفقہ کے علاوہ ادب میں بھی بے مثل تھے۔ ان کا ایک مرثیہ کا پہلا شعر ہے:

ھلال بدا کالقوس فی ید نبال　　　غدی یرتمی منھا حشا کل ذی بال

افسوس ہے کہ موصوف کا کلام جمع نہ ہو سکا۔ ورنہ لکھنؤ کے عربی ادب کا ایک شاہکار ہوتا۔

ان کی گفتگو بڑی دل کش ہوتی تھی، عموماً اصطلاحات منطق وفلسفہ استعمال کرتے تھے اور اجنبی آدمی سن کر دنگ رہ جاتے تھے۔ لیکن عربی وفارسی ادب میں ڈوبی ہوتی جس سے اہل علم کا ذوق بڑھتا تھا۔

مولانا ظہور حسین صاحب قبلہ کے والد سید زندہ علی صاحب میران پور بارہہ کے زمیندار تھے لیکن گردش روزگار نے املاک نہ رہنے دی۔ فارسی ادب سے شوق اور مذہب سے عشق تھا۔ خدا نے انھیں ۱۲۸۲ھ / ۶۴-۱۸۶۵ء کو ایک فرزند عطا کیا جس کا تاریخی نام غلام محمد احسن رکھا جو بعد میں ظہور حسین سے بدل گیا۔

اس نومولود نے ہوش سنبھالا تو ابتدائی تعلیم قرآن مجید وعقائد کی منزل طے کی پھر سرکاری اسکول میں داخل ہوئے۔ ۱۸۷۸ء کے قریب مولانا شیخ جعفر حسن صاحب بدایونی نے میران پور میں مدرسہ قائم کیا۔ سید زندہ علی نے آپ کو

اس مدرسے میں داخل کر دیا۔ مدرسے کے اساتذہ سے صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ادب و فقہ کے متن پڑھے اور مختصر النافع تک تعلیم پائی۔ اس دور میں آپ کے اساتذہ یہ تھے:۔

مولانا شیخ سجاد حسین صاحب مؤلف رمح مصقول، مولانا سید علی نقی شاہ صاحب (سلطان پور ضلع گوڑگانوہ، آخر میں پیش نماز ملتان) اور مولانا خواجہ غلام حسنین صاحب سہارن پوری۔

وطن میں درسیات کا پہلا مرحلہ ختم کر کے سفر لکھنؤ کیا اور ۱۳۰۲ھ میں مرکزِ علم پہنچ کر فاضل مقدس مولانا علی نقی (استاذ کیننگ کالج) مولانا سید علی صاحب محدث۔ مولانا سید محمد تقی صاحب سے منقولات و معقولات کا دورہ مکمل کیا۔ اور فقہ و اصول میں درجۂ اجتہاد تک پہنچے ان اساتذہ میں خاص طور پر فلسفی دوران ملاذ العلماء سید ابوالحسن صاحب سے تلمذ تھا، اور مولانا بھی آپ کو فرزند و جانشین علم و فضل جانتے تھے اور ان کے بعد لکھنؤ کے علمی حلقوں نے معقولات میں ملاذ العلماء کا صحیح جانشین مانا۔ آپ فراغتِ تعلیم کے بعد لکھنؤ میں رہے اور راجہ صاحب محمود آباد کے مدرسے میں نیز اپنے گھر پر طلبا کو درس دیتے رہے لیکن حیدر آباد میں ادارۂ تصنیف و تالیف کے اصرار سے لکھنؤ کو چھوڑ کر حیدر آباد جانا پڑا۔ راجہ صاحب محمود آباد کو آپ کا ترک لکھنؤ پسند نہ آیا بالاصرار تمام آپ کو لکھنؤ واپس بلا لیا اور آپ نے پھر سلسلۂ درس شروع کر دیا۔

۱۳۲۹ھ میں مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ زیارات کے لیے عراق تشریف لے گئے تو مدرسۂ ناظمیہ کی صدارت آپ کے سپرد کر گئے۔

۱۳۳۲ھ میں نواب حامد علی خان آف رام پور نے ریاست میں طلب کر لیا اور شعبۂ تصنیف و تالیف آپ کی نگرانی میں دے دیا۔ ان دنوں جناب مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ رام پور میں سررشتۂ تعلیم کے ڈائرکٹر تھے جب جناب نے رام پور ترک کیا تو جناب ظہیر الملت ڈائرکٹر مقرر کیے گئے۔ ۱۳۴۰ھ میں شعبۂ عربی کالج کا شعبۂ عقائد و کلام آپ کی سرپرستی میں قائم ہوا اور آپ ہی کالج کے پرنسپل رہے۔

شیعہ کانفرنس کے شعبۂ تالیف و تصنیف کے رکن تھے۔ شعر و ادب، فلسفہ و منطق آپ کے خصوصی فن تھے۔ عربی قصائد میں شہرت حاصل تھی مولانا کے کچھ قصائد میرے مجموعۂ شعر العرب فی شیعۃ القارہ میں ہیں۔

بڑے خوش مزاج، انتہائی پرہیزگار، بے حد متقی، قانع، سخی، اور علم دوست تھے۔ طلبا و علما میں سب محبوب اور عوام و خواص میں صاحبِ اعزاز تھے۔

۱۹۳۵ء کے قریب مجھے بھی حکیم آغن صاحب کے یہاں کچھ دنوں تک فیضِ صحبت اٹھانے کا موقع ملا۔ اس وقت میں کافیہ کے درجے میں پڑھتا تھا، شیعہ سنی لڑائی ہوئی تو میں اپنے والد مرحوم اور چھوٹے بھائی کے ساتھ تین چار دن تک حکیم آغن صاحب مرحوم کے یہاں رہا۔ جناب مرحوم بھی حکیم صاحب کے یہاں تشریف

لے آئے۔ مجھے یاد ہے کہ جناب تنہائی میں بڑی مفید نظم و نثر اور لطائف سناتے تھے۔

۱۲ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۸ء[1] ہفتہ کے دن ساڑھے چار بجے سہ پہر میں رحلت فرمائی۔ دریا پر غسل ہوا، علماء و رؤسا و راجگان کا اجتماع تھا۔ بعد غسل فیصلہ کیا گیا کہ لاش کربلائے معلیٰ کے لیے امانت رکھی جائے۔ چنانچہ سال بھر سے زیادہ امانت رہنے کے بعد ۴ شوال ۱۳۵۸ھ کو تابوت مقبرۂ راجہ صاحب پیر پور حرم حسینی کربلا میں دفن ہوا۔

تصانیف:۔ • تقریر جاسم در نفی عروسی حضرت قاسمؑ • التوحید مختصر اردو کا رسالہ طبع لکھنؤ۔ • العدل مختصر اردو کا رسالہ طبع لکھنؤ۔ • النبوۃ مختصر اردو کا رسالہ طبع لکھنؤ۔ • التوحید ضخیم کتاب • العدل (طبع رام پور)۔ • النبوۃ ضخیم کتاب (طبع رام پور)۔ • الشافی شرح اصول کافی کتاب الایمان والکفر۔ • حاشیہ عربی بر نہج البلاغہ جو میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ • مسائل جعفریہ۔

تلامذہ: بے شمار علماء و افاضل نے آپ سے کسبِ فیض کیا۔ مثلاً • جناب ڈاکٹر جعفر حسین صاحب فیلوی مرحوم (۱۹۶۴ء) • جناب سید محمد حسین پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی ۱۹۳۰ء۔ • مولانا سید ذوالفقار حسین صاحب • مولانا یوسف حسین۔ • حافظ کفایت حسین۔ • مولانا سید محمد عارف۔

ظہور الدین

۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء
۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء

مولانا حکیم سید ظہور الدین ابن سید محرم علی نوگانواں ضلع مراد آباد کے باشندے تھے۔ ظہور الدین صاحب نے ۶۵ یا ۱۲۶۴ھ کو ولادت پائی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کر کے مدرسۂ منصبیہ میرٹھ چلے گئے پھر ۱۳۰۳ھ میں لکھنؤ جا کر اساتذہ سے انتہائی درس لیے اور جناب بحر العلوم سید محمد حسین صاحب قبلہ سے ۱۳۰۶ھ میں اجازہ امامت جماعت اور حکیم محمد جی صاحب سے سند طب لے کر وطن واپس گئے۔

مولوی محمد حسین صاحب کے بقول لکھنؤ میں ان کے ہم درس حضرات یہ تھے۔ محمد حسین مؤلف تذکرۂ بے بہا قدوۃ العلماء مولانا آغا حسن صاحب، مولانا ساجد علی صاحب خواہر زادہ عماد العلماء، مولانا سید علی مردان صاحب مولانا مظہر حسن صاحب، طبیب بنارس، مولانا حامد علی صاحب مدرس اندور کالج، مولانا رضا حسین صاحب برادر بحر العلوم

مولانا ظہور الدین صاحب بڑے مقدس، خلیق اور صاحبِ دستِ شفا تھے۔ راجہ محمد علی خان آف

---

[1] جناب مرحوم کے شاگرد مولانا ذوالفقار حسین صاحب نے تاریخ وفات ۲۴ دسمبر ۱۹۳۸ء روز شنبہ وقت عصر بتائی ہے جو میری ڈائری سے مطابقت نہیں رکھتی دیکھیے رسالہ "ثقۃ الاسلام کلینی اور کافی" الکلم لکھنؤ۔

حسن پور ضلع سلطان پور (اودھ) نے اپنے فرزند کا اتالیق مقرر کیا۔ راجہ صاحب کی رحلت کے بعد ملازمت چھوڑ کر نوگانواں آگئے۔ مولانا آفتاب حسین صاحب نے دہلی میں مدرسہ قائم کیا تو آپ کو بلایا مگر آپ زیادہ دن نہ ٹھہر سکے۔ وطن واپس آئے اور کچھ دن بعد سلطان پور جا کر مطب کر لیا اور بڑی شہرت و عزت سے زندگی بسر کی۔
آپ نے دو مرتبہ زیارات مشاہد عراق و ایران اور ایک مرتبہ حج و زیارت مدینہ منورہ کا شرف حاصل کیا تھا۔
جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ حسن پور ضلع سلطان پور میں وفات پائی۔ (بے بہا ص ۲۰۴)

ظہور اللہ :

۱۱۴۷ھ / ۱۷۳۴ء
۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء

ظہور اللہ بن دلیل اللہ صدیقی بدایونی (مولود ۱۱۴۷ھ بدایوں) نے علوم متداولہ اپنے وطن میں حاصل کیے پھر لکھنؤ گئے اور وہاں علمائے تعلیم علوم دین حاصل کی شعر و ادب سے دلچسپی تھی۔ حکیم بقاء اللہ خان اکبر آبادی سے اصلاح لی۔ مرزا جوان بخت بن شاہ عالم کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ شہزادے نے "خوش فکر خان" خطاب دیا۔
مدت تک لکھنؤ میں بھی رہے، پھر حج و زیارت کے لیے سفر کیا اور واپسی میں فتح علی شاہ قاچار کے دربار میں رسائی پائی ۱۷۹۹ء دربار ایران سے "سعدی ہند" خطاب پایا۔ وہاں سے حیدر آباد[1] آئے۔ کچھ دن رہ کر وطن لوٹے اور ۱۲۴۰ھ میں رحلت کی۔ وحید اللہ بن سعید اللہ نے کہا:

نوا فخر بدایوں بود و ناثر
دیوانِ شعر فارسی یادگار ہے۔

فرزند: • قربان علی خان۔

تصانیف: • دیوان اردو۔ • دیوان فارسی • مثنوی وامق و عذرا اردو طبع شد۔

تلامذہ: • مولوی نجف علی ممتاز متوفی ۱۸۵۴ء۔ • مولوی اشرف علی نفیس متوفی ۱۸۵۸ء

ظفر مہدی، جون پوری:

بعد ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء

مولانا سید ظفر مہدی صاحب قبلہ جون پور کے رہنے والے اور مدرسۃ سلطان المدارس لکھنؤ کے فارغ التحصیل صدر الافاضل تھے۔ ۱۹۳۸ء کے ایک اخبار میں ان کے علم و تقدس کی تعریف اور قومی خدمات کو سراہا گیا۔

---

[1] محمد سلیمان لکھتے ہیں۔ پہلے حیدر آباد گئے۔ وہاں سے ایران گئے۔ موصوف کو نزہۃ الخواطر کے مطالعے کا موقع نہیں ملا ہے۔
دیکھیے ماہنامہ قومی زبان دسمبر ۱۹۷۲ء کراچی "بدایوں کے قدیم اردو شعراء" از مولوی محمد سلیمان بدایونی۔ و نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۲۶۔

عابد حسین، سید :

۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء
۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء

مولانا سید عابد حسین ابن مولوی سید ہاشم علی جبیک پور (ضلع چھپرہ بہار ہند) میں پیدا ہوئے سنہ ولادت ۱۲۸۱ھ ہے، والد نے تعلیم دی پھر دوسرے اساتذہ سے پڑھا، شوق بڑھا تو لکھنؤ میں مولانا علی نقی دامی پوری اور دوسرے علما کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ کسب کمال و فراغت تعلیم حاصل کر کے مظفر نگر میں اصلاح و تبلیغ، درس و تدریس، جمعہ و جماعت کا سلسلہ قائم کیا۔
مدرسۃ سلطان المدارس قائم ہوا تو جناب نواب آغا باقر صاحب یا مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ نے مدرسے ہی درس کے لیے بلا لیا اور مدرس اعلیٰ بنایا۔ مولانا عابد حسین صاحب اپنے تقدس، اخلاق، حسن تدریس اور کمال فن کی وجہ سے طلبہ میں بہت عزت و احترام کے مالک تھے۔ فلسفہ و منطق سے خصوصاً شغف تھا، لوگ عموماً "عابد حسین فلسفی" کہتے تھے۔ اساس البلاغہ زمخشری کا نول کشوری ایڈیشن مولانا کے مقدمہ و تصحیح کے ساتھ چھپا ہے۔ اس مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا، عربی نظم و نثر و لغت میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔
غالباً عراق بھی گئے تھے کہ آیت اللہ سید کاظم طباطبائی ان کے مداح تھے۔
مولانا کی تاریخ وفات ۲۷ شعبان ۱۳۲۷ھ ہے۔ (بے بہا ۲۵۰)

عابد حسین، خواجہ :

حدود ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء
۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء

مولانا خواجہ عابد حسین سہارن پور، میرٹھ، دہلی، پنجاب اور متعدد علاقوں میں مرجعیت رکھتے تھے۔ علم و عمل میں مشہور اور تحریر و تقریر و تدریس و تبلیغ دین و اخلاق میں قابل فخر مانے جاتے تھے۔
مولانا حدود ۱۲۶۲ھ سہارن پور میں پیدا ہوئے ان کے والد بخشش حسین انصاری حضرت ایوب انصاریؓ کی اولاد سے تھے اور سہارن پور میں خوشحال زمیندار کی زندگی گذارتے تھے۔ موصوف نے اپنے فرزند کو علوم دین کی تعلیم دلائی مولانا عابد حسین صاحب نے فارسی اور ابتدائی کتابیں قاضی غلام عباس ہندسے پڑھیں پھر لکھنؤ گئے اور وہاں کے اساتذہ سے تلمذ کیا۔ مولانا سید حسین صاحب، مولانا علی محمد صاحب تاج العلماء مولانا محمد ابراہیم صاحب اور مولانا سید نقی صاحب مرحومین سے اعلیٰ تعلیم اور اجازے لے کر وطن آگئے اور بیان مسائل، وعظ، نماز اور درس کا سلسلہ شروع کیا، ذہین، جید الحافظ اور فاضل ہونے کی بنا پر مدرسوں نے بلانا شروع کیا۔ آپ نے متعدد مدرسوں میں درس دیا مثلاً کورٹ جولی، مدرسہ جعفریہ میراں پور (بارہہ) ایک مدت مدید تک مدرسۂ منصبیہ میرٹھ میں مدرس اعلیٰ رہے۔ بے شمار طلبہ کو پڑھایا۔ ان شاگردوں میں بہت سے حضرات علم و عمل کے عروج کو پہنچے۔ شہر شہر قریہ قریہ

میں پیش نماز ترویج مذہب کے لیے بھیج گئے۔ آپ خود خوش بیان اور خوش تقریر و خوش قلم تھے۔ طلبہ پر اس کا بہت اثر تھا۔

۲۵، ۱۳۲۶ھ میں زیارات کے لیے گئے اور مشاہیر و اکابر کربلا و نجف سے اجازات و فیوض حاصل کرکے وطن آئے۔ قصبہ سرسی ضلع مراد آباد میں قیام فرمایا اور طویل عمر پاکر ۶، ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ کو رحلت فرمائی۔

مولانا عربی کے بھی انشا پرداز تھے۔ فارسی میں بھی کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کے شاگرد آپ کے اس جذبے کے بہت مداح تھے کہ طلبہ کو خوش حال و معزز دیکھنا پسند کرتے اور ان کو عالی ہمتی اور عزتِ نفس کی تربیت دیتے تھے۔ اور خود بھی ان کا بہت احترام کرتے تھے۔

تصانیف : • اشعار المومنین فقہ۔ • نصر المومنین مناظرہ۔ • قواعد مدنی علم ہجا۔ • یوسفیہ (عربی) صرف و نحو

- کھری بات (عقائد) • قرآن السعدین (ترویج معصومہؑ) • قصۂ جمیلہ بنت حامر (نظم عربی)
- مفتاح البیان دو جلد (ادب عربی) • پنجۂ فولادی (مناظرہ) • تحفۃ الصائمین (فقہ) • کلمۃ التوحید (مناظرہ)
- انذار الناذرین (بحث در نذر و یا علی مدد، طبع شد) • یا علی مدد (در موعظہ، مطبوعہ) • اعجاز وصی (نقل)
- ذخیرۃ المعاجز (نظم اُردو) • ورد جمیل (مناظرہ) • معجزۂ امیر المومنینؑ (حدیث) • شرح اربعین (حدیث)
- اعلام المتبصرین (فقہ) • مطالب الشافیہ فی شرح الکافیہ (نحو، عربی) • دافع المغالطہ (فقہ استدلالی)
- قضایا جناب امیر المومنینؑ (اُردو، مطبوعہ) • رسالہ روشمس (طبع شد) • اجوبہ دا مسئلہ (عملی)
- اعمال محرم و اربعین اُردو (مطبوعہ) • عمدۃ المصائب (طبع شد، اُردو) • ترجمہ جامع عباسی مکمل (فقہ، اُردو مطبوعہ)
- حساب الاحکام (فقہ) • ترجمۂ سفینۃ النجاۃ (اُردو) اوراد و ظائف (مطبوعہ) • ترجمۂ شرائع الاسلام (اُردو، فقہ مطبوعہ۔ • ترجمۂ فتح السبیل (کلام و عقائد) • ترجمہ انذار الناذرین۔ فارسی، مطبوعہ۔
- یا علی مدد، فارسی مطبوعہ۔ • ترجمہ رسالۂ استخارہ مجلسی، اُردو مطبوعہ۔ • ترجمۂ لآلی مکنونہ، ادعیہ و اوراد
- مناجات نظم اُردو۔

تلامذہ : میں اہم ترین عالم ہیں مولانا ظہور حسین صاحب قبلہ اور مولانا محمد حسین مؤلف تذکرۂ بے بہا (بے بہا ص۲۸۸)

عابد حسین، نوگانوی :

حدود ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء

مولانا سید عابد حسین بن مولوی سید صادق علی صاحب نوگانواں ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے، سن شعور کو پہنچے تو نگرول میں مولوی اصغر حسین صاحب سے ابتدائی کتابیں پڑھ کر مدرسۂ منصبیہ میرٹھ چلے گئے۔ وہاں سے درسیات متوسطہ کا درس لینے کے بعد لکھنؤ کے مدرسۂ مشارع الشرائع ناظمیہ سے سند کمال حاصل کی۔ اور

منجن پور ضلع الٰہ آباد میں بلا لیے گئے جہاں مولانا نے دینی خدمات انجام دیے۔ مولانا بڑے قانع، عابد، مدرس اور اچھے واعظ و خطیب تھے۔ بسنہ ۱۳۴۶ھ کے بعد رحلت کی۔ (بے بہا ص۲۶۵)

عاشق حسین :

۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء
۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء

عاشق حسین بن حکیم تفضل حسین صاحب معقولات و منقولات سے باخبر مولانا عبدالوہاب کے شاگرد تھے۔ مطب کرتے تھے۔ مناظرے اور شعر گوئی میں ید طولےٰ تھا۔ اوج مرحوم سے اصلاح سخن لی تھی۔ بلہرہ وطن تھا۔ جہاں ۱۳۳۸ھ میں رحلت کی۔

اولاد : • مولانا عارف حسین صاحب صدر الافاضل۔ • محمد حسین اور مرتضیٰ حسین مرحوم۔

تصانیف : ضربت حیدری (مثنوی اُردو) سکۂ حیدری مثنوی اُردو۔ دونوں مطبوعہ (از روایت مولانا عارف حسین)

عالم حسین :

حدود ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء
۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء

جناب مولانا سید عالم حسین صاحب قبلہ بڑے گاؤں ضلع فیض آباد کے رہنے والے تھے۔ ۱۲۸۵ھ کے لگ بھگ ولادت ہوئی۔ وطن میں اور فیض آباد میں ابتدائی تعلیم کے بعد سلطان المدارس سے صدر الافاضل کیا پھر اسی مدرسے میں ادب کے اُستاد معین ہوگئے۔ بے حد مقدس، بہت محتاط، لغت و شعر عرب کے ماہر و حافظ تھے۔

متنبی، حماسہ، سبعہ معلقہ، نہج البلاغہ جیسے اعلیٰ کتب مدرسے میں اور ہر ذوق و سلیقے کے طلبہ کو مختلف کتابیں پڑھاتے تھے۔ عربی نظم و نثر قلم برداشتہ لکھتے تھے۔ جس کا ایک نمونہ "ترجمۂ مصنف ابداء الرغاۃ" ہے جو مذکورہ کتاب کے خاتمے میں نجف سے ۱۳۴۷ھ میں چھپ چکا ہے۔

مولانا عالم حسین صاحب، مولانا شبیر حسین صاحب جون پوری، شمس العلماء مولانا سبط حسن صاحب کے ذوق شعر عرب کی وجہ سے لکھنؤ کے عربی مقاصدوں کے چرچے عراق و عرب تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان حضرات نے عربی ادب کی روایت کو لکھنؤ میں تموج خیز بنایا۔ ان کے شاگرد عربی کے بڑے اچھے اچھے شاعر ہوئے ہیں۔ مولانا نے غیر مطبوعہ ضخیم دیوان عربی غیر مطبوعہ اور مقدمۂ اسد الرغائب مطبوعہ یادگار چھوڑ اور سیکڑوں شاگرد۔

مولانا عالم حسین صاحب قبلہ مدرسۂ سلطان المدارس سے مدت ملازمت ختم کرکے وطن گئے اور ۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ / جون ۱۹۳۴ء کو واصل بحق ہوئے۔

تلامذہ: • مدرسہ سلطان المدارس کی صفِ اوّل و دوم کے تمام صدر الافاضل۔
خصوصاً: • مولانا مرزا یوسف حسین صاحب (میانوالی) • مولانا محمد مصطفےٰ صاحب قبلہ جوہر (کراچی)
• مولانا محمد عادل صاحب (کراچی) • مولانا کلب حسین صاحب۔ • مولانا ابن حسن صاحب نونہروی
• مولانا انتصار مہدی صاحب۔ • مولانا سید احمد صاحب • مولانا سید محمد صاحب قبلہ۔
• مولانا سید حسن صاحب۔ • مولانا سید حسین صاحب • مولانا محسن نواب صاحب۔
• مولانا علی نقی صاحب علاوہ مصنفِ حقیر مرتضیٰ حسین

اولاد: • مولانا خادم حسین صاحب۔ • مولانا جواد حسین صاحب • مولانا زین العابدین صاحب اور ایک اور فرزند جن کا نام مجھے یاد نہیں آرہا ہے۔ یہ سب سے چھوٹے تھے اور میں نے حج کے موقع پر مکۂ مکرمہ میں ان سے ملاقات کی تھی۔ (اعلام الشیعہ، طبع نجف)

عالی جاہ بہادر، محمد رضی:

۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء

دلیر الدولہ نواب میرزا حیدر[1] بہادر موسوی کے فرزند، نواب عالی جاہ عرف منجھلے صاحب لکھنؤ کے امیرِ کبیر خاندانی وجاہت دنیاوی ریاست کے ساتھ ساتھ علوم دین میں ماہر تھے۔ ان کے والد نے دینی بنیادوں پر تربیت دی تھی۔ جب ہوش سنبھالا تو جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب، مولانا سید علی صاحب، اور مولانا صفدر شاہ صاحب سے منطق و فلسفہ، صرف و نحو، فقہ و اصول کی تعلیم مکمل کی۔ پھر عراق کے علماء سے استفادہ کے بعد اجازہ ہائے روایت و اسنادِ کمال سے سرفراز ہو کر وطن آ گئے۔

نواب عالی جاہ کا سفرِ حج و زیارات اس عہد کا مشہور سفر تھا، وہ لکھنؤ سے حشم و خدم، جاہ و جلال، ملازمین و رفقاء اخیار کے ساتھ کابل و ہرات و ایران و عراق ہوتے ہوئے حج سے مشرف ہوئے، راستے

---

[1] مرزا محمد علی مشہور بہ ... تکملۂ نجوم ... لکھا ہے

سید محمد رضی عالی جاہ بہادر موسوی ابن سید محمد علی مشہور بہ دلیر الدولہ نواب میرزا حیدر خان مرحوم لکھنؤ کے رئیسِ اعظم اور عالم جلیل جناب سید تقی صاحب جناب سید علی اور صفدر شاہ صاحب سے متوسطات پڑھ کر عراق گئے اور وہاں کے علماء سے درس لیا، خصوصی طور پر ملا اردکانی (متوفی ۱۲۸۵ھ) اور جناب علی نقی طباطبائی سے معقولات و منقولات کا دورہ مکمل کیا۔ دونوں جلیل القدر عالموں نے اجازے دیئے (دونوں اجازے تکملۂ نجوم السماء میں موجود ہیں) عراق سے تکمیل تحصیل کر کے وطن پلٹے۔

میں بارشِ کرم اور دریائے سخاوت نے ہزاروں کو فیض یاب کیا۔

آپ مقدس، متقی، پرہیزگار، عبادت گذار، خوش اخلاق، غربا پرور، علم و علما کے قدردان، اور درس و تدریس کے شوقین تھے۔ گھر پر درس دیتے تھے اور طلبا کی مالی امداد بھی فرماتے تھے۔ خوفِ خدا غالب تھا، عموماً چشم پُرنم رہتے تھے۔ انکسار و عاجزی کی بنا پر تصنیف و تالیف سے گریز کیا۔ عربی، فارسی، اردو میں اشعار مدحِ اہل بیت و مراثی لکھتے تھے۔ سرفراز[1] علی قادر سے اصلاح لیتے تھے۔

احسن التواریخ (لکھنؤ) میں ایک گروپ فوٹو ہے۔ جس میں ایک تصویر کا تعارف یوں ہے "وحید الدولہ عضد الملک میرزا مہدی حسین خان بہادر میرزا عالی جاہ" تصویر میں لکھنؤ کے علماء کا لباس ذرا نکلتی ہوئی ڈاڑھی، سر پر عمامہ، جسم پر قبا ہے جیسے سلطان العلماء کی تصویر ہو۔ دوسری تصویر عالاجاہ بہادر کی ہے تیسری تصویر نواب صاحب کے فرزند نواب مہدی حسن خان کی ہے۔

نواب صاحب آخر عمر میں زیارت کے لیے وطن سے روانہ ہوئے اور بمبئی پہنچ کر رحلت فرما گئے۔ منیر شکوہ آبادی کے دو[2] قطعے ان کے دیوان میں ایسے ہیں جن سے نواب صاحب کی سیرت و اخلاق و وفات پر روشنی پڑتی ہے،

حضرت نواب عالیجاہ کرو بی منش — آنکہ در راہ خدا با خاطرِ آگاہ رفت
چوں دوبارہ بست احرام طوافِ کربلا — از دیارِ لکھنؤ تا بمبئی دلخواہ رفت
ناگہاں برکند دل زیں ہستی ناپائیدار — جانب فردوس با توفیق حق ہمراہ رفت
گفت تاریخ وفاتش ہاتفِ غیبی منیر — در جناں نواب صاحب جود عالیجاہ رفت
۱۲۸۱ھ

ایضاً

منجھلے صاحب حضرت نواب عالیجاہ تھے — لکھنؤ کے سب امیروں میں بہت صاحب نمود
میرزا حیدر بہادر کے تھے فرزند وسیط — خلق کا ان کے نمونہ ہے شمیم مشک و عود
شاعر و شاعر نواز و فاضل و علامِ عصر — صالح و مختاط و محوِ طاعت رب ودود
لکھنؤ سے پھر زیارت کے ارادے پر چلے — بمبئی سے باغِ جنت میں کیا جا کر ورود
وصف ان کے نظم میں تاریخ رحلت ہے منیر — حاجی و زوار امیر متقی دریائے جود
۱۲۸۱ھ

عباس حسین، قادری:

حدود ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء
۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء

---

[1] خوش معرکۂ زیبا جلد اول صفحہ ۳۴۳

[2] تکملۂ نجوم السماء ج ۲، ص ۱۵۴ میں تاریخ وفات ۲۴ رمضان ۱۲۷۳ھ ہے اور بیٹے کا نام ہے۔ مہدی حسن خان۔

شمس العلماء مولانا حافظ سید عباس حسین صاحب ابن مولانا سید جعفر علی بن افضال علی بن رحم علی رضوی جارچوی حفظ قرآن، تجوید و قرأت معقولات و منقولات میں فاضل تھے۔ متقی اور صاحبِ نفس قدسی بزرگ تھے۔ دہلی کالج میں اپنے والد کی جگہ شعبہ دینیات کے پروفیسر مقرر ہوئے پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ دینیات کی حیثیت سے چلے گئے۔

۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء میں شمس العلماء کا خطاب پایا۔ سرسالار جنگ مرحوم نے حیدرآباد دعوت دی مگر آپ نے علی گڑھ کو چھوڑنا پسند نہ کیا، وہاں کے شیعہ سنی طلباء و اساتذہ آپ پر جان نثار کرتے اور بے حد احترام سے پیش آتے تھے۔ معقولات میں مشہور تھے۔ آپ نے عقدِ بیوگان کی تحریک شروع کی تھی۔

مولانا عباس حسین صاحب نے تقریباً پچاسی برس کی عمر پا کر ۲۸ جولائی ۱۹۲۷ء / صفر ۱۳۴۵ھ کو رحلت فرمائی۔

تصانیف: الفرائد البہیہ (عربی) منطق طبع ۱۳۱۲ھ ● ہدایۃ الصلوٰۃ اُردو مطبوعہ ● ہدایۃ الصلوٰۃ اُردو مطبوعہ ● ہدایہ ناصریہ اُردو مطبوعہ ● نکاح بیوگان (دیگر) اُردو مطبوعہ (بے بہا، ۲۵۸) ● اعلام الشیعہ ● التبیین (منطق) ● ازالۃ الاوہام عن علم باری تعالیٰ ● غایۃ الافکار ● کتاب الحرف ما بین النحو والصرف ● شرح صدرا ● کشکول عباسی ● حسام عباسی۔ (تکملہ نجوم السماء ج ۱، ص ۲۵۷)

عبدالباقی، نہاوندی :

۹۷۸ھ / ۱۵۷۰ء
۱۰۴۶ھ / ۱۶۳۶ء

ملا عبدالباقی بن آقا بابا نہاوند کے مشہور علماء میں تھے (۹۷۸ھ / ۱۵۷۰ء) جولک (نہاوند) میں پیدائش پرورش ہوئی۔ اپنے والد اور بھائی آقا خضر ہی کے سامنے اعزازات تک پہنچے۔ ہمدان کے حاکم رہے۔ ۱۰۱۴ھ میں آقا خضر قتل ہو گئے تو ملا عبدالباقی حج و زیارت کو چلے گئے۔ ۱۰۲۳ھ میں برہان پور آئے اور عبدالرحیم خانخاناں سے متوسل ہوئے اور ۱۰۲۵ھ میں "ماثرِ رحیمی" مکمل کی۔ پھر مہابت خان جہانگیری سے تعلق پیدا ہوا اور بہار کے والی نامزد ہوئے۔

بقول عبدالحی بحوالہ تاریخ محمدی ۱۰۴۲ھ اور بقول صاحب قاموس المشاہیر ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء عبدالحمید لاہوری کے خیال میں ۱۰۴۶ھ / ۱۶۳۷ء میں وفات پائی۔

تصانیف: ● اشعار۔ ● ماثرِ رحیمی مطبوعہ (تاریخ ادبیات فارسی ج ۲ ص ۵۰۸، لاہور۔ نزہۃ ج ۵۔ قاموس المشاہیر)

عبدالرشید :

حدود ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء
۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء

حاجی مولانا شیخ عبدالرشید بن مولانا محمد نصیر الدین صاحب قبلہ گوپال گنج ضلع اعظم گڑھ (ہند) کے رہنے

والے تھے۔ لکھنؤ کے اکابر علماء سے تحصیلِ علم کی اور درجۂ اجتہاد کے قریب پہنچے۔ عابد و زاہد تھے۔ انہتر برس کی عمر پائی۔

عربی و اردو میں متعدد تصانیف یادگار ہیں۔ مناظرہ میں بڑی شہرت تھی۔ حج و زیارت سے بھی مشرف ہوئے تھے۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ میں رحلت فرمائی۔

تصانیف: ● احسان المحسنین (فارسی) ● ازجار المجانین (عربی) ● افصح فصیح ● تل طبل ● رضخ الحجار۔ ● خفض النواصب۔ ● رسالۃ الیومیہ (عربی) ● خیر المتون، منطق (عربی)

تلامذہ: ● مولانا عطا حسین صاحب (فرزند) ● مولانا کاظم حسین صاحب۔ ● مولانا غلام حسنین صاحب (بے بہا، ۲۵۱)

عبدالحسین، (پاراچنار) :

حدود ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء
حدود ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۵ء

مولانا عبدالحسین صاحب قبلہ شلوزان پاراچنار کے باشندے تھے۔ عراق میں تحصیلِ علم کر کے وطن واپس آئے۔ فقہ و علوم دین کی ترویج میں حصہ لیا۔ بڑے باوقار، مقدس، عابد، عالم و واعظ تھے۔ پشتو میں ان کی تقریر بڑی دل کش اور اثر انگیز ہوتی تھی۔

حافظ کفایت حسین صاحب کے بعد چھ ماہ تک کرم ایجنسی کے قاضی رہے۔ ان سے مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ نے چارج لیا تھا، مولانا صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ اس وقت مولانا کی عمر ساٹھ ستر کے درمیان معلوم ہوتی تھی۔ اس لیے اگر ۱۹۳۳ء سے ساٹھ سال نکال لیے جائیں تو سنہ ولادت ۱۸۷۳ء قرار پاتا ہے۔

مولانا عبدالحسین نے ۱۹۴۵ء کے بعد وفات پائی۔ (بروایت مولانا یوسف حسین صاحب)

عبدالحسین، سید :

۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء
۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء

مولانا عبدالحسین صاحب قبلہ مدرسۃ سلطان المدارس کی علمی شان اور علماء کے وقار و ریاست علم کی نمائندہ شخصیت تھے۔ بھاری بھرکم، عظمت و جلالت کا آئینہ، تقدس و طہارت، علم و فضل، اخلاق و مروت، وضع داری میں منفرد تھے۔

فلسفی و منطقی، شگفتہ مزاج، ادیب و شاعر تھے، ہیبتِ علم کا یہ عالم ہم سب

نے دیکھا کہ چھوٹے بڑے دوست اور شاگرد بات کرتے ڈرتے اور تقریر کرتے ہوئے تھراتے تھے۔
علاقائی ہے کے انتظامی معاملات کے مشیر تھے۔

مولانا عبدالحسین صاحب قبلہ یکم شوال ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸ ماہ اپریل ۱۸۹۳ء کو اپنے وطن حسین آباد ضلع مونگھیر بہار میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام شاہ منت حسین ہے۔ ابتدائی تعلیم پٹنے میں ہوئی۔ ۱۹۰۸ء میں لکھنؤ آئے اور مدرسۂ ناظمیہ میں نام لکھوا لیا، ۸ر مارچ سے ۱۶ر نومبر تک ناظمیہ میں پڑھنے کے بعد ۱۷ر نومبر کو سلطان المدارس میں داخلہ لے لیا اور پورا تعلیمی زمانہ جامعۂ مذکور میں گزارا۔ اسی اثنا میں اپنے ماموں کے ساتھ مدرسۂ عالیہ رامپور سے مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی کا امتحان دینے گئے۔ مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مولوی فاضل بہت سخت امتحان ہوتا تھا۔ اسی دور میں فیض آباد جا کر مولانا محمد رضا صاحب قبلہ سے وثیقہ اسکول میں معقولات (شمس بازغہ، وغیرہ) کا درس لیا مولوی فاضل پاس کر کے جامعہ میں آئے اور صدر الافاضل پاس کیا۔

۱۵ر فروری ۱۹۱۹ء میں مدرس جماعت ششم اور یکم مارچ ۱۹۳۰ء میں جماعت ہفتم کے مدرس ہوئے۔ اس زمانے میں طلبا آپ سے نجی طور پر مختلف کتابیں پڑھتے تھے۔ ۲ر مارچ ۱۹۲۸ء میں مولانا محمد رضا صاحب قبلہ کی جگہ مدرسے کے اعلےٰ نصاب معقولات کے لیے مولانا کا انتخاب ہوا اور آپ سند الافاضل کے استادِ معقولات مقرر ہوئے۔ کم و بیش ۲۵ برس تک شرحِ مطالع الانوار، حمد اللہ، صدرا، شرحِ تجرید، افقِ المبین سند الافاضل کے طلبا اور دوسرے طلبا کو شفا، اشارات، شرحِ اشارات اور دوسرے کتب معقولات کا درس دیتے رہے۔

مدرسے سے ریٹائرڈ ہو کر وطن چلے گئے تھے اور حسین آباد ہی میں دوشنبہ ۲ر اکتوبر ۱۹۶۱ء ۲۱ر ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ کو انتقال فرمایا:

مولوی صاحب قبلہ کی رحلت سے فلسفہ و منطق کی آخری سندی شخصیت اٹھ گئی۔

تمام دنیا میں آپ کے تلامذہ نے بڑے گہرے تاثرات کا اظہار کیا، چونکہ مولوی صاحب مرحوم کی اولاد نہ تھی، اس لیے تمام شاگردوں کو اپنا فرزند جانتے تھے اور ہم سب ان کو بجائے پدر سمجھتے تھے۔ "الواعظ لکھنؤ" نے اکتوبر ۱۹۶۱ء کو مخصوص شمارہ شائع کیا جس میں مولوی صاحب قبلہ کی تصویر اور سوانح اور مجموعہ سمیت متعدد اہل قلم کے مضامین چھاپے تھے

ملا عبدالحسین صاحب کو میں نے پندرہ بیس سال دیکھا۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، لباس، درس ہر چیز میں نفاست اور نوابی تھی۔ وہ کمرے سے درجے تک آتے تو راستہ معطر ہو جاتا تھا بغل میں صراح و اشارات عموماً ہوتی۔ خالی وقت میں ان دو کتابوں کو دیکھتے تھے۔ میں نے ایک بار عرض کی۔

حضور، صراح بھی کوئی اہم لغت ہے؟ اور اشارات بھی ہمیشہ پڑھنے کی کتاب ہے؟ مسکرا کر جواب دیا صراح کے مطالعہ سے صحاح کا اعادہ ہوتا ہے۔ اس کے مطالب یاد آتے ہیں اور اشارات کو تم کیا سمجھو، بڑی عجیب کتاب لکھی ہے شیخ نے

مولوی صاحب بہت مطالعہ اور فکر فرماتے تھے، ان کے مذہبی مقالات "سہیل یمن" اور دوسرے معیاری رسالوں کی زینت ہوتے تھے۔ اردو کم، پھر فارسی اور سب سے زیادہ عربی میں شعر کہتے تھے۔ ان کے قصائد قدیم عرب اسلوب کے بہترین قصائد ہوتے تھے۔ وہ طلبا کی ہمت افزائی بھی فرماتے اور ان سے عربی میں شعر لکھواتے تھے، مگر نازک مزاج اور اعلےٰ ذوق رکھنے کی وجہ سے غلطی یا بے لطف بات پر منغص بھی ہو جاتے تھے میرے پاس ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قصیدہ کا انتخاب ہے جو ان صفحات میں محفوظ کر رہا ہوں۔

اجوب تقفار الیس فیھن صاحبی … سوی حَنَّ بن بیوذی وغیر النوائب
اذا ھمت فرداً فی المواطن کلھا … فطر فی حکت فی البید نسیح العناکب
اطوف ببرد الھیل حیران عاریا … وفی الحراسعی حافیا لیما ربی
وما ذاک السعی لاجل زخارف … وتحصیل اموال ونیل الرغائب
ولیس انتحالی لاکتساب معیشۃ … ولکن سعی للعلی فی السباسب
وما المجد الا درک کل فضیلۃ … ولیس العلی الا ولاء آل غالب
ولاسیما المولی الذی صار فی الوری … بافضال ربی مظھراً للعجائب
وفی مدحہ قال الرسول محمدؐ … لاحادیث فضل مظھر المناقب
کریم السجایا ذو المفاخر والعلی … اخو المصطفیٰؐ صنو العقیل وطالب
اذا م سطا فی مارق الحرب اصبحت … اسود الشری خوفاً کمثل الثعالب
وجبریل نادی فی ثناہ بلافتی … اذا صال مولی الناس وسط الکتائب
اتی "ھل اتی" فی جودہ وسخائہ … وھذا "کفیٰ" فی مدحہ والمناقب

عبدالحسین، شیخ :

حدود ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء
۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

مولانا شیخ عبدالحسین صاحب بمبئی کے مشہور عالم اور مغل مسجد کے مقدس پیش نماز تھے، ستر سال تک مختلف دینی اور تبلیغی خدمات انجام دیئے۔ آخر باسٹھ سال کی عمر میں شب یازدہم ربیع الاول ۱۳۲۴ھ

کو رحلت کی۔ (اصلاح کھجوہ، نمبر ۴ جلد ۹)

عبدالحسین، مرزا :

حدود۔ ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء
حدود۔ ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۵ء

مولانا مرزا محمد عسکری صاحب لکھنؤ کے پرانے رئیس و صاحب علم بزرگ تھے۔ ان کا امام باڑہ اور اس میں ایک نفیس کتب خانہ میں نے دیکھا ہے۔ ان مولانا محمد عسکری صاحب کے فرزند جناب مولانا مرزا عبدالحسین صاحب لکھنوی کی ولادت ۱۳۰۰ھ کو کربلا میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی، پھر لکھنؤ آئے اور تکمیل و تدریس علوم کے مراحل سے گذر کر تبلیغ کی زندگی شروع کی۔ مولانا عبدالحسین صاحب قبلہ رجال میں مہارت رکھتے تھے اور صحیح بخاری کے رواۃ پر بڑی تحقیق کی تھی۔ آخری عمر میں اس ضخیم کتاب کا ابتدائی خلاصہ "رجال بخاری" کے نام سے چھپا۔

حدیث و اصول، کلام و فقہ پر دسترس تھی اور متعدد کتابیں لکھیں۔ خطیب و واعظ، مصنف و محقق مقدس و ورع تھے۔ ایک زمانے میں خیرپور میرس سندھ میں امام جمعہ و جماعت و مفتی ریاست بھی رہے تھے۔

تصانیف : • رجال بخاری مکمل، اردو (میرے پاس دو جلدیں ہیں لیکن چوتھی جلد بھی نظر سے گذر چکی ہے) • حقیقۃ السرائر فی کبائر الکبائر، عربی، مطبوعہ کتاب ہے۔ گناہان کبیرہ پر احادیث کی روشنی میں بحث اور ذکر پر مفصل گفتگو ہے۔ لکھنؤ کا مطبوعہ نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ • التخلف عن الثقلین، عربی،

مصفی المقال - اعلام الشیعہ

عبدالحفیظ، مدراسی، حیدرآبادی :

۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء
حدود ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء

مولانا عبدالحفیظ صاحب، ایرانی النسل تھے، مدراس میں پیدا ہوئے، حیدرآباد اور عراق میں تعلیم حاصل کی اور درجۂ اجتہاد تک پہنچے، سر سالار جنگ آپ کے شاگرد تھے۔ بہت نیک اور پاک نفس بزرگ تھے۔ ۱۳۴۵ھ میں آپ کی عمر ستر برس کے قریب بتائی جاتی تھی۔ (بے بہا ص ۲۶۴)

عبدالرحیم بلبلہ، مرزا، ثقۃ الاسلام :

۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء
۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء

جناب ثقۃ الاسلام مولانا عبدالرحیم، کاکیشیا کے شہر باکو میں ۲۲ اگست ۱۸۷۷ء کو بمقام بلبلہ پیدا ہوئے۔ بچپنے سے طبیعت کا میلان دین کی طرف تھا۔ والدین کی خواہش بھی ساتھ تھی۔ لہذا ابتدائی مدارج طے کر کے دولت و ثروت کو ٹھکرا دیا اور طہران آکر حدیث و

فقہ و کلام و ریاضی و حکمت و فلسفہ پڑھا۔ سطحیات سے فارغ ہو کر نجف اشرف و کربلا و سامرہ کے اساتذہ سے درس اعلیٰ اور درس خارج لیا۔

آیۃ اللہ سید محمد کاظم طباطبائی اور آیۃ اللہ ملا محمد کاظم خراسانی جیسے پندرہ مجتہدین کرام سے اجازے لیے، پندرہ سال تک عراق میں رہ کر ایران آگئے۔ ایران میں سیاسی خلفشار تھا۔ ثقۃ الاسلام نے پارلیمانی طرز حکومت کی حمایت کی، انگریزوں کے خلاف مقاطعہ کی تحریک میں حصہ لیا اور علماء عراق کے لیے اسلامی ممالک کے بنے ہوئے کپڑے بنوا کر بھجوائے اور انگریزی کپڑے ترک کرنے کی درخواست کی۔ حکومت ترکیہ نے ان کی کوشش کو سراہتے ہوئے انھیں "ثقۃ الاسلام ذوالریاستین، شمس التقی" کے خطاب و القاب اور طلائی تمغے دیئے۔ روسی حکومت ان کی سخت مخالف ہو گئی۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ سے پہلے اپنے والد ماجد کے ہمراہ باکو واپس جانا چاہتے تھے مگر روس نے کاکیشیا کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور والد نے رحلت کی۔ آذربائیجان میں آپ کی املاک ضبط کر لی گئی اور انھیں روسیوں نے آپ کے بھائی کو قتل کر دیا۔ لہٰذا جناب ثقۃ الاسلام بمبئی تشریف لے آئے۔

مولانا نے عراق، شام، ترکستان وغیرہ کا سفر کیا تھا اس لیے ان کی فکری سطح بہت بلند تھی۔ اسلامی معاملات و مسائل پر عبور تھا۔ عالی حوصلہ، بلند نظر، سخی اور فعال عالم ہونے کے ساتھ ساتھ متورع الضمیر، پرہیزگار، عابد و مجتہد تھے۔ قومی ترقی کے لیے بہت اچھے اچھے کام کیے۔ یتیموں کے لیے مدارس و تربیت کا انتظام اپنی جیب سے کرتے تھے۔ ایک اسکول لڑکوں کے لیے ایک اسکول لڑکیوں کے لیے قائم کیا اور تا آخر ان اداروں کو بائیس سال تک اپنی جیب خاص سے چلاتے رہے۔ ۵ مارچ ۱۹۳۵ء میں شیعہ کانفرنس کے اجلاس میں جو خدمت کی پوری قوم نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ تجارت بھی کرتے تھے اور دینی فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ اسلامی تبلیغات اور فکری تحریکات میں ان کا حصہ اہل بمبئی کے لیے ناقابل فراموش ہے۔

جنوری ۱۹۳۷ء میں حرکت قلب بند ہو جانے سے اچانک رحلت فرمائی۔ پورے شہر کے شیعہ سنی سوگوار ہوئے۔ نواب صاحب رام پور اور بہت سے اکابر نے جنازے میں حاضری دی۔ (انجمن، جوبلی)

مرزا عبدالرحیم بلبلہ ان علما میں تھے جو انگریزوں اور روسیوں کے خلاف ایران و ممالک اسلامیہ کی آزادی کے علم بردار تھے۔ ان کے معاصر اکابر علما استعماری طاقتوں سے ٹکرا کر قید حیات سے آزاد ہوئے، گولیوں کا نشانہ بنے اور قتل و جلاوطن کیے گئے۔ عبدالرحیم بلبلہ بھی جلاوطنی و ہجرت کی آزمائش میں مبتلا رہے مگر ان کی مسلمان دوستی اور خدمت ملت کا جذبہ سرد نہ ہوا، مشکل یہ تھی کہ قوم انگریزوں کے سخت شکنجے میں قوت عمل سے محروم ہو چکی تھی۔

عبدالرضا، متین، اصفہانی :

۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء
۱۱۷۵ھ / ۱۷۶۱ء

عبدالرضا نجفی اصفہانی کی ولادت ۱۱۳۰ھ اصفہان میں ہوئی۔ معاصر اساتذہ وعلما سے تحصیلِ علوم کی۔ عالم وفاضل، فلسفی وفقیہ تھے۔

برہان الملک اور ابوالمنصور صفدر جنگ وشجاع الدولہ کے ساتھ رہے۔ "جہانسی" کے راجہ بینی بہادر سے جنگ کرکے شکست دی۔ عبدالرضا قاسم علی خان نواب بنگالہ کے یہاں بھی رہے اور وہیں رحلت کی۔ سنہ وفات ۱۱۷۵ھ ہے۔ (نزہتہ ج ۶ ص ۱۵۰)

عبدالعلی شیخ، الجابلقی :

.. ..
حدود ۱۰۵۰ھ / ۱۶۳۸ء

عربی الاصل، عالم وفقیہ شیخ عبدعلی بن محمود الخادم الجابلقی مشہور فلسفی عالم میر باقر داماد ان کے استاد اور شمس الدین محمد بن علی مشہور بہ ابن خاتون کے ماموں؛

نظام شاہ دکن کے حکم سے شہید اوّل کی فقہی تالیف الالفیہ کی شرح النظامیہ تالیف فرمائی تھی (امل الآمل ج ۱ ص ۱۵۵)

عبدالعلی، جونپوری :

.. ..
۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء

جناب سید عبدالعلی بن علی عظیم جون پور کے باشندے اور مفتی مبارک بن ابی البقاء حسینی حنفی کی اولاد سے تھے۔ سید محمود عسکری سے درس لیا۔ منطق وحکمت وادب میں ماہر تھے۔ عربی وفارسی میں شعروں کا مجموعہ چھوڑا اور ایک کتاب مناقب میں شیخ علی حزیں سے وابستگی تھی۔ ان کے مرثیے میں اس کا اظہار ہے۔ مولوی ذوالفقار علی تحوی (م ۱۲۱۱ھ) ان کے شاگرد تھے۔ اور مفتی محلہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ (تکملہ نجوم السماء ج ۲، ص ۲۳)

عبدالعلی، دیوکھٹوی :

۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۹ء
۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء

مولانا سید عبدالعلی صاحب قبلہ دیوکھٹ ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۱۸۳ھ میں فیض آباد آئے جہاں ملا محمد علی بادشاہ کشمیری سے تکمیل کی۔ جناب آقا محمد باقر اصفہانی حائری کے اجازے کی بنا پر ۱۲۰۰ھ میں امامت جماعت فیض آباد سپرد ہوئی۔ جناب نواب آصف الدولہ اعلی اللہ مقامہ نے ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر عنایت کی جو اب تک ان کی اولاد کے پاس تھی۔ موصوف نے ۱۲۲۲ھ میں اپنے وطن میں ایک قابل دید مسجد تعمیر کرائی تھی۔

بڑے عابد وزاہد، عالم وعامل تھے۔ جناب غفران مآب سے تلمذ تھا۔

محرم کا چاند دیکھ کر رونے اور ذکر سیدالشہداء سننے سنانے کے علاوہ کوئی مشغلہ نہ ہوتا، کھانا پینا اور حجرے سے باہر آنا کم ہو جاتا تھا۔ آپ کے فرزند سید کلب علی صاحب علم اور جناب غفران مآب کے شاگرد اور صاحبِ کمال تھے۔ لیکن بہت جلد وفات پاگئے۔ مولانا عبدالعلی کی تاریخ وفات ۱۲۴۳ھ ہے۔

(بے بہا: ۲۱۲۔ نزہتہ ج ۷ ص ۲۸۷)

عبدالعلی شیخ، ہروی :

حدود ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء
۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲ء

لاہور میں علمی نشاط اور اسلامی فلسفہ کا احیاء اور قرآنی تعلیمات کا چرچا جناب علامہ شیخ عبدالعلی ہروی کا مرہونِ منت ہے۔ ان کا ذہن حکیمانہ ان کی فکر عمیق ان کا بیان استدلالی اور اطمینان آفریں تھا۔

علامہ کا خاندان ووطن : علامہ شیخ عبدالعلی بن ملا محمد بن حاجی شیخ اخوند علمی گھرانے اور پرہیزگار خاندان کے فرزند تھے۔ ان کا آبائی وطن ہرات تھا۔ ان کے والد ملا محمد مرحوم مشہد مقدس میں بھی زمین اور مختصر املاک رکھتے تھے۔ ملا صاحب باطمینان زندگی بسر کر رہے تھے کہ ان کے صاحبزادے رحلت کر گئے۔ ملا محمد صاحب کو محبوب بیٹے کی موت سے بے حد صدمہ ہوا۔ بڑھاپے میں ہونہار جوان کی موت سے وہ چپ ہو گئے لیکن حج کے موقعہ پر انھوں نے میزاب کے نیچے فرزند صالح کی دعا کی۔ کچھ عرصے کے بعد ملا صاحب نے عقد کیا اور عبدالعلی صاحب کی ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت : عبدالعلی، محبت والدین کی خوشگوار فضا میں پلے اور قرآن مجید کے ساتھ ابتدائی تعلیم سے جلد فراغت حاصل کرکے والد علام سے سبق لینا شروع کیا، اثناء درس میں بحث چھیڑتے تو مطمئن ہوئے بغیر خاموش نہ ہوتے تھے یعنی کمسنی ہی سے ذہانت، شوق، اور اطمینان کی جستجو تھی۔ دس برس کی عمر میں دعا ابوحمزہ ثمالی حفظ ہو گئی تھی۔ اس مرحلے کے بعد مدرسہ فیض میں چلے گئے، یہاں ان کے حافظے کے جوہر کھلے وہ اساتذہ کی تقریر دہرا کر ہم درس دوستوں کو حیران کر دیتے تھے۔ دیکھتے دیکھتے استنباط کا ملکہ ابھرا اور چودہ برس کی عمر میں مسائل میں اجتہاد کی کوشش کرنے لگے، اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ

والدین کے ساتھ ماہ صیام میں روزے رکھ رہے تھے، گرمی کی شدت کی بناء پر والدین نے روکنا چاہا تو آپ نے حدیث کے حوالے سے روزے کا حکم دکھا دیا۔

متوسطات ختم کرکے ملا محمد کاظم خراسانی کے ساتھ درس میں شریک ہوئے اور اساتذہ کو اپنے سلیم الطبع کامل الفہم اور بہترین قابلیت رکھنے کا معترف کر لیا۔

ریاضتِ باطن: درسِ علوم کے ساتھ اخلاق و تزکیۂ نفس کی تعلیم قدوۃ الزاہدین، رئیس العارفین ملا محمد اکبر تبریزی سے حاصل کی۔ آیات و شرور و اوراد کے مراحل طے کیے۔ اس زمانے میں اپنے ہاتھوں سے پکاتا اور خاص شرائط کا لحاظ رکھنا پڑتا تھا۔

کثرتِ مطالعہ: اس ریاضت کے باوجود تحصیلِ علم اور مطالعہ کتب میں کمی نہیں آئی خود ان کے ذاتی کتب خانے میں آٹھ ہزار کتابیں تھیں۔ ایران کے تمام کتب خانوں کو دیکھا اور وہاں کے نوادر کتب کا مطالعہ کیا ان کتب خانوں میں اصفہان میں علامہ مجلسی کا کتب خانہ اور طہران کا شاہی کتب خانہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

آخر عمر میں بھی شوقِ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ اکثر و بیشتر قرآنِ حکیم پر غور و فکر فرمایا کرتے تھے اور جب بھی کوئی کتاب سامنے آجاتی۔ اسے ختم کیے بغیر نہیں رہتے تھے۔

زبانیں: قرآن و تفسیر، حدیث و فقہ، کلام و فلسفہ وغیرہ علوم کے علاوہ عربی، فارسی پر کامل دسترس تھی۔ ترکی، فرانسیسی اور روسی زبانوں میں بھی اچھی خاصی دسترس رکھتے تھے۔ سندھی، پنجابی، پشتو سمجھتے تھے۔ انگریزی بھی بقدرِ ضرورت پڑھ لیتے تھے۔ اردو میں اتنی قدرت حاصل کرلی تھی کہ ۱۳۴۰ھ کی مجلس (آگرہ) میں دیر تک تقریر کی تھی۔

تیس برس کی عمر میں قابلیت و ذہانت کا اتنا چرچا ہوا کہ ناصر الدین شاہ قاچار نے نائب وزیر خارجہ کا عہدہ پیش کیا جسے علامہ ہروی نے قبول فرمالیا۔ تمباکو سے متعلق سرکارِ میرزا کا فتویٰ اسی دور میں شائع ہوا، اور بابیوں کا فتنہ بھی اسی دور میں اٹھا۔ عبدالعلی ہرویؒ کے فتویٰ پر بھی آٹھ ہزار بابی قتل ہوئے۔ جس کے بعد امین السلطان وزیرِ اعظم مرزا محمد تقی جو خفیہ طور پر بابی تھا آپ کا مخالف ہوگیا۔

ناصر الدین نے علامہ ہروی کے علوم سے استفادہ کو عام کرنے کے لیے ایک ادارۃ المعارف قائم کیا جس کے سربراہ علامہ ہی قرار پائے۔

علامہ ہروی نے مدارس اور طرزِ تعلیم کی اصلاح پر خاص طور سے توجہ دی اور ایسا طریقۂ تعلیم رائج کیا کہ چند سال میں طالب علم پانچ زبانوں عربی، فارسی، فرانسیسی، ترکی اور انگریزی سے کما حقہٗ آشنا ہوجاتا تھا اور تحریر و تقریر کے قابل ہوجاتا تھا۔

اسی زمانہ میں ایران میں ایک ایسا متنِ قرآنِ حکیم شائع ہوا جس کے حاشیہ پر تفسیر سے متعلق تمام احادیث جمع کردی گئی تھیں۔ یہ طریق کار شاہ کو بہت پسند آیا اور اس نے امین العلماء کے مشورے سے علامہ ہرویؒ کی خدمت میں اس کام کو مکمل کرنے کی تجویز پیش کی۔ علامہ ہروی نے فرمایا کہ میں یہ کام اس شرط پر انجام دوں گا کہ ایک خاص دفتر اور محکمہ قائم کیا جائے جس میں دو متکلم، دو فلسفی، دو فقیہ، دو مفسر اور دو محدث، کل بارہ جید علما ہوں اور ان

سب کے مصارف شاہ برداشت کریں۔ چنانچہ کام شروع ہوا اور چھ ماہ میں صرف استعاذہ کی تفسیر بکمال و قت تیار ہوئی۔ ڈیڑھ سال تک یہ کام اِھدنا الصراط المستقیم تک پہنچا۔ شاہ نے چار سو نسخے طبع کرکے علما کی خدمت میں بغرضِ تبصرہ بھیجے۔ سب نے بے انتہا پسندیدگی کا اظہار کیا۔ شاہ نے علامہ ہرویؒ کو انعام دیا اور کام جاری رکھنے کو کہا۔ وزرا نے مخالفت کی کہ اس طرح تو یہ تفسیر تمام عمر بھی ختم نہیں ہوگی، شاہ نے کہا کہ اس طرح اگر صرف ایک پارہ کی تفسیر مکمل ہوجائے تو تمام تفاسیر سے بے نیاز کردے گی، اتفاق سے اسی سال ناصر الدین شاہ مرزا محمد بابی کے ہاتھوں قتل ہوگئے۔

مظفر الدین شاہ نے یورپ سے واپسی پر روس سے آٹھ لاکھ منات قرضہ کا معاہدہ کیا جس کی علماء ایران نے سخت مخالفت کی۔ اسی سلسلہ میں علامہ ہرویؒ کو ایران چھوڑنا پڑا۔ علامہ نے ایران سے نکل کر ماسکو، برلن، پیرس، اسکندریہ، مصر، ترکی اور عراق وغیرہ کے دورے کیے۔ اس سفر میں انھوں نے مختلف نئے رجحانات کے مشاہدے کیے۔

یورپ میں انجمن تحقیقِ مذاہب میں بھی توحید، معادِ جسمانی اور حقوقِ انسانیت وغیرہ عنوانات پر تقاریر کیں جن سے لوگ کافی متاثر ہوئے اور آپ کو ممبر بننے کی دعوت دی اور ہزار اشرفی ماہوار کی پیشکش کی تو علامہ ہرویؒ نے مزاحاً ارشاد فرمایا کہ میں تو اس کے باوجود آپ کے مذہب کو باطل ہی ثابت کروں گا کیونکہ وہ فی نفسہٖ باطل ہے۔

ان ممالک کے دوروں کے بعد ۱۳۲۰ھ میں کراچی تشریف لائے، وہاں سے شکارپور وغیرہ ہوتے ہوئے پنجاب پہنچے اور پہلی مجلس مالیر کوٹلے میں پڑھی پھر پٹیالہ میں قیام کیا۔ خلیفہ محمد کاظم صاحب اور مولانا سید عنایت علی ساماتی نے ان کی پذیرائی کی۔ علامہ صاحب زیادہ تر پٹیالہ اور لاہور میں مقیم رہے۔ ۱۹۰۶ء سے پنجاب میں وعظ کا سلسلہ شروع کیا لیکن مترجم سے مطمئن نہ تھے۔ ۱۹۰۸ء کے بعد سید محمد سبطین سرسویؒ جیسے فاضل طالب علم اور شعلہ بیان خطیب نے ترجمانی شروع کی۔ اسی دوران علامہ نے ایک ماہوار رسالہ البرھان جاری کیا جو ان کی وفات تک ان کی سرپرستی میں جاری رہا۔ ۹ دسمبر ۱۹۲۲ء/۱۳۴۱ھ چھیاسٹھ سال کی عمر پاکر علامہ ہرویؒ کے انتقال پر سندھ، پنجاب، بلوچستان اور سرحد کے مومنین نے زبردست رنج و الم کا اظہار کیا۔ دور دور سے تعزیت ادا کی گئی اور گوشے گوشے میں مجالس و قرآن خوانی کی گئی۔ علامہ ہروی کا جنازہ لاہور ہی میں امانت رکھا گیا ۷ جون ۱۹۳۶ء کو لاہور سے عراق لے گئے اور ۲۲ جون ۱۹۳۶ء کو نجفِ اشرف میں سپردِ خاک کیا گیا۔

تصانیف: • تفسیرِ قرآن۔ استعاذہ سے اھدنا الصراط المستقیم تک جس کا ذکر گذر چکا ہے۔ (مطبوعہ)
- رسالہ مسئلہ قضا و قدر (مطبوعہ) • رسالہ اعمال (مطبوعہ) • ثبوت معاد جسمانی بدلائل فلسفہ طبیعیہ (مطبوعہ)
- تفسیر انا کل شیئٍ خلقناہ بقدر (مطبوعہ رسالہ البرھان مضمون) • مسئلہ امامت بہ ثبوت اللہ و دیگر

- سورہ کہف کی ان آیات کی تفسیر جن میں حضرت موسیٰؑ و خضرؑ کا قصہ ہے (قلمی)
- ہدایت، معادی اور اقسام ہدایت پر مضمون (قلمی) • مواعظ حسنہ (تقریریں طبع شد)
- رسالۂ نور (عربی) مولانا محمد سبطین صاحب نے مرتب کر کے شائع کیا۔

علامہ ہرویؒ کی اولاد میں دو صاحبزادوں کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں سے بڑے صاحبزادے جن کا نام معلوم نہیں ہے۔ علامہ ہرویؒ کی وفات کے وقت طہران میں تھے اور چھوٹے صاحبزادے شیخ نصر اللہ اس وقت مشہد مقدس میں مقیم تھے۔

ہندوستان کی معروف شخصیتوں کی نظر میں علامہ ہرویؒ کا جو مقام تھا اس کا اندازہ کرنے کے لیے یہاں بعض حضرات کی آرا نقل ہیں :-

۱۔ آنریبل خواجہ غلام الثقلین مرحوم نے "رسالۂ عصر جدید" میں مولانا حالی کی رائے شائع کی تھی۔
"میں نے سریندر ناتھ بنرجی، نواب محسن الملک اور سرسید کی پر زور اسپیچیں اور لیکچر سنے، لارڈ کرزن کی دھواں دار تقریریں سنیں لیکن یہ سب لوگ شیخ عبدالعلی صاحب کے مقابلے میں کوئی چیز معلوم نہیں ہوتے تھے۔ یہ علم، یہ مغز، یہ عمق کسی میں نہیں پایا گیا" ایک اور موقع پر حالی نے فرمایا:
اس علم و معرفت کا انسان دو سو برس کے عرصے میں ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا۔

۲۔ مسیح الملک حکیم محمد اجمل مرحوم نے پہلا وعظ سن کر فرمایا تھا:
"مَا سَمِعْتُ قَطُّ مِثْلَهُ"
ان کی رائے تھی کہ "میں نے عراق بھی دیکھا ہے اور شام بھی، مصر بھی اور یورپ بھی۔ ہندوستان میں بھی اکثر علما کو دیکھا اور سنا ہے۔ خصوصاً ان چند سال کے عرصہ میں میں نے اس پایہ کا عالم نہیں دیکھا۔

مولانا سید عنایت علی صاحب سیالکوٹی فرماتے تھے:
تیس تیس سال کے بعض شبہات میں نے شیخ ہی سے حل کیے ہیں۔

علامہ ہرویؒ نے افاضل اہل سنت کو بھی بے انتہا متاثر کیا اور کافی تعداد میں لوگوں کو شیعہ بھی کیا۔ بعض افاضل تو دس دس سال تک تحقیق و مناظرہ کے بعد شیعہ ہوئے جن میں سے مولوی حکیم امیر الدین صاحب جھنگ اور مولوی علی محمد صاحب جھنگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

۳۔ علامہ اقبال کے فلسفۂ قرآن و محبت آل محمدؐ کے رچاؤ کا یہی زمانہ ہے کہ وہ علامہ ہرویؒ کے وعظ میں حاضر ہوئے اور ان سے مذاکرات کرتے تھے۔ (مکتوبات اقبال بنام شاد)

(البرہان، خاص شمارہ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ، مقالہ مولانا محمد سبطین)

عبدالغنی، کشمیری : حدود ۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۱ء

ملا عبدالغنی بن ابوطالب کشمیری علوم دینیہ کے فاضل و عالم اور ملا محمد صالح مازندرانی (شاگرد ملا محمد تقی مجلسی اول) کے شاگرد تھے۔ عبدالغنی صاحب قبلہ نے علی رضا بن افراسیاب خان صوبہ دار کشمیر کی فرمائش سے شرائع الاسلام کا فارسی ترجمہ کیا جس کا نام ہے جامع رضوی (تالیف ۱۱۶۱ھ) جو متعدد مرتبہ لکھنؤ سے چھپ چکا ہے۔ (نجوم السماء ص ۲۲۵ - نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۵۵)

عبدالقوی، لکھنوی : ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء

مولانا عبدالقوی صاحب لکھنؤ کے رہنے والے اور ملا حسن صاحب شرح سلم العلوم کے شاگرد تھے جناب مفتی محمد عباس صاحب ان کے شاگرد تھے اور انہی کی تشویق سے فن طب حاصل کیا۔ مفتی صاحب کی روایت ہے کہ بہت بارعب آدمی تھے۔ ایک مرتبہ مولانا بیمار ہوئے، لوگ آپ کی زندگی سے مایوس تھے، اچانک مولانا اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنی صحت کا یقین دلایا۔ لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا،

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور جناب حسنینؑ حضور کے سامنے تھے اور ایک گوشے میں حضرت فاطمۃ الزہراؑ چادر سفید میں تشریف فرما ہیں اور حضرت علیؑ فرما رہے ہیں :

"شیخ اجب رسول اللہؐ" !

میں حضرت کی طرف متوجہ ہوا تو حضرت علیؑ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم اپنی بیماری کا خوف کیوں کرتے ہو، ہم تمہارے ضامن آخرت ہیں یا یہ فرمایا کہ ہم ضامن جنت ہیں، تم نے ہماری ذریت و اولاد کی خدمت کی ہے۔ یہ سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی اور مرض کا نام و نشان نہ تھا۔

مفتی صاحب قبلہ نے یہ بات اپنی نوٹ بک میں لکھ لی (مفتی محمد عباس بہت کم سنی سے تالیف و تصنیف نظم و نثر سے دلچسپی رکھتے تھے) اور یہ بھی لکھ لیا کہ اگر یہ خواب سچا ہے تو آخوند صاحب ضرور شیعہ ہوں گے۔ لیکن فرق عمر و مرتبت کی بنا پر گفتگو نہ کر سکے۔ آخر ایک روز مولانا سے پوچھا "آخوند صاحب اولاد سے کیا مراد ہے؟" مولانا نے فرمایا تمہیں بچے مراد ہو۔ مفتی صاحب نے فرمایا۔ آخوند صاحب ہم تو امام سے اشارہ نسبی فاصلے رکھتے ہیں۔ ان کا کیا مرتبہ ہوگا جو صلبی اولاد تھے۔ جواب میں ان کا ذکر کیا! مفتی صاحب خاموش ہو گئے اور اس سے متاثر ہو کر فارسی میں ایک رسالہ "دلیل قوی" لکھا اور مولانا کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا نے کچھ دن بعد مفتی صاحب

کو بلا کر کہا، میں شیعہ ہوں، مگر اس کا اظہار نہ کرنا۔ مفتی صاحب یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اپنی یادداشت کے نیچے لکھ دیا کہ میرا خیال صحیح ہوا۔

بیس پچیس برس بعد ۱۲۶۰ھ میں شب دفن امیر المومنین علیہ السلام تجہیز و تکفین ہوئی۔ عام نماز کے بعد مفتی صاحب قبلہ نے اپنے مسلک کے مطابق نمازِ جنازہ ادا کی (بے بہا ص ۲۱۶)

عبدالکریم، مدراسی :

حدود ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء
حدود ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء

حجۃ الاسلام مولانا شیخ عبدالکریم ایرانی النسل تھے۔ آپ کے والد عراق سے مدراس آگئے تھے۔ مولانا عبدالکریم مدراس میں پیدا ہوئے، کچھ عرصے بعد عراق چلے گئے جہاں پچیس تیس برس تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۲۰ھ کے بعد عراق سے وطن واپس آئے اور حیدرآباد دکن و مدراس میں دینی خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۳۳۵ھ بہتر تہتر سال کی عمر تھی۔

فقہ میں درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ ادب عربی میں مہارت کاملہ رکھتے تھے۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اخلاق و خدمت خلق میں بے مثال تھے۔

ان کے چھوٹے بھائی مولوی شیخ عبدالحفیظ صاحب نواب سالار جنگ بہادر کے اتالیق اور اپنے بڑے بھائی سے دو تین سال چھوٹے تھے (بے بہا ص ۲۶۲)

میرا اندازہ ہے کہ ۱۳۴۰، ۱۳۴۵ھ کے حدود میں فوت ہوئے۔

عبداللطیف، شوستری :

۱۱۷۲ھ / ۱۷۵۸ء
۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۶ء

مولانا عبداللطیف بن ابوطالب بن نورالدین بن نعمت اللہ جزائری نواب میر عالم حیدرآبادی کے چچازاد بھائی تھے۔ ولادت و تعلیم و تربیت شوستر میں ہوئی۔ ان کے اساتذہ میں سید اسماعیل بن مرتضیٰ اور عبدالکریم بن جواد اور سید محمد بن علی خالص نام ہیں :۔

تعلیم سے فارغ ہو کر عراق گئے اور وہاں کے اکابر علما مثلاً آیۃ اللہ مہدی بن ابوالقاسم شہرستانی و آقای سید مہدی بن مرتضیٰ طباطبائی و آقا باقر بن محمد بہبہانی حائری سے فقہ و اصول میں درس و اجازات لیے اور سیاحت کے لئے نکلے۔ برصغیر کے علما سے ملے اور اپنی ملاقاتوں اور مشاہدات کا تفصیلی تذکرہ یا سفرنامہ لکھا جسے نواب میر عالم کے نام معنون کیا۔ نواب سکندر جاہ والی حیدرآباد نے آپ کا بڑا اعزاز کیا۔

۵ ذی القعدہ ۱۲۲۰ھ حیدرآباد میں وفات پائی اور تکیہ میر مومن میں آسودۂ لحد ہوئے۔

(نزہۃ ۵، ص ۳۰۸ - مصفی الرجال ۲۳۴)

تصنیفات : تحفۃ العالم فارسی مطبوعہ۔ تالیف ۱۲۱۶ھ

عبداللہ میر تبریزی، مشکین رقم :

۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۵ء

شاہ نعمت اللہ ولی کی اولاد میں عبداللہ مشکین رقم، شاہ غیاث اور مولانا راقی کے شاگرد شیخ فیض اللہ چشتی سہارن پوری سے فیض یاب ہوئے۔ ہفت قلم کاتب اور خطِ نستعلیق میں لاثانی تھے۔ شاعری سے دلچسپی تھی اور وصفی تخلص تھا۔

وصفی تخلص من و مشکیں قلم — ایں نام باز شاہ شہنشاہ یافتم

مشکیں رقم کے قلمی کارنامے الٰہ آباد وغیرہ میں موجود ہیں۔

۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۵ء میں رحلت کی اور راجہ بھرت پور کی کوٹھی، کوٹھی قندھاری کے قریب لنگر پورا آگرہ میں ایک گنبد کے اندر موصوف کی قبر ہے۔ اس گنبد میں بخطِ نستعلیق یہ اشعار مرقوم ہیں :۔

منم غمگیں از ایں معنی کہ میرم — ازیں دار فنا سوی جنان رفت
بحمداللہ کہ عرفان کرد حاصل — نہ پنداری کہ کشفی را بجان رفت
چو تاریخ وفاتش جستم از دل — ازیں ماتم فغان بر آسمان رفت
دلم گفتا بصد درد و بصد آہ — ز دنیا مے ولی قطب زمان رفت

دیگر

شیخ زمانہ مظہر انوار جاوداں — کز خواجگان چشت ۔۔ خانہ بود
دریای جود، کانِ سخا، قطب مقتدیٰ — عبداللہ آں کہ در ہمہ فن یگانہ بود
کشفی سوال کرد ز تاریخ رحلتش — ہم خود جواب داد کہ شیخ زمانہ بود

تاریخ مقبرہ

کشفیا، سر بریں جناب ۔ نہ — کہ ازیں باب کس نہ شد نومید
گرد ایں روضہ روز و شب گردان است — چرخ با انجم و مہ و خورشید
سال اتمام ایں مکان شریف — ہاتفی گفت "روضۂ جاوید" (راقمہ محمد صالح الحسینی)

(بوستان اخیار، تذکرۂ مشاہیر اکبر آباد۔ ص ۱۰۰)

میر محمد صالح و میر مومن فرزند تھے۔ پانچ مثنویاں اور ایک دیوان یادگار ہے۔

عبداللہ قطب شاہ :

۱۰۲۳ھ / ۱۶۱۴ء
۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۲ء

عبداللہ بن محمد قطب شاہ حیدرآباد کا نامور، سخی، عامل، اہل علم کا قدردان ۱۰۳۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کی علم پروری کا شہرہ سن کر دور دور میں جمع ہو گئے اور بادشاہ کے نام متعدد مصنفین نے کتابیں معنون لکھیں۔

اس نے اپنی شہزادی کا نکاح علامہ سید احمد بن محمد معصوم دشتکی شیرازی مدنی سے کر کے علم و علما کی عزت کا مظاہرہ کیا۔

۳ محرم ۱۰۸۳ھ حیدرآباد میں رحلت کی۔ (نزہۃ ج ۵)

عبداللہ مجلسی، ملا :

حدود ۱۰۳۰ھ / ۱۶۲۰ء
حدود ۱۱۲۰ھ / ۱۷۰۸ء

ملا محمد تقی مجلسی اول کے ایک فرزند جناب ملا محمد باقر مجلسی تو ایران میں رہے لیکن ان کی اولاد میں سے متعدد افراد ہندوستان آئے اور یہاں معزز و محترم سمجھے گئے مثلاً ملا محمد سعید اشرف اور ملا محمد عبداللہ صاحب جو مولانا محمد تقی مجلسی کے فرزند اوسط تھے۔ انتہائی مقدس عالم باعمل، محدث و فقیہ۔ خیال ہوتا ہے کہ ملا عبداللہ اور ملا محمد باقر میں خط و کتابت بھی تھی اور ملا محمد باقر صاحب نے کسی سوال کا جواب مسائل ہندیہ کے نام سے لکھا تھا۔ نیز آپ کے بڑے بھائی عزیز اللہ متوفی ۱۰۷۴ھ بھی دہلی میں رہے ہیں۔

تصانیف : حاشیہ حدیقۃ المتقین

اولاد : ملا محمد نصیر، ملا زین العابدین، ملا محمد تقی۔ ([illegible] ص ۲۰۹ ۔ روضات الجنات ج ۲ ص ۸۱ و فہرست تالیفات مجلسی)

عبداللہ بن سید محمد لکھنوی :

۱۲۶۶ھ / ۱۸۴۸ء

مولانا عبداللہ بن سلطان العلما سید محمد صاحب، اپنے والد اور بھائی جناب سید صادق کے شاگرد تھے۔ کلام و مناظرہ، تاریخ و فقہ اور عربی ادب میں قادر الکلام تھے اور اوراد و وظائف کے پابند اور عبادت گزار بزرگ تھے۔ ۹ رمضان ۱۲۶۶ھ، ۲۰ اگست ۱۸۴۸ء میں انتقال کیا اور اپنے محلہ کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔ (تکملہ نجوم ج ۲ ص ۱۶۱ نزہۃ ج ۷ ص ۳۰۳ ۔ تاریخ سلطان العلماء ص ۱۰)

تصنیفات : • بستان الواعظین، طبع لکھنؤ ۱۲۵۴ھ۔ • خلاصۃ الاعمال۔ مطبع سلطانی
• سبیل النجاۃ اوراد۔ • رد غلاۃ الشیعہ عربی۔

عبداللہ، پیر پیائی :

۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء
۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء

حاجی ملا عبداللہ، ضلع پشاور کے قصبہ پیر پائی کے باشندے اور معقول و معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲ مئی ۱۸۶۳ء کو ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد شوق تکمیل کے لیے مختلف مذاہب کے علماء سے ملے۔ دور دراز کے سفر کیے۔ ہندوستان جاکر سنسکرت پڑھی، ہندو مذہب کا مطالعہ کیا۔ افغانستان گئے اور سخی صاحب کے مزار پر کئی سال مقیم رہے۔ وہاں سے ایران و عراق ہوتے ہوئے حج کے لیے مدینہ و مکہ پہنچ گئے۔ موصوف نے یہ طویل سفر پیدل کیا۔ جہاں گئے وہاں علم کی لگن ساتھ تھی، پڑھتے اور علما سے ملتے تھے۔ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں ایک عرصے تک قیام کر کے عراق آ گئے۔ کربلا و نجف میں اکابر علما سے مستفید ہو کر ایران کے مرکز فقہ قم میں مقیم ہو گئے۔ یہاں شیخ الجامعہ کی توجہ سے حدیث و فقہ کا وسیع مطالعہ کیا اور مدت کے بعد وطن پلٹے۔ آپ کا قیام موضع خیبر کرٹ میں ملک وہاب علی کے یہاں رہا۔ صوفی منش، زاہد، صاحب کرامت عالم، اسلام کے مبلغ اور شریعت کے داعی تھے۔ علامہ عبدالعلی ہروی طہرانی آپ کی عزت کرتے اور عبداللہ مقدس فرماتے تھے۔

بنگش اور تیراہ کے لوگوں میں مرجعیت تھی۔ دور دور سے لوگ آپ سے مستفید ہونے آتے تھے۔

"وفات سے دو سال پہلے علاقہ غیر تیراہ درہ منی خیل میں موضع ٹن ڈھیر کو منزل بنایا اور وہیں آسودۂ لحد ہوئے۔

خود پرہیزگار اور عابد تھے اس لیے آپ کی تقریر کا بڑا اثر تھا۔ اٹھاسی سال عمر پا کر ۱۳۶۵ھ ۷ جولائی ۱۹۴۶ء کو رحلت فرمائی اور وصیت کے مطابق اپنی کوشش سے تعمیر شدہ امام باڑے کی دیوار سے متصل دفن ہوئے کہ لوگ آپ کی قبر کے گرد صدقے نہ ہوں۔ (مکتوب رمزی بنگش)

عبدالمجید، سامانی :

حدود ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء

نواب علی مردان خان کے فرزند نواب ابراہیم خان (متوفی ۱۱۲۱ھ) نے شیعہ دائرۃ المعارف کے لیے علما کا بورڈ بنایا تھا، اس بورڈ نے تاریخ، عقائد، حدیث و فقہ پر ایک مفصل کتاب تیار کی جس کا نام بیاض ابراہیمی رکھا۔ بیاض ابراہیمی کی سات جلدوں میں پہلی تین جلدیں سیرت النبیؐ سے احوال خلفا تک، جلد چہارم عہد حضرت ام المومنین عائشہؓ، جلد پنجم عہد معاویہ بن ابی سفیان، جلد ششم بحث امامت و احوال ائمہ اثنا عشر اور جلد ہفتم فروع دین و فقہ میں۔ ہر جلد کے آغاز میں ذیلی مباحث کی تفصیل درج ہے اور ہر جلد کئی حصوں پر مشتمل ہے۔

کتب خانۂ آصفیہ میں نمبر ۵۹۳ فنِ حدیث میں ایک جلد کا ایک حصّہ موجود ہے جس کے ۲۳۴ صفحے اور فی صفحہ ۱۴، ۱۵ سطریں ہیں۔

مولانا تصدق حسین کے بقول اس بورڈ کے ایک فاضل رکن اور عالم مصنف عبدالمجید سالکی تھے۔

(نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۔ نزہۃ، آثار الارواح ا ص ۲۸۸۔ فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی ج ۲)

.. ..

عبدالنبی، العاملی : حدود ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۹ء

علامہ شیخ عبدالنبی بن احمد، جبل عامل، بیروت (شام قدیم) کے عرب عالم جو حیدرآباد دکن میں بڑے معزز و محترم ہوئے اور علم و فقہ میں کمال و مہارت کی بنا پر قاضیِ دارالسلطنت حیدرآباد نامزد کیے گئے یہ واقعہ ۱۰۸۰ھ سے قبل ہوا ہوگا۔

علامہ حرّ عاملی (متوفی ۱۱۰۴ھ) نے لکھا ہے "عالم فاضل جلیل، فقیہ معاصر و قاضی حیدرآباد" گمان ہوتا ہے کہ مولانا عبدالنبی گیارہویں صدی کے آخر میں فوت ہوئے۔ (امل الآمل ج ۱ ص ۱۱۶۔

روضات الجنات ج ۶ ص ۲۷۳)

عدیل اختر : ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء – ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۲ء

مولانا عدیل اختر صاحب ۲۹ ربیع الاوّل ۱۳۱۵ھ (اگست ۱۸۹۷ء) سہ شنبہ کے دن علی نگر پالی ضلع گیا صوبہ بہار میں پیدا ہوئے، ہوش سنبھالا تو آپ کے والد (سید مبارک احمد بن میر فصیح احمد صاحب عرشی واسطی) نے مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ میں دینی تعلیم کے لیے بھیج دیا، جہاں حافظ قربان علی صاحب صدر مدرس تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنؤ کا رُخ کیا اور مدرسۃ شارع الشرائع، مدرسۂ ناظمیہ میں داخلہ لیا اور ممتاز الافاضل تک تعلیم و کمال حاصل کیا۔ اس اثنا میں الٰہ آباد، بہار اور پنجاب کے سرکاری امتحان بھی دیتے رہے۔

مدرسۂ ناظمیہ میں جماعت فاضل کو تعلیم دی۔ ۱۹۱۹ء میں مہاراجہ محمود آباد نے مدرسۃ الواعظین قائم کیا تو مولانا اس مدرسے کی پہلی جماعت میں داخل ہوئے۔ ۱۹۲۱ء میں مدرسے سے سند لی اور بہار و بنگال کا حلقہ تبلیغ کے لیے معین کیا گیا۔ یہاں آپ نے بنگلہ زبان سیکھی اور تبلیغ فرمائی۔ ادھر یوپی میں شدھی تحریک نے شدت اختیار کی، مدرسے نے آپ کو اس مہم کے لیے بلا لیا اور مولانا نے بڑی قابلیت سے آریوں کا مقابلہ کیا، ہندی سیکھی، سنسکرت پڑھی اور ہندو مذہب کا مطالعہ کر کے اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔ ۱۹۲۴ء میں مدرسے نے جزائر افریقہ بھیج دیا۔ آپ نے وہاں کی مقامی زبانیں سیکھیں اور تبلیغ و خدمتِ دین کے فرائض انجام

دیئے پھر آپ کو صوبہ سرحد بھیجا گیا، آپ نے پشاور، پاراچنار اور قبائل تک جا کر تبلیغ اسلام فرمائی اور ناقابلِ فراموش خدمات کے چرچے یادگار چھوڑے، تبت، کشمیر، بلتستان وغیرہ میں نوربخشیوں کا مقابلہ کیا۔ ان کو تشیع کا گرویدہ بنایا اور ان کے بگڑے ہوؤں کو ان کا راستہ بتایا۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۶ء تک صوبہ سرحد میں متعین رہے پھر سرکار نجم الملت نے لکھنؤ طلب فرما لیا اور جون ۱۹۳۶ء کو مدرسۃ الواعظین میں نائب صدر مدرس کی جگہ مقرر کیا۔ ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ میں مولانا ابوالحسن صاحب قبلہ کی رحلت ہوئی تو مولانا عدیل اختر صاحب مدرسے کے پرنسپل نامزد ہوئے۔

آپ نے مدرسے کو جدید اصول تبلیغ کے مطابق ڈھالا اور اپنے وسیع تر تجربے اور علم کی بنا پر طلبا کو نئے افکار سے آراستہ کیا اور پچیس سال تک درس و تدریس تصنیف کی خدمت انجام دی۔

مولانا عدیل اختر صاحب (تاریخی نام) بڑے بااصول، پابندِ وقت، دقیق النظر، مستغنی اور مخلص و متقی عالم تھے۔ سادگی اور گوشہ نشینی آپ کا خاصہ تھا شہرت سے دور رہتے اور کردار سازی سے محبت رکھتے تھے۔ تمام علما آپ کی بہت قدر کرتے تھے۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ کو خاص طور پر آپ سے محبت تھی۔ آپ کے اثر کا عالم اس وقت معلوم ہوا جب لکھنؤ کے شیعہ ایجی ٹیشن میں آپ نے لوگوں کو دعوت گرفتاری دی تھی۔

آپ کی تقریر میں صحت روایت و دعوت دین و اخلاق کی بڑی سختی سے پابندی ہوتی تھی۔ عاشورہ محرم میں آپ سر و پا برہنہ، سیاہ کرتہ پہنتے اور پیدل کربلا تک جاتے تھے۔

مطالعہ میں جس زبان کی کتاب ہوتی اسی زبان میں حاشیہ لکھتے تھے۔ اور حق تحقیق ادا کرتے تھے۔ میں نے مولانا عدیل اختر صاحب کے کردار کا اثر اپنے تحت الشعور و شعور میں پایا اور اب بھی مجھے ان کی یاد دلاتی ہے۔

وفات: مولانا کو شدتِ دورانِ خون کی تکلیف تھی مگر روزے ترک نہ فرماتے تھے۔ آخر ۱۳۷۰ھ کے رمضان میں یہ تکلیف بڑھی۔ روزے مکمل کر لیے۔ جمعہ ۷ شوال کو نمازِ صبح کے بعد سر میں درد ہوا اور مرض بڑھ کر تپ شدید بنا، ضعفِ قلب نے ۸ شوال یوم جنت البقیع ۱۳۷۱ھ کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔

آپ کی وفات پر پورے ملک میں غم منایا گیا، الواعظ لکھنؤ نے خاص شمارے میں آپ پر مقالات شائع کیے۔

مولانا نے بے شمار مسجدیں آباد کیں۔ بہت سے شیعوں کو پابندِ شریعت اور سنیوں کو شیعہ، ہندوؤں اور عیسائیوں کو اسلام کا گرویدہ بنایا۔ ان میں خاص طور پر جارج سالوں نے طویل مدت تک بحث کے بعد اسلام قبول کیا۔

اولاد: مولانا ناصر حسین فخر الافاضل۔

تصانیف: • دعوۃ النظر الی خلافۃ خیر البشر۔ اردو تالیف جون ۱۹۲۶ء پشاور غیر مطبوعہ۔

• الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ (تقیہ) تالیف۔ جون ۱۹۴۰ء آگرہ۔

• تحقیق وصلۂ تاریخ احمدی۔ نواب احمد حسین خان کی وقیع تالیف کے حوالے اور مطالب میں اضافہ تکمیل ۱۳ مارچ ۱۹۴۹ء۔ • فلسفۂ اسلام یا علم کلام۔ سو صفحات بلا تاریخ

• اصحاب الیمین ما اصحاب الیمین واصحاب الشمال ما اصحاب الشمال۔ علم رجال پر ستر صفحات تالیف، ۲ اکتوبر ۱۹۴۸ء۔ • تدلیس شبلی۔ مولانا شبلی نعمانی کے افکار و تالیفات پر تنقید و تحقیق۔ ستمبر ۱۹۴۶ء۔ • علمی خیانتیں۔ مذہبی کتابوں میں تحریف و تغلیط کی نشان دہی۔

• تسکین الفتن فی صلح الحسنؑ۔ (الواعظ، اگست ۱۹۵۱ء، خاص شمارہ)

. . . .

عزیز اللہ، مجلسی:

۱۰۷۴ھ / ۱۶۶۳ء

علامہ کبیر، محدث و مجتہد جناب علامہ محمد باقر مجلسی کے بڑے بھائی اور جناب محمد تقی مجلسی اول کے بڑے فرزند جناب عزیز اللہ اصفہان میں تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوئے اور اپنے والد علام کے زیر سایہ علوم دین کے فاضل و محقق ہو کر دہلی آئے۔ اور معزز و محترم زندگی بسر کی۔

آپ نے عالمگیر اورنگ زیب کی تاریخ تخت نشینی نکالی تھی: "ان الملک للہ یوتیہ من یشآء" ۱۰۷۴ھ میں وفات پائی۔

تالیفات: • حاشیہ مدارک (فقہ) • حاشیہ من لا یحضرہ الفقیہ (فقہ)

• اخبار الروم (ادب) (نجوم السماء ص ۱۲۹، ۸ نزہتہ ج ۵)

. . . .

عصمت اللہ، سہارنپوری:

۱۰۳۹ھ / ۱۶۲۹ء

ملا عصمت اللہ مشاہیر علماء ہند میں شمار ہوتے ہیں، آپ کا درس مشہور تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے بھی آپ سے درس لیا تھا۔ مآثر الکرام اور دوسری کتابوں میں آپ کو سُنی لکھا گیا ہے، لیکن سہارن پور کے محلہ کوٹ میر آپ کی اولاد ملا صاحب کو شیعہ کہتی ہے۔ چنانچہ ۱۳۱۱ھ کے قریب ایک مسجد کے قبضے پر مقدمہ دائر کیا گیا جس میں ملا صاحب کی اولاد نے ملا صاحب کا تشیع ثابت کر کے عدالت سے مقدمہ میں کامیابی حاصل کی اور وہ مسجد شیعوں کے حوالے کی گئی۔ مولوی محمد حسین مؤلف "تذکرۂ بے بہا" کا بیان ہے

کہ یہ مسجد میر کوٹ میں ہے اور ملا صاحب کی قبر کا نشان بھی اس میں موجود ہے۔

تالیفات: • حاشیہ بر شرح ملا جامی • شرح خلاصۃ الحساب۔ • حواشی التصریح لعلامۃ البہائی۔ جس کا قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ (بے بہا۔ ص ۲۰۸)

. . . .

عطا حسین:

۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء

مولانا سید عطا حسین بن غلام مرتضےٰ زنگی پوری نے مولوی سید ضیاء اللہ صاحب زنگی پوری سے علوم عربی و فارسی حاصل کیے۔ آپ کو علم تفسیر سے زیادہ شوق تھا اور تلاوتِ قرآن کے بعد تفسیر پیش نظر رہتی تھی۔ چنانچہ قرآن مجید کے حل مغلقات میں اپنے ایک خاص لغت فارسی میں تیار کی مگر غیر مطبوعہ ہونے کی وجہ سے نایاب ہے۔ ایک نسخہ کرم خوردہ نہایت بوسیدہ جناب مولوی سید محمود لطیف صاحب زنگی پوری کے پاس تھا۔ نستعلیق و نسخ کی خوشنویسی بے مثل تھی۔ کتب بینی سے شوق تھا۔ اکثر کتب دینیہ اپنے ہاتھ سے لکھیں۔ فن خوشنویسی دلی میں سیکھا تھا۔ جب محمد شاہ بادشاہ دہلی کو آپ کا یہ کمال معلوم ہوا تو بادشاہ نے آپ کو زمرۂ فضلا میں شامل فرمایا۔ ایک مرتبہ ۵۰۰ روپیہ انعام بھی دیا اور ایک فرمانِ شاہی چالیس بگیہ معافی واقع ضلع الٰہ آباد کا عطا فرمایا۔ جب آپ وطن میں آئے تو سلطنت میں ابتری ہو گئی۔ بادشاہ بھی مر گئے۔ مولانا نے کوشش نہ کی۔ فرمانِ شاہی بھی ضائع ہو گیا اور ان ۵۰۰ روپیہ میں ایک حمائل، صحیفۂ کاملہ ولایتی خط کا اور چند نستعلیق کی وصلیاں

اب تک زنگی پور کے بعض قدردانوں کے پاس موجود ہیں۔ مولانا عطا حسین نے ۱۲۱۲ھ میں رحلت کی۔ مولوی ہمت حسین صاحب مختلف البطن بھائی تھے۔ وہ بھی سید ضیاء اللہ کے شاگرد تھے۔ (بے بہا)

علی حسن، ہشمسی: دیکھیے محمد علی حسن

علاؤ الدولہ، شوستری:

۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء

حدود ۱۰۸۰ھ / ۱۶۶۹ء

سید علاء الدولہ بن قاضی سید نور اللہ شوستری شہید ثالث کی ولادت ۴ ربیع الاول ۱۰۱۲ھ بتائی جاتی ہے۔ آپ کا صحیح نام معلوم نہیں۔ علاؤ الدولہ یا علاء الملک کے لقب سے مشہور ہیں۔ شہید کے پانچویں فرزند تھے۔ اپنے والد علام اور بھائیوں کے علاوہ مولانا محمد خطاط سے بھی پڑھا تھا۔ اسی لیے اعلیٰ درجے کے خطاط ہوئے۔ علوم دین میں فقہ و حدیث، عقائد و منطق و کلام اور ادب میں نظم و نثر پر

عالمانہ قدرت تھی۔ جناب سید علی طباطبائی صاحب ریاض نے اپنا معاصر لکھا ہے

تاریخ وفات معلوم نہیں۔ خیال ہوتا ہے کہ ساٹھ ستر کے درمیان عمر رہی ہوگی اور ۱۰۸۰ھ کے لگ بھگ جنت الفردوس تشریف لے گئے ہوں گے۔ **اولاد :** محمد علی (تذکرۂ مجید)

تصانیف : • حاشیہ شرح لمعہ (فقہ) • حاشیہ مدارک (فقہ) • حاشیہ تفسیر قاضی بیضاوی۔

- بوارق الخاطفہ والمع واعد العاصفہ فی الرد علی الصواعق المحرقہ۔ • ساطع الانوار منطق
- محفل فردوس۔ تاریخ وادب وسوانح۔ • دیوان شعر۔ (مقدمۂ احقاق الحق ص قبا الذریعہ ج ۲ ص ۲۱۴)

علمدار حسین، پروفیسر :

حدود ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء
۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء

گورنمنٹ کالج لاہور کے سب سے پہلے عربی کے استاد مولانا علمدار حسین نقوی بن سید نثار علی بن محمد اسماعیل بن علم الدین میاں صاحب بنیرہ سادات ضلع بجنور کے باشندے تھے۔ نثار علی گوالیار میں رہتے تھے۔ علمدار حسین نے گوالیار میں تعلیم پائی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر جالندھر میں انسپکٹر مدارس ہوئے جہاں سے وطن گئے۔ ۱۸۶۱ء میں اپنے برادر نسبتی مولوی سید احمد کبیر کے ہمراہ لاہور آئے۔ لاہور میں نواب ناصر علی خان قزلباش نے اپنی کوٹھی (جو آجکل بس سٹینڈ میں تبدیل ہو چکی ہے) بیرون مستی دروازہ ٹھہرایا۔ وہاں سے توشہ خانہ موتی بازار میں قیام پذیر ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور قائم ہوا تو مولانا اس کالج میں عربی کے استاد نامزد ہو گئے مولانا بڑے خلیق، مہمان نواز، منکسر المزاج اور غریب پرور بزرگ تھے۔ موصوف نے طویل علالت کے بعد ۴۰ برس کی عمر لاہور میں رحلت کی اور کربلا گامے شاہ میں مسجد کے حوض والے دروازے کے قریب جگہ پائی۔ مولانا کی اہلیہ نے لاہور میں خضری محلہ میں زنانی مجلسیں شروع کیں جس کی وجہ سے وہ مکان بوبو جی کا امام باڑہ مشہور ہوا۔ سیدہ اشرف النساء بوبو جی لاہور کی مشہور کردار ساز خاتون تھیں۔ دیکھئے حیات اشرف از ایک صاحبزادی احمدی بیگم

اولاد : جعفری بیگم زوجہ سید سراج الحسن ولادت فرزند کے وقت فوت ہوئیں۔ ایک بے شادی کے رحلت کر گئیں۔ غلام عباس ۲ سال بعد فوت ہوا۔ مولانا کا کتب خانہ مدرسۃ المومنین انبالہ میں رہا۔

علوی خان، معتمد الملک، حکیم :

۱۰۸۰ھ / ۱۶۷۰ء
۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء

محمد ہاشم بن ہادی بن مظفر الدین حسین علوی، جناب محمد حنفیہ کی اولاد سے تھے۔ رمضان ۱۰۸۰ھ شیراز میں ولادت ہوئی۔

اپنے والد اور ملا لطف اللہ شیرازی اور اخوند مسیحا سے تعلیم پائی۔ تیس سال کی عمر ۱۱۱۱ھ میں ہندوستان

آئے قلعہ ستارہ کے پاس عالمگیر کی ملازمت حاصل ہوئی۔ بادشاہ نے خلعت و منصب دیا اور شاہزادہ محمد اعظم کی خدمت میں کر دی۔

حکیم محمد شفیع شوشتری نے حکیم محمد ہاشم کی عظمت نسب اور علوی مرتبت علم و کمال کے پیش نظر اپنا خویش بنا لیا۔

شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد میں حکیم ہاشم کو مزید اعزاز ملا۔ اسی بادشاہ نے "علوی خان" کا خطاب منصب اور جاگیر سے سرفراز کیا۔

۲۱ محرم ۱۱۲۴ھ کو بہادر شاہ قطب الدین شاہ عالم اکہتر سال کی عمر میں فوت ہوئے اور کچھ دن بعد معز الدین جہاندار شاہ بادشاہ ہوئے۔ پھر طوائف الملوکی شروع ہو گئی۔

ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ میں محمد شاہ تخت نشین ہوا اور محمد شاہی دربار میں حکیم علوی خان ناموری کے عروج پر پہنچ گئے۔ بادشاہ نے انہیں ایک معرکۃ الآراء علاج کے بعد سونے چاندی میں تلوا دیا۔ ہشت ہزاری منصب اور تین ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ مقرر کی۔ معتمد الملوک خطاب دیا۔

نادر شاہ جب وطن جانے لگا تو حکیم علوی خان کو بھی ساتھ لے جانے پر مُصر ہوا، حکیم صاحب نے شرط کی کہ جب بادشاہ کے علاج سے فارغ ہوں تو حج و زیارت کی اجازت دی جائے۔ نادر شاہ نے وعدہ وفا کیا۔ اس پورے سفر کی داستان حکیم صاحب کے منشی عبد الکریم کشمیری نے "بیان واقع" کے نام سے لکھی ہے (یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۷۰ء میں چھپی ہے)

حج و زیارات سے ۱۱۵۶ھ میں ہند واپس آئے۔ چار برس تک بڑے اعزاز اور علمی خدمات و طبی معالجات کے بعد ۲۵ رجب ۱۱۶۰ھ میں رحلت کی۔

بر فلک رفت "مسیحائی" جدید

حسب وصیت شیخ نظام الدین بدایونی کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

تالیفات و تصنیفات : • حاشیہ شرح ہدایتہ الحکمۃ میبذی۔ • حاشیہ شرح الاسباب والعلامات۔ • شرح تحریر اقلیدس۔ • شرح المجسطی۔ • شرح موجز القانون • احوال اعضاء النفس

- رسالۃ فی الموسیقی۔ • تحفۃ العلویہ والایضاح العلیہ۔ • جامع الجوامع، طب میں بے نظیر کتاب۔
- آثار باقیہ، ترکیب ادویہ میں حکیم صاحب کا معجز نما کارنامہ۔ • خلاصۃ التجارب۔
- عشرہ کاملہ۔ • قرابادین علوی۔ (اطباء عہد مغلیہ ص ۲۰۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۶۴)

علی، مُلّا : ... ...

حدود ۷۵۰ھ / ۱۳۴۹ء

شیعہ عالم و مبلغ صالح فاضل ملا علی جن کی محنت و سعی سے بوہرہ قوم مسلمان ہوئی۔ موصوف گجرات، کھمبایت میں بہت شہرت رکھتے ہیں اور ان کا مزار زیارت گاہ عوام ہے۔ (بے بہا ص ۲۰۷)

علی خان، مدنی :

۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء

۱۱۲۰ھ / ۱۷۰۹ء

دکن کے علماء میں مولانا صدرالدین علی بن نظام الدین احمد حسنی حسینی تاریخ و ادب کے مشہور عالم ہیں۔ ان کے والد ملا نظام الدین احمد متوفی ۸۶/۱۰۸۸ھ حیدرآباد کے اکابر اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے داماد تھے۔ ملا احمد کی زوجۂ اولی کے فرزند سید علی مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش شب شنبہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۰۵۲ھ ہے۔ اور مولد مدینہ منورہ ہے

شیخ شرف الدین یحییٰ عصامی نے الامیر نظام الدین احمد کی مدح کرتے ہوئے سید علی خان کی تاریخ ولادت یوں نظم کی ہے : وتاریخہ نعم الولید ابوالحسن علی لدین اللہ صدر ممہد (سلافہ ص ۱۳)

اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کرکے ہوش مند ہوئے۔ سولہ برس کی عمر ہوئی تو اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حیدرآباد پہنچنے کی تاریخ جمعہ ۲۲ ربیع الاول ۱۰۶۸ھ ہے۔ علامہ محمد بن علی بن محمود شامی عاملی سے تلمذ کیا۔ شیخ جعفر بن کمال بحرانی سے سلسلۂ روایت لیا۔ (سلافہ ص ۳۳۳)

بیس برس تک والد کے ساتھ رہ کر علم و عمل عزت و اقبال کا کمال دیکھا۔ ۱۰۸۸ھ میں والد نے انتقال کیا تو ان کے خالو سلطان ابوالحسن سے اختلاف ہوگیا۔ سلطان ابوالحسن والی گولکنڈہ نے ان کی املاک کو ضبط کر لیا۔ سید علی خان مدنی حیدرآباد سے، اورنگ زیب کے پاس برہان پور آ گئے۔ اورنگ زیب نے ہزار و پانصد و سیصد سوار دو اسپہ کا منصب دیا اور کچھ عرصہ بعد اورنگ آباد پھر ماہور و توابع برار کی حکومت دی۔ سید علی خان اس حکومت سے مستعفی ہو کر برہان پور کے دیوان ہو گئے۔ لیکن پھر رخصت لے کے حرمین شریفین اور وہاں سے عراق کے عتبات کی زیارت کرتے ہوئے مشہد مقدس پہنچے۔ اصفہان میں سلطان حسین صفوی نے ان کی کما حقہ پذیرائی نہ کی تو اپنے وطن اجداد شیراز میں آکر مقیم ہو گئے۔

شیراز میں سید علی خان کے جد استاد البشر غوث الحکماء امیر غیاث الدین منصور کا مدرسہ منصوریہ تھا، اسی مدرسے میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور شیراز ہی میں رحلت کی۔ تاریخ وفات ذی قعدہ ۱۱۲۰ھ ہے۔ شیراز کے مزار شاہ چراغ میں اپنے پردادا میر غیاث الدین کے پہلو میں قبر پائی۔

تالیفات : • سلافۃ العصر فی محاسن الشعراء بکل مصر، تذکرۂ شعرائے عرب آغاز تصنیف ۱۰۸۱ھ حیدرآباد تمام ۱۰۸۲ھ طبع مصر ۱۳۲۴ھ۔ • ریاض السالکین شرح صحیفۂ سید الساجدینؑ تالیف ۱۱۰۶ھ (مطبوعہ) مؤلف کا دستخطی قلمی نسخہ کتب خانہ امام رضاؑ مشہد میں موجود ہے۔ اس کا عکس دیکھیے۔ فہرست کتاب خانہ آستان قدس ج ۶ ص ۲۴۱۔ • انوار الربیع فی انواع البدیع (مطبوعہ)۔ • حدائق الندیہ شرح فوائد الصمدیہ۔ • سلوۃ الغریب در غرائب بحار و عجائب جزائر۔ • الکلم الطیب والغیث الصیب (ادعیہ و اوراد) • الدرجات الرفیعہ (مطبوعہ) • توضیح احادیث خمسہ مسلسلہ (تالیف ۲۵ ربیع الاول ۱۱۰۹ھ) • حاشیۂ قاموس۔ • دیوان شعر عربی۔ (امل الآمل ج ۲ ص ۱۷۶۔ نجوم السماء ص ۱۷۶۔ تذکرۂ شیخ علی حزیں ماتولکرام ۲۸۶۔ روضات الجنات۔ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۸۲ میں تاریخ وفات ۱۱۱۷ھ لکھی ہے۔ امل الآمل میں ۱۱۲۰ھ اور مصفی علم الرجال میں ۱۱۱۸ھ لکھی ہے۔)

علی، ہمدانی امیر کبیر :

۷۱۳ھ / ۱۳۱۳ء

۷۸۶ھ / ۱۳۸۵ء

سید شہاب الدین حاکم ہمدان کے فرزند سید علی، ۱۲ رجب ۷۱۴ھ کو ہمدان میں پیدا ہوئے، علویوں کا خاندان طبرستان میں مدتوں سے حکمران تھا، اس لیے یہ لوگ مذہبی اور سیاسی قوت و اقتدار کے مالک تھے۔ خاندان میں بہت سے علماء و اہل صفا موجود تھے۔ سید علی نے اپنے ماموں علاؤ الدولہ سمنانی سے فیض پایا۔ انھیں سے قرآن مجید حفظ کیا۔ مختلف علوم و فنون کے ساتھ ساتھ، سلوک کے مرحلوں سے گزرے۔ پھر اخی شیخ تقی الدین ابوالبرکات علی دوستی (م ۷۳۲ھ یا ۷۳۴ھ) کے حلقۂ تلمذ و ارادت میں داخل ہوئے اور صفائے باطن کی منزلیں طے کیں۔ خود شاہ ہمدان کہتے تھے کہ "سہ بار از مشرق تا بمغرب سفر کردم" یہ زمانہ اکیس برس کا ہے۔

۷۵۳ھ میں شادی کی اور ہمدان میں سکونت پذیر ہو گئے لیکن شوال ۷۷۳ھ میں بدخشان و ختلان کے علاقوں میں دورہ کیا۔ غالباً ربیع الاول ۷۷۴ھ میں کشمیر کے علاقے میں دورہ کیا۔ کشمیر و بلتستان میں ۷۸۱ھ اور اس کے بعد بھی ان کا تذکرہ ملتا ہے۔

تیمور کے سیاسی عروج اور سید علی ہمدانی کی خاندانی اہمیت نے رشک و رقابت کی فضا بنا دی اور یہ کشمکش سید علی ہمدانی کے بعد ان دونوں کے جانشینوں میں رہی۔ شاہ رخ میرزا اور سید محمد نوربخش کے معاملات بھی کشیدگی سے دوچار رہے۔

یکم ذی الحجہ ۷۸۶ھ کو آپ نے درویشوں کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کی۔ اسی روز علیل ہوئے

اور چھ ذی الحجہ ۷۸۶ھ / ۱۹ جنوری ۱۳۸۵ء کو رحلت کی۔ مقامِ رحلت کے بارے میں اختلاف ہے۔ دفن اور مزار کی جگہ ختلان ہے۔ (تاجکستان موجود)

سید علی ہمدانی اور سید محمد نور بخش وہ بزرگ ہیں تو ایرانی علماء و ارباب صفا میں ہیں لیکن کشمیر میں ان دونوں بزرگوں کی تبلیغی خدمتیں اتنی اہم ہیں کہ علماء برِ صغیر میں ان کا تذکرہ ضروری تھا۔

تصوف اور تشیع : تصوف ایک فلسفہ ہے جو شریعتِ اسلامیہ کے ابواب و مباحث میں کبھی بھی موضوع نہیں بن سکا۔ اسلام ظاہر و باطن، تزکیۂ نفس اور واجبات و محرمات کی پابندی کا وہ معتدل نظام ہے جس میں ترکِ دنیا، ترکِ لذات، ترکِ معاشرت، ترکِ ذات یعنی چلہ کشی، گوشہ نشینی اور خواہ مخواہ کی خرقہ پوشی کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ قرآن و حدیث، عمل رسولِ مقبولؐ اور طریقۂ سلف صالحین، وصیت انبیاء و ائمہ علیہم السلام میں "تقویٰ" سب سے اہم حکم ہے اور تقویٰ انزوائیت یا ترکِ تعلقات نہیں بلکہ حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرنے میں پرکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص تصوف کو تقویٰ کا مترادف سمجھتا ہے تو بلا شبہ مذہبِ شیعہ اس کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔

تصوف ایک عمل ہے، جو ریاضت، مرشد کی ہدایت، قطب کی توجہ اور پیر کی بیعت سے عبارت ہے۔ اس کے الگ الگ اصول اور جدا جدا دبستان ہیں۔ یہ عمل کشف و شہود کا سبب ہے عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، اسے شریعت کے مقابل میں طریقت کے نام سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ اس کا عقیدہ اس کے فرائض اور اعمال مستقل حیثیت رکھتے ہیں تو اسے کوئی فرقہ قابلِ قبول نہیں جانتا، ہر شریعت نے اسے رد کیا اور ہر شریعت کو اس عملی نظام نے رد کیا ہے۔ واصل باللہ۔ فنا فی اللہ جیسے حضرات کا کشف و الہام شریعتِ محمدی میں بالاتفاق بے معنی ہے شیعہ ایسے عملی نظام کو باطل جانتے ہیں۔

تصوف، صفاء باطن کا نام ہے۔ پاکباز، متقی اور شریعت کا عامل، عقائدِ صحیحہ کا حامل، جس کی دعا میں اثر، جس کی نگاہ میں تاثیر ہو۔ جو اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرنے کے لیے شرعی اعمال اور فقہی عبادات کا پابند ہو اور صوفی کہا جائے تو شیعوں کا کوئی فقیہ اسے برا نہیں کہتا۔

تصوف، ایک سیاست ہے، تبلیغ کا ایک انداز ہے۔ آدمی دشمنوں میں رہ کر صفاء باطن بے نیازی اور امن و محبت کا پیغام دیتا ہے۔ اسلام کی تبلیغ کرتا ہے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت و تعلیمات کو دل نشین کرتا ہے۔ وہ خاص لباس اور خاص اندازِ زندگی اختیار کرتا ہے کہ ہندو اسے اپنا دشمن نہ جانیں اور سنی اسے خشک و متعصب شیعہ سمجھ کر اس کی بات نہ سنیں۔ وہ مخالف ماحول میں

ایسا طریقہ اپناتا ہے جس سے متاثر ہو کر سب اس کے گرد جمع ہو جائیں اور اس کی بات سن کر کچھ نہ کچھ مان لیں، ایسے تصوف اور ایسے صوفی کو کون غیر شیعہ کہے گا۔

بنی عباس، آلِ عثمان اور آلِ تیمور کے دورِ حکومت میں تشیع ناپسندیدہ اور نشانۂ ظلم و ستم عقیدہ تھا، اس لیے بے شمار شیعہ مبلغ اور لاتعداد صاحبانِ دل، اس لباس میں ملبوس ہو کر دشمنانِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے "علیؑ علیؑ" کرواتے، بارہ اماموں کے نام یاد کرواتے، ان کے فضائل سمجھاتے اور علیؑ و اولادِ علی کا دوستدار بناتے تھے وہ چاہتے تھے کہ پہلے لوگوں کو اہلِ بیت کا دوست دار بنایا جائے پھر ان کے احکام کی طرف موڑا جائے یعنی تدریجی طور پر تشیع کا پابند بنایا جائے۔ ایسے حضرات اگر تارکِ شریعت ہیں تو شیعہ ان سے بے تعلق ہیں لیکن اگر کوئی شخص شریعت کا قائل اور اس پر کاربند ہے اور حسنِ تدبیر سے لوگوں کو محمد و آلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے تعلیمات سے باخبر کرتا ہے تو اسے سنی کہنا محبت تو ہے مگر حقیقت کی غلط تعبیر ہے۔ الشہید نور اللہ شوستری رحمۃ اللہ علیہ نے "مجالس المؤمنین" میں بہت سے مداحین اہلِ بیت اور صوفیا کو شیعوں کی فہرست میں اسی اصول کی بنا پر درج کیا ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں یہی قانون بنایا تھا کہ جو شخص مدحِ اہلِ بیت کرتا، احکامِ اہلِ بیت کو ترجیح دیتا ہے۔ اہلِ بیتؑ کو امام مانتا ہے۔ ان کے اقوال و افعال کی ترویج کرتا ہے وہ "شیعہ" ہے۔

میں فنی اور طویل بحث نہیں کرنا چاہتا، صرف ایک لطیفہ عرض کرتا ہوں کہ بہاء الدین عاملی (م ۱۰۳۰ھ) شیعہ فقہاء و محدثین و علماء میں مسلّم الثبوت عالم ہیں[1]۔ اصلاً عرب اور مزاجاً صوفی، فنی طور پر محدث بزرگ، ان کی کتاب "الکشکول" مصر میں کئی مرتبہ چھپ چکی ہے، جیسے انہیں کی دوسری کتاب "المخلاۃ" اور سید مرتضےٰ کی "الامالی" اور طبرسی کی مکارم الاخلاق وغیرہ۔ یہ کتابیں کچھ سابقوں لاحقوں کے اضافے سے سنی لباس میں جلوہ گر کی گئی ہیں اور ان پر بڑے حیرت انگیز مقدمے لکھے گئے ہیں۔ میرے سامنے کشکول بہائی کا وہ ایڈیشن ہے جو دار احیاء الکتب العربیۃ، عیسی البابی الحلبی۔۔۔۔ نے ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء میں شائع کیا تھا، اس کے مقدمے میں طاہر احمد الزاوی نے لکھا ہے:

"وکان یتشیع لآل البیت، و یتحامل علی الشیخین ابی بکر و عمر ومن اجل ذلک اتھم بالتشیع والرفض۔

وذکر فی کتاب "روضات الجنات" نقلا عن بعض علماء البصرۃ انہ کان من اھل السنۃ وقد اعتذر عن اظھارہ التشیع لآل البیت بانہ کان یتقی بذلک سلطان الرافضہ

---

[1] دیکھیے میری کتاب "اوصاف المحدیث" طبع امامیہ مشن لاہور۔

والملاحدة، وان تقربه من سلطان اصفهان "شاہ عباس" کان السبب فی اظہار التشیع لآل البیت، لان شاہ عباس کان شیعیا رافضیا ملحداً، وکان یقتل العالم السنی فکان یتستر باظہار التشیع لآل البیت، وکان بعض العلماء یاخذ علیه هذا التستر" (الکشکول ص)

طاہر احمد الزاوی عرب افاضل میں ہیں۔ روضات الجنات بھی عربی زبان میں ہے۔ موصوف نے مذکورہ بالا اقتباس میں جو ستم ظریفی کی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ بے نمازی گستاخ قرآن مجید کا حوالہ دیتے ہوئے "لاتقربوا الصلوٰۃ" پڑھے۔ "وانتم سکاریٰ" چھوڑ دے۔ صاحب روضات نے سنی اور ملحد لوگوں کے قول نقل کیے اور ان کا جواب لکھا ہے، طاہر احمد الزاوی نے شاہ عباس پر سب و شتم کے ساتھ عبارت کا مفہوم بدل دیا ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ علامہ بہائی کو ان کے تصوف کی وجہ سے سنی کہنا اور خود کشکول کے واضح شیعی بیانات اور فقہ و حدیث و درایت پر ان کے تالیفات کو نظر انداز کرنا یا ان کے ایک آدھ فقرے کی تاویل کر کے سنی ثابت کرنا ذہانت تو ہے دیانت نہیں۔

تذکرہ نویس، رجال پر بحث کرنے والے اکثر کہہ دیتے ہیں کہ "فلاں چونکہ صوفی ہے اور تصوف شیعہ مذہب میں حرام ہے لہٰذا وہ شیعہ نہیں" میں تاریخ و رجال کا مطالعہ کرنے والوں سے عرض کروں گا۔ شعر گوئی اور بعض اوقات عوام سے رابطہ پیدا کرنے کے لیے تصوف بہت کام آتا ہے۔ آپ ہر شخص کو صوفی دیکھ کر فوراً فیصلہ کر لیا کریں۔ اس کے سیاق و سباق، اول و آخر تحریر و تقریر کو دیکھنے کے بعد بھی فیصلہ میں احتیاط کرنا چاہیے۔

سید محمد نوربخش اور سید علی ہمدانی بلاشبہ مسلکاً صوفی ہیں مگر مذہباً شیعہ اثنا عشری تھے۔ ان کے تصانیف میں اس عقیدے کا بھرپور رچاؤ ہے۔

یہ دور تصوف کا دور تھا، شیعوں کے خلاف ترکی حکومت اور ماوراء النہر، خراسان اور شام میں جو شدت پیدا ہو چکی تھی، ان کے علما جس بے دردی سے قتل ہو رہے تھے اس کی بنا پر بہت سے شیعہ حضرات نے تصوف اختیار کر کے سینوں سے اپنی عزت کروائی اور اپنے عقیدہ و شخصیت کو بچا لیا۔ ان میں سے شاہ صفی الدین اردبیلی کی ذات محتاج تعارف نہیں وہ اپنے مریدوں کے ذریعے ایران کے وسیع و عریض ملک پر شاہی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اور صفوی خاندان نے تصوف کے دور رس نتائج کا تجربہ کرنے کے بعد اسے ناپسندیدہ طریقہ قرار دیا۔ صفویوں کے عہد میں بہت سے شیعہ علما کو اپنا طریقہ چھوڑنا پڑا۔ فقہاء و محدثین نے مہم چلائی کہ سلوک و تصوف شریعت کے خلاف چلنے چلانے کا منصوبہ ہے جس میں بڑے راسخ العقیدہ عوام کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔

تصانیف: سید علی ہمدانی کے تالیفات و تصانیف کی فہرست کا خلاصہ یہ ہے کہ موصوف نے سو سے زیادہ اور بقول مؤلف تحائف الابرار۔ ایک سو سے مختصر و مفصل رسالے اور کتابیں یادگار چھوڑیں۔ ان میں سے ترانسی کے قریب موجود ہیں۔

۳۰ عربی رسائل، ۴۳ فارسی۔

تفسیر: • الناسخ والمنسوخ فی القرآن۔ • احکام القرآن۔ • تفسیر حروف المعجم • شرح اسماء الحسنیٰ۔ • فرہنگ در مفردات قرآن۔

حدیث: المودۃ القربیٰ۔ اس کا اردو ترجمہ چھپ چکا ہے۔ • روضۃ الفردوس • اربعین امیریہ • اربعین فی فضائل امیر المومنینؑ۔ • سبعین فی فضائل امیر المومنین

سیرت، اسناد حلیہ حضرت رسولؐ۔ • اسرار وحی • انسان الکامل یا روح الاعظم۔ (ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر: سید علی ہمدانی طبع لاہور ۱۹۷۲ء)

.. ..

علی بن طیفور:

حدود ۱۱۰۰ھ/ ۱۶۸۸ء

مولانا علی بن طیفور بسطامی بہت بڑے عالم و مصنف تھے، وطن و تعلیم و تربیت کی تفصیل تو نہیں ملتی مگر حیدرآباد دکن میں ان کا قیام تھا اور سلطان عبداللہ قطب شاہ دکن (۱۰۲۰ھ - ۱۰۸۳ھ) ان کی بڑی قدر و عزت کرتا تھا۔ موصوف نے اخلاق و قانون، حدیث و فقہ وغیرہ پر متعدد کتابیں لکھی ہیں، جس سے ان کی علمی و عملی، نفسیاتی اور اعزاز کی کیفیت واضح ہوتی ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ علی بن طیفور نے بارہویں صدی کے حدود میں وفات پائی۔

تالیفات: • تحفۂ قطب شاہی: گلستان سعدی کے طرز کی شگفتہ اور نفیس اخلاقی کتاب اور بالفاظ مصنف "دستور العلیت سلاطین نامدار و خواتین کامگار را" کتاب کے آٹھ باب ہیں (تفصیل دیکھیے ایتھے، کیٹلاگ آف پرشین مینو سکرپٹ، بوڈلین لائبریری، حصہ اول ص ۸۹۸ طبع آکسفورڈ، ۱۸۸۹ء،

• تحفۂ علی، ترجمہ عیون اخبار الرضاؑ: شیخ صدوق کی کتاب کا فارسی ترجمہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے لیے لکھا۔ جس کا ایک نسخہ کراچی میوزیم لائبریری میں موجود ہے۔

.. ..

علی مُلّا، بادشاہ:

حدود ۱۲۲۴ھ/ ۱۸۰۹ء

کشمیر کے جو علماء و اکابر دہلی، فیض آباد اور لکھنؤ میں منتقل ہوئے۔ ان میں ملا بادشاہ کشمیری کا نام

بہت زیادہ قابلِ احترام ہے۔ ملا علی غالباً کشمیر میں پیدا ہوئے۔ وطن میں تعلیم و تربیت حاصل کی اور ملا عبد الحکیم راست گو سے خاص طور پر تلمذ رہا۔ ملا علی فیض آباد میں دینی مرجعیت رکھتے تھے۔ (نجوم السماء ص ۴)
شجاع الدولہ آصف الدولہ کے عہد میں
ان کے زہد و تقویٰ، علم و عمل کا ہر شخص قائل تھا۔ کشمیری امرا سلطنت چونکہ سابقہ مراسم بھی رکھتے اس واسطے ان کا احترام کرتے تھے۔ ان کے حکم مانتے تھے۔ غفرانمآب کے معاصر مداح سوانح نگار "تاریخ حق نما" کے مصنف نے ان کے یہ القاب و اوصاف لکھے ہیں: "قدوۃ الافاضل، فخر الاماجد والاماثل، مقبول بارگاہ الصمد علی مُلقّب بہ بادشاہ"
مؤلف سبیکۃ الذھب نے لکھا ہے:

"ملا علی بادشاہ الکشمیری کان جامعاً بین الدنیا والدین لبعض، یدرس العلوم من المنطوق والمرسوم، ویشیع مسائل الحلال والحرام ویرشد الانام باصول الدین وفروعه فی اللیالی والایام، شاغلا بترویج الاحکام الشرعیه وتدریس المسائل الاصلیه والفرعیه۔ (ص ۵۹)

ان کی سعی سے فیض آباد میں نماز و جماعت کی رسم پڑی۔ حسن رضا خان (متوفی ۱۲۱۶ھ) وزیر شاہ اودھ با اختیار نواب وزیر تھے۔ ملا بادشاہ صاحب نے سرفراز الدولہ حسن رضا خاں کو دینی شعائر قائم کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ ایک مفصل خط یا مختصر رسالہ بھیجا جس میں نماز جمعہ و جماعت کی اہمیت اور لکھنؤ میں قیام جماعت کی طرف متوجہ کیا تھا۔ سرفراز الدولہ حسن رضا خان نے نواب آصف الدولہ مرحوم (متوفی ۱۲۱۲ھ) کو آمادہ کیا اور لکھنؤ میں جناب غفرانمآب نے جماعت سے نماز پڑھائی اور جمعہ کے روز جمعہ کی نماز ہوئی۔ اس وقت سے لکھنؤ کی نماز جمعہ و جماعت کا سلسلہ اب تک جاری ہے اور خاندان غفرانمآب کا کوئی نہ کوئی فاضل و عالم نماز پڑھاتا ہے۔

ملا علی صاحب کی فکر و تحریر کا ایک نمونہ آئینہ حق نما میں موجود ہے، یعنی رسالہ فضیلت نماز جماعت بنام نواب آصف الدولہ و حسن رضا خان۔ اس رسالہ کا ایک انتخاب نجوم السماء سے نذر ناظرین ہے۔ رسالے کے باب چہارم میں ایک عبارت یہ تھی:

"بزرگانی کہ قابل امامت نماز بلا ارتیاب و مقربان درگاہ رب الارباب اند و احدی از اجلال طه... برایشان نیست و نور علم از ناصیہ جمال ایشان پیداست و فروغ صلاح و تقویٰ از چہرۂ جلال ایشان

ہویداست، یکی ازاں جملہ، عاکف کعبہ مقبلی و سعید ازلی میر دلدار علی است کہ از سالکان راہ و مقربان درگاہ است۔ بشری است فرشتہ سیرت و آدمی قدسی سریرت کہ انوار عرفان و اشعۂ ایمان از حلیہ اش درخشان و فروغ علم و عمل از چہرہ اش تابان رافع اعلام شعائر شرع سید الانام و سایۂ برکت خواص و عام، زبدۂ اُدُ کیا، فحول، جامع علوم منقول و معقول، بحر لیست مواج، و ملکی کرامت احتراج بالاستعداد تحقیق و بالاقتدا تطبیق، از مجتہدین کربلای معلٰی و مشہد مقدس ثامن آئمہ ہدیٰ سجل و افتا را بمہر و توقیع رسانیدہ و استفتائے فقہیہ نمودہ است۔ بر محک اعتبار ایشان طلاء بش کامل عیار برآمدہ، تحمل مشقتہای دور و دراز کردہ گوہر اجتہاد بدست آوردہ، سعیش مشکور و شققش ماجور شدہ۔ صدق اللہ العظیم "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین"

اشعار

صاحب نفس قدسی و ملکی — فاضل ذوفنون و طبع زکی
حسن خلق و تواضعی کہ باویست — ہر دو شاہد بخوبی کردار اوست
بحر مواج علم معقول ست — قلزم موج علم منقول است
رفع اللہ قدرہ الاعلیٰ — شرح اللہ صدرہ الاذکیٰ

و پرہیزگاران دیگر ہم از تلامذۂ ایشان ذوالنفس القدسیہ والخصال الملکیہ بشعلۂ ادراک و ذکا سید مرتضیٰ و متقی قدسی مآثر بتفاوت مظاہر میرزا محمد خلیل زائر کہ بلاشبہ قابل امامت نماز اند حقیقۃ وجود ایں بزرگان حالی مقدار اقبال سرکار دولت مدار است۔

باب پنجم ایں کہ نواب نام دار سلامت چوں فضیلت نماز جماعت بنصوص قاطعۂ قرآن مجید و احادیث ثابت متعددہ و حضرت سید المرسلین و حضرات آئمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین بہ تاکید امر نمودہ اند و مجتہدین و محدثین و متقدمین و متاخرین در ہر عصری نماز بجماعت می کردند و احدی از علماء اسلام انکار فضیلت ایں نمی کنند و ہمیشہ حکام و سلاطین مروج و معین شرع متین بودہ اند اگر بذات مبارک اند کی توجہ ایں امر شدہ در قلمرو دولت خداداد حکم بگذاردن نماز جماعت نمایند ہمہ امتثال فرمان واجب الاذعان خواہند نمود و سید دلدار علی را ارشاد پیش نمازی فرمایند کہ مروج ملت بیضا و شریعت غرا خواہد بود و

طه فیض آباد میں ایک نہایت شاندار عمارت اور خوبصورت مسجد ہے جسے سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خان صاحب نائب وزیر الملک نواب شجاع الدولہ بہادر نے تعمیر کرایا اور اس کے جنوب میں بڑے بڑے دروازے ہیں۔ یہاں لکھنؤ سے پہلے باقاعدہ نماز جمعہ و جماعت ادا ہوتی رہی اور ملا علی بادشاہ صاحب امامت کرتے تھے۔ (سرفراز کانفرنس نمبر ص ۱۰۶، ۹، اپریل ۱۹۵۸ء)

بنائے این امر گوئی سبقت در میدان سعادت از ہمہ خواہند ربود وبہ۔

- ذات مبارک ہم اگر نماز پنجگانہ را باقتداء سید دلدار علی بگذارند ہر جا نماز جماعت رواج خواہد یافت، ابدالآباد ثواب بروزگار فرخندہ آثار عائد خواہد گردید۔ واز باقیات صالحات بندگان عالی متعالی خواہد بود۔

"والباقیات الصالحات خیر عند ربك ثوابا وخیر املاً" (نجوم السماء، ۳۴۷۔ ۳۴۹)

اس خط سے مفید نتائج برآمد ہوئے۔ حکومت اودھ کے دینی درجات متعین ہوئے۔ غالباً ملا علی بادشاہ کی عمر آخر ہوگئی تھی مرکز حکومت فیض آباد سے منتقل ہو چکا تھا، اس لیے ملا صاحب تاریخ اور مورخ کے حافظے سے دُور ہوگئے۔ ایک اندازے کے مطابق ملا صاحب نے ۱۲۲۴ھ سے پہلے رحلت فرمائی اور غفران پناہ لقب پایا۔ (احوال ملا محمد جواد بحوالہ جہاں نما)

فیض آباد سے ذرا دور نیا بہ (نیاواں) میں ملا صاحب کا مکان تھا، وہیں رحلت کی اور مکان کوٹہ میں دفن ہوئے۔

اولاد: • ملا احمد علی۔ • ملا قاسم علی۔ • ملا جواد • ملا اکبر علی جو اٹھارہ سال کی عمر میں جاں بحق ہوئے۔ اسی طرح محمد رضا اور نصیر علی نے کم سنی میں رحلت کی۔ احمد علی کے دو فرزند تھے۔ • ملا محسن مدفون حسینیہ ابوطالب خان۔ • ملا محمد تقی، جن کی اولاد صاحب نجوم السماء کے بقول باقی ہے۔

ملا جواد کے بھی دو فرزند تھے۔ ایک ظہیر الدین صاحب جن کی اولاد زندہ تھی۔ (نجوم السماء ص ۳۵۱، تذکرہ بے بہا ۳۱۱۔ سیر المتاخرین۔ نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۳۳۰)

علی، سید، سلطان العلماء:

۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

سید علی شوشتری، سلطان العلماء مولانا سید علی بن ابوالحسن شوشتری حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے تعلیم حاصل کی۔ شجاع الدولہ مختار الملک نواب تراب علی خان نے نواب لائق علی خان کا اتالیق مقرر کیا۔ نواب حیدر آباد نے سلطان العلماء کا خطاب دیا۔

علی عباس چریاکوٹی اور سلطان العلماء سید علی سے مباحثے ہوتے تھے۔ مولانا عربی کے نفیس شاعر بھی تھے۔ مولانا سید علی نے ۲۴ ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ حیدر آباد میں رحلت فرمائی اور حکیم نوازش علی نے تاریخ نکالی۔ "مضجعہ دار النعیم" (نزہۃ ج ۸ ص ۳۲۴)

علی، سید، بلگرامی:

۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء

۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء

شمس العلماء مولانا سید علی قصبہ بلگرام ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۸۵۱ء/

۶۷، ۱۲۶۸ھ میں ہوئی ان کا خاندان علم وفضل، جاہ و مرتبت کے لحاظ سے نہایت ممتاز تھا۔ ان کے دادا مولوی کرم حسین سفیر اودھ اور عالم بزرگ تھے۔ ان کے والد زین الدین خاں بھی جدید و قدیم علوم کے عالم اور ڈپٹی کلکٹر تھے، پنشن لے کر حیدر آباد میں معزز عہدہ حاصل کیا تھا۔ موصوف نے چھوٹے بیٹے سید علی صاحب کی تعلیم و پرورش میں خاص اہتمام کیا۔ پندرہ سال عربی فارسی اور علوم اسلامی کی تعلیم دلائی۔ اس کے بعد (۱۸۶۶ء) انگریزی ادب و علم کی طرف متوجہ کیا۔

سید علی بلگرامی کی ذہانت و ذکاوت کا کرشمہ دیکھیے کہ آٹھ سال میں، سنسکرت لے کر ۱۸۷۴ء میں پٹنے سے بی اے کی ڈگری لی تین سال قانون کا مطالعہ کیا اور مقابلے کے امتحان میں اول آئے پھر رڑکی انجینیرنگ کالج میں داخلہ لیا۔

۱۸۸۷ء میں وہ ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولز تھے اور اس کے بعد سالار جنگ نے حیدر آباد بلا کر اپنے خاص عملے میں شریک کر لیا اور یورپ لے گئے وہ لندن سے میٹرک پاس کر چکے تھے اس لیے طبقات الارض کا مضمون لے کر امتحان پاس کیا وہاں سائنس، فلسفہ، تاریخ کا مطالعہ کیا اس طرح مغربی تعلیم مکمل کی۔ وہ عربی، فارسی، انگریزی، جرمنی، لاطینی، فرانسیسی، سنسکرت، بنگالی، مرہٹی، تلنگی، گجراتی، ہندی کے فاضل تھے۔ ان کے زمانے میں اس جامعیت کا کوئی آدمی معلوم نہیں۔

انھوں نے، انگلستان، فرانس، اسپین، جرمنی، اٹلی اور برصغیر کی سیاحت کی تھی، وہ حیدر آباد میں معتمد تعمیرات و معدنیات کے ساتھ ریلوے کے بھی نگران تھے اور حیدر آباد کی علمی ترقی کے باعث ہوئے ملک بھر کے علماء و فضلاء کی قدر کرتے۔ مصنفین کو صلے دلواتے تھے۔ باوجود مختلف النوع مصروفیات کے خود بھی لکھتے پڑھتے رہے۔ ۱۸۹۱ء میں سر آسمان جاہ سے اختلاف ہوا تو کلکتہ یونیورسٹی سے بی ایل کا امتحان قانون دے دیا۔ ۱۸۹۳ء میں حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ ۱۹۰۱ء میں پنشن لے کر انگلستان چلے گئے وہاں ۱۹۰۳ء میں مرہٹی کے ریڈر مقرر ہوئے۔ اسی سال انڈیا آفس کی فہرست مرتب کرنے پر مامور ہوئے۔ کتابوں سے انھیں عشق تھا اور ان کا کتاب خانہ ملک کا بہت اہم کتب خانہ مانا جاتا تھا۔

- مولانا نے عربی میں "الحقائق" نامی رسالہ جاری کیا۔
- حیدر آباد میں سررشتۂ علوم و فنون قائم کیا اور شبلی صاحب کو ناظم بنایا۔
- مسلم یونیورسٹی کی ترقی میں بھرپور حصہ لیا۔

آخر ۳ مئی ۱۹۱۱ء جمادی الاولی ۱۳۲۹ھ کی رات کو حرکت قلب بند ہونے سے ہردوئی میں رحلت کی۔

(سید مظہر علی، روزنامچہ طبع لکھنؤ ۱۹۵۴ء)

تصانیف: • تمدنِ عرب، موسیولی بان کی فرانسیسی کتاب کا ترجمہ • تمدنِ ہند،
• ویدک لٹریچر۔ مقالات (مخزن۔ ستمبر ۱۹۰۵ء) • طلسم اعضاء انسانی۔ مقالہ (حسن سعید آباد ۱۸۸۰ء)
• انتخاب تاریخ ہند، طبع مئی ۱۸۸۷ء

اس کے علاوہ بہت سے حواشی و مضامین جو کم یاب ہیں۔ اردو ادب کی تمام تاریخوں میں سوانح ملتے ہیں۔
(نزہتہ ج ۸۔ ص ۳۲۶)

علی، سید بن غفران مآب:

۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۵ء
۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء

مولانا سید علی بن مولانا دلدار علی ۱۸ شوال ۱۲۰۰ھ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لکھنؤ سے فراغت کے بعد ۱۲۴۵ھ میں کربلائے معلےٰ تشریف لے گئے جہاں علماء بڑی عزت سے پیش آئے۔ خصوصاً سید کاظم رشتی جنہوں نے آپ کو اجازہ بھی دیا۔ دوسری مرتبہ ۱۲۵۶ھ میں خراسان اور وہاں سے عراق تشریف لے گئے۔ مگر کربلائے معلےٰ پہنچ کر ۱۲۵۹ھ میں رحلت کی۔ حجۃ الاسلام سید علی طباطبائی کی قبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔

عالم و قاری و مفسر، عابد، زاہد، مقدس، امام جمعہ و جماعات، خطیب و واعظ، مصنف و مؤلف تھے۔

تصانیف: • ترجمہ و تفسیر قرآن مجید التوضیح المجید دو جلدوں میں۔ مطبوعہ ۱۲۵۳ھ۔
• رسالہ مبحث فدک۔ • اثبات متعہ۔ • رسالہ قراءت۔ • تردید اخباریین • جواز عزاداری میں رسالہ۔
(نزہتہ ج ۷، ص ۳۲۳ بے بہا)

علی، سید شاہ، رضوی:

۱۲۱۷ھ / ۱۸۰۲ء
۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۳ء

مولانا سید علی شاہ ۱۲۱۷ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ صفدر شاہ جیسے جلیل القدر بزرگ کے فرزند اور معقول و منقول میں انہی کے شاگرد تھے۔ ۱۲۳۹ھ میں زیارت عتبات عالیات کے لیے تشریف لے گئے مگر ۱۲۴۰ھ میں واپس آکر فرخ آباد میں قیام فرمایا۔ چند دنوں کے بعد والد بزرگوار سے دوبارہ سفر کی اجازت لے کر عراق تشریف لے گئے۔ ذوالحجہ ۱۲۴۰ھ میں کربلائے معلےٰ پہنچے۔

عراق میں بڑے بڑے علماء موجود تھے آپ نے ان سے درس حاصل کیا۔ ان اساتذہ کے نام یہ ہیں:
• مولانا محمد شریف صاحب تلمیذ صاحب شرح کبیر و جناب شیخ مرتضےٰ انصاری صاحب رسائل

مولانا شیخ موسیٰ۔ • جناب شیخ علی مولانا شیخ جعفر صاحب کاشف الغطاء • سید مہدی بن جناب سید علی طباطبائی۔ • شیخ المشائخ صاحب جواہر بارہ سال کے قریب قیام کیا۔ صفدر شاہ صاحب نے طلبی کا خط لکھا تو صاحب جواہر نے روک لیا کہ پہلے تصنیف و تالیف کا کام کر لو۔ چنانچہ آپ نے متعدد کتابیں تحریر فرمائیں۔ متعدد اساتذہ نے اجازات دینا چاہے مگر آپ نے توجہ نہ فرمائی۔ اس کے باوجود صاحب جواہر اور سید مہدی طباطبائی جیسے اکابر نے انتہائی عظمت و احترام و جلالت کا ذکر فرماتے ہوئے اجازہ ہائے اجتہاد عطا فرمائے۔

بارہ برس کے بعد فرخ آباد آئے اور ۱۲۵۲ھ میں نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خان وزیر نواب سعادت علی خانؒ کے ہمراہ لکھنؤ تشریف لائے۔

فقہ و اصول میں یکتا۔ زہد و ورع میں یگانہ عبادت و ادائے حقوق ناس میں بے مثل زمانہ تھے تقویٰ اور گوشہ نشینی شعار، سخاوت و قناعت فطرت تھی۔ رات بھر نماز پڑھتے اور وقت سحر اس مسجد میں تشریف لے جاتے جس کے قریب والدین کی قبریں تھیں۔ رات کی تھکان سے نیند آتی تو والدہ کی قبر کے پائنتی زمین پر سو جاتے اور ایک دو لمحے بعد پھر عبادت میں مصروف ہو جاتے۔

کربلائی محمد خان تاجر اصفہانی نے خواب دیکھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ ان کے برابر ایک بزرگ سبز عمامہ باندھے بیٹھے ہیں۔ خان صاحب نے حضرت سے کوئی مسئلہ پوچھا تو حضرت نے فرمایا:

ان سید سے پوچھو۔ صبح کو مولانا کلکتہ پہنچے اور تاجر موصوف کے مہمان ہوئے۔ کربلائی محمد خان جب دیکھتے ہی پہچان گئے۔ بڑی عزت و حرمت سے مہمان کیا۔

ایک سفر میں نماز کا وقت آگیا یا کسی اور کام سے قافلہ روک لیا گیا۔ جگہ ڈراونی تھی۔ لوگوں نے تامل کیا مگر مجبور تھے، سب لوگ اترے اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ مولانا نماز نوافل پڑھنے لگے۔ جنگل سے شیر کی آواز آئی۔ لوگ خوفزدہ ہو کر درختوں پر چڑھ گئے۔ آپ سے درخواست کی مگر آپ مصروف عبادت رہے۔ شیر جنگل سے نکل کر آپ کے پاس آیا۔ مولانا نے فرمایا تم حیوانات نہ مکلف ہو نہ گناہ کرتے ہو۔ اس لیے عذاب الٰہی سے محفوظ ہو۔ ہم گنہگار مبتلائے معاصی پروردگار ہیں یہ سن کر شیر سر جھکائے مادہ کو لیے جنگل کی طرف نکل گیا۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ اب درختوں سے اتر آؤ مگر کوئی نہ مانا۔ آخر جب سورج نکلا اور لوگ درختوں سے نیچے آئے تو مولانا کے جسم کے کپڑے مانگ کر تبرکاً لے لیے اور اپنے اپنے کفن میں رکھنے کی وصیت کی۔

مہدی علی خان نے بہت کوشش کی کہ سرکاری طور پر جو رقم مختلف مدوں میں خرچ ہوتی ہے۔ مولانا کے ذریعے تقسیم ہو، مگر مولانا نے ہمیشہ انکار فرمایا:

یہ احتیاط و کمال باطن اب تک ان کے خاندان میں چلا آرہا ہے۔ آپ کے تمام معاصر علماء و اکابر بڑا ادب کرتے تھے، فقہ و اصول میں بے شمار حضرات نے آپ سے فیض اٹھایا۔

۲۵ ربیع الاول ۱۲۶۹ھ کو رحلت فرمائی اور حکیم مہدی علی خان کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

جنازے کی مشایعت میں تمام شہزادے، اکابر و اعیان علمائے اعلام، سلطان العلماء، سید العلماء کے ساتھ مومنین شہر کا جم غفیر ہم رکاب تھا۔

تصانیف: • معیار الاحکام شرح شرایع الاسلام۔ • کفایتہ المستفید فی مباحث الاجتہاد والتقلید۔ • ازالتہ الشبہات فی بیان دلالتہ النہی علی الفساد فی العبادات والمعاملات۔ • تحقیق الصواب فی مباحث الاستصحاب۔ • تداخل اسباب۔ نامکمل۔ • بعض حواشی کتب فقہ واصول۔ • کاشف القناع عن حجیة الاجماع • کاشف الغمہ فی اصالة براءة الذمہ۔ • الفوائد العلویہ فی المسائل الفقہیہ۔ • حجیة المراسیل وعدمہا۔ • رسالة فی تداخل الاسباب (فقہ، عربی)

تلامذہ: بکثرت تلامذہ میں سے چند نام یہ ہیں:

- آقا سید عبداللہ صاحب۔ • ملا جواد صاحب۔ • امیر الامراء الحاج علامہ عالی جاہ متوفی ۱۲۸۱ھ
- امیر الامراء الحاج والا جاہ متوفی ۱۲۸۹ھ۔ • سید مہدی شاہ (مولانا کے داماد بھی تھے)
- مولانا سید محمد صاحب جون پوری (تکملہ ج ۲ ص ۱۰ و بے بہا: ۲۲۰)

علی، سید، مولوی پیر علی:

حدود ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۰ء
۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء

مولانا سید علی عرف مولوی پیر علی بن سید حیدر علی صاحب علم کے عاشق صادق تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں گھر سے چھپ کر عبیک پور سے چھپرے تک پیدل گئے اور وہاں کی درگاہ کے سجادہ نشین سے دس سال تک پڑھتے رہے۔ استاد نے شاگرد کو سجادہ نشین بنانا چاہا تو وہاں سے لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ یہاں حضرت غازی الدین حیدر رحمۃ اللہ علیہ کا عہد حکومت تھا، شہر آباد، مدرسے معمور تھے لیکن یہ اجنبی آخر ایک مسجد میں ٹھہر گئے۔ نہ کسی سے سوال کیا نہ کچھ کھایا۔ ایک دن بارگاہ خدا میں عرض کی۔ "بارالہا! اگر میرا رزق دنیا میں نہیں رہا تو سختی موت آسان فرما۔ ورنہ شکم سیری کی کوئی سبیل پیدا کر دے"۔ اچانک ایک شخص نے آکر کہا کہ چلو فلاں جگہ طلباء کی دعوت ہے۔ انھوں نے عذر کیا مگر وہ بزرگ اصرار کر کے لے گئے دعوت میں ایک ایک آدمی کو کھانا اور پانچ پانچ روپے دیئے گئے۔

جناب علیین مکاں مولانا سید حسین صاحب قبلہ کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے۔ ایک دن جناب نے فرمایا پیر علی آپ کا نام کچھ نہیں لگتا۔ جب سے سید علی نام ہو گیا۔ کسی رئیس زادے کی تعلیم پر مامور ہوئے جہاں سے پہلے پندرہ پھر تیس روپے ماہوار ملنے لگے مگر مال دنیا سے محبت نہ تھی جو ملتا وہ بستر کے نیچے ڈال دیتے۔ ایک دن بستر جھاڑا تو رقم کثیر نکلی۔ نواب صاحب کے یہاں آنا جانا چھوڑ دیا۔ اور جناب سے عرض کی کہ حضور اگر میرے اوپر حج واجب ہو گیا تو درس جاتا رہے گا۔ بلکہ صرف پڑھنے آیا ہوں۔ اس دن سے جناب نے اپنے صاحبزادگان جناب ممتاز العلماء اور زبدۃ العلماء کی تعلیم آپ سے متعلق کر دی۔ بارہ سال لکھنؤ رہ کر وطن تشریف لے گئے تو اہل وطن باجے تاشے سے استقبال کرنے آئے۔ آپ نے سب کو روک دیا۔ چند روز قیام کر کے پھر مرکز علم کا رخ کیا اور اپنے ساتھ چند ہم سن جوانوں کو بھی ساتھ لیتے آئے۔ اب کی مرتبہ طلب و علوم دین میں کمال کی سند لے کر حسب طلب راجہ مومن علی خان رئیس پورینہ پورینہ روانہ ہو گئے۔ لیکن چونکہ مولانا کو چلنے میں بہت دیر لگی اور وہاں ایک ایرانی فاضل پہنچ چکے تھے۔ اس لیے واپس آتے ہوئے چھپرے پہنچے اور مومنین کے اصرار سے وہیں ٹھہر گئے۔

۱۲۵۸ھ میں نواب سید محمد کاظم صاحب نے مظفر پور میں روک لیا۔ آپ نواب صاحب کے بچوں کو تعلیم دیتے رہے۔

انتہائی قانع بزرگ تھے۔ لوگوں نے نذر اور خدمت کرنا چاہی مگر ہمیشہ عذر کر کے واپس کر دیتے رہے جناب نواب علی خان رئیس حسین آباد نے بہت کوشش کی کہ پانچ سو روپیہ قبول فرما لیں گے مگر مولانا نہ ملے۔ موضع بنگرہ میں آپ کی سسرال تھی، مظفر پور سے بنگرہ پہنچے، اتفاق سے محلے میں گانا ہو رہا تھا آپ وہاں سے مظفر پور پیدل واپس آگئے۔

نواب محمد کاظم صاحب کے باورچی خانے کی جنس وغیرہ مشتبہ تھیں لہٰذا بنگرہ سے کھانا آتا تھا۔ وہی نوش فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ میر صداقت حسین عشروی سے فرمایا کہ تمہاری والدہ ہمارے خاندان سے تھیں اس کا کچھ حق نکلتا ہے۔ میر صاحب نے معاف فرما دیا۔

غریبوں کو ذلیل اور فقیروں کو بے آبرو نہ جانتے تھے جہاں کی نامناسب باتوں سے چشم پوشی فرماتے تھے بلکہ بعض عزیزوں اور غریبوں کو تنخواہ دیتے۔ ان کی لڑکیوں کی شادی کرا دیتے تھے۔ وطن میں مسجد اور کنوئیں کی خود تعمیر کرائی۔

تقدس و مقبولیت کا یہ حال تھا کہ چھپرے میں قحط پڑا۔ لوگ پریشان تھے۔ آپ نے نماز استسقاء پڑھائی۔ ابھی اعمال ختم نہ ہوئے تھے کہ پانی برسنے لگا۔

مظفر پور میں قحط پڑا تو عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے تمام مومنین کو لے کر باہر چلے گئے۔ بعد نماز سر برہنہ ہو کر دعا کی اور فوراً مینہ برسنے لگا۔

مظفر پور ہی کا واقعہ ہے کہ ۲۹ رمضان کو ابر چھایا ہوا تھا۔ آپ نے زیر آسمان دعا کی پروردگار عالم نے دعا قبول کی، بادل چھٹے اور چاند نظر آگیا۔

ایک مرتبہ چھپرے کے کسی رئیس کے یہاں مہمان ہوئے۔ شب کو سونے کے لیے ایک مکان پسند فرمایا تو لوگوں نے عرض کی کہ اس مکان میں جن رہتے ہیں۔ مولانا نہ مانے۔ رات ہوئی تو اندر سے دروازہ بند کرکے آرام کیا۔ آدھی رات بعد ایک سفید ریش، سبز عمامہ پوش عصا بدست حاضر ہوا، سلام کے بعد کہنے لگا۔ مولانا میں جن ہوں اگر اس وقت آپ کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو زندہ نہ جاتا۔ آپ کے لیے مکان اور بھی ہیں یہاں سے تشریف لے جائیں۔ مولانا نے فرمایا۔ مجھے کچھ عذر نہیں، آپ مومن معلوم ہوتے ہیں۔ غور کریں، رات کا وقت ہے۔ سب سو رہے ہیں اس وقت کسی کو دکھ دینا اچھا نہیں۔ میں صبح سویرے چلا جاؤں گا جن نے عذر قبول کیا اور چلا گیا۔ اولاد: • ڈاکٹر محمد جواد۔ • محمد مہدی

ستر برس کے قریب عمر پا کر ۱۲۸۵ھ میں وفات پائی۔ (بے بہا ۲۲۰)

علی سید، فیض آبادی:

۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء

مولانا سید علی فیض آبادی مولانا سید محمد صاحب کے فرزند تھے۔ دیوگھٹہ ضلع غازی پور وطن تھا۔ بڑے عالم و فاضل معزز و باوقار تھے۔ واجد علی شاہؒ نے آپ کو آپ کے والد کی جگہ معین فرمایا تھا۔ جب آپ فیض آباد سے اپنے وطن آتے تھے تو آٹھ دس چوبدار سرکاری طور پر آپ کی سواری کے ساتھ چلتے تھے۔

لیفٹیننٹ دوبیزن نے الکلیل العلماء سید محمد محسن صاحب سے خبر وفات سن کر بہت افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں نے اپنے کمرے میں ان کی تصویر رکھی ہے۔

فیض آباد میں ۱۳۱۵ھ میں رحلت کی اور اپنے فرزند مولوی سید محمد حسین بانی وثیقہ اسکول کو یادگار چھوڑا۔

(بے بہا - ۲۴۴ - گوہر منثور)

علی سید، منیر صاحب میراں پوری لکھنوی:

حدود ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء
۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء

جناب میر سید علی صاحب جناب محمد حسین کے فرزند تھے، آبائی وطن میراں پور مگر مولد لکھنؤ تھا عالم و فاضل، خلیق و عابد، خطیب و ذاکر، منیر و حلیم، سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب کے شاگرد تھے۔

فنون نظم میں مرزا دبیرؔ سے تلمذ رہا۔ درس بھی دیتے تھے اور فقہ پڑھانے سے دلچسپی تھی۔ محدث کے نام سے شہرت تھی۔

شہر میں بڑی عزت تھی، علماء و امراء، شہزادے سب آپ کی سفارش قبول کرتے تھے۔ مجلسیں پڑھنے میں یہ انکساری کہ جس نے وعدہ لیا پہنچ گئے۔ دن دن بھر مجلسیں پڑھتے تھے۔ حد یہ ہے کہ کھانا منگا کر مجلس میں یا مسجد میں کھا لیا اور پھر کہیں مجلس میں چلے گئے۔

ہمیشہ مجلس لکھ کر پڑھی، کاپی جہاں سے کھل جاتی وہیں سے پڑھنا شروع کر دیتے، خوش گلو اور محتاط تھے۔ قصائد پڑھتے تھے اور خوب پڑھتے تھے۔ آداب منبر کا خیال رکھتے تھے۔ ہاتھ پاؤں مارنا، زانو پیٹنا، کھڑے ہو جانا معیوب جانتے تھے۔

منتظم و محاسب بھی تھے۔ نواب وزیر صاحب بہادر کی ریاست میں مینیجر رہے اور تمام کام اپنے گھر پر کرتے تھے۔

مقدس و مقبول ایسے کہ شہر میں بارش نہ ہونے پر نماز استسقاء کا اہتمام ہوا۔ جناب مفتی صاحب نے مولانا کو مجلس پڑھنے کا حکم دیا اور خود نماز پڑھائی۔ دعا قبول اور مجلس کامیاب ہوئی اور پانی برسا خوب برسا۔

لطیفہ یہ ہے کہ اس سے ایک ہفتہ پہلے سُنّیوں نے نماز پڑھی لیکن بارش نہ ہوئی۔ شیعوں کی دعا کے بعد جو بارش ہوئی تو میاں شیرؔ نے کہا:

دریا پہ شیعیان شہ بحر و بر گئے — گرمی سے موتی جھیل پہ بندر اتر گئے

مولانا میر سید علی دبستان ذاکری کے مسلّم الثبوت استاد مانے جاتے ہیں۔ آپ نے تقریباً اسی سال کی عمر پا کر ۲۴ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ دنیا کو الوداع کہی۔ جناب تاج العلماء نے نماز جنازہ پڑھائی اور ہزاروں آدمیوں نے حسینیہ غفران مآب میں سپرد لحد کیا۔

تصانیف: • ترجمہ زیارت ناحیہ مطبوعہ۔ • مجالس علویہ دو جلدیں مطبوعہ طبع ۱۲۹۲ھ متعدد مجلد غیر مطبوعہ۔ • ترجمۂ اردو دعائے جوشن صغیر مطبوعہ۔ • ترجمۂ اردو دعا ممات مطبوعہ اولاد: مولوی محمد عباس عرف جمن صاحب، جو فاضل و متقی و ذاکر بھی تھے۔ موصوف نے ساٹھ سال عمر پا کر شعبان ۱۳۳۶ھ میں انتقال کیا۔ (بے بہا ۲۳۲ - الواعظ محرم نمبر ۱۳۷۳ھ - دبستان دبیر ۱۳۹۰ھ - تاریخ وفات ہے - ص ۲۹۵)

علی سید، حائری:

۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۶ء
۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

مولانا سید علی حائری، لاہور کے عظیم المرتبت عالم و مجتہد تھے۔ موصوف نے لاہور میں علمی تحریکوں

میں بہت بڑا حصہ لیا۔ آپ کے والد جناب سید ابوالقاسم لکھنؤ کے فارغ التحصیل بزرگ تھے۔ نواب قزلباش کے اصرار پر لاہور میں رہتے تھے اور دینی مشاغل کے سربراہ تھے۔ جناب سید علی لاہور میں پیدا ہوئے تاریخ ولادت ۱۲۸۸ھ ہے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد متوسطات اپنے والد علام سے پڑھے پھر تکمیل کے لیے عراق کا سفر کیا۔ عراق میں اس وقت سرکار میرزا محمد حسن شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا درس بہت بڑا درس تھا۔ مولانا حائری نے درسِ اعلیٰ ان کی خدمت میں مکمل کیا۔ ان کے علاوہ آقا میرزا حبیب اللہ رشتی، آقای سید کاظم طباطبائی، آقای مازندرانی، آقای محمد کاظم خراسانی، علامہ طباطبائی سید ابوالقاسم رحمہم اللہ سے مستفید ہو کر اجازے لیے اور بعد تکمیل علوم وطن واپس آئے۔

درس و مطالعہ و تبلیغ میں حصہ لینے لگے والد علام کے ساتھ تفسیر لوامع التنزیل کی تالیف میں ساتھ رہے مولانا ابوالقاسم نے ۲۴ محرم ۱۳۲۴ھ کو رحلت کی موصوف تیرہ پاروں کی تفسیر مکمل کر چکے تھے۔ ان کے بعد ستائیسویں پارے کے سورۂ قمر تک مولانا سید علی نے اسی انداز اسی اسلوب میں تفسیر لکھی۔

مولانا حائری، بڑے نورانی صورت، وجیہ اور خوش لہجہ تھے ان کا خطبہ از تلاوت قرآن مجید سن کر ہر شخص مسحور ہو جاتا تھا۔ حدیث و تفسیر کلام و تاریخ پر عبور تھا۔ قرآن مجید کی اشاعت و تعلیم کے لیے مدرسۃ الحفاظ آداب و اخلاق دین و شریعت کی تعلیم دی، علوم شرعیہ کو رواج دیا۔

عزت و اقبال، شہرت و مرجعیت، علم و عمل میں ایک دنیا لوہا مانتی تھی ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہر و قصبات میں دورے کیے۔ بمبئی، کلکتہ، لکھنؤ، دہلی، پشاور، حیدرآباد دکن تک سفر کیے۔ ان کی تقریریں بلا امتیاز مذہب و ملت سب شریک ہوتے تھے۔ ان کے مواعظ چھپتے تھے برما، افریقہ تک منعقد تھے، رسالوں میں ان کے فتوے شائع ہوتے تھے، مدیر ہے علامہ اقبال کی نذر خبار شرفا اوری شیخ اکو لاہور میں آنریبل سر نواب ذوالفقار علی خان، علامہ اقبال، سر شیخ عبدالقادر آپ کے ارادتمند تھے۔

آپ کا عظیم الشان کتب خانہ نفیس و نادر ذخیرے اور لاجواب قلمی کتابوں پر مشتمل تھا اور ملک کے مشہور کتب خانوں میں شمار ہوتا تھا۔ افسوس ہے کہ ان کے بعد سیلاب و بے توجہی سے ضائع ہو گیا۔ کچھ کتابیں ان کی اولاد نے اب محفوظ کر دی ہیں۔

آپ نے وسن پورہ لاہور میں شاندار مسجد تعمیر کی جو آپ کے مکان سے قریب ہے۔ مجالس کا قیام و محافل کا انعقاد فرمایا، جلوسِ ذوالجناح نکالا۔

حکومت برطانیہ نے شمس العلماء کا خطاب دیا تھا۔ بہتر سال کی عمر اور نصف صدی کے خدمات

تبلیغ اسلام کے بعد تفسیر نویسی کے دوران علیل ہو کر شنبہ ۳ جمادی الثانیہ ۱۳۶۰ھ ۲۸ جون ۱۹۴۱ء کو دارالشریعت وسن پورہ لاہور میں رحلت فرمائی اور گامے شاہ کی کربلا میں اپنے والد علام کے پاس دفن ہوئے۔

علامہ حائری کا جنازہ جس شان سے اٹھا اہلِ لاہور اب تک اس کا تذکرہ کرتے ہیں، حکومتی دفاتر اور تاجروں نے بازار بند کر دیے تھے۔ اخباروں نے خاص شمارے اور شاعروں نے قطعاتِ تاریخ کہے۔

اولاد: فرزندانِ کرام میں سید رضی، سید زکی اور سید نقی صاحبان ہیں۔

تصانیف: • غایۃ المقصود ۴ جلد (عقائد) • منہاج الاسلام (اصولِ دین) • رسالۃ الغدیریہ

- احکام الشکوک و شکیات نماز۔ • میزان الاعمال در میزانِ قیامت۔ • تقریظات الشاہجہانیہ (۳ جلد)
- مناسک حج۔ • نمازِ شیعہ۔ • لمعہ معانی در سجدہ بر خاکِ شفا۔ • تحذیر المعاندین رجال بجائے
- مفید الصبیان۔ • عشرۂ کاملہ (در مناقب)۔ • حجاب نسوان۔ • ہدایاتِ حائری۔
- فتاویٰ حائریہ (۸ جلد)۔ • رسالہ طاعون۔ • رسالہ المویدہ (در رد نصاریٰ)
- رسالہ اللواء (دفن اموات در کربلا)۔ • رسالہ سکوت امیر المومنین (خلافت)۔
- رسالۃ الہدیٰ در احکام سجدہ۔ • قصائد مدحیہ۔ • تفسیر لوامع التنزیل از جلد ۱۳ تا جلد ۲۰ ناتمام (راقم) نے مرحوم کے اصل نسخہ کی زیارت کی ہے۔ سورۃ القمر کے ابتدائی آیات (یعنی ستائیسویں پارے کے ربع تک تفسیر) مکمل کر چکے تھے کہ موت نے مہلت نہ دی۔
- سیف الفرقان در تحقیق فسق و ایمان۔ • بشاراتِ احمدیہ در اثباتِ نبوت و امامت۔
- التنقید۔ در اجتہاد و تقلید (فارسی) طبع ۱۳۱۳ھ لاہور۔ • تقلید و تنقید المومنین بمسائل ضروریہ۔
- رسالہ انوار در حلت اغسال۔ • تنبیہ الناصبین تحریف قرآن از کتب اہلِ سنت۔ مطبوعہ۔
- تنبیہ المومنین در شرائط اجتہاد۔ • رسالہ جوازِ نکاح سیدہ با غیر سیدہ۔ • خوارق البوارق۔ در اعجاز قرآن۔ • حدیث قرطاس۔ • حل ما لا ینحل در احکام کفارہ و ولد الزنا۔
- مقدماتِ نماز۔ • صورت الصلوٰۃ۔ • تبصرۃ العقلا در مقتل کربلا۔ • حجت شاہدہ بجواب خلافتِ راشدہ۔ • وسیلۃ المبتلا۔ • ملفوظاتِ حائری۔ • منہج المعاد۔
- موعظہ حسنہ (اظہارِ حقیقت)۔ • موعظہ مباہلہ۔ • موعظہ تقیہ۔ • موعظہ تحریف القرآن۔
- فلسفۂ اسلام۔ • تقریباً پچاس کتابیں اور رسالے۔

(بے بہا ۲۶۲ - انجمن ظلیفہ - جوبلی نمبر - المنتظر لاہور ۵ ر اگست ۱۹۷۱ء)

علی سید، جعفری :
۱۳۰۱ھ / ۱۹۲۰ء
۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

مولانا سید علی صاحب جعفری حضرت مولانا محمد رضا صاحب قبلہ فلسفی کے چھوٹے صاحبزادے تھے، خداداد ذہن، غیر معمولی صلاحیتوں، طبعی و اخلاقی نیکیوں کی وجہ سے بہت جلد ترقی کی، از اوّل تا آخر مدرسہ سلطان المدارس میں پڑھ کر صدر الافاضل کی سند لی۔ اسی کے ساتھ ساتھ الٰہ آباد اور لکھنؤ سے سرکاری امتحانات علوم مشرقی بھی اعلےٰ نمبروں میں پاس کیے۔ پھر انگریزی کی طرف آئے، میٹرک، ایف اے، بی اے، ایم اے عربی، ایم اے فارسی کر کے انگریزی میں ایم اے کیا۔ [illegible]
[illegible]
کراچی [illegible] اگست ۱۹۶۵ء کو رحلت کی۔

مولانا سید علی بڑی قابلیت کے آدمی تھے۔ انھوں نے خراسان اسلامک سینٹر میں اگر ایک طرح علمی منصوبہ بنایا تھا لیکن اجل نے مہلت نہ دی۔ ان کی موت نے جو روحانی دکھ مجھے دیا ہے اسے بھول نہیں سکتا۔

تصانیف : مختصر سی مدت میں بیس بائیس چھوٹے رسالے انگریزی اور اردو میں لکھے۔

- سوانح مختصر از حضرت رسالت مآب تا امام آخر الزمان (۱۴ رسالے) انگریزی۔ اردو۔
- عید مباہلہ۔ • عید غدیر۔ • خطبہ حضرت زینب۔ • حضرت زینب۔ • رسول و اہلبیت رسول، دو مجلد، متوسط (احوال حضرت رسالت مآب سے احوال حضرت امام رضا تک)
- صحیحین سے احادیث مناقب محمدؐ و آلِ محمدؐ انگریزی و بنگلہ ترجمہ کے ساتھ۔ • الحسینؑ
- اور بعض دوسرے رسائل۔

علی سید، صدر الافاضل :
۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء
۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۲ء

مولانا سید علی صاحب صدر الافاضل، بنگال میں مدرسۃ الواعظین کی طرف سے مبلغ تھے۔ آپ نے وقف محسنیہ ہگلی کا مقدمہ لڑ کر اس کے حقوق حاصل کیے۔ آپ نے افریقہ و عرب و برِ صغیر میں دورہ کیا اور اسلام و شریعت کی تبلیغ و ترویج کی۔ موصوف بڑے پرہیزگار اور با اثر شخصیت تھے۔

آپ نے ۲۷ مارچ ۱۹۴۲ء میں وفات پائی۔ (پیامِ اسلام)

علی سید، دیکھیے مشرف علی اور عجو مرزا۔

علی ابراہیم، نوابؒ :
حدود ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء

علی ابراہیم حسین آباد ضلع مونگیر کے باشندے اور علوم اسلامی کے فاضل تھے۔ کچھ عرصے تک مرشد آباد میں نواب قاسم علی خان سے وابستہ رہے پھر بنارس کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ یہ زمانہ لارڈ ہیسٹنگ کا تھا۔

تصانیف : • خلاصۃ الکلام تذکرہ شعراء فارسی۔ • گلزار ابراہیم تذکرہ شعراء اردو، طبع شدہ

علی نجفی، شیخ، بلتستانی :
۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء

حجۃ الاسلام شیخ علی نجفی مرحوم برولمو، بلتستان کے رہنے والے تھے۔ وطن سے طلبِ علم کے لیے عراق گئے اور آقائی نائینی مرزا محمد حسین رحمہ اللہ کے شاگرد ہوئے آیۃ اللہ سید جواد تبریزی مرحوم کے ہمدرس تھے۔ تقدس، ورع، تقوےٰ کے ساتھ فقہ و اصول سے گہرا شغف تھا۔ مولانا شیخ جراں ہمت مبلغ اسلام و داعی تھے۔ موصوف نے کھرمنگ اور شگر شگر اور اولڈنگ اور علاقہ پرک (ہندوستان) میں بھی دینی خدمات انجام دیں۔ سنی شیعہ سب ان کے ارادت مند اور فرماں بردار تھے۔ امور شرعیہ میں سخت گیر تھے، بدعات و محرمات کے خلاف جہاد کیا۔ اختلاف برداشت نہ کرتے تھے۔ باہمی جھگڑے فقہ اسلام کے مطابق حل کرنے کے زبردست داعی تھے۔ حکومت کافر کے سامنے مسلمانوں کے مقدمے جانے کے خلاف تھے۔ اخلاق و روحانی کشش کی بنا پر حکومت و عوام سب میں یکساں محبت و انس کے مالک تھے۔ عبادت و ریاضت کی بنا پر اللہ کا نور چمکتا تھا۔ شیریں زبان، شعلہ بیان تھے۔ انگریز کے دشمن اور آزادی کے پرستار اور فقہ کے نفاذ کے متمنی تھے۔

ایک مرتبہ پولیٹیکل ایجنٹ ملاقات و زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ اور انگریزی میں احوال پرسی اور بات چیت شروع کر دی۔ مولانا عربی میں جواب دینے لگے اور فرمایا کہ ہماری زبان عربی و اردو ہی ہے۔

مولانا نے مساجد و مدارس، امام باڑے اور رفاہِ عام کے خدمات انجام دیے۔ درس سے شغف تھا اور پچاس سال تک جاہل علاقوں میں دینی علم رکھنے والے علما و افاضل مہیا کیے۔ بیشمار علما کو عراق و ایران و ہند بھیجا۔

مولانا نے ۱۹۷۴ء میں رحلت فرمائی اور اپنے آبائی وطن برولمو بلتستان میں دفن ہوئے۔ آپ

کا مزار کرامات و قبول دعا کے لیے پورے علاقے میں مشہور ہے۔
اولاد: • شیخ حسنین صاحب مقیم نجف۔

علی اصغر:

حدود ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۵ء

جناب مولانا سید علی اصغر بن بہاء الدین جناب غفران مآب کے شاگرد اور بڑے فقیہ و عالم تھے۔
محمد علی شاہ بادشاہ اودھ کے عہد میں وفات پائی۔ (تکملہ نجوم السماء ۲/۳۴۳ و تذکرہ بے بہا ج ۲، ص ۳۴۳)

علی اظہر، نظام آبادی:

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

علی اظہر نظام آبادی بہت بڑے عالم تھے۔ جناب غفران مآب سے تلمذ تھا۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ جن میں سے "رد الاخباریہ" کا نام باقی ہے۔ (نزہۃ ج ۷، ص ۳۴۷)

علی اظہر، فخر الحکماء:

۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۱ء
۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء

مولانا علی اظہر رمضان ۱۲۷۷ھ کو پیدا ہوئے۔ ان کا تاریخی نام مظہر اسلام ان کے والد گرامی مولوی سید حسن کھجوہ ضلع سارن کے رہنے والے تھے۔ ایک مرتبہ سید حسین صاحب نے خواب میں دیکھا کہ جناب مولوی سید عابد حسین صاحب انھیں ایک ہیرا موتی دے رہے ہیں۔ اسی شب آپ کی ولادت نے خواب سچ کر دکھایا۔ نومولود کے لیے جناب مولوی شیخ علی اظہر صاحب چریا کوٹی نے تفاؤل کے بعد بامعنی اور بامعنی نام رکھا۔ "مظہر اسلام" لیکن جب کم سنی میں لکھنؤ گئے تو مولانا سید احمد علی محمد آبادی نے ایک اور نام سید حسین تجویز کیا۔ لیکن وہ مشہور علی اظہر ہی ہوئے۔ مولانا کی علمی خدمتیں ایک مفصل مقالے کی طلب گار ہیں۔ سر دست سنوں کی روشنی میں زندگی کا خاکہ دیکھتے چلیے۔
۱۲۸۴ھ میں آپ کی والدہ نے رحلت کی تو آپ پھر لکھنؤ آگئے۔
۱۲۸۹ھ میں علامہ کنتوری نے مدرسۂ ایمانیہ قائم کیا تھا۔ علی اظہر صاحب اس مدرسے کے پہلے گروپ میں تھے۔ اس امتحان میں کامیابی پر ھدایۃ الاطفال نامی کتاب انعام میں دی گئی۔
۱۲۹۳ھ میں عقد کیا گیا۔
۱۲۹۴ھ میں آپ تکمیل تعلیم کے لیے لکھنؤ آگئے۔

۱۲۹۵ھ میں آپ کے والد مولوی سید حسن صاحب حج کے لیے تشریف لے گئے۔ تو موصوف کو وطن جانا پڑا جہاں امامت جماعت آپ سے متعلق ہوئی۔
۱۲۹۷ھ میں بعد صحت امراض زیارت عراق و خراسان کو روانہ ہوئے۔
۱۲۹۸ھ میں لکھنؤ آئے اور طب کی تحصیل کی۔
۱۳۰۱ھ میں آرہ (بہار) چلے گئے اور وہاں مطب شروع کیا۔
۱۳۱۰ھ میں ہیرو سادات میں مناظرے کے لیے آئے اور سنیوں کے مقابلے میں کامیابی حاصل کی۔
۱۳۱۴ھ سے پٹنہ میں مطب شروع کیا۔ رمضان میں نماز پڑھاتے اور وعظ کہتے تھے۔
۱۳۱۵ھ سے ماہنامہ اصلاح جاری کیا۔ جو اب تک مسلسل جاری ہے اور تشیع کی علمی خدمتوں میں امتیاز کامل رکھتا ہے۔
۱۳۲۲ھ میں متعلقین سمیت زیارت عتبات سے مشرف ہوئے۔
حاجی شیخ حسین مازندرانی، شیخ محمد طہٰ عرب، آقای شریعت اصفہانی، جناب سید کاظم طباطبائی، جناب آقای صدر سے اجازے حاصل کیے۔
۱۳۲۴ھ میں حج سے مشرف ہوئے۔ ۱۲ شعبان ۱۳۵۲ھ سہ پہر کے وقت وطن میں رحلت کی۔
آپ کو اردو فارسی عربی پر قدرت تھی۔ تقریر و تحریر، نظم و نثر میں شہرت تھی۔ شیعوں میں آپ نے ادارۂ اصلاح اور الشیعہ قائم کر کے دار المستفیدین اعظم گڑھ کا جیسا کام کیا ہے۔
طہارت و عبادت میں وارفتگی تھی۔ بچپنے ہی سے حمایت اہل بیت اور تبلیغ مذہب کا شوق تھا جو اپنے کمال کے ساتھ زندگی کا حاصل سمجھا۔

اساتذہ: • مولوی غلام صادق۔ • مولوی ضامن علی • مولوی محمد امین صاحب گوپالپوری۔ • حکیم میر حیدر حسین۔ • حکیم باقر حسین صاحب۔ • جناب عماد العلماء سید محمد مصطفیٰ صاحب لکھنوی

اولاد: • مولوی سید علی حیدر صاحب۔ • مولوی محمد حیدر صاحب۔

تصانیف: • مناظرۂ احمدیہ عربی۔ • حاشیہ شرح تہذیب عربی۔ • حاشیہ قطبی عربی۔ • حاشیہ شرح ملا مبین عربی۔ • حاشیہ ملا حسن عربی۔ • حاشیہ حمد اللہ عربی۔ • حاشیہ ملا جلال • رشحۃ الافضال علی حاشیہ ملا جلال۔ • تحفۃ البیان علم معانی و بیان کی شرح۔ • المرقومات رد رسالہ شاہ عبد العزیز دہلوی۔ • نافع العشرہ (فارسی) • ذو الفقار حیدر۔ • کنز مکتوم فی حل فی عقد ام کلثوم۔

- تشفی اہل السنۃ والخوارج ۔ • تبصرۃ السائل ۔ • دفع الوثوق عن نکاح الفاروق مع آل الاصحاب
- تنقید بخاری ۵ جلد ۔ • رد ملاحدہ دو جلد ۔ • کشف الظلمات بجواب آیات بینات ۴ جلد
- رسالہ وضو ۔ • تاریخ الاذان ۔ • تصحیح تاریخ ۔ • رسالۃ الجمرہ ۔ • رسالہ تہذیب عقل اہل سنت

(بے بہا: ۲۵۹ ۔ رسالۃ الحافظ لاہور)

علی اکبر، پانی پتی :

۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۲ء
۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء

علی اکبر پانی پتی دہلی کالج کے فاضل و لائق طالب علم تھے ۔ ۱۸۴۷ء میں جب ڈاکٹر اسپرنگر پرنسپل دہلی کالج سلاطین اودھ کے کتاب خانے دیکھنے آئے تو اکبر علی کو ساتھ لائے تھے ۔ علی اکبر نے فہرست نگاری میں مدد کی ۔ ہو سکتا ہے کہ پورا کام ہی علی اکبر صاحب کا ہو ۔

علی اکبر کو لیفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی کی سفارش سے آگرہ کالج کا پہلا عربی پروفیسر مقرر کیا گیا علی اکبر صاحب نے تیس برس کی عمر پا کر ۱۸۵۲ء میں رحلت کی ۔ (ادبی دنیا لاہور، نومبر ۱۹۳۶ء)

علی اکبر بن سلطان العلما :

۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء
۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء

مولانا علی اکبر جناب سلطان العلما سید محمد صاحب قبلہ کے فرزند یکم رجب ۱۲۴۹ھ میں پیدائش ہوئی ۔ آپ علوم رسمیہ کے فارغ التحصیل اور طب میں بھی بہت قابل تھے ۔ تصنیف و تالیف سے دلچسپی رہی ۔ ڈپٹی کلکٹری اور منصفی کے اعزاز بھی حاصل کیے ۔

اسّی سال عمر پا کر ۲ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ یوم شنبہ صبح کے وقت رحلت کی ۔ شہر کے علما و رؤسا، شیعہ و سنی سب جنازے میں شریک ہوئے اور چار علما نے ایک صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی ۔ آپ نے اپنی جائداد امور خیر اور کتب خانہ عام فائدے کے لیے وقف فرما دیا تھا ۔

اولاد : • مولوی علی غضنفر ۔ • مولوی علی گوہر ۔ • مولوی علی مظفر ۔ • مولوی علی انور ۔

تالیفات : • بشارات غیبیہ ۔ • تفسیر سورۂ یوسف ۔ • شرح خطبۂ شقشقیہ • ذخیرۂ رستگاری ترجمہ • حدیث ابی ذر غفاری • اسرار حکمت (ترجمہ خطبۂ تطنجیہ و دعائے سیمات) • عنوان ریاست و بنیان سیاست (خلاصۂ دستور بنام اشتر) • معارج العرفان بیان اصول ایمان ۱۴ کتابیں (بے بہا ۲۴۹ ۔ ورثۃ الانبیاء)

علی بخش :

حدود ۱۲۹۲/۱۸۷۵ء

مولانا شیخ علی بخش مصطفٰی آبادی ضلع فیض آباد (ہند) کے باشندے اور نیشا پور نامی قصبے کے

زمیں دار تھے ۔ اس قصبے اور مضافات میں سید مصطفٰی زیدی کی سعی کامیاب سے صدیوں پہلے تشیع پھیلا سید مصطفٰی نے مقامی ٹھاکروں کو عہد تغلق میں شیعہ کیا اور مصطفٰی آباد ان کے بعد سے اب تک شیعہ علماء و فقہاء کی پرورش گاہ ہے ۔ انھیں میں جناب مولانا علی بخش صاحب کا نام بھی زندہ ہے ۔ موصوف نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں آفتاب ہدایت فقہ کا متوسط عملیہ ہے جو بارہا چھپ چکا ہے ۔

مولانا علی بخش نے بمبئی میں دیر تک قیام کیا، آخر میں وطن واپس آئے اور وہیں ابدی نیند سو گئے ۔ (بقول، مولانا المکرم ناصر حسین صاحب قبلہ فیض آباد)

علی جواد بن سید محمد زنگی پوری :

۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء
۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء

حجۃ الاسلام عارف کامل، عالم عامل، مبلغ اسلام مروج دین جناب مولانا علی جواد صاحب قبلہ زنگی پور میں پیدا ہوئے ۔ ربیع الثانی ۴، ۱۲۷۴ھ آپ کی تاریخ ولادت ہے ۔ دس سال کے تھے جب آپ کے والد سید محمد صاحب نے رحلت فرمائی ۔ آپ کے نانا سید عنایت حسین صاحب باروی بنارس میں رہتے تھے ۔ مولانا علی جواد نانا کے پاس بنارس آ گئے ۔ آپ نے مولوی امداد علی صاحب بنارسی اور مولوی رضا حسین صاحب نونہروی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی ۔ لکھنؤ گئے اور جناب سید حسن صاحب لکھنوی جناب تاج العلما علی محمد صاحب، جناب میر آغا صاحب وغیرہ سے تکمیل درس کے بعد درجۂ اجتہاد حاصل کیا اور جناب آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی نے اجازہ مرحمت فرمایا

مولانا علی جواد صاحب نے بنارس کو دار الاسلام بنانے میں جو محنت کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی ۔ ہندوؤں کا سب سے بڑا مرکز جہاں صدیوں سے مسلمان ہندو ثقافت سے ہندو نما ہو چکے تھے مولانا علی جواد صاحب نے اپنی پاک باطنی، ریاضت، علم و عمل، وعظ و نصیحت سے انقلاب پیدا کر دیا ۔ مسلمانوں کو ہندوؤں سے جدا کیا ۔ انھیں اسلامی تعلیمات سے باخبر کیا ۔ ان کے ہاتھ کا کھانا ختم کرایا ۔ مسلمانوں سے دوکانیں کھلوائیں ۔ ان میں غیرت نفس اور احساس مذہب پیدا کیا ۔ شیعہ سنیوں کو شیر و شکر کیا اور ہندوؤں سے دشمنی نہ پیدا ہونے دی ۔ محبت کا پیغام اور اخلاق کا درس دیا ۔ آپ کی مجلسوں میں ہندو مسلمان سب شریک ہوتے تھے ۔ تین تین چار چار گھنٹے کے بیان میں کسی کی دل آزاری نہ فرماتے، دور دور سے لوگ مجلس و وعظ میں شرکت کے لیے آتے تھے ۔ خدا نے زبان میں تاثیر اور بیان میں درد دیا تھا ۔ عید غدیر و عید میلاد النبیؐ ۱۷ ربیع الاول ۱۳ رجب اور ۲۸ صفر کی مجلسیں دور دور تک مشہور تھیں ۔

مولانا علی جواد صاحب نے مدرسۂ ایمانیہ قائم کیا جو بعد میں بہت مشہور ہوا۔ خود درس بھی دیتے تھے اور نماز بھی پڑھاتے تھے۔ مسلمانوں کے تمام معاملات میں پیش پیش ہونے کے باوجود نام و نمود سے دور، شہرت و نام جوئی سے نفور تھے۔ اپنی اولاد کو بھی بہترین تربیت دی تھی۔ مولانا محمد سجاد صاحب کو اپنے سامنے مسجد کی امامت و درس کی خدمت دے دی تھی۔

مولانا علی جواد صاحب نے مسلمانوں کو تجارت کی طرف لگایا۔ ان کی تعلیم و تربیت کا ڈول ڈالا، فلاح الاخوان اور تہذیب الاخلاق کے نام سے دو ادارے قائم کیے جن کے ذریعے معاشی فلاح و بہبود اور تجارتی ترقی کے منصوبے بروئے کار لائے گئے۔ ان دونوں اداروں نے بہت کام کیا۔

قومی معاملات میں آپ نے غیر معمولی خدمتیں انجام دی ہیں۔ آج تک لوگ آپ کے زہد و اتقا علم و عمل، شخصیت و کردار کو یاد کرتے ہیں۔

مولانا علی جواد صاحب نے ۱۳۳۹ھ میں رحلت کی اور بنارس ہی میں مزار بنا۔ ایک سال پہلے آقای سید کاظم طباطبائی یزدی نجفی اور سید اسماعیل صدر نے رحلت کی تھی۔ ۱۳۳۹ھ میں زعیم اکبر میرزا محمد تقی شیرازی نے رحلت کی۔

اولاد: • مولانا محمد سجاد صاحب مرحوم۔ • مولانا سید النقی صاحب مرحوم۔ (بے بہا ص ۱۱۸)

علی جواد صدر الافاضل:

۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۸ء

مولانا سید علی جواد صاحب صدر الافاضل بڑے عالم و عابد بزرگ تھے۔ درس و تدریس، تقریر و تحریر کے ذریعے بڑی خدمت دین کی۔ گلزاری باغ پٹنے میں امام جمعہ جماعت بھی رہے۔ آخر ۱۲ رجب ۱۳۸۵ھ کو رحلت فرمائی۔

علی حسن جائسی (مجتہد العصر):

حدود: ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۶ء
۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء

فقیہ مؤتمن سید علی حسن بن غلام امام صاحب جائس کے مشہور عالم اور اپنے عہد کے مرجع تھے۔ علم و عمل، زہد و تقوٰی میں اپنی مثال آپ تھے۔ جناب مولانا سید محمد صاحب اور جناب مولانا سید محمد تقی سے تلمذ تھا۔

مرتبۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ بڑھاپے میں عراق تشریف لے گئے تو علما نے "سید المجتہدین" کے لقب سے یاد کیا۔

سجاد حسین کرولوی پرگنہ دلمؤ ضلع رائے بریلی نے مجموعہ مسائل مرتب کیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف سے کس قدر استفسارات و رجوع خلق تھی۔ یہ مجموعہ مولانا آغا مہدی صاحب کے پاس کراچی میں موجود ہے۔

عبد الحی صاحب کی روایت ہے کہ ۵۹ برس کی عمر پائی اور ۷ رجب ۱۳۳۲ھ مطابق ۲۷ مئی ۱۹۱۴ء کو جائس میں رحلت کی۔ مولانا آغا مہدی نے لکھا ہے۔ ۱۹۱۴ء میں اس دنیائے ناپائیدار کو خیر باد کہا اور کئی فرزند علم و عمل سے آراستہ چھوڑے۔ شمس العلما مولانا سبط حسن صاحب اُن کے نواسے تھے اور مولوی سید سمی الحسن محافظ کتب خانہ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ احفاد میں ہیں۔

تصانیف: • دلائل السَّنِیَّہ فی اجوبۃ المسائل السَّنِیَّہ (طبع لکھنؤ)

(تاریخ سلطان العلماء ص ۱۶۲ ۔ نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۳۲۹)

علی حسین، زنگی پوری:

۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء
۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء

حاجی ملا علی حسین بن خیرات علی، سادات و علماء زنگی پور میں تھے۔ آپ ۱۲۴۸ھ زنگی پور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم حاصل کر کے گھر والوں سے چھپ کر تحصیل کمال کے لیے وطن سے ہجرت کی اور لکھنؤ پہنچے جہاں اپنے پھوپھا جناب نخبۃ العلماء حسن علی صاحب اور مولوی حسین اصغر صاحب پاروی، مولوی محمد طاہر صاحب اور جناب مفتی محمد عباس صاحب سے فیض حاصل کیا۔ اثنائے تعلیم میں علیل ہو کر وطن آئے صحت کے بعد دوبارہ لکھنؤ پہنچے اور جناب قائمۃ الدین مرزا محمد علی صاحب، جناب ممتاز العلما اور جناب سید حسین صاحب جناب سید احمد علی صاحب محمد آبادی طاب ثراہم سے مختلف علوم میں کمال حاصل کیا۔ [illegible]

بڑے عالم و فاضل، متقی و سلیم الطبع تھے۔ علماء آپ کے زہد و پرہیزگاری کے مداح تھے۔ عربی و فارسی کے شاعر و نثر نگار بھی تھے۔

قصبہ صاحب گنج میں مرزا اقبال بہادر عرف ننھے صاحب کے یہاں امام جمعہ و جماعت تھے ۱۵ ربیع الثانی ۱۲۸۹ھ بیگم صاحبہ آغا صاحب گنج کے ساتھ حج و زیارات کو روانہ ہوئے اور ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۲۹۰ھ کو وطن واپس آئے۔

کربلائے معلیٰ میں سات برس عراق میں، جناب سید حسین ترک نجفی۔ سرکار مرزا محمد حسن شیرازی، آخوند ملا حسین اردکانی۔ مرزا ابو تراب مشہور بہ میرزا آغا قزوینی اور شیخ مازندرانی سے فیوض حاصل کیے علی حسین صاحب نے اس لیے فقہ پر عبور تھا اور اصول میں مہارت تھی۔

۹ شوال ۱۳۱۰ھ میں وفات پائی۔ بے بہا، لیکن تکملہ نجوم السماء میں تاریخ وفات ۱۸ یا ۲۳ رمضان ۱۳۱۱ھ لکھا ہے۔

تالیفات: • تذکرۃ الانسانؑ۔ ادعیہ۔ • ادویہ حافظہ۔ فارسی۔ • حیعۃ المیتہ فی النھی عن الغیبہ (فارسی)۔ • قسطاس مستقیم۔ مناظرہ۔ • دلیل العصاۃ علی سبیل النجاۃ در توبہ (عربی)

- ذخائر در احکام کبائر فارسی مطبوعہ۔ • خمسۂ متحیرہ رد قول مولوی سلامت اللہ در سوز تلخ
- زھرۂ مشرقہ شرح خطب موتلفہ (فارسی۔ مطبوعہ) • بیاض حسینی انتخاب اشعار فارسی عربی
- تعلیقات بر شرح باب حادی عشر عربی۔ • تعلیقات بر شرح ملاجامی عربی۔
- تذکرۃ المتعلمین۔ عربی۔ • تحقیق علویہ در تصدیق نوری۔ • نسیم سحر اردو نظم۔
- اسالیب الادبیہ فی المکاتیب العربیہ (عربی) •
- لسان الصادقین فی شرح الاربعین۔ • افحام الخصوم۔ • انحدار السیل فی تحقیق نصف اللیل۔

اولاد: دو فرزند یادگار چھوڑے: • مولوی محمد یعقوب صاحب۔ • مولوی محمد ابراہیم (بے بہا: ۲۳۰)

.. ..

علی حسین، لکھنوی، زین العلماء:

۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۷ء

مولانا سید علی حسین بن سید العلماء سید حسین لکھنؤ میں پیدا پرورش ہوئے۔ اپنے والد سے فقہ و اصول و تفسیر و حدیث، عقائد و علوم دین حاصل کیے اور مشاہیر طب سے طب پڑھی۔

واجد علی شاہ مرحوم نے زین العلماء عضد الدین خطاب دیا۔ ۱۲۹۴ھ میں رحلت کی۔ مرزا دبیر مرحوم نے قطعۂ تاریخ میں لکھا:

مرگ فرزند علی، واقعۂ اکبر بود   رفت از مرگ علی، راحت و آرام حسین

(نزہۃ ج ۷، ص ۳۳۲ - حیات دبیر ج ۱ ص ۲۸۸)

.. ..

علی حسین، امروہوی:

۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء

مولانا سید علی حسین بن سید محمد علی[1]، محلہ نوگیان امروہہ کے رئیس اور زمیندار و معافی دار تھے۔ آپ کے جدِ امجد سید شاہ نصیر الدین غازی کا مزار اب تک موجود ہے۔ مولانا علی حسین صاحب قبلہ امروہے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنؤ جا کر جناب سید العلماء مولانا سید حسین صاحب تلمذ خاص تھا۔ جناب ملک العلماء بندہ حسین نے لکھنؤ سے عمامہ و قبا بھجوائی تھی۔ علوم معقول و منقول حاصل کرنے کے بعد

---

[1] تذکرہ بے بہا میں نام صحیح نہیں۔ ہم نے ابتدا میں مختصر لکھا تھا لیکن تکملہ نجوم السماء میں ہے۔ علی حسین بن محمد علی بن مظفر علی النقوی الفخری النگانی اصلاً والامروہوی مسکناً

وطن میں درس جاری کیا۔ اور بہت سے طلبا نے تلمذ کیا۔ آخر عمر میں بصارت سے معذور ہو گئے تھے۔ اس لیے مولوی احمد حسن صاحب کتابیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ مسجد کی امامت اور طلبا کی تدریس کے علاوہ شب و روز بیماروں کا سلسلہ رہتا تھا۔ آپ کو خدا نے یہ نعمت عطا کی تھی کہ نمک کے پانی میں کچھ دم کرتے تھے۔ بیمار شفا پاتے تھے۔

مولوی تراب علی، مولوی محمد حسین، مولوی واجد علی، مولوی فضل علی صاحبان علماء اہل سنت سے تفسیر بیضاوی اور علم الثبوت جیسی کتابیں پڑھی تھیں۔ اس لیے ان حضرات نے بھی اجازے دیے تھے۔ بروایت بے بہا مولانا نے ۱۳۱۷ھ وطن میں رحلت کی اور خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔ تکملہ میں ۵ ربیع الثانی ۱۳۱۶ھ لکھا ہے۔

اولاد: • سید ابو الحسن۔ • سید محمد ابراہیم۔ (بے بہا ص ۲۴۴)

علی حسین، ابراہیم آبادی (مجتہد):

حدود ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء

۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء

مولانا سید علی حسین صاحب ابراہیم آباد ضلع بنگی (ہند) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ممتاز العلماء مولانا سید ابراہیم صاحب قبلہ و قائمۃ الدین مولانا محمد علی صاحب، مولانا سید احمد علی محمد آبادی جناب مولانا حامد حسین صاحب سے درس لے کر عراق گئے اور وہاں کے اکابر سے اجازات حاصل کیے۔ آخر عمر میں ملا ابو القاسم حائری لاہوری و جناب مولانا سید باقر صاحب قبلہ سے بھی اجازے لیے تھے۔

آپ نہایت نحیف الجثہ، اور ضعیف البدن تھے مگر بڑھاپے میں بھی نوافل یومیہ و تہجد ترک نہ فرمائے۔ کمر جھک جاتی تو چادر سے باندھ لیتے تھے۔

کم و بیش چالیس برس تک کھجوے میں قیام فرمایا اور اپنے عمل و تعلیم سے پوری بستی کو واقف مسائل و پابند نوافل و تہجد بنا دیا۔ جناب تاج العلماء علی محمد صاحب قبلہ نے آپ کو پٹنے میں طلب فرما کر نواب سید لطف علی خان کی مسجد میں اپنا نائب اور قائم مقام بنا دیا تھا۔

مولانا علی حسین صاحب قبلہ نے اسّی برس کی عمر پا کر رجب ۱۳۱۹ھ میں رحلت کی۔ اور اپنے وطن میں دفن ہوئے۔ • رمی الجمرات جواب آیات بینات (مطبوعہ) (بے بہا ص ۲۰۶)

علی حسین (کھجوہ):

۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء

۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۲ء

مولانا سید علی حسین بن مولانا غلام صادق، جناب سید باقر صاحب قبلہ کے تلامذہ میں تھے۔ فاضل و متقی و زاہد ۱۳۲۳ھ میں ریاست مرشد آباد کے امام جمعہ و جماعت ہوئے اور والد کے سامنے ۲ جمادی الثانیہ ۱۳۵۲ھ کھجوے میں رحلت کی (تکملہ)

علی حیدر : ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء — ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء

۱۳۰۲ھ کھجوہ ضلع سارن میں مجاہد بالقلم مولانا علی اظہر صاحب کے یہاں وہ فرزند پیدا ہوا جس کا نام علی حیدر رکھا گیا۔ اس وقت مولانا سید حسن باخدا زندہ تھے۔ علی حیدر نے مقدس دادا اور مجاہد باپ کی گود میں آنکھیں کھولیں اور چار پانچ سال کی عمر میں، قرآن مجید و دینیات پڑھلی، پھر ہائی اسکول میں داخل ہوئے ۱۳۲۱ھ میں ہائی اسکول کا امتحان پاس کر کے انجنیئرنگ کالج میں نام لکھوایا، لیکن ڈاکٹروں نے سینہ کمزور قرار دے کر تعلیم سے روک دیا۔ مولانا علی اظہر صاحب ۱۳۲۲ھ عیال و اطفال کے ساتھ زیارت عتبات عالیات کے لیے گئے۔ اس سفر میں مولانا الحکیم علی اظہر صاحب نے آیۃ اللہ حسین مازندرانی۔ آیت اللہ شیخ محمد طہٰ نجفی، آیت اللہ شیخ شریعت اصفہانی، آیت اللہ سید کاظم یزدی سے اجازے لیے اور مولانا علی حیدر صاحب نے ان اکابر کی زیارت کی۔ وطن آئے تو اپنے والد کے مشاغل تصنیف و تالیف میں ہاتھ بٹانے لگے۔ تقریباً تین سال تک والد سے مستفید رہ کر ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء میں لکھنؤ جانے پر آمادہ ہوئے۔

مولانا علی اظہر صاحب اپنے بھائی مولوی محمد حیدر صاحب ایڈیٹر الشمس اور علی حیدر صاحب کے ساتھ لکھنؤ آئے اور فرزند کو اکابر علما و اساتذہ کی خدمت میں پیش کر کے وطن چلے۔ علما نے نوجوان کو علوم جدیدہ سے باخبر صاحب قلم و صاحب نظر دیکھا تو بہت محبت کرنے لگے۔ تمام علما سے خاندانی روابط تھے۔ سب نے خاص توجہ کی اور ہونہار، محنتی، ذہین اور وسیع معلومات طالب علم نے سب کے دلوں میں گھر کر لیا۔ بنیادی علوم و فنون میں پختگی ہو چکی تھی۔ ادھر پنجاب یونیورسٹی کے امتحان مولوی فاضل کی دھاک بیٹھی تھی۔ اس امتحان میں کامیابی طرۂ امتیاز سمجھی جاتی تھی۔ مولوی علی حیدر صاحب ۱۳۲۸ھ میں لاہور آئے۔ اورنٹیل کالج میں داخلہ لیا۔ دو سال پڑھنے کے بعد ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء میں مولوی فاضل کا امتحان دے کر گھر ہوتے ہوئے لکھنؤ واپس پہنچے۔ پنجاب یونیورسٹی میں فرسٹ پوزیشن کے ساتھ مولوی فاضل کی سند نے علمی حلقے میں ان کی دھاک بٹھا دی۔ مدرسۂ سلطان المدارس میں ان کی جگہ محفوظ تھی۔ جناب باقر العلوم سید باقر صاحب قبلہ کی غیر معمولی محبت و پدرانہ شفقت نے طلبہ کو سر بلند بنا رکھا تھا۔ مولانا علی حیدر صاحب نے تقریری و تحریری مقابلوں میں ممتاز کامیابیاں حاصل کیں۔

جناب مرزا یوسف[1] حسین صاحب قبلہ فرماتے ہیں :

"میں سلم العلوم (جماعت نہم) کا طالب علم تھا اور مولانا علی حیدر صاحب صدر الافاضل کے آخری سال میں

---

[1] مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ ۲۵ شعبان ۱۳۱۸ھ کو لکھنؤ میں ہوئے۔ سلطان المدارس سے صدر الافاضل اور (حاشیہ آگے)

ان کے ساتھ غالباً مولانا حیدر حسین صاحب نکہت، ملا یوسف صاحب، مولانا محمد صادق صاحب برادر مولانا جعفر صاحب ہیں۔ اور مولانا سید محمد صاحب امروہوی پڑھتے تھے۔ اس جماعت کا امتحان اس لیے یاد ہے کہ میں نے سلم کا پرچہ آٹھ گھنٹے تک لکھا اور مولانا کی جماعت دس بجے دن سے تقریباً نصف شب تک جواب لکھتی رہی :

۱۳۳۶ھ میں صدر الافاضل سے فراغت پائی۔ وطن آئے تو والد کو معروف تصنیف و تالیف دیکھا اس وقت الشمس و اصلاح دو ماہ نامے نکل رہے تھے۔ مولانا علی اظہر صاحب کے تالیفات الگ تھے۔ لہٰذا والد کا ہاتھ بٹانا شروع کیا۔ دین یا دنیا ؟ :۔ کھجوہ میں ایک ذہین، قابل، صاحب قلم، مفرز انٹرنس پاس علوم دین کا عالم سب کے لیے دلچسپی کا باعث تھا۔ خاندان کے ترقی پسند چاہتے تھے کہ علی حیدر نوکری کر لیں اور شوق خدمت دین کا تقاضا تھا کہ خبردار، یہ نہ کرنا۔ اسی اثنا میں بنگال کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر تعلیمات کا خط آیا کہ پریسیڈنسی کالج میں عربی لکچرار کی جگہ خالی ہے، ایک سو پچیس روپے تنخواہ ہوگی۔ درخواست بھیج دو۔ ادھر اس سے کم تنخواہ پر مدرسۂ سلیمانیہ پٹنہ میں طلب تھی۔ آپ نے مدرسے کو ترجیح دی اور لکچرر شپ ٹھکرا دیا۔ مولانا سمجھتے تھے کہ پٹنے میں رہیں گے تو پریس کا انتظام خاطر خواہ ہو جائے گا۔

لکھنؤ سے طلب سلطان المدارس کی تنظیم نو :

ابھی چھ ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ سرکار باقر العلوم نے لکھنؤ طلب فرمایا کہ سلطان المدارس میں افسر مدرس کی جگہ پر نامزد ہو چکے تھے۔

مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ فرماتے ہیں :

ابتداءً مدرسۂ سلطان المدارس میں ایک ایک استاد دو دو جماعتوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ اور عموماً تمام کتابیں کامل و مکمل پڑھائی جاتی تھیں۔

صدر الافاضل کے پانچ سال۔ سید ہادی صاحب قبلہ دو سال ان سے پہلے مفتی محمد حسین صاحب دو سال میں شرائع الاسلام۔ مقامات حریری اور سلم العلوم وغیرہ کا درس دیتے تھے۔ نصف اول پہلے سال نصف آخر دوسرے

مدرسۃ الواعظین سے تکمیل تعلیم کے بعد ۱۹۲۸ء سے ڈیرہ اسماعیل خان (پنجاب) میں واعظ نامزد ہوئے۔ پھر پاراچنار میں قاضی شریعت ہوئے۔ آپ نے پورے برصغیر کا دورہ کیا اور بہت بڑے بڑے دینی اور قومی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک کام میری اس تالیف میں فراہمی اطلاعات کا کام بھی ہے کہ قبلہ و کعبہ سے زیادہ کسی نے میری مدد نہیں فرمائی۔ اطال اللہ بقاءہم ۱۹۷۵ء سے مدرسۃ الواعظین مظفر المدارس لاہور کے صدر مدرس ہوئے۔

مفتی صاحب سے پہلے مولانا جعفر حسین صاحب پڑھاتے تھے۔ انھوں نے مدرسہ چھوڑا تو وجاہت حسین ناظم صاحب ان کی جگہ آگئے، ناظم صاحب کے ذمہ تھی۔ کافیہ، شرح تہذیب، ہدایۃ الصدایہ، نفر الیین وغیرہ۔ اور دوسری جماعت کو شرح جامی، قطبی، دروس البلاغہ، مختصر النافع اور شرح باب عشر پڑھاتے تھے۔ مولوی علی عابد صاحب میزان، منشعب، نحو میر، صرف میر وغیرہ - ایک اور بزرگ ہدایۃ النحو کی جماعت پڑھاتے تھے۔ ان سے پہلے داروغہ سخاوت علی صاحب کے عزیز (شاید ولی محمد صاحب) ابجد خوانی قرآن مجید، اردو، حساب، خوش خطی کی جماعت کے استاد تھے۔

مدرسے میں مولانا محمد رضا صاحب قبلہ کے آنے سے کچھ تبدیلیاں ہوئیں۔

نو جماعتیں بنائی گئیں، ہر جماعت کے لیے ایک استاد کا تقرر ہوا۔ صدرالافاضل پانچ سال کے بجائے دو سال کی جماعت قرار پائی اور پہلی تین جماعتوں کو سندالافاضل کی جماعت کا نام ملا۔

اس وقت مدرسے کے اساتذہ یہ تھے: ولی محمد صاحب، سید علی صاحب، علی عابد صاحب، وجاہت حسین صاحب، مفتی محمد حسین صاحب، شاہ عبدالحسین صاحب، شاہ غلام حیدر صاحب مدرسے میں۔ جامعہ میں مولانا عالم حسین صاحب (ادب) مولانا محمد رضا صاحب (معقولات) مولانا محمد ہادی صاحب (فقہ و اصول) جناب باقر العلوم (فقہ و اصول و حدیث کا آخری درس)۔

۱۳۴۰ھ میں مولانا علی حیدر صاحب مدرسے کی آخری جماعت کے استاد اور افسر مدرس کے نام سے معین کیے گئے۔ ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۸ء تک وہ مدرسے میں رہے۔ اور "الکلام" کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا جس میں احقاق الحق۔ نہج البلاغہ اور عروۃ الوثقیٰ کے ترجمے کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن بھائی کی علالت اور والد کی پریشانیوں نے یہ سلسلہ منقطع کر دیا اور موصوف وطن جانے پر مجبور ہوگئے۔ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ میں مولوی محمد حیدر صاحب نے رحلت کی۔ صفر ۱۳۴۷ھ میں ان سے چھوٹے بھائی اختر حسین صاحب نے وفات کی۔ ان صدمات سے مولانا علی اظہر صاحب کام کرنے کے قابل نہ رہے۔ لہذا "اصلاح" کی ادارت اور تصنیف و تالیف کا تمام کام مولانا کے ذمہ آن پڑا۔ ۱۲ شعبان کو ۱۳۴۴ھ کو مولانا علی اظہر صاحب نے انتقال کیا۔

۱۳۵۱ھ سے ۱۳۵۸ھ تک مولانا علی حیدر نے تصنیف و تالیف کا بہت کام کیا۔ لیکن صحافت ایسا فن ہے جو وقت کے ساتھ طاقِ نسیان کی زینت بنتا چلا جاتا ہے۔ محنت اور وقت کے لحاظ سے اس کا درجہ تصنیف سے کم نہیں ہوتا مگر عمر چھوٹی ہوتی ہے۔ اعتراضوں کے جواب وقتی مسائل پر اظہار رائے اور جیسے فائدے ضرور حاصل ہوتے ہیں۔ الشمس اور شیعہ پھر اصلاح نے شعبہ صحافت میں سب سے زیادہ مدت تک یہ کام

انجام دیا۔ اور مولانا علی اظہر صاحب کا لگایا ہوا پودا مولانا علی حیدر کے ہاتھوں پھلا پھولا پھر ان کے فرزند مولانا محمد باقر صاحب کی عرق ریزی سے تناور درخت بنا۔

۱۳۶۰ھ سے ۱۳۶۹ھ تک جنگ اور اس کے نتائج نے اصلاح و الشمس کو بند کر دیا اور مولانا علی حیدر صاحب مستقل کتابیں لکھنے میں مصروف رہے۔

۱۳۶۷ھ میں پاکستان بنا۔ اس سے رہی سہی رفتار۔ اور اصلاح کی اشاعت ختم ہو گئی۔ اب مولانا ایک بڑے منصوبے کی تکمیل کے لیے کمربستہ ہوئے۔

۱۹۵۰ء میں اصلاح کا باقاعدہ اجرا ہوا اور ادارت مولانا محمد باقر صاحب کو دے دی۔ خود سوانح امیرالمومنین علیہ السلام لکھنے بیٹھ گئے۔ ۱۹۵۱ء میں ۵۰۴ صفحات اعجاز الوصی کے نام اور ۱۹۵۲ء میں چار سو صفحات قرآن ناطق کے نام سے شائع ہوئے۔

ضعف اور علالت کا سلسلہ بڑھتا جاتا تھا، جس قدر ممکن تھا لکھتے تھے اور مولانا محمد باقر صاحب اسے مکمل کرتے تھے۔ اسی زمانے میں تفسیر کا آغاز کیا اور گیارہ پارے مکمل کیے۔ عقدِ امِ کلثوم پر کتاب لکھی، تصویر بخاری لکھی۔

۳ جنوری ۱۹۵۷ء کو فالج نے مجبور کر دیا، لیکن علاج ہوا اور شفا پائی۔ اگست ۱۹۵۸ء میں پھر علیل ہوئے مگر پھر سنبھل گئے، کچھ نہ کچھ کام کرتے رہے۔ نماز جماعت تو ۱۳ رمضان تک پڑھائی مگر اس کے بعد مجبور ہو گئے اور ۱۶ رمضان ۱۳۸۰ھ ساڑھے چھ بجے یہ شمع گل ہو گئی۔

مولانا علی حیدر صاحب نے "اصلاح" کو ایک ادارہ بنایا۔ اور شعبہ تاریخ و علوم و صحافت میں دیرپا نقش قائم کیے۔ شیعہ تاریخ برصغیر میں ان کا نام جلی حرفوں سے لکھا جائے گا۔ مولانا علی اظہر صاحب نے اپنا سلسلہ خدمت مولانا علی حیدر صاحب کے سپرد کیا تھا اور مولانا علی حیدر صاحب نے اپنے فرزند مولانا محمد باقر صاحب کو اپنا قلمدان عطا کیا اور مولانا محمد باقر صاحب صدرالافاضل بڑی محنت و خلوص سے تصنیف و تالیف کے ذریعے خدمت علم و دین انجام دے رہے ہیں۔

تصانیف: مولانا کے مضامین افسوس ہے کہ جمع نہیں ہو سکے ورنہ ہزاروں صفحات کا ایک دفتر تیار ہوتا۔ اسی طرح مطالعے کا دفتر بھی ضخیم ہے۔ متفرق رسالوں کے علاوہ منضبط کتابوں کی ایک فہرست یہ ہے:-

- مجالس خاتون تین جلدیں ایک ہزار صفحات۔ • تصویر عزا پانچ سو صفحات میں عزاداری پر اعتراضات کے جواب۔ • سوانح حضرت ابوبکر دو جلدیں سات سو صفحات۔ • سوانح حضرت عمر آٹھ سو صفحات مطبوعہ۔
- تاریخ ائمہ (مع احوال انبیاء) پانچ سو صفحات۔ • جوہر قرآن، آیات سے حقانیت مذہب شیعہ پر

بحث پانچ سو سولہ صفحات مطبوعہ۔ • شہادت عظمیٰ جواب شہید اعظم از ابوالکلام آزاد، مطبوعہ۔
• نفرات الشیعہ ترجمہ کتاب الصلوٰۃ عروۃ الوثقیٰ (غیر مطبوعہ) • ترجمہ احقاق الحق ۴۰۴ صفحات ناتمام (مطبوعہ) • ترجمہ و شرح نہج البلاغہ، ۱۰ خطبات۔ • مناظرۂ مامون الرشید۔ • فضائل امیرالمومنینؑ
• احادیث حضرت عائشہؓ۔ • فضائل ولی الباری من احادیث صحیح البخاری۔ • عقد ام کلثوم مطبوعہ۔
• تصویر بنی امیہ (مطبوعہ)۔ • سوانح عمری حضرت امیرالمومنینؑ، جلد اول، اعجاز الولی، جلد دوم قرآن ناطق جلد سوم ثقل اکبر مطبوعہ۔ • مجالس انوار۔ • مجالس اطفال۔ • ترجمہ و تفسیر قرآن مجید ناتمام۔ • تحفۂ مومنات مشاہیر خواتین اسلام اور اخلاق نسواں۔ • حضرت سکینہؑ مطبوعہ۔ • عزاداری نور خدا ہے۔ • دو ہزار صفحات کی قاموس جوالزنا، موضوع اور حاصل مطالعہ (غیر مطبوعہ)

اولاد: متعدد فرزند اور دختران میں سے ایک مولانا محمد باقر صاحب مرحوم مولانا آغا جعفر صاحب اور مولوی سید رضی جعفر صاحب ماشاء اللہ حیات ہیں۔ (اصلاح مارچ ۱۹۶۱ء، باضافہ)

علی حیدر، طباطبائی۔ نظم:
۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۲ء — ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء

نواب مولوی سید علی حیدر طباطبائی خلف میر مصطفےٰ حسین صاحب لکھنوی حیدر گنج میں رہتے تھے۔ ۱۵ یا ۱۶ صفر ۱۲۷۰ھ کو پیدا ہوئے وطن ہی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ملا طاہر نحوی اور دوسرے علما سے علوم اسلامیہ عربیہ اور معیند صولال زادہ سے فارسی ادب کا شوق پورا کیا اور سخن گوئی میں مشق بہم پہنچائی۔

حضرت واجد علی شاہ مرحوم نے شہزادوں کی تعلیم کے لیے طلب فرمایا اور شاہی مدرسے میں پروفیسر مقرر کیا۔ اسی زمانے میں آپ نے علامہ قائمۃ الدین مرزا محمد علی صاحب سے منقولات وغیرہ کی تحصیل کی۔ پرنس حامد علی مرزا کو کب کے مشاعروں میں فن شعر کو جلا دی۔ جانشینی نے خاندان اودھ اور اولاد کی تعلیم و تربیت کا خیال آیا اور ایک شاہی اقامتی اسکول کی بنیاد رکھی، علی حیدر صاحب کو اس میں عربی پروفیسری ملی لیکن وفات واجد علی شاہ مرحوم کے بعد وہ اسکول بھی ختم ہو گیا، حیدرآباد کے مدرسۂ اعزہ کے لیے ایک استاد کی ضرورت تھی۔ اس لیے آپ کی طلبی ہوئی۔ مگر آپ آئے تو نواب عماد الملک نے کتب خانہ آصفیہ میں روک لیا۔ پھر نظام کالج میں عربی پروفیسر مقرر ہو گئے۔ اس کے ساتھ شہزادوں کی تعلیم بھی آپ سے متعلق ہوئی اور یہ بھی حکم ہوا کہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے ناظر ادب کی خدمت بھی انجام دیں۔ حیدر یار جنگ خطاب مرحمت ہوا۔

مولانا نظم خالص مُلّا تھے، لیکن ذہن رسا اور غیر معمولی قابلیت کی بنا پر مُلّا دشمن بھی ان کو واجب التعظیم جانتے تھے۔ انھوں نے اردو ادب میں نظم کو بلینک ورس اور جدید رجحانات سے آشنا کیا۔

مولانا کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ مقالات و رسائل و کتب کے علاوہ بڑا کام ادارہ وضع اصطلاحات و ترجمہ جامعہ عثمانیہ مولانا کی تاریخ وفات ۲۷ محرم ۱۳۵۲ھ / ۲۳ مئی ۱۹۳۳ء انھوں نے اپنے بعد سید احمد و سید امجد دو بیٹے چھوڑے۔

تصانیف: • شرح دیوان امراء القیس (اردو) • شرح تشریح الافلاک (عربی) • ترجمہ تاریخ طبری جلد دوم (اردو) • ترجمہ تاریخ یورپ (اردو، سنسکرت) • مقالات و مضامین۔ • شرح دیوان علی علیہ السلام
• دیوان اشعار، عربی، فارسی و اردو۔ (منظر الکلام ص ۱۱۲، بعد طبع حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ سید اعجاز حسین، قومی زبان دسمبر ۱۹۶۷ء (مختصر تاریخ ادب اردو ص ۲۰۶ طبع دکن ۱۹۴۸ء)

علی داور، صدر الافاضل:
۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء

مولانا سید علی داور صاحب خاندان اجتہاد کے فعّال، خطیب و مصنف تھے۔ آپ نے ماہنامہ "مبلغ" کے ذریعے علمی فضا قائم کی اور آل غفران مآب کے اکابر علما کی سیرت و سوانح پر وقیع کام کیا۔ ۱۳۵۲ھ لکھنؤ میں رحلت کی۔

علی رضا، تجلی:
۱۰۸۵ھ / تحریر ۱۶۷۴ء

ملا علی رضا شیرازی برصغیر کے ان علما میں ہیں جو مرجعیت کے مرتبہ پر فائز ہوئے اور نور اللہ شوشتری شہید ثالث کے بعد وہی اس خطے کے عالم و فقیہ کل مانے گئے۔ اس عظمت کا سبب ان کی ذاتی قابلیت اور فقہی مہارت کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ وہ اس زمانے کے سب سے بڑے فقیہ آیۃ اللہ، سید حسین خوانساری (م ۱۰۹۹ھ) کے شاگرد اور ان سے اجازہ یافتہ تھے۔ نوجوانی کے عالم میں ۱۰۵۰ھ جلوس شاہجہانی میں وارد ہند ہوئے اور شاہ جہان نے ان کا شاندار استقبال کیا پہلے نظیری نیشاپوری نے گجرات میں رکھا، پھر علی مردان خان نے اپنے فرزند ابراہیم خان کا اتالیق مقرر کیا، تمام امراء و ارکان سلطنت ان کا احترام کرتے تھے علی مردان خان کی توجہ سے دہلی، لسوہدرہ، لاہور، کشمیر میں بڑے بڑے علما جمع ہوئے۔ جن میں ملا سعید اشرف مازندرانی اور ملا علی رضا تجلی کے نام بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ملا علی رضا نے قرآن مجید کی ایسی تفسیر لکھی کہ بقول احمد علی خان سندیلوی ان کے عہد (۱۲۱۸ھ) تک متداول رہی۔ بعبارت مخزن الغرائب "تفسیر کلام مجید بعبارت فصیح و واضح نوشتہ، درمیان فضلا متداول است" (ج ۱ ص ۴۲۰)
ان کی محفل ہر وقت علما و طلبا سے لبریز رہتی تھی۔ اور مولانا شب و روز بحث و درس میں مصروف

رہتے تھے۔

ان کے نابینا والد بزرگوار، خستہ حال، دیہاتی لباس میں، وارد مجلس درس ہوئے۔ مولانا ان کو دیکھتے ہی سروقد تعظیم کو اٹھے۔ دست بوسی کی اور اپنی مسند پر بٹھایا اور مودب ہو کر بیٹھ گئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں تو فرمایا "میرے والد بزرگوار" تمام مجمع دوڑا اور سب نے احترامات و عقیدت کا اظہار کیا۔

مولانا علی رضا، گجرات، آگرہ، دہلی، لاہور، سوہدرہ، کشمیر میں سیر و گردش کے بعد اور ایک عرصے تک یہاں کے شب و روز دیکھ کر وطن پلٹ گئے۔ وہاں شاہ عباس نے پذیرائی کی۔ والدۂ شاہ کے مدرسے میں درس دیتے رہے۔ ۱۰۷۰ھ میں اردکان کے قریب جاگیر ملی لیکن شاہی پابندیوں سے دل برداشتہ ہو کر حج و زیارات کا سفر کیا۔ واپسی میں شیراز آئے اور شیراز ہی میں وفات پائی۔

ان کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف ہے:

- ہمیشہ بہار و کلمات الشعرا: ۱۰۸۸ھ / ۱۶۷۷ء
- بیل (BEALE) ۱۰۸۰ھ / ۱۶۶۹ء
- روضات الجنات ۱۰۸۰ھ / ۱۶۰۲ء

ہندی تذکرہ نگاروں نے انھیں شاعر کی حیثیت سے یاد کرتے ہوئے فقاہت و علم کا تذکرہ بھی لکھا ہے۔ سب کہتے ہیں کہ وہ اصفہان میں دینی زعامت کو پہنچے۔ روضات الجنات میں ان کا شمار آقای حسین خوانساری کے اکابر تلامذہ میں ہوا ہے۔

تصانیف: • تفسیر قرآن مجید، فارسی۔ • رسالۃ فی المنع من صلوٰۃ الجمعہ حال الغیبۃ فارسی

• رسالہ سفینۃ النجاۃ امامت۔ • رسالہ در رد محمد باقر۔ • دیوان۔

(روضات الجنات ج ۲ ص ۲۱۹، مخزن الغرائب ج ۱ ص ۲۰۰، ہمیشہ بہار، صبح گلشن، کلمات الشعراء ماثر الکرام)

علی رضا مخدوم پوری:

۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء
حدود ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

مولانا سید علی رضا بن سید اصغر حسین صاحب مخدوم پور ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے اور جناب زکی حسن صاحب زنگی پوری کے شاگرد تھے۔ شرح لمعہ و شرح مواقف وغیرہ کی تعلیم موصوف ہی سے حاصل کی۔ محمد نواب صاحب رئیس عظیم آباد کی سرکار میں منتظم تھے۔ نواب سید کاظم حسین خان بنیرہ محمد نواب صاحب کو میزان سے شرح لمعہ تک تعلیم دی۔

۱۳۰۹ھ میں زیارت عتبات سے مشرف ہوئے۔
شیخ حسین صاحب قبلہ نجفی ملا محمد طہ نجفی وغیرہم سے اجازات حاصل کیے تھے۔
۱۳۲۰ھ کے لگ بھگ رحلت کی۔ (بے بہا: ۲۶۲)

علی رضا بھیک پوری:

۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء

سید علی رضا صاحب جناب مفتی محمد عباس صاحب کے شاگرد تھے۔ یکم شعبان ۱۳۳۴ھ کو بھیک پور صوبہ بہار (ہند) میں فوت ہوئے۔

علی رضا:

حدود ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء

سید علی رضا، بڑے عالم و فاضل و متدین بزرگ تھے۔ نواب حامد علی خان آف رام پور کو آپ پر بڑا اعتماد تھا۔ آبدار خانے میں نگران و داروغگی کا منصب دیا تھا لیکن محلاتی سازش کا شکار ہوئے اور رام پور سے ہجرت کر گئے۔
۱۳۲۸ھ کے بعد تک زندہ تھے۔

علی شریف لکھنوی:

۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۵ء

مرزا علی شریف بن محمد زمان (دہلوی خان ۱۱۹۸ھ) طبیب و فقہ، منطق و فلسفہ و کلام کے فاضل تھے۔ جناب غفران مآب سے خاص تلمذ تھا۔
۱۲۳۱ھ لکھنؤ میں رحلت کی۔ (تکملہ نجوم السماء: ۲/ ۱۴۳۸)

تصانیف: مناظرے کے علاوہ حمیات پر ایک نفیس رسالہ لکھا تھا۔ (نزہۃ ج ۷ ص ۳۴۳)

علی شیر قانع تتوی:

۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء
۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۸ء

میر علی شیر قانع تتوی، متعدد تاریخی اور ادبی کتابوں کے مصنف تھے۔ ٹھٹھے میں رحلت کی۔
تاریخ وفات ۱۲۰۳ھ ہے۔

تصانیف: مقالات الشعراء۔ طبع کراچی

عباس میرزا :

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء

سید عباس میرزا ابن مولانا سید احمد حسینی اپنے عہد کے فاضل و ادیب، مقدس و متقی بزرگ تھے۔ مولانا محمود کی تلمیذ سید العلما سید حسین صاحب کے شاگرد تھے اور جناب فردوس مآب مولانا حامد حسین صاحب کے مخلص دوستوں میں تاریخ و رجال و عربی ادب خاص موضوع تھا۔

- الحصن المتین فی احوال الوزراء والسلاطین۔ عربی میں لکھی۔

عبدالشکور :

حدود ۱۰۹۰ھ / ۱۶۷۹ء

عبدالشکور ابن مخدوم عبدالواسع منشی ٹھٹھوی نواب مظفر خان ناظم ٹھٹھہ کے متوسل افاضل و علما میں تھے موصوف کی دو فارسی کتابیں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں :

- ذکر الحسین تالیف ۱۰۷۹ھ • تاریخ دوازدہ امام تالیف ۱۰۷۵ھ دونوں کتابوں میں امامت منصوصہ ائمہ علیہم السلام پر بحث بھی کی ہے۔

عبدالولی عزلت :

۱۱۸۹ھ / ۱۷۷۵ء

سید عبدالولی عزلت ابن سید سعداللہ م ۱۱۳۸ھ سورت کے علما و مجتہدین امامیہ میں تھے۔ (گلدستۂ صلحا سورت) لیکن تذکرۂ شعرا میں ان کو بحیثیت شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔ علی مددی خان کے بعد عزلت صاحب دکن عظیم آباد اور دہلی کے بعد لکھنؤ آئے تھے۔ محی الدین زور نے حیات میر محمد مومن طبع ۱۹۵۷ء ص ۲۸۸ پر لکھا ہے کہ عزلت ۱۱۸۹ھ کو حیدرآباد میں فوت ہوئے اور دائرہ میر محمد مومن میں دفن ہوئے۔

عبدالهادی :

حدود ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۸ء

سید عبدالهادی بن رفیع الدین حسین حسینی دیہانی دکن میں رہتے تھے، عالم فقیہ تھے دکن میں رسالہ نظامیہ کی شرح لکھی، انتظامیہ شیخ عبدالعلی بن علی بن عبدالعالی کرکی نے نظام شاہ کے لیے لکھی تھی۔

عبدالهادی کی شرح کا نام "ہادی المضلین و مرشد المصلین" ہے یہ شرح مفصل فقہ استدلالی میں ہے اور مصنف کا قلمی نسخہ، شرائط قضا سمیت (عربی میں) کتب خانۂ آقای شہاب الدین نجفی میں ہے۔

(فہرست نسخہ ہائی خطی ج ۳ ص ۱)

علی ضامن نونہروی :

۱۲۵۵ھ / ...

۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

فلسفی دوراں مولانا سید علی ضامن بن امداد علی نونہرہ ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے۔ مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، مولانا سید محمد صاحب عبدالحلیم بن امین اللہ اور شیخ تراب علی امروہوی فقہ میں ممتاز العلما سید محمد تقی صاحب کے شاگرد تھے۔ عمر ۲۵ سال تھی۔ ۸ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ میں وفات پائی۔

تصانیف : • حاشیہ شمس بازغہ۔ (تکملہ ۲ ص ۱۹۱، نزہۃ ج ۷ ص ۳۳۳)

علی ضامن زیدی :

۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۸ء

حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

مولانا سید علی ضامن بن علی اوسط زیدی ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم دین کی تکمیل لکھنؤ میں کی ان کی ایک تالیف اذکار الزاہرین چھپ چکی ہے جس کے آخر میں ان کے احوال اور سلطان العلماء سید محمد کی تقریظ ہے۔

علی عادل شاہ، بیجاپوری :

حدود ۹۴۱ھ / ۱۵۳۴ء

۹۸۸ھ / ۱۵۸۰ء

عالم و فاضل علی بن ابراہیم۔ عادل شاہ بیجاپور میں پیدا ہوئے۔ شاہانہ اہتمام کے ساتھ تربیت پائی۔ نحو و منطق و کلام و عقائد و علوم دین خواجہ عنایت اللہ شیرازی اور فتح اللہ شیرازی سے حاصل کیے۔

خطاطی و شاعری میں شہرت پائی۔

علم پروری و سیاست میں نامور تھے۔ ۹۶۵ھ میں تخت نشین ہو کر ائمہ اثنا عشرؑ کا خطبہ جاری کیا، علماء شیعہ کا مجمع جمع کیا اور ان کی ہمت افزائی کی۔

شب پنجشنبہ ۲۳ صفر ۹۸۸ھ میں وفات پائی۔

تاریخ ہے "شاہ جہاں شد شہید" (نزہۃ ج ۴)

علی عسکر شاہ، سید :

۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۵ء

۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء

مولوی سید علی عسکر خلف سید چراغ حسین شاہ مرلی ضلع کوہاٹ کے رہنے والے تھے۔ فارسی کے ماہر اور بقدر ضرورت صرف و نحو سے واقف تھے۔ مسائل فقہ پر عبور تھا۔ مطالعہ و درس نے معلومات کو جلا بخشی، خطابت و وعظ نے شہرت دی۔ بنگش کے عوام آپ کو عالم مانتے تھے۔

فن تجوید و قرأت میں اطراف کوہاٹ میں بڑے ماہر مانے جاتے تھے۔ قرأت اور عربی لہجہ میں تلاوت آپ کا امتیاز تھا۔

زاہد و عابد، خلیق و سخی مبلغ و واعظ تھے۔

۵ رجنوری ۱۸۸۵ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ تاریخ ولادت اور ۱۲ ر فروری ۱۹۴۰ء مطابق محرم ۱۳۵۹ھ تاریخ وفات ہے۔ (مکتوب رمزی بنگش)

.. ..

علی غضنفر :

۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء

مولانا علی غضنفر بن علی ایک خاندانِ اجتہاد کے فعال آدمی تھے۔ موصوف نے تاریخ خاندانِ اجتہاد پر بہت کام کیا۔ لکھنؤ میں وفات پائی۔

علی میاں، کامل لکھنوی :

۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۶ء

۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۵ء

نجم الدین علی عرف علی میاں کامل روز غدیر ۱۲۵۱ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ علوم دین اپنے والد ماجد جناب مولوی سید احمد علی صاحب محمد آبادی اور جناب ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب سے اور علوم ادب جناب مفتی صاحب سے حاصل کئے۔ والد کا نام اور شخصیت مسلم تھی مولانا نجم الدین نے اس روایت کو آگے بڑھایا اور فقاہت میں شہرت پائی۔

اپنے عہد کے کامل ترین بزرگ اور علم و فضل سادگی و انکساری و زہد کا یہ عالم کہ نواب منور الدولہ کی صاحبزادی سے عقد ہوا، لاکھوں روپیہ نقد، جواہرات، زیورات، مکانات وغیرہ ملے مگر وہ سب روپیہ اور جائداد تلف ہو گئی۔

تہذیب الاحکام کی شرح لکھنے میں بڑا انہماک رہا۔

شعر و شاعری سے دلچسپی تھی تمام انواع سخن میں طبع آزمائی کی اور پسندِ عام نے شہرت بخشی اسی بنا پر میر نفیس سے چشمک ہوئی اور مقابلے میں مرثیے لکھے۔ جو بہت مشہور ہوئے۔ مگر صرف مجموعہ نوحہ جات سواد غم کے سوا اور کوئی چیز شائع نہیں ہوئی۔

۹ رذی الحجہ ۱۳۲۲ھ لاولد انتقال کیا اور امام باڑہ غفران مآب میں دفن ہوئے۔ کسی نے تاریخ کہی:

نفیس و آتش ثانی بہ مرثیہ بہ غزل — فقیہ کامل و علامۂ زماں صد ہائے

فغاں کہ راز قدش شہر لکھنؤ خالی ست — فرس و سید و شاعر علی میاں صد ہائے

جناب حکیم حیدر نواب صاحب کے پاس مرحوم کے تالیفات محفوظ ہیں۔ ۱۳۲۲ھ حکیم صاحب کراچی میں

رہتے تھے اور ۱۳۹۰ھ میں وفات پا گئے۔ (بے بہا: ۲۴۷ باضافہ)

.. ..

علی قاسم نواب :

حدود ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء

نواب علی قاسم خان صاحب شیخوپور و حسین آباد ضلع مونگیر کے قدیم رئیس و عالم خاندان سے تھے۔ محمد نصیر خان اور داؤد علی خان کے پوتے تھے۔ لکھنؤ آن کر تعلیم دین کو مکمل کیا۔ اُن کے اساتذہ یہ ہیں:

- مولوی مرزا علی صاحب (قطبی و میبذی) • مولوی سید مرتضیٰ نونہروی (شرح سلم و میر زاہد و ملا حسن)
- حسام الاسلام سید نثار حسین، شرائع الاسلام و قواعد العقائد و شرح باب و شرح تجرید و سبعہ معلقہ و نفحۃ الیمن و عجب العجاب وحمد اللہ۔

مولانا علی قاسم خان اچھے خطیب اور عربی و فارسی کے شاعر تھے۔

حدود ۱۳۳۰ھ میں فوت ہوئے۔ (بے بہا: ص ۳۱۴)

.. ..

علی گل، استرآبادی :

۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۳ء

عالم و فاضل و شاعر، احمد نگر میں قیام کیا، احمد نظام شاہ کے عہد میں عزت و شہرت پائی پھر حیدرآباد جا کر منصب دار ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ ایران میں درس و تدریس کا سلسلہ رکھتے تھے مگر یہاں شاعری میں نامور ہوئے

۱۰۳۳ھ میں رحلت کی اور دائرہ میر محمد مومن میں دفن ہوئے۔ (میر محمد مومن ص ۲۸۰ بحوالہ نزہۃ الخواطر)

.. ..

علی محمد عرف مولوی چھبن صاحب :

حدود ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء

مولانا علی محمد عرف چھبن صاحب لکھنؤ میں پیدا و پرورش ہوئے۔ فقہ و اصول میں کامل الاستعداد عابد و پرہیزگار تھے۔ ذاکری میں مشہور تھے۔ فضائل و مناقب کی عبارتیں از بر تھیں۔ متعدد مقامات پر پیشنمازی فرمائی۔ لکھنؤ میں وفات پائی۔ تاریخ وفات حدود ۱۳۴۰ھ ہے۔ (بے بہا: ۲۵۴)

علی محمد، تاج العلماء :

۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء

۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء

تاج العلماء مولانا سید علی محمد ابن سلطان العلماء سید محمد کی تاریخ ولادت شوال ۱۲۶۲ھ ہے۔

(مرزا محمد مہدی صاحب نے تکملۂ نجوم السماء میں بجمعہ ماہ شوال ۱۲۶۲ھ تاریخ لکھی ہے)

میر بادشاہ علی نقاش نے تاریخ نکالی تھی۔

ہاتف این از رہ بشارت گفت   خلق شد نائب امام امم

والد علام اور معاصر اکابر علماء سے علوم دین حاصل کیے۔ یہود و نصاریٰ کی رد کے لیے عبرانی بھی سیکھی۔ حاضر جوابی اور تحقیق میں بے مثال تھے۔ جناب حسام الاسلام سید نثار حسین صاحب سے شیخ محمد علی شیخ کا مناظرہ حیدرآباد دکن میں ہوا، دکن والوں نے علمائے لکھنؤ سے جواب مانگے وہ جواب نجف و کربلا بھیجے گئے وہاں کے علماء نے جناب سید علی محمد صاحب تاج العلماء کے جوابات کی بہت تعریف لکھی۔

جناب سلطان العلماء کی وفات کے بعد مولانا علی محمد صاحب عراق تشریف لے گئے۔ اس وقت جناب آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی۔ آیۃ اللہ سید محمد بزرگ آیۃ اللہ ملا حسین اردکانی، آیۃ اللہ حسین شہرستانی، آقائی آیۃ اللہ سید علی طباطبائی وغیرہم نے ۱۲۸۵ھ میں پندرہ اجازے عطا کیے۔

وطن میں آپ کی زیادہ مصروفیت تدریس و تصنیف تھی۔ کچھ عرصے بعد آپ حج و زیارات کے لیے دوبارہ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں اکابر علماء سے دوبارہ ملاقات کی۔

لطائف: آپ کے برجستہ جواب اور خاموش کن مباحثات میں سے چند حکایتیں "تذکرہ بے بہا" سے نقل ہیں یہ واقعات لکھنؤ میں بھی مشہور تھے

کتے سے الفت کا نتیجہ:

ریل میں سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ایک صاحب سوار ہوئے۔ جن کے ساتھ کتا بھی تھا۔ فرسٹ یا سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں اس وقت بہت کم لوگ سفر کرتے تھے۔ چنانچہ اس ڈبے میں بھی دو تین ہی آدمی تھے۔ یہ صاحب جو برتھ پر بیٹھے تو سامنے مولانا کو دیکھ کر شرارت پر اتر آئے۔ لگے اس سے کھیلنے۔ جناب قبلہ و کعبہ اس اچھل کود سے منغص ہو رہے تھے۔ آخر اس شخص نے تھک کر کتے کو گود میں بٹھا لیا۔ جناب کو اب نصیحت و امر بالمعروف کا موقع ملا۔ آپ نے فرمایا "یہ امر آپ جیسے نفیس مزاج سے بہت بعید ہے۔" وہ بولے "حفاظت جان کے واسطے رکھا ہے۔ جہاں کتا ہوتا ہے وہاں فرشتہ نہیں آتا، تو ملک الموت بھی دور رہیں گے"! آپ نے فرمایا" اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو (گویا بھوت پریت) کتوں کی روح قبض کرتے ہیں وہی آپ کی بھی کریں گے۔

خدا کے بیٹے پر ایمان:

عیسائیوں سے بکثرت مناظرے فرمایا کرتے تھے ان کے پادری آپ کی علمیت و اخلاق کے

معترف تھے، ایک مرتبہ آپ علیل ہوئے، فادر فکس صاحب عیادت کو آئے۔ مزاج پرسی کے ساتھ ہی کہا اگر آپ خدا کے بیٹے پر ایمان لے آئیں تو سب بیماریوں سے نجات پا جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ لوگ نہ بیمار ہوتے نہ مرتے۔ اور فادر صاحب! جب ہم نے باپ کا ساتھ دیا تو بیٹے کے ہاتھ میں ہاتھ کیوں دیں۔   خاک از تودہ کلاں بردار

جہاد کی بات

عیسائیوں کی تبلیغ کا شباب تھا، اور ہر طرف یہ پروپیگنڈہ کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا جیسے آج کل ایک خاص گروہ نعرہ لگاتا ہے کہ مذہب استحصال کا ذریعہ ہے۔ کم فہم مسلمان اس نعرے اور پروپیگنڈے سے مرعوب ہو چکے تھے اور اہل علم اس جہاد کو دفاع کہہ کر جان بچا لیتے تھے۔

تاج العلماء سے پادری ملنگ صاحب ملنے تشریف لے گئے، باتوں باتوں میں پادری صاحب نے کہا۔ اسلام میں یہ بہت بے انصافی ہے کہ لوگوں کو بجبر مسلمان کرتے ہیں؛ چنانچہ جہاد کو فرض سمجھتے ہیں، حالانکہ عقل اسے ناروا جانتی ہے۔ جناب قبلہ و کعبہ اس بات کو ٹال گئے۔ ادھر ادھر کا ذکر کرتے کرتے "ستی" کی رسم پر آگئے۔ انگریز بڑا فخر کرتے تھے کہ یہ منحوس رسم ہم نے ختم کی۔ پادری صاحب بولے اب یہ نامعقول رواج موقوف ہو گیا۔ حکام وقت نے اس پر بڑی سخت سزائیں دی ہیں" قبلہ و کعبہ نے فرمایا۔ دنیا کا ستی ہونا تو آپ کو ایسا ناگوار ہوا کہ آپ نے حاکمانہ و جابرانہ دخل دیا اب آپ ہی سوچیے کہ آنحضرت ہمیشہ کے لیے کفار کا ستی ہونا کیسے گوارا کر لیتے اور کیوں نہ حاکمانہ انداز میں ان کو روکتے۔

دہریت و عیسائیت و یہودیت کے جواب اور ان کی کتابوں میں مہارت آپ پر ختم تھی۔ صحف سماویہ کے حافظ تھے۔ اور اسلام کے عظیم محافظ۔

تلامذہ:
- مولانا سید علی حسین صاحب زنگی پوری مجتہد۔
- مولانا سید کرم حسین صاحب جلالوی مجتہد
- جناب مولانا زین العلماء مولانا زین العابدین صاحب مجتہد نبیرۂ مفتی صاحب۔
- جناب مولانا سید کلب باقر کربلائی مجتہد۔
- جناب مولانا سید ابوالحسن مجتہد (ساکن مقبرہ) گولا گنج لکھنؤ۔
- مولانا سید محمد حسین صاحب لکھنوی مجتہد۔
- مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد
- مولانا سبط حسن صاحب مجتہد۔
- مولانا سید احمد صاحب مجتہد۔
- مولانا محمد مہدی عرف مولوی پیارے صاحب۔
- مولانا غلام علی۔
- مولانا سید کرار علی بلگرامی۔
- مولانا سید باقر مہدی جرول
- مولانا سید کلب رضا جائسی۔
- مولانا سید جواد شاہ صاحب۔
- مولانا سید سرفراز حسین
- مولانا سید محمد عسکری صاحب۔
- مولانا سبط محمد صاحب۔
- مولانا غلام حسنین صاحب بہاری پوری

- مولانا خواجہ عابد حسین صاحب سہارن پوری۔ • مولانا نواب زوار علی خان رئیس حسین آباد ضلع مونگیر
- نواب بادشاہ حسین صاحب رئیس عظیم آباد۔ • مولانا سید محمد عباس عرف مجن صاحب حدیث خوان
- مولانا مہدی حسن صاحب۔ • مولانا سید اصغر حسین صاحب نوگانوی۔ • مولانا سید علی اصغر صاحب میمن ضلع بجنور۔ • حکیم نثار حسین عظیم آبادی۔

تصانیف: تاج العلما کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اردو زبان کو علمی ذخائر سے مالا مال کیا اور اس میں سمجھنے کو بہتر سمجھا چنانچہ ان کی اکثر کتابیں اردو ہی میں ہیں:-

- ترجمہ قرآن مجید مع حواشی اردو۔ • ارشادیہ (چودھویں رات کا چاند) • تفسیر سورۂ ھل اتیٰ
- تفسیر سورۂ یوسف، احسن القصص۔ • معرکۂ آرا۔ • رسالہ قاسمیہ در عروسی جناب قاسم
- رسالہ مہدویہ۔ • شرح خطبۂ شقشقیہ۔ • موعظۂ یونسیہ۔ • موعظۂ جونپوریہ۔ • موعظۂ اکبر آبادیہ
- موعظۂ عظیم آبادیہ۔ • عید کا چاند۔ • ترجمہ الفیہ شہید۔ • رسالہ عروض و قوافی۔ • طرائف الطرائف
- متن متین فقہ عربی (غبار مفطر صوم ہے) • رسالہ عدمیۃ المثال (جواز تصویر عکسی)
- اثنا عشریہ (استدلالی) • ترجمۃ الصلوٰۃ اردو۔ • تعلیم الاطفال اردو۔ • لیلیہ تعلیق انیق (عربی)
- استخراج علوی۔ • زاد قلیل (عربی کلام) • رسالہ ساعتیہ۔ • رسالہ عدم جواز جہاد و غیبت امام
- تحقیق عجیب در عدم ضمان طبیب۔ • خطاب فاصل (حلیت قلیان) • مسائل حیدرآباد
- شرح رسالہ ذخیرہ۔ • رسالہ حکمیہ۔ • تحفۃ الواعظین۔ • رسالہ در فن تجوید۔ • صولت علویہ
- ارشاد الصائمین۔ • شرح رسالہ زبدہ (عربی) • حاشیہ زبدۃ الاصول۔ • نخبۃ الدعوات
- مثنوی غرہ منظومہ۔ • عجالہ۔ • رسالہ مفردہ ہندسیہ۔ • شرح قصائد۔ • تنقید جدید در تفسیر بعض آیات۔ • نور کا تڑکا۔ ترجمہ دعائے صباح۔ • تحقیق صدوق۔ • الدر الثمین فی نجاسۃ الغسالات۔ • رویاد حق عماد الدین

جمعہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ کو رحلت کی اور اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آپ کی وفات پر جونپور کی مسجد محاد، جامع مسجد اور دوسری مسجد کے دروازے اور دیواریں گر گئی تھیں کہ آپ ان مساجد میں نماز پڑھاتے تھے۔

فرزند: • سید علی احمد۔ • سید محمد۔ (تکملہ نجوم السماء جسے بہا: ۲۲۱ - نزہۃ ۸۷)

علی محمد شاد عظیم آبادی:

۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء
۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء

خان بہادر سید علی محمد شاد ابن سید عباس مرزا بن تفضل علی خان بارہوی (بابرہوی) بحیثیت غزل گو

اردو ادب میں جانے پہچانے ادیب ہیں۔ لیکن موصوف پرانے زمانے کی یادگار اور مذہبی تعلیم سے آراستہ رئیس تھے۔

۱۹ محرم ۱۲۶۲ھ ۶ جنوری ۱۸۴۶ء کو شہر عظیم آباد پٹنہ محلہ پورب دروازہ میں پیدا ہوئے۔ امیر صاحب علم و اقبال گھرانہ تھا۔ عرب و عجم کے مسافر، تاجر، عالم و شاعر عظیم آباد آتے تو آپ کی حویلیوں میں ٹھہرا کرتے تھے۔ شاد انتہائی کم سنی میں ان لوگوں سے ملتے۔ ان کے ادب آداب دیکھتے تھے۔ ان حضرات میں میر سید محمد صاحب فیض آبادی (ہم سن و ہم عمر میر انیس) بھی تھے جو تیس برس تک شاد کے قریب رہے۔ شاد نے مولانا فرحت حسین سے صرف و نحو۔ مولانا شیخ آغا جان پدر مولانا علی باقر آبادی، مولانا سید عبد اللہ شاہ کشمیری اور مولانا لطف علی، مولوی محمد اعظم سے ملا جامی تک نحو، سلم العلوم تک منطق، میبذی تک فلسفہ، حکیم شیخ محمد علی لکھنوی سے طب اور شیخ آغا جان سے معنی و بیان وغیرہ اور مولانا سید مہدی شاہ مرحوم سے فقہ پڑھ کر مطالعہ شروع کیا۔ جید الحافظہ، ذہین اور حاضر دماغ رئیس زادے تھے۔ شاعری کا ذوق ادھر لے گیا اور شاعری شروع کر دی۔ دس بارہ برس کی عمر تھی۔ زبدۃ الصرف پڑھتے تھے تو اسے نظم بھی کرتے جاتے تھے اور قریب قریب دو سو شعر نظم کر لیے تھے۔ ۱۲۹۰ھ میں مولوی شاہ امین اللہ نے مدرسہ قائم کیا۔ انھوں نے شاد سے منظومہ نحو کی فرمائش کی۔ آپ نے دو سو شعر لکھے اس کے بعد بیمار ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ وہ باقاعدہ طالب علم اور فاضل صاحب علم کی طرح سے پلے بڑھے اور مراحل حیات طے کرنے لگے۔ پابندیٔ مذہب کا اثر شکل صورت، لباس، خوراک اور میل جول پر نمایاں تھا۔ وہ کھلم کھلا شیعہ مذہب کی حمایت کرتے تھے۔ اور تمام فرقوں سے ملتے تھے۔ ادب و تاریخ، سیاست و اصلاح قوم کے سلسلے میں ان کی خدمتیں یادگار رہیں۔ شاد مرحوم نے بڑی شہرت و عزت کی زندگی گزار کر ۸۱ سال کی عمر میں ۸ جنوری ۱۹۲۷ء رحلت کی۔ اس وقت آپ علیگڑھ میں نواب چھتاری کے مہمان تھے، لاش پٹنہ آئی۔ سنی شیعہ حضرات نے الگ الگ نماز جنازہ پڑھی۔ ہندو مسلمانوں نے مشایعت کی اور ان کے خاندانی قبرستان، شاد منزل کے جنوب مغرب میں سپرد لحد کیا۔ ۱۹۳۲ء میں آپ کے فرزند سید حسین خان اور ۱۹۳۴ء میں آپ کے بھانجے نواب نصیر حسین خیال محو خواب راحت ہوئے۔

تصانیف: علی محمد شاد کے اردو ادب پر تصانیف کی فہرست عام ہے۔ ہم یہاں چند تالیفات کا تذکرہ کریں گے۔

- **یومیہ:** پانچ چھ جزو کا عربی رسالہ جو شمس العلما مولانا محمد حسن صادق کی فرمائش سے، "محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ" کے لیے لکھا تھا اور شیعہ طلبا کو پڑھایا جاتا تھا۔ رسالہ یومیہ

چھپ چکا ہے اس میں عقائد و اعمال امامیہ کا بیان ہے۔

- مردم دیدہ: نامور، صاحبِ کمال، تقریباً سات افراد کا تذکرہ (غیر مطبوعہ)۔ • ترجمۃ الاسلاف: فارسی میں دس بارہ جزکی کتاب (غیر مطبوعہ)۔ • حیاتِ فریاد: مطبوعہ اپنے استاد کا تذکرہ۔ • الصرف • النحو۔
- المنطق تینوں کتابیں عربی تعلیم کے لیے آسان زبان میں لکھی تھی لیکن اشاعت نہ ہوئی۔
- ذخیرۃ الادب: فنِ شعر و زبان، معنی و بیان، عروض و قوافی پر ضخیم کتاب اردو زبان، اردو املا، غیر مطبوعہ۔ • فارسی تعلیم: نصابِ فارسی، مطبوعہ۔ • اردو تعلیم: مطبوعہ۔ • نوائے وطن۔
- تاریخ صوبہ بہار: مطبوعہ۔ • نصائح الصبیان: مطبوعہ۔ • کلیات، غزل، قصیدہ، رباعی، قطعہ، تاریخ، نظم، مرثیہ وغیرہ کچھ مطبوعہ کچھ غیر مطبوعہ۔ • کشکول: (غیر مطبوعہ) • صورۃ الخیال۔
- زینۃ المقال، حلیۃ الکمال، مطبوعہ ناول۔ • فکرِ بلیغ۔ • تذکرۂ ادبا۔ (مطبوعہ)

(شاد کی کہانی، شاد کی زبانی، مرتبہ پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی)

علی نقی، سامانی :

حدود ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء

میر علی نقی، سامانہ (پٹیالہ) کے سادات علما میں تھے۔ نواب علی مردان خان کے بیٹے نواب ابراہیم خان م ۱۱۲۳ھ نے اہل سنت کے اعتراضات کے جواب اور فقہ و تاریخ پر ایک ضخیم کتاب کے لیے بورڈ بنایا تھا، اس بورڈ کے عبدالحمید سامانی اور علی نقی رکن تھے اور ان لوگوں نے بیاضِ ابراہیمی مکمل کی۔ مولانا علی نقی نے اصول کافی پر حاشیہ لکھا تھا جو کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ میں موجود ہے۔ (تکملہ نجوم السماء ۲/۲۲ء باضافہ)

علی سجاد :

۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

مولانا سید علی سجاد صاحب صدر الافاضل بھیک پوری امام جمعہ و جماعت گلزار بیگ پٹنہ نے، جولائی ۱۹۶۰ء کربلائے معلیٰ میں رحلت کی۔

موصوف بڑے عابد و زاہد فقیہ تھے۔

علی عبّاد :

حدود ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء

مولانا علی عباد صاحب صدر الافاضل بجادی ضلع جون پور کے رہنے والے، نہایت مقدس و زاہد، مدرسۂ ناصریہ جون پور کے مدرس تھے۔ حدود ۱۳۸۴ھ میں رحلت کی۔

عسکری حسن امروہوی :

حدود ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۴ء

مولانا سید عسکری حسن صاحب عالم و حافظ کتب مناظرے میں طاق متعدد رسائل و کتب لکھے۔ امروہے میں رہے اور وطن ہی میں انتقال کیا۔

اولاد : علی عباس (سپرنٹنڈنٹ پبلک لائبریری دہلی کے پاس مرحوم کے تالیفات محفوظ ہیں) سید محمد ہاشم۔ لاہور۔ (بروایت مولانا محمد محسن صاحب نبیرۂ نجم العلما)

عطا حسین :

۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء

عمدۃ العلماء الربانیین، زبدۃ الفضلاء الکاملین، مولانا مولوی عطا حسین صاحب (لولیچ فقیر) ساکن احمد پور سیال ضلع جھنگ نے ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ کو بعمر ستاون سال رحلت کی۔ مولانا زہد و اتقا میں بے بدل، علم و عمل میں لاثانی شرافت و نجابت میں کامل نماز مغربین صحت و سلامتی کے عالم میں پڑھی تعقیبات کے بعد قرآن مجید تلاوت کے لیے طلب کیا، مگر بستر پر لیٹ گئے اور سر اٹھا کر تین مرتبہ کہا — یا اللہ! انا عبدک المذنب" اور عازم جناں ہوگئے۔

ضلع جھنگ میں ان کے خاندان کی برکت و تعلیم سے ملت جعفریہ کی ترویج ہوئی۔ ان کا کتب خانہ احمد پور میں تھا اور مشہور تھا کہ اس سے بڑا کوئی کتب خانہ نہیں۔ (محمد حسن ثانٹے پوری" البرہان جون ۱۹۱۴ء)

عصمت اللہ :

سید عصمت اللہ نونہروی اپنے دور کے عالم و زاہد امیر و رئیس تھے۔ ان کے بھائی سید ضیاء اللہ نواب میر محمد جعفر آف مرشدآباد کے یہاں سپہ سالار تھے۔ اس لیے میر عصمت اللہ صاحب کے دروازے پر ہاتھی جھومتے تھے۔ عصمت اللہ صاحب نے نونہرے میں وفات پائی۔ (تکملہ نجوم السماء ج ۲، ص ۳۰۴)

علاء الملک :

حدود ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۱ء
حدود ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء

علاء الملک بن نور اللہ شوستری اکابر علماء زمانہ میں تھے۔ کردار و صفات میں اولیاء اللہ کے زمرے میں شمار ہوتے تھے۔ ہند میں اپنے والد سے پھر شیراز میں اساتذہ سے پڑھ کر وطن آئے۔ یہاں درس و تدریس میں مصروف تھے کہ شاہ جہاں نے اپنے فرزند کا اتالیق مقرر کردیا۔ شاہ شجاع انھیں کی تربیت سے شیعہ ہوا۔

علاء الملک کے بڑے بھائی شریف الدین م ۱۰۲۰ھ اور سید محمد یوسف تھے۔ ان سے چھوٹے میر ابوالمعالی مولود ۱۰۰۴ھ متوفی ۱۰۳۶ھ تھے اس لیے علاء الملک کی ولادت حدود ۱۰۰۰ھ اور وفات حدود ۱۰۵۰ھ میں ہوگی۔

تصانیف : اثبات واجب ۔ صراط الوسیط ۔ انوار الھدیٰ ۔ تہذیب المنطق ۔ تذکرہ محفل فردوس میں اشعار بھی ہیں۔ (تذکرہ مجید ۔ سبط الحسن ھنسوی)

علی بن سید ہاشم :

۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء
۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء

فقیہ و اصولی فاضل جلیل، مقدس و متقی، سخی و جواد مولانا سید علی بن سید ہاشم بن سید شجاع رضوی موسوی لکھنوی الملقب بہ ھندی۔ موصوف کے بھائی سید محمد بن ہاشم نے نظم اللئالی فی علم الرجال میں لکھا ہے کہ ان کے جد لکھنؤ سے نجف ہجرت کر کے آگئے تھے، سید ہاشم صاحب شاگرد تھے۔ شیخ محسن بن خضر نجفی کے سید ہاشم نے ۱۲۴۶ھ میں اور شیخ محسن بن خضر نے شب شنبہ ۲۹ ربیع الاوّل ۱۲۷۰ھ میں رحلت کی۔
سید علی بن ہاشم اپنے بھائی محمد سے بڑے تھے۔ ان کی ولادت ۱۲۳۹ھ اور وفات شب پنجشنبہ ۹ جمادی الثانیہ ۱۲۷۳ھ کو ہوئی۔ سید علی نے شیخ حسن بن جعفر م ۱۲۶۲ھ اور شیخ حسن صاحب جواہر الکلام سے بھی درس لیا تھا۔ اور شرف دامادی بھی پایا۔ (تکملۂ نجوم السماء ج ۲ ص ۱۲۰)

علی اصغر

متوفی حدود ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء کیننگ کالج لکھنؤ کے استاد عربی کثیر التلامذہ عالم و زاھد و عابد بزرگ تھے۔

علی سجّاد ، مُبارک پُوری :

حدود ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

مولانا الحاج شیخ جواد حسین صاحب قبلہ قاضی ھنگو، کوہاٹ کے بقول مبارک پور کے مشہور عالم بڑے میاں شیخ جان محمد کے پرپوتے مولانا علی سجاد صاحب بن میاں یار علی محلہ شاہ پور قصبہ مبارک پور میں پیدا ہوئے۔ قاضی اطہر مبارک پوری نے شجرۂ مبارکہ تذکرۂ علما مبارک پور میں لکھا ہے کہ مولانا شیخ علی سجاد صاحب نے جون پور میں مولانا منصب علی سے اور بنارس میں مدرسۂ ایمانیہ کے صدر مدرس مولانا سید محمد سجاد سے علوم دین پڑھے اس کے بعد طب کی تکمیل فرمائی، شیخ علی سجاد صاحب شیعہ علما میں خصوصی مرتبے کے مالک تھے۔ ابھرتا قد، سانولا رنگ، بڑے پائنچے کا پاجامہ، سادہ کرتا، دوپلی ٹوپی اور شیروانی پہنتے تھے۔ مولوی شکر اللہ صاحب صدر مدرس مدرسۂ احیاء العلوم سنی اور یہ شیعہ تھے مگر قصبے کے تمام معاملات یہی دونوں طے کرتے تھے۔
حدود ۱۳۹۰ھ میں رحلت کی۔ (شجرۂ مبارکہ ص ۲۴۰)

علی نقی ، لکھنوی :

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء
۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء

مولانا سید علی نقی ابن سید العلما ابن غفران مآب، عالم جلیل اور صاحب نفس پاکیزہ تھے۔ فن حساب کے ماہر اور علوم معقول و منقول میں فاضل تھے۔ سیکڑوں طلبہ کو درس دیا اور ہزاروں غربا کو نہال کیا۔ سید العلما کی طرف سے دیئے جانے والے اجازے اور تقسیم وظائف و امداد کے انتظامی امور آپ ہی انجام دیتے تھے۔
مفتی محمد عباس صاحب نے اوراق الذھب میں لکھا ہے۔
"زبدۃ العلما، معین المؤمنین، السید علی نقی جعله الله من أدلّةِ الرشاد ورقاه الی ذروة الاجتهاد وهو من الصلحاء المدرسين۔ (معين) للفقراء (من) الباكين فی مجالس العزاء علی خامس آل العباء۔ اعطاه الله ذهنا ثاقبا ورأيا صائبا۔ وله مهارة فی الحساب و نقابة للفضلاء والطلاب"
آپ نے متعدد سفر کیے ان میں سے رام پور کا سفر بہت مشہور ہے۔ اس زمانے میں نواب کلب علی خان مسند نشین تھے، ان کا تعصب مشہور تھا لیکن مولانا علی نقی صاحب کی نواب نے شاندار پذیرائی کی اور شاہی مہمان کیا۔ آپ نے شاہی مہمان خانے میں بلا خوف و خطر اذان و اقامت کہی جسے نواب سنتے رہے اور مولانا کے احترام میں کچھ نہ کہا۔
۲ رمضان ۱۳۱۱ھ لکھنؤ میں وفات ہوگی۔

فرزند : ھدایت حسین (جن کا حال آگے درج ہے) (تکملۂ نجوم السماء، بے بیاض: ۲۲۵، نزھۃ ج ۸، ص ۳۴۵)

علی ثامن :

حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

سید علی ثامن قصبہ بیلا، پرتاپ گڑھ کے رہنے والے صاحب مال و عزت تھے۔ اپنے والد اور معاصر اساتذہ سے استفادہ کیا۔ سید العلما سید محمد صاحب قبلہ کے معاصر اور جناب محمد مہدی ادیب کے ماموں تھے۔ مرزا محمد مہدی صاحب نے "تاریخ وفات و تصانیف و اولاد کے بارے میں چھان بین کی مگر تفصیل نہ مل سکی۔ بظاہر ۱۳۰۰ھ کے حدود میں رحلت کی۔
(تکملۂ نجوم السماء، ج ۲، ص ۲۳۳)

علی نقی، داعی پوری :

حدود ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء
۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء

مولانا سید علی نقی صاحب، فقیہ و حکیم، ادیب و مدرس، مقدس و متقی بزرگ تھے۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ اور جناب سید بندہ حسن صاحب قبلہ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ معقولات و طب میں کامل استاد مانے جاتے تھے کثیر التلامذہ اور کثیر الاحباب تھے۔

"کیننگ کالج" (لکھنؤ یونیورسٹی) میں استاد تھے۔ گھر پر بھی درس دیتے تھے۔ کافیہ و شافیہ از بر تھی، ۳۲ مرتبہ شرح جامی کا درس دیا تھا۔ اقلیدس و شرح چغمینی کے ماہر استاد تھے۔ شرح مسلم العلوم، صدرا، شرائع الاسلام و معالم الاصول کے پڑھانے کی شہرت تھی۔ جناب ملاذ العلماء سید بچھن صاحب کے درس خارج میں شریک ہوتے تو جان پڑجاتی تھی۔

ملاذ العلماء بڑا ادب و احترام کرتے تھے۔ توشیقات و فتاویٰ آپ ہی سے لکھواتے اور خود دستخط کرتے تھے۔
وضعدار، پابند وقت اور سادہ لباس تھے تقوے کی بنا پر لباس اتار کے بجائے چوگوشیہ ٹوپی اور انگرکھا پہنا کیے
جون ۱۸۹۰ء شوال ۱۳۰۷ھ میں تقریباً اسی برس کی عمر پاکر رحلت کی۔ (بے بہا، ۲۳۴۔ کلمات طیبہ قلمی ص ۱۹۶)

.. ..

علی نقی شاہ :

۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء

مولانا سید علی نقی شاہ صاحب بن سید غلام شاہ صاحب کا وطن سلطان پور ضلع گوڑگانوہ تھا لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ جناب فردوس مآب مولانا حامد حسین صاحب کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ وطن کے علاوہ بارہہ کی بستیوں میں رہے۔ شیخ جعفر حسین صاحب کے مدرسۂ ایمانیہ میں مدرس اول مقرر ہوئے۔
مومنین ملتان نے بلالیا اور بڑے احترام سے رکھا۔ مولانا نے ملتان میں شریعت کے رواج میں بہت حصہ لیا اور یہاں کے مومنین کو علوم دین و احکام شریعت کا پابند بنایا۔
آپ نے محرم ۱۳۳۵ھ میں ملتان میں رحلت فرمائی۔ (بے بہا، ۲۵۵)

علی نقی، حیدر آبادی :

۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء
۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

مولانا علی نقی بن مولانا سید محمد علی صاحب قبلہ و کعبہ کے لقب سے حیدر آباد میں مشہور تھے اور دکن و مدراس و میسور میں مرجعیت رکھتے تھے۔ عمامہ و عبا پہنتے تھے۔ شہرت و عزت کی حد نہ تھی۔ اعلاء کلمۃ الحق اور امر بالمعروف میں نڈر عالم تھے۔

مولانا کا اصل وطن بنگن پلی تھا (جو جنوبی ہند کی ایک شیعہ ریاست تھی) موصوف کی ولادت ۱۳ رجب ۱۲۷۷ھ کو ہوئی۔ اپنے والد علام اور معاصر اساتذہ سے تعلیم کے مختلف مراحل طے کیے۔ مولانا شیخ محمد علی خراسانی سے شرائع و شرح لمعہ وغیرہ کا درس لیا اور والد کے بعد آہستہ آہستہ مرجعیت حاصل کی۔
آپ حیدر آباد دکن میں مقیم رہے اور اپنے والد کی طرح اپنے مکان کے مردانہ حصے میں نماز پڑھاتے رہے حیدر آباد میں مساجد و جماعت پر عوام کی طرف سے قدغن رہی۔ مولانا علی نقی صاحب کی خالہ صاحبہ نے حکومت کی اجازت سے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی لیکن عوام نے ہنگامہ کرکے مسجد اور مولانا کے خلاف بہت سخت اقدامات کیے لیکن مولانا نے تمام سختیاں صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیں۔ آخر نظام نے مداخلت کی اور فیصلہ آپ کے حق میں ہوا۔
مولانا نے ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ میں رحلت کی اور دائرہ میر محمد مومن میں سپرد لحد ہوئے۔ میرے پاس مرحوم کی تصویر موجود ہے۔ (بے بہا ص ۲۶۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۳۳۳۔ حیات میر مومن)

.. ..

عماد الدین، الحجازی :

۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء

سید عماد الدین بن برکات بن جعفر بن برکات بن ابی نمی الحسنی، حجاز سے دکن آئے اور الامیر سید نظام الدین احمد نے ان کی پذیرائی کی، عماد الدین کے مدحیہ اشعار اور عربی ادب کے چند نمونے سلافۃ العصر (ص ۳۱ تا ۴۲) میں موجود ہیں۔ سید علی خان مدنی کی ملاقات ۱۰۶۲ھ میں ہوئی اور موصوف کے بقول ان کے والد ہی کے پاس جمعہ ۲۰ شوال ۱۰۶۹ھ کو وفات پائی۔ سید علی خان نے مرثیہ لکھا ہے :

لنا کل یوم رنۃ و عویل ۔۔۔ وخطب یکل الرائ وھو صقیل

(اٹھارہ شعر، سلافہ ص ۳۵)

.. ..

عماد الدین، لاہوری :

۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء

سید عماد الدین محمود حسینی، مرعشی سادات سے تعلق رکھتے تھے اور سلطان العلماء سید حسین مرعشی کی اولاد سے لاہور وطن تھا، ان کے والد تجارت پیشہ آدمی تھے۔ سید عماد الدین محمود حسینی لاہور میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کے ساتھ مشہد مقدس چلے گئے۔ اور وہاں سے تعلیم حاصل کرکے تکمیل کے لیے اصفہان گئے اور سید اسد اللہ بن سید محمد باقر (م ۱۲۹۰ھ) کے درس میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد کربلائے معلیٰ میں سید ابراہیم موسوی قزوینی سے درس لیا۔ آقائی سید ابراہیم موسوی نے اجازہ بھی مرحمت فرمایا۔

سید عماد الدین محدث، فقیہ، زاہد و عامل بزرگوار تھے۔ آپ نے ۱۲۹۷ھ بمقام مشہد مقدس رحلت فرمائی اور اپنے بعد ایک فرزند سید عبداللہ کو یادگار چھوڑا۔

تصانیف: • المنھل الرائع فی شرح الشرائع کئی مجلد۔ • شرح النتائج لسید ابراہیم القزوینی

(اعیان الشیعہ ج ۴۷۔ ص ۱۷۲)

عمار علی :

۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۸ء
۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء

مولانا سید عمار علی بن سید نظام علی ۱۲۴۴ھ سونی پت ضلع رہتک میں پیدا ہوئے۔ جناب قاری جعفر علی سے عربی اور دوسرے اساتذہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کرکے لکھنؤ میں جناب ممتاز العلما سید ابراہیم صاحب سے فقہ و اصول و تفسیر حدیث و کلام کا درس لیا۔ رہتک ضلع میں آپ نے بڑی تبلیغ فرمائی۔ چونکہ زمیندار تھے اس لیے کچھ لینے اور کہیں نوکری کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ پرہیزگار، عابد، متوکل و قانع تھے۔ حجاز و عراق ایران و شام وغیرہ جاکر تمام مقامات مقدسہ کی زیارت اور فریضۂ حج انجام دیا۔

یکشنبہ، ماہ صفر ۱۳۰۴ھ میں رحلت فرمائی اور امام باڑہ قاضی حلیم الدین محلہ قاضی زادگان کے دالان میں دفن کیے گئے۔ قبل از قیام پاکستان لوگ قبر پر پنجشنبہ کے دن فاتحہ خوانی کو آتے تھے۔ مولانا کو تفسیر قرآن مجید سے شغف تھا۔ چنانچہ ایک ضخیم تفسیر اردو زبان میں تحریر فرمائی جو دہلی سے کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔

جناب منیر دہلوی مالک مطبع یوسفی لاہور فرماتے تھے کہ مولانا ایک کمرے میں پاک فرش پر باوضو بیٹھتے اور بڑے خضوع و خشوع خوف و خشیت کے ساتھ یہ تفسیر لکھتے تھے۔ موصوف نے بڑی تبلیغ کی اور لوگوں کو فقہ و اخلاق اسلام کا گرویدہ بنایا۔

تصانیف: • عمدۃ البیان تفسیر قرآن (اردو) مطبوعہ۔ • دفع المغالطہ فارسی مناظرہ مطبوعہ
• تجہیز الموتی فقہ اردو مطبوعہ۔ • احکام نکاح فقہ اردو۔ مطبوعہ۔ • تحفہ ؛ مناظرہ اردو۔ مطبوعہ۔
• فرائض پر اردو میں رسالہ (میراث) مطبوعہ۔ • دلائل المذاہب فارسی مناظرہ۔ مطبوعہ۔ • تنبیہ المنکرین بحث متعہ۔ مطبوعہ • علامات مومن۔ اردو۔ • اعتقادیہ۔ اردو۔

فرزند: • مولانا سید محمد شاہ۔ جنہوں نے ۱۹۵۵ء کے بعد لاہور میں رحلت کی۔ (بے بہا ص ۲۵۱)

عنایت علی، سامانوی :

حدود ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء
۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

مولانا الحاج سید عنایت علی ابن سید کرم علی صاحب سادات سامانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ دیندار

گھرانے اور علم دوست خاندان میں پیدا ہوئے۔ ایک اندازہ کے مطابق ۱۲۵۴ھ سنہ ولادت ہے۔ ابتدائی تعلیم بزرگان خاندان سے حاصل کرکے پندرہ سولہ برس کی عمر میں زیارت کربلائے معلیٰ کے ارادے سے عراق کا رخ کیا۔ ہزاروں زحمتیں اٹھاکر ایران و عراق و حجاز میں حج و زیارات کے بعد علم دین حاصل کرنے کی غرض سے کربلا و نجف میں ٹھہر گئے۔ شیخ الاجل مرتضیٰ الانصاری کا عہد تھا۔ طلبا سے مدرسے بھرے ہوئے تھے۔ مولانا عنایت علی ذہین، محنتی، متقی اور جفاکش طالب علم تھے۔ آہستہ آہستہ کمال علم تک رسائی حاصل کی اور شیخ بزرگ مرتضیٰ الانصاری مؤلف رسائل کے معتمد ہوگئے۔ میں نے جناب نجم المرتضیٰ صاحب کے فرستادہ کاغذات میں ایک تحریر دیکھی ہے، جس میں کسی نے حضرت آیۃ اللہ الانصاری سے پوچھا ہے کہ سید عنایت علی آپ کے معتمد ہیں کیا انھیں نیابت زیارت مشہد مقدس کے لیے کوئی رقم ملی اور وہ زیارت مشہد کے لیے گئے ؟ آیۃ اللہ نے لکھا

"بلی، جناب سید مشار الیہ صادق و عادل و موثق می باشند و از بابت نیابت الی الآن بتوسط داعی چیزی بایشان نرسیدہ و گاہی وجہی بتوسط داعی از سرکار احیانا تا ہم التفات نرشدہ و نرسیدہ فضلا ازیں کہ بعنوان نیابت باشد۔ حررہ الاحقر مرتضیٰ الانصاری۔ مہر شریف۔ ۵ شوال ۱۲۷۵ھ" اس کے علاوہ حضرت آیۃ اللہ کی ایک تحریر مورخہ اواخر صفر ۱۲۷۶ھ ہے جس میں موصوف نے تصرف اموال شرعی و اوقاف کے امور میں حقوق عطا کیے ہیں۔ شیخ بزرگ نے شب ۱۶ جمادی الثانیہ ۱۲۸۱ھ کو نجف میں رحلت فرمائی۔ اس کے کچھ عرصے بعد مولانا عنایت علی صاحب نے حجۃ الاسلام عبد علی بن حسین، آقای علی نقی الطباطبائی۔ آقای زین العابدین بن محمد علی شہرستانی۔ آقای مصطفےٰ الحسینی۔ آقای محمد یوسف الاسترآبادی سے تصدیق نامہ لکھوایا کہ آیۃ اللہ شیخ مرتضیٰ مولانا عنایت علی صاحب پر خاص شفقت فرماتے اور ان پر اعتماد رکھتے تھے۔

ایک عربی تحریر میں کسی نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ جناب شیخ محمد صاحب نے شب چہار شنبہ جمادی الثانیہ ۱۲۷۹ھ کو خواب میں دیکھا کہ ایوان روضۂ امام حسین علیہ السلام میں دو حسین و جمیل بزرگ تشریف لائے جن کے چہرے آفتاب و ماہتاب کی طرح ضو فشاں ہیں۔ پوچھا، تو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا نام بتایا گیا۔ اتنے میں عنایت علی صاحب حاضر خدمت ہوئے۔ آنحضرت نے جناب شیخ علی بن کاظم قاری کی طرف متوجہ ہوئے اور مجلس پڑھنے کا حکم دیا۔ شیخ علی نے اپنا مرثیہ پڑھا جس کا مصرع اول تھا۔

دموعٌ بدا فوق الخدود خدودها

اشعار ختم ہوئے تو آنحضرتؐ نے سید عنایت علی صاحب کو حکم دیا کہ باغ سے رطب لے آؤ۔ وہ رطب لائے۔ حکم ہوا لوگوں کے سروں پر نچھاور کرو۔ پھر فرمایا یہ رقعے لو اور ان رقعوں پر لوگوں کے لیے امان تحریر تھی مولانا نے وہ رقعے بھی نچھاور کیے

اس خواب سے جناب عنایت علی صاحب کا تقدس اور کمال تقرب کا حال معلوم ہوتا ہے۔

مولانا محمد کاظم صاحب کی روایت ہے کہ مولانا کے پاس چونسٹھ اجازے تھے۔ اس سے ان کے اساتذہ کی کثرت اور متعدد علماء سے کسب فیض پر روشنی پڑتی ہے۔ افسوس ہے کہ وہ ذخیرہ تقسیم ہند کے موقع پر ضائع ہو گیا، مرحوم کے پوتے جناب نجم المرتضیٰ صاحب کے پاس جو منتشر اوراق ہیں ان میں کسے بائیس سے زیادہ اجازات میں نے دیکھے، مثلاً۔

- اجازہ علی نقی بن حسن بن محمد علی الطباطبائی ۱۲۷۰ھ نیز ۱۲۸۲ھ اور تین اجازے بلا تاریخ، میرا اندازہ ہے کہ مولانا عنایت علی صاحب قبلہ کا موصوف سے زیادہ عرصے تک تلمذ رہا۔
- وکالت نامہ و اجازہ تصرفات و حقوق از شیخ بزرگ آیۃ اللہ الاکبر شیخ مرتضیٰ انصاری مورخہ ۱۲۷۶ھ
- اجازہ شیخ محمد بن رضی نصف شعبان ۱۲۷۶ھ۔ • اجازہ محمد علی الموسوی الحسینی الشہرستانی ۲ر شعبان ۱۲۷۹ھ
- اجازہ روایت شیخ علی بن مرزا خلیل طہرانی ۳۰ر ربیع الثانی ۱۲۸۱ھ • اجازہ مفصلہ از شیخ المحدث علامۃ النوری الطبرسی حسین بن محمد تقی صاحب مستدرک الوسائل مورخہ ۲ر جمادی الاولیٰ ۱۲۸۱ھ نجف۔
- اجازہ مفصلہ از علامہ محمد حسین بن شیخ ہاشم کاظمی نجفی۔ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ • اجازہ نوح بن شیخ قاسم الجعفری النجفی جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ۔ • نیز دوسری تحریر بھی اسی تاریخ کی موجود ہے اور دوسروں کے اجازات پر مہر بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید عنایت علی کو موصوف سے بھی تلمذ خاص حاصل تھا۔
- اجازۂ علامہ محمد حسین یزدی اردکانی شوال ۱۲۸۲ھ۔ • اجازۂ علامہ ابو تراب القزوینی ۲۰ر شوال ۱۲۸۲ھ
- اجازۂ محمد حسین بن علی الہمدانی ۲۵ر شوال ۱۲۸۲ھ۔ • علامہ محمد یوسف الاستر آبادی ۲ر شعبان ۱۲۸۶ھ
- علامہ مہدی بن شیخ علی بن شیخ جعفر کے اجازے پر شیخ جعفر بن شیخ علی کی مہر بھی ہے۔
- شیخ جعفر بن شیخ علی۔ • شیخ اسد اللہ بن حسن۔ • جعفر الاعسم محسن۔ • لطف اللہ الخوئی۔
- شیخ محمد حسین حائری مازندرانی۔ • عبد علی بن حسین۔ • شیخ محمد بن شیخ رضی کے اجازے

اور مہری تحریریں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً سولہ سال یعنی ۱۲۷۹ھ سے ۱۲۸۶ھ تک مولانا عنایت علی مسلسل علماء سے مربوط رہے اور عراق میں تدریس کا دورہ کم و بیش بیس، بائیس سال میں مکمل کیا۔

پیش نظر کاغذات میں ایک زر افشاں خط مہاراجہ بڑودہ بنام مہاراجہ پٹیالہ ہے جس میں مولانا عنایت علی صاحب کی آمد پٹیالہ کی اطلاع اور ان کی عظمت و جلالت کا تذکرہ ہے۔ خط کی تاریخ ۱ر اگست ۱۸۶۸ء یعنی آخر ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ مولانا ۱۲۸۵ھ سے کچھ پہلے پہلی مرتبہ وارد ہند ہوئے۔

۱۰ر اگست ۱۸۸۷ء یعنی ذی قعدہ ۱۳۰۴ھ کے اودھ اخبار لکھنؤ میں ایک مفصل مضمون بڑے القاب و آداب کے ساتھ چھپا تھا جس سے معلوم ہوا کہ مولانا اس سے اٹھارہ سال قبل بھی لکھنؤ آئے تھے۔ اور ایک تحریر جناب والاجاہ بن مرزا حیدر صاحب قبلہ کی بلا تاریخ ہے جس میں مہاراجہ پٹیالہ کو مولانا کی پٹیالے میں آمد اور ان کے احترام و جلالت علم و فضل سے مطلع کیا گیا ہے۔ چونکہ نواب والاجاہ موسوی ۱۲۷۲ء/۱۲۸۹ھ میں فوت ہوئے۔ اس لیے ممکن ہے کہ مولانا کی آمد لکھنؤ تکمیل تعلیم کے بعد ہوئی ہو اور وہ بڑودہ و لکھنؤ ہوتے ہوئے پٹیالے یا سامانے گئے ہوں۔

خلیفہ سید محمد کاظم صاحب کا بیان ہے کہ وہ نواب علی نقی وزیر اودھ کے ہمراہ سترہ اٹھارہ برس تک ایران و عراق میں قیام فرما رہے۔ اسی زمانے میں مولانا والاجاہ بہادر بھی حج و زیارات کو گئے تھے لہٰذا کیا بعید ہے کہ مولانا سے ان کا تعارف یا ان کی ہمراہی بھی اسی زمانے میں ہوئی ہو اور وہ مدعو ہو کر [illegible] ہوں۔

بہر حال مولانا کے لکھنؤ آنے کا واقعہ بھی اہم ہے۔ اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نواب آغا ابو سید مہدی حسن طباطبائی مدرسہ سلطان المدارس کے یہاں قیام فرما ہوئے۔ وہ دراصل مہدی علی خان صاحب کی والدہ کی تعزیت کے لیے آئے تھے۔ لکھنؤ میں اس وقت مرزا سلیمان قدر بہادر کا دور دورہ تھا۔ شہزادہ صاحب ان دنوں موسم گرما گزارنے کے لئے پہاڑ پر گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو مولانا سے ملے، اتفاقاً اسی زمانے میں واجد علی شاہ کی علالت سے لکھنؤ میں پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ اتنے میں کلکتے سے صحت کی خبر ملی تو شہزادے صاحب نے تشکر کے لیے ۲۰، ۲۱، ۲۲ر شوال ۱۳۰۴ھ جولائی ۱۸۸۷ء کو مجلسیں کیں۔ ان مجلسوں میں مولانا نے بڑی نفیس اور بلند معیار کی تقریریں فرمائیں، جناب نجم المرتضیٰ صاحب کے پاس اس مجلس کی تصویر تھی جو کچھ دن پہلے ضائع ہو گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عنایت علی صاحب رؤسائے لکھنؤ سے روابط دیرینہ رکھتے تھے اور لکھنؤ کے عوام ان کی تقریر پسند کرتے تھے۔

مولانا عنایت علی صاحب پنجاب کے ان علماء میں ہیں جنہوں نے بظاہر لکھنؤ سے تعلیم حاصل نہیں کی اور براہ راست اکابر شیوخ و علماء عراق سے اجازے لیے اور پنجاب و سندھ میں بڑی عزت و حرمت پائی ان کا ایک نفیس عربی خط مولانا سید محمد ابراہیم صاحب قبلہ لکھنوی کے نام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے مولانا سے وجوب و عدم وجوب جمعہ کے لیے سوال کیا تھا آپ نے چار صفحے کا جواب لکھا ہے جس میں اکابر علماء کے حوالے سے عدم وجوب بلکہ حرمت کا قول نقل کیا ہے۔ اس سے ان کی فقاہت و علمیت و احترامات کا سراغ لگانا آسان ہے۔

سامانہ و پٹیالہ کے حضرات کہتے ہیں کہ مولانا عنایت علی صاحب "صاحب کرامات، متقی"

خطیب، واعظ اور فقیہ تھے۔ پنجاب میں ان کی کوشش سے بہت سے غیر شیعہ، مذہب جعفری میں آگئے۔ اور شیعوں نے پابندی دین سیکھی۔ بدعات سے پرہیز کیا۔ ان کی زبان میں تاثیر اور عمل میں کشش تھی۔ ہندو، سکھ، عیسائی سب ان کا احترام کرتے تھے۔

عربی، فارسی، اردو میں شعر کہتے تھے مگر دیوان جمع نہ کیا جو کچھ منتشر تھا وہ ضائع ہو گیا۔

مدت تک عراق میں رہنے سے تقریر پر زیادہ عربیت میں رنگی ہوئی تھی۔ عربی اسلوب نثر نگاری بھی دلکش تھا۔ عابد و زاہد، واعظ و عامل تھے۔ اثر انگیز تقریر نے متعدد افراد کو راہِ راست پر لگایا۔ بے شمار بدعتوں کا قلع قمع کیا۔ گھر گھر دین کا چرچا ہوا۔

پنجاب میں ان کے فیوض و برکات سے بے شمار حضرات بہرہ ور ہوئے، مسجدیں اور امام باڑے بنے اور آباد ہوئے۔ دینی تعلیم پھیلی اور مدرسہ بنا۔ ان کی خدمتوں نے حلقۂ اثر بڑھایا۔ ان کی فقاہت و خطابت کا دُور دُور چرچا ہوا۔

حجۃ الاسلام آقای مرزا حبیب اللہ رشتی نے عراق سے اجازہ ارسال کیا۔ اور اس سے بڑا اعزاز یہ تھا کہ آیۃ اللہ الاکبر شیخ زین العابدین نے مقبول حسین سامانوی کے ہاتھ اپنا عمامہ، عبا، و عصا ارسال فرمایا۔

علماء ہند سے محبت و روابط تھے، صاحب عبقات الانوار، مولانا سید حامد حسین اور مولانا سید اعجاز حسین سے سفرِ زیارات کے دوران ملاقات ہوئی اور ہمیشہ اچھے تعلقات رہے۔ جناب نجم العلماء ارسطو جاہ اور دوسرے علماء اطراف و اکناف سے مراسلت تھی۔ لوگ مسائل فقہ و عقائد دریافت کرتے تھے۔ ایک مدت تک سامانہ پنجاب کا مرکز تبلیغ رہا اور مولانا کی اصلاحی تحریک کامیابی سے آگے بڑھتی رہی۔

- مولانا اپنے مواعظ میں شرعی مسائل کے بیان کے علاوہ مومنین کے کردار و اعمال کی درستی و اصلاح کی طرف خاص توجہ دیتے تھے۔ اور بر سرِ منبر قابلِ اصلاح امور کا ذکر کرتے اور ہدایت فرماتے۔

اُس زمانہ کے مومنین بھی ان کے اس قسم کے ارشادات و ہدایات کو نہایت خندہ پیشانی سے سنتے تھے اور شکر گزار ہوتے تھے اور اپنی اصلاح کرتے تھے۔

- محرم کے جلسوں میں تاشے باجے اور گتکے عام مسلمانوں کے رواج کی طرح دیکھے۔ آپ نے ہدایت فرمائی کہ جلوس ہائے عزا میں اس قسم کا اہتمام نہ کیا جائے صرف مظاہرہ غم ہو۔ چنانچہ سامانہ کے جلوس عزا شائی ہو گئے اور تمام پنجاب نے اُن کی تقلید کی۔

- سادات سامانہ عشرہ محرم کے بعد اپنے اجداد کے مزاروں پر گیارہویں بہت دھوم دھڑکے سے

سے مناتے تھے۔ تقریباً یہی عام رواج پنجاب کا تھا۔ مولانا نے ہدایت فرمائی کہ ایام عزا ۸ ربیع الاول تک ہیں ۹ ربیع الاول کو جشن کا اہتمام اور انتظام ہوا کرے۔

چنانچہ سادات سامانہ و پٹیالہ، دیگر بستی کے سادات ریاست پٹیالہ میں یہی عمل شروع ہوا۔

اُن کے شریعت کدہ پر محرم کے چاند کے بعد ۸ ربیع الاول تک روزانہ مجلس ہوتی تھی اور ۹ ربیع الاول کو جشن مسرت کا اہتمام ہوتا تھا مہمانوں کی خاطر مدارات سیر چشمی سے کی جاتی۔ قصیدہ، منقبت و مرثیہ خوانی ہوتی۔ فضائل بیان کیے جاتے اور اختتام محفل پر مولانا مرحوم اپنے دست مبارک سے لڈو اور پیسے ٹکے تقسیم فرماتے۔

مستورات ۹ ربیع الاول کو چوڑیاں، زیورات اور رنگین کپڑے پہنتی تھیں۔

ستر برس سے زیادہ عمر پا کر دو شنبہ ۱۲، ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ ۲۹ جنوری ۱۹۰۷ء صبح سات بجے پٹیالہ میں رحلت کی۔ وہیں تجہیز و تکفین و نماز ہوئی پھر سامانے میں سپرد لحد کیے گئے۔

تصانیف : • رسالہ تکرار الصلوٰۃ علی البیت۔ • رسالہ صلوٰۃ جمعہ • رسالہ در تحقیق کنیت جناب سیدہ "اُمِّ ابیہا"

اولاد : • جناب محمد مہدی جو ۱۹۴۸ء کے بعد فوت ہوئے اور اپنے بعد سید سید نجم المرتضیٰ، فضل المصطفیٰ اور سید محمد حسن صاحب کو یادگار چھوڑ گئے۔ یہ حضرات پاکستان منڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات میں رہتے ہیں۔

(بے بہا ص، ۲۲۷- • خطوط و اجازات بنام مولانا عنایت علی صاحب۔ • خطوط خلیفہ سعادت حسین صاحب بنام مولف)

عنایت علی، سہارنپوری :

۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

مولانا عنایت علی صاحب عالم و فاضل بزرگ تھے۔ سہارن پور کے محلہ یادگار میں مکان تھا۔ حکیم کاظم حسین صاحب کھتورہ میراں پور ضلع مظفر نگر موصوف کے شاگرد تھے۔ اسی طرح مولوی سید حسن علی مرحوم رئیس سہارن پور بھی موصوف کے مداح تھے۔

۱۸۵۷ء کے چھ سات برس کے بعد انتقال کیا۔

(بے بہا : ۲۲۵)

عنایت اللہ، شیرازی :

۹۸۸ھ / ۱۵۸۰ء

مولانا عنایت اللہ شیرازی المشہور بہ نواب افضل خان علم و سیاست میں درجۂ کمال کے مالک اور ملا فتح اللہ شیرازی کے شاگرد خاص تھے۔ شیراز سے بیجاپور آئے۔ آپ کی آمد سے بیجاپور میں

علمی چہل پہل شروع ہوئی۔ جوق در جوق طلباء علماء تحصیلِ علم کے لیے جمع ہوگئے آپ کا درس دُور دُور تک مشہور ہوگیا۔

علی عادل شاہ آپ کی علمی جلالت اور شخصیت سے متاثر ہوا اور آپ کو درجہ بدرجہ مناصب جلیلہ عطا کرتے کرتے نیابت تک لے گیا اور نواب افضل خان کا خطاب دیا۔

آپ نے مساجد تعمیر کیں۔ مدرسے بنوائے، علاقے فتح کیے، تعلیم عام کیا۔ دُور دُور سے اہل علم وکمال جمع کیے۔

فتح اللہ شیرازی، سید طرابلسی، سید عزیز الدین اور فضل اللہ یزدی اسی زمانے میں دکن آئے۔

آپ بڑے سخی، فاضل اور دلیر سیاست دان و جرنیل تھے۔ ابراہیم عادل شاہ کے عہد ۹۸۸ھ میں آپ کے حاسدوں نے قتل کیا۔ (نزہتہ: ج ۴)

عنایت اللہ قائنی:

۹۷۷ھ / ۱۵۶۹ء

مشہور عالم و فاضل، احمد نگر، دکن میں بعہد حسین نظام شاہ وارد ہوئے۔ بادشاہ نے شاہ گولکنڈہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ ملا عنایت اللہ نے فرائضِ منصبی خوش اسلوبی سے انجام دیئے۔ حسین نظام شاہ نے عزت و منصب میں اضافے سے سرفراز کیا۔ کچھ عرصہ بعد سیاسی اختلاف نے باہمی تعلقات بگاڑ دیئے ملا عنایت اللہ نظام شاہی حکومت سے ہجرت کرکے گولکنڈہ کے بادشاہ سے متوسل ہوئے اور کچھ دن وہاں قیام کیا۔ لیکن حسین نظام نے بلا کر احترامات بحال کر دیئے۔ حسین نظام شاہ نے ۹۷۲ھ میں رحلت کی اور مرتضےٰ نظام شاہ تخت نشین ہوا۔ مرتضےٰ نظام شاہ نے عہدۂ وکالت مرحمت کیا۔ بادشاہ کی ماں اور ملا صاحب سے اختلافات کے نتیجہ ملا صاحب قید ہوگئے اور حسین تبریزی وکیل السلطنہ نے ۷۷ ۹ھ میں قتل کروادیا۔ (نزہتہ ج ۴)

عنایت حسین شاہ بخاری:

۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء
۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء

پنجاب میں شیعہ صحافت اور مناظرے کے طویل العمر مجاہد، فاضل، مناظر، صحافی جنہوں نے سب کچھ ذاتی ذوق اور محنت سے حاصل کیا۔

عنایت علی شاہ ۱۸۷۰ء لوہرہ میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں وزیرآباد، سیالکوٹ اسٹیشن براگوکی ریلوے اسٹیشن سے تقریباً ڈیڑھ میل دور ہے۔ آج کل اس کا اور اس گاؤں کے ڈاک خانہ کا نام "درِ نجف" ہے۔

آپ کے والد جناب سید مرتضیٰ شاہ صاحب منشی فاضل و مولوی فاضل تھے اور سیالکوٹ کے افاضل میں شمار ہوتے تھے۔

عنایت علی شاہ بچپن سے ذہین تھے۔ انھیں خوش خطی اور لکھنے کا شوق تھا۔ اسکول میں پڑھتے تھے۔ اور شوقیہ طور پر قرآن مجید نقل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اسکول میں معائنہ تھا، انسپکٹر نے تحریری مقابلے کے لیے جماعت کو بٹھایا۔ تو آپ کے ساتھیوں نے شاہ صاحب کا قلم غائب کر دیا۔ لیکن جب انسپکٹر نے سوال لکھوانا شروع کیے تو شاہ نے گنے کا چھلکا اٹھا کر قط لگایا اور لکھنا شروع کر دیا۔ جب پرچہ انسپکٹر نے دیکھا تو حیرت کے ساتھ داد دی اور انعام دیا۔

انھوں نے ہوش سنبھالا تو سیالکوٹ میں عیسائی مسلمان، قادیانی مسلمان اور سُنی شیعہ مناظروں کا زور تھا۔ موصوف نے مناظروں میں دلچسپی لینا شروع کی اور آخر میں زبان و قلم سے شیعہ مناظرہ میں بڑی شہرت حاصل کی۔

درِ نجف کا اجراء: ۱۹۰۸ء میں آپ نے شیعہ مذہب کے دفاع میں ایک وقیع اخبار "درِ نجف" کا اجراء کیا۔ ۱۹۱۷ء میں اخبار کا دفتر لاہور لے آئے اور ریلوے اسٹیشن لاہور کے قریب دفتر کی عمارت کرایہ پر لی۔ اس زمانے کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ لاہور میں اس وقت "زمیندار" اخبار زوروں پر تھا۔ ظفر علی خان نے اس میں شیعوں کے خلاف کچھ لکھنا شروع کر دیا۔ شاہ صاحب کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور فوراً زمیندار سائز پر اسی سج دھج کا پرچہ بنام جواب زمیندار تیار کیا۔ بڑے حروف میں زمیندار اور چھوٹے حروف میں جواب جو کسی سے پڑھا ہی نہ جاتا تھا۔ باقی پرچہ ہوبہو زمیندار تھا۔ کتابت کے بعد چھپائی کا مسئلہ درپیش تھا۔ ہر پریس والا کان پر ہاتھ رکھ کر جواب دے دیتا کہ بابا، زمیندار تو ظفر علی خان کا ہے۔ آپ کیسے چھاپ سکتے ہیں۔ کوشش بسیار کے بعد ایک ہندو مالک پریس کی بات سمجھ میں آگئی۔ اس نے چھاپ دیا اور ہاکروں کے ذریعے لاہور کے گلی کوچوں میں نقلی زمیندار فروخت کرنا شروع کر دیا۔ آخر مولانا ظفر علی خان راہِ راست پر آگئے اور یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔ عرصہ تک درِ نجف ہفت روزہ ہی رہا لیکن ۱۹۳۱ء میں مہاراجہ کشمیر کے خلاف کشمیریوں کو تقویت دینے کے لیے اسے روزنامہ بنا دیا۔ ۱۹۳۲ء تک روزنامہ رہا۔ نام درِ نجف ہی رہا۔ لیکن اوپر ڈیلی پنجاب ٹائمز (Daily Punjab Times) لکھا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ خود خبریں مہیا کرتے۔ خود کتابت کرتے، خود مضمون لکھتے اور یوں روزنامہ تنہا فردِ واحد نے چلایا۔ عنایت علی شاہ صاحب اعلیٰ درجے کے شاعر، مناظر، مضمون نگار اور مصنف تھے۔